فتاویٰ حصاریہ
و
مقالات علمیہ
مصنف
جلد اوّل
جمع و ترتیب
ناشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون

فتاویٰ حصاریہ

و

مقالاتِ علمیہ

مصنف

محقق العصر حضرت مولانا عبد القادر حصاری رحمہ اللہ

جلد اوّل

کاوش و پیشکش

شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف حفظہ اللہ

بانی دار الحدیث راجووال اوکاڑہ

جمع و ترتیب

حضرت مولانا ابراہیم خلیل حفظہ اللہ

آف حجرہ شاہ مقیم اوکاڑہ

ناشر

عبد اللطیف ربانی مکتبہ اصحاب الحدیث

حافظ پلازہ مچھلی منڈی بالمقابل جلال دین ہسپتال

اردو بازار، لاہور

نام کتاب .... فتاویٰ حصاریہ و مقالات علمیہ

نام مصنف .... محقق العصر حضرت مولانا عبدالقادر حصاری رحمہ اللہ

کاوش و کوشش .... شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف (راجووال)

نام مرتب .... مولانا ابراہیم خلیل ججرہ شاہ مقیم

طبع اول 2012ء

مطبع .... العربیہ پرانی انارکلی لاہور

قیمت مکمل سیٹ .... سات ہزار روپے

تعداد 600

ناشر

مکتبہ اصحاب الحدیث

حافظ پلازہ، مچھلی منڈی بالمقابل جلال الدین ہسپتال، اردو بازار، لاہور

042-37321823 - 0301-4227379

دینی و عصری تعلیم کا عظیم اسلامی مرکز

دار الحدیث الجامعۃ الکمالیۃ رجسٹرڈ راجووال

ایک ہی مینار کے سائے میں دینی تعلیم کے ساتھ میٹرک، ایف۔اے

اور بی۔اے تک دنیاوی معیاری تعلیم فراہم کرنے والا عظیم الشان ادارہ

E.mail: Darulhadees.rajowal@yahoo.com

میرا نام دار الحدیث راجووال ہے

مجھے الجامعہ الکمالیہ بھی کہتے ہیں۔ مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ 1949ء کو میرا سنگ بنیاد حضرت محدث روپڑی ؒ اور الامام گوندلوی ؒ نے رکھا۔ میرے ہاں جماعت کے اکابر علماء خطاب فرماتے رہے اور دعائیں کرتے رہے، جو یقیناً قبول ہوئیں اور توحید وسنت کا نور خوب پھیلا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور انہی بزرگوں کی دعاؤں سے آج میری ایک پہچان ہے، میرے دامن میں تقریباً دو صد (200) مسافر طلباء ہمہ وقت زیر تعلیم اور قیام پذیر رہتے ہیں۔ جن کے طعام اور دیگر اخراجات کی سعادت مجھے حاصل رہتی ہے۔ ان غریب الدیار طلبہ کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ مقامی طور پر فیض حاصل کرنے والے سینکڑوں حضرات اور طالبات اس کے علاوہ ہیں۔ میں ان کے دلوں میں بستا ہوں اور ان کے آنسوؤں کا امین ہوں۔ کم وبیش (20) بیس اساتذہ وملازمین میری خدمت میں مصروف رہتے ہیں۔ میں اپنے طلبہ کو دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ گریجوایشن تک عصری تعلیم بھی فراہم کرتا ہوں، میرا شعبہ حفظ بھی مثالی ہے۔

میری عظیم الشان لائبریری میرا طرہ امتیاز ہے۔ میرا شعبہ تحقیق وتصنیف بھی سرگرم وفعال ہے، میرے اس شعبے سے چالیس کے قریب کتب ورسائل منصہ شہود پر آچکے ہیں۔ کتاب ہذا بھی میرے اس شعبہ کی بہترین علمی پیشکش ہے۔

میری کمپیوٹر لیب بھی بڑی عمدہ اور جدید تقاضوں سے ہم آہنگ ہے۔ میرے خلاف اور میری طرز کے دوسرے دینی مراکز کے خلاف طاغوتی قوتیں اپنے پروپیگنڈے اور طرح طرح کے جال بُن رہی ہیں۔ لہٰذا آپ مجھے اپنی پرخلوص دعاؤں میں ہمیشہ یاد رکھیں۔ ﴿جزاکم اللہ خیرا﴾

میرے مہتمم کا نام وپتہ درج ذیل ہے

پروفیسر عبید الرحمٰن محسن بن شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف حفظہ اللہ تعالیٰ

دار الحدیث الجامعۃ الکمالیۃ راجووال ضلع اوکاڑہ

0300-6972721-0444-870005

فہرست عنوانات جلد اول

مختلف فرق کی شرعی حیثیت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جلد نمبر اول

❀......❀......❀

مؤلف کے احوال وآثار

تازہ خواہی داشتن گرداغ ہائے سینہ را
گاہے گاہے بازخواں ایں قصہ پارینہ را

تاریخ اسلام میں بہت سی ایسی شخصیتیں گزری ہیں، جنہوں نے ہر حال میں کلمۂ حق بلند کیا۔ خواہ انہیں اس کی پاداش میں عقوبت وسزا کے کتنے ہی مرحلوں سے گزرنا پڑا۔ حضرت امام مالکؒ کے بازو خلیفہ منصور نے اس وجہ سے اکھاڑ دیے کہ آپ فرماتے تھے:

''طلاق مکرہ کی کوئی حیثیت نہیں''۔ اس نے آپ کو اونٹ پر بٹھا کر بازاروں میں بے عزت کرنے کی کوشش کی۔ لیکن آپ خود ہی لوگوں کو دیکھ کر فرماتے تھے۔ مَن عَرَفَنی فقد عَرَفَنی ومن لم یعرفنی فأنا مالكُ بن انس اقول "لیس طلاق المکرہ بشیء" (جو مجھے جانتا ہے، سو جانتا ہے اور جو مجھے نہیں جانتا (تو جان لے) کہ میں مالک بن انس ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ طلاقِ اکراہ کی کوئی حیثیت نہیں)۔

اس طرح امام احمد بن حنبلؒ کو مجبور کیا گیا کہ آپ قرآن کو مخلوق کہہ دیں۔ لیکن آپ فرمایا کرتے تھے: "القرآن کلامُ الله غیرُ مخلوقٍ" (قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، مخلوق نہیں ہے)۔

جب اس پر آپ سے اصرار کیا گیا تو فرمایا: ''اعطونی شیئًا من کتاب الله او من سنّة رسول الله (ا) (کوئی دلیل کتاب اللہ یا سنتِ رسول اللہ ﷺ سے لاؤ)۔

معتصم باللہ نے اس پر آپ کو سخت سزائیں دیں، جسم زخموں سے چُور رہو گیا۔ لیکن آپ کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔

اسی طرح حضرت مجدد الف ثانی کی شخصیت ہے، جنہیں توحید کے پرچار اور غیر اللہ سے بیزاری کے سبب گوالیار کے قلعے میں اڑھائی تین سال تک نظر بند رکھا گیا۔ شاہ ولی اللہؒ کے راست نگار قلم کو روکنے کے لیے نجف خاں کوتوال دہلی نے ان کے ہاتھ اور انگلیوں کے جوڑ خراب کر دیئے۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کو قید میں اس قدر تکالیف پہنچائی گئیں اور زہریلی دھونیاں دی گئیں کہ آپ کی بینائی جاتی رہی، جوڑوں میں مسلسل درد رہنے لگا اور جسم پر برص کے سے داغ پڑ گئے۔ شاہ اسماعیل شہید نے شرک و بدعت مٹانے کے لئے بھرپور جدوجہد کی جس کی بنا پر اہل بدعت نے آپ کو ہر قسم کی تکالیف پہنچائیں، الزام لگائے۔ آپ کی کتاب "تقویۃ الایمان" توحید پر مختصر مگر جامع کتاب ہے۔ ان کے متعلق علامہ اقبال نے کہا "اگر اسماعیل شہید کے بعد ان کے مرتبے کا ایک مولوی بھی پیدا ہو جاتا تو آج ہندوستان کے مسلمان ایسی ذلت کی زندگی نہ گزارتے"۔

آپ کی سب سے بڑی یادگار مغلوں کی سلطنت کے دم واپسیں کے وقت عین موقع ضرورت پر سرزمین ہند میں جذبہ جہاد کا پیدا کرنا ہے۔ جس کا غلغلہ آج تک تمام ہندوستان و پاکستان میں بلند ہو رہا ہے۔

پنجاب میں سکھوں کے ساتھ آپ نے متعدد جہاد کیے۔ مگر بعض لوگوں کی بے وفائی کی وجہ سے آپ اپنے پیر سید احمد شہیدؒ کے ہمراہ لڑتے ہوئے ۱۲۴۶ھ میں بمقام بالاکوٹ (علاقہ سرحد) شہید ہوئے (محمد ابراہیم سیالکوٹی، تاریخ اہل حدیث (مکتبہ الرحمٰن السلفیہ سرگودھا) ص ۲۹۲)۔

اس طرح ہندوستان کے معروف محدث استاذ الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی کے خلاف اہل بدعت نے بھرپور مہم جوئی کی تھی۔ ان پر 1864-65ء میں وہابیت کا مقدمہ چلایا گیا۔ آپ کو کم و بیش ایک برس تک راولپنڈی کی جیل میں بند کر دیا گیا۔ وہاں بھی آپ کا فیض جاری رہا۔ ایک طالب علم عطاء اللہ نے جیل میں صحیح بخاری سبقاً سبقاً پڑھی اور قرآن مجید حفظ

کیا (تاریخ اہل حدیث، ص ۲۹۶)۔

حج بیت اللہ کے لئے مکہ مکرمہ گئے تو وہاں بھی عرصہ حیات تنگ کرنے کی کوشش کی گئی۔ آخرکار اللہ تعالیٰ نے سب دشمنانِ توحید کو خائب و خاسر کر دیا اور آپ باعزت وطن واپس تشریف لائے (تاریخ اہل حدیث، ص ۲۹۶-۲۹۷)۔

الغرض استقلال و استقامت کے یہ کوہ گراں ہر دور میں عزم و ہمت کی داستانیں رقم کرتے رہے ہیں تاکہ اپنے پیچھے آنے والوں کے لیے ڈھارس کا سامان ہوں۔

یہاں ہم جس بندہ خدا کا ذکر کرتے ہیں اس نے اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے راہ حق میں تکالیف اور سختیاں اس شان سے برداشت کیں کہ کبھی پائے استقلال میں جنبش تک نہ آئی۔ میں حضرت کا تذکرہ اس وجہ سے نہیں کر رہا کہ وہ میرے نانا تھے۔ آج کل اسلاف فروشی کی روش کو دیکھتے ہوئے یہ وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ اس تذکرے کو اس قبیل سے شمار نہ کیا جائے۔ البتہ میری خوش قسمتی یہ تھی کہ ان کا نواسہ ہونے کے ساتھ ساتھ مجھے ان کی خدمت میں رہ کر سفر و حضر اور جلوت و خلوت میں ان سے علم حاصل کرنے کا موقع ملا۔ بلکہ ان کی شفقت و محبت میں رہ کر زندگی گزارنے اور آخرت سنوارنے کے انداز اور طریقوں کا پتہ بھی چلا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی پیروی میں اپنے نواسوں سے بہت محبت کرتے تھے۔

ولادت اور نسب نامہ:

آپ کا پورا نام عبدالقادر بن محمد ادریس ہے۔ آپ کے دادا کا نام مولوی محمد مستقیم تھا۔ راجپوت خاندان سے جمور ڑ برادوں تعلق رکھتے تھے۔ تحصیل سرسہ ضلع حصار کے ایک بڑے گاؤں گنگا میں 1907ء میں پیدا ہوئے۔

تعلیم و تربیت:

آپ کی قوم زیادہ تر اَن پڑھ تھی اور لڑائی جھگڑا ان کا شیوہ تھا۔ لیکن آپ کے دادا عالم دین تھے۔ آپ کے والد مولانا محمد ادریس بھی عالم دین تھے اور اپنے علاقے میں عزت و احترام کی

نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے ہی حاصل کی۔ اس کے بعد آپ کو تعلیم کے حصول کیلئے "لکھوکے" بھیج دیا گیا۔ جہاں آپ نے حضرت مولانا محمد علی لکھوی سے تعلیم حاصل کی، کافی عرصہ استاد کی خدمت میں رہے۔ ہمیشہ اپنے استاد کی خدمت کرنے پر اور ان سے ملنے والی تعلیم اور تربیت پر فخر کرتے تھے۔ اور مسائل میں ان سے اختلاف کے باوجود ان کا نام بڑے احترام سے لیتے تھے اس کے علاوہ انہوں نے کچھ عرصہ منڈی صادق گنج ضلع بہاول نگر میں غزنوی خاندان کے ایک بزرگ سے تعلیم حاصل کی۔ خاندان غزنویہ برصغیر کی علمی تاریخ میں ایک نمایاں مقام رکھتا ہے۔ مولانا عبداللہ غزنوی بہت معروف عالم تھے۔ غزنی سے ان کو اس وجہ سے نکال دیا گیا کہ وہ توحید و سنت کی تبلیغ اور شرک و بدعت کی تردید کرتے تھے۔ علماء سوء نے شکایات کر کے امیر کابل دوست محمد خاں سے ان کو ملک بدر کرا دیا۔ مولانا عبداللہ غزنوی کی اولاد میں مولانا عبدالجبار اور عبدالوحاب غزنوی مشہور عالم تھے۔ مولانا عبدالجبار کے بیٹے مولانا داؤد غزنوی مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کے امیر رہے۔ پھر ان کے بیٹے سید ابوبکر غزنوی انجنیرنگ یونیورسٹی میں صدر شعبہ علوم اسلامیہ رہے۔ بعد ازاں اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں 1975ء میں وائس چانسلر مقرر ہوئے۔ اس دوران ایک کانفرنس میں شمولیت کے لئے لندن تشریف لے گئے۔ جہاں ان کا انتقال ہو گیا "انا للہ وانا الیہ راجعون "غزنوی خاندان نہایت معتدل رہا۔ اس کے متعلق سید ابوبکر غزنوی کا یہ قول نہایت موزوں معلوم ہوتا ہے۔

"راقم مدتوں تشکیک کی وادیوں میں سرگرداں رہا اور تحقیق کی سنگلاخ راہوں سے گزر کر جب منزل کا سُراغ ملا تو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی اور مسرّت بھی کہ یہ تو وہی منزل ہے جس کی نشان دہی حضرت عبداللہ غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے کی تھی۔ میں حضرت یُوسف علیہ السلام کی اقتداء میں پکار اٹھا "واتّبعتُ ملّةَ آبائی ابراهیم واسحق ویعقوب" (یوسف:۳۸)۔

مجھے اپنے آباؤ اجداد کا مسلک عزیز ہے اور اس کے پرچار کو بہت بڑی سعادت سمجھتا ہوں۔ اس مسلک میں اعتدال کا ایک حُسن ہے۔ یہاں بے ر[illegible] اور بے لچک توحید بھی ہے، ائمہ

کرام اور اولیاء عظام کی غایت درجہ تعظیم و تکریم بھی ہے۔ یہاں صحابہ کرام سے بے پناہ محبت بھی ہے اور اہلِ بیت سے والہانہ عقیدت بھی، یہاں حدیث صحیح کو ائمہ کرام کے اقوال پر ترجیح دینے کا ذوق بھی ہے اور فقہائے کرام کی مساعی جمیلہ کا حُسنِ اعتراف بھی، یہاں شریعت کے ظاہری احکام کا التزام بھی ہے اور تزکیہ نفس اور روحانیت کا شغف بھی" (سید ابو بکر غزنوی، مولانا داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ (مکتبہ غزنویہ شیش محل روڈ لاہور) ص ۲۱۳-۲۱۴)۔

مولانا حصاری نے بچپن سے ہی بہت زیادہ محنت اور دلجمعی سے علم حاصل کیا۔ تحقیق کا ذوق و شوق فطرت نے ودیعت کیا تھا۔ "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات" والی مثال آپ پر صادق آتی ہے۔

تزویج:

تعلیم حاصل کرنے کے بعد جلد ہی ان کی شادی کر دی گئی۔ والدِ محترم اس سے قبل ہی وفات پا چکے تھے۔

خطابت و تدریس:

تعلیم سے فارغ ہو کر خدمتِ دین کے لیے اپنے ہی گاؤں میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری کیا۔ گنگا میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی بہت بڑی آبادی تھی۔ مسلمانوں کی چار پانچ مساجد بھی تھیں۔ نماز جمعہ علاقے کے لوگ آپ ہی کی اقتداء ادا کرتے تھے۔ آواز خاصی بلند تھی، بغیر لاؤڈ سپیکر کے دُور دُور تک سنی جاتی تھی۔ تقریر میں قرآن و حدیث کے حوالہ جات موتیوں کی طرح جڑے ہوتے تھے اور تاریخی واقعات تقریر کی زینت ہوتے، جبکہ برجستہ اور برمحل اشعار فصاحت و بلاغت کے ساتھ مل کر سونے پر سہاگہ کا کام دیتے۔ تقریر دعوتِ فکر و عمل دیتی اور ذہنوں کی خشک کھیتیوں کے لیے آبیاری کا کام کرتی تھی۔

تعلیمِ دین کو مسلمانوں کے لیے ضروری خیال کرتے تھے اور علمِ دین کے بغیر مسلمانیت کو گمراہی خیال کرتے تھے۔ اس وجہ سے جہاں بھی جاتے، حلقہ درس خود بخود قائم ہو

جاتا: "گنگا" میں بھی کچھ عرصہ پڑھایا، راقم الحروف کے والد محترم مولانا عبدالغفار، عالم دین اور مو لانا پروفیسر محمد حسین آزاد یہ سب لوگ آپ ہی کے تربیت یافتہ تھے۔ آپ طلباء میں تحریر و تقریر کا شوق ابھارتے اور اس کی تکمیل کے لئے ہر جمعرات کو تقریری مقابلہ کراتے اور اوّل، دوم آنے والے طلباء کو انعامات بھی دیتے۔ طلباء کو سمجھانے کا انداز بہت پیارا اور دلچسپ تھا۔ مثلاً ایک شاگرد جس کا نام عبداللہ تھا اور شادی شدہ تھا۔ اکثر درسِ قرآن میں غلطیاں کرتا اور نسیان کا شاکی رہتا۔ اس کی تعلیمی کمزوری کی وجہ پوچھی تو اس نے شکایت کی کہ مجھے بھول جانے کا مرض ہے، فرمایا بھول کر کبھی بیوی کو امی کہا ہے؟ کہنے لگا، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ فرمایا کیا خدا کا قرآن تمہاری نظر میں تمہاری بیوی کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتا؟ خدا کی شان، اس طرح سمجھانے سے اس کا یہ مرض جاتا رہا۔ فللہ الحمد!

حضرت اشاعتِ علمِ دین میں بڑی دقیق نظر رکھتے تھے، اور بخوبی سمجھتے تھے کہ کس علاقہ میں خدمتِ دین کی ضرورت ہے۔ پروفیسر محمد حسین آزاد صاحب جامعہ عباسیہ حال اسلامیہ یونیور سٹی بہاولپور میں زیرِ تعلیم تھے۔ بعض اوقات حنفی اہل حدیث کے مسئلہ پر ان سے زیادتی ہوتی۔ اساتذہ عام طور پر حنفی تھے اور طلباء بھی۔ اس سے آزاد صاحب کو کافی پریشانی رہتی۔ ایک دفعہ انہوں نے بہاولپور چھوڑنے کا ارادہ کیا اور حضرت سے اجازت طلب کی تو آپ نے موصوف کو ایک خط عربی میں لکھا اور فرمایا "لا تترك بها ولفورَ ولو تلقی فی النّار"۔

متحدہ ہندوستان کے دور میں حضرت، طلباء اور عوام کو ہندو محفلوں میں جانے سے روکتے تھے۔ آپ کو احساس تھا کہ ہندو مسلم ملا جلا معاشرہ، کچے اور اَن پڑھ مسلمان ذہنوں کے لیے سم قاتل ہے۔ ایک دفعہ آپ کے چند طلباء دیوالی پر چراغاں دیکھنے کے لیے گئے۔ وہاں انہوں نے شرارتاً مٹی کے دیئے بھی توڑ ڈالے۔ جب آپ کو پتہ چلا تو سزا کے طور پر ان سب کو بلا کر ان کے سر منڈا دیئے اور آئندہ کے لئے ایسا نہ کرنے کا وعدہ لے کر معاف کر دیا۔ آپ دوسروں کے مذہبی جذبات کا بھی احترام کرتے تھے۔ اس موقع پر سزا یافتہ طلباء کو نصیحت بھی کی۔

اس کے بعد ان طلباء نے پھر بھی حرکت کی تو ان کے ضامنوں کو بلا کر کان پکڑوا دیئے (ان لوگوں نے پہلی غلطی پر ان طلباء کی ضمانت دی تھی) کیوں کہ اصول ہے: "الخراجُ بالضّمان"۔

آپ جہاں بھی تشریف لے جاتے، لوگ جوق در جوق حلقہ درس میں شامل ہوتے، اور آپ کی شاگردی پر فخر کرتے۔ آپ دین کو مسلمانوں کی زندگی میں اپنانے کی ترغیب دیتے تھے۔ اس کے لیے نماز کی بہت زیادہ تلقین فرمایا کرتے تھے۔ اور عام زندگی کے معمولات کے سلسلے میں جتنی دعائیں رسول اللہ ﷺ سے منقول ہیں، وہ طلباء اور عوام کو سکھاتے اور ان کو پڑھنے کی ترغیب دیتے، نماز جمعہ میں شامل ہونے کی تلقین فرماتے۔ حدیث ﷺ میں ہے جس مسلمان کے نماز جنازہ میں چالیس مسلمان شامل ہو گئے اس کی مغفرت ہو جائے گی۔ فرمایا کرتے تھے کہ کاش میرے جنازے کے لیے چالیس نمازی اور پختہ مسلمان تیار ہو جائیں اور یہ وصیت بھی فرمائی میرے جنازے کو صرف نمازی کندھا دیں۔ جوانی کے عالم میں آپ جس جگہ امام مسجد ہوتے وہاں نمازیوں میں سے ایسے لوگ تیار کر لیتے جو شریعت کے مکمل پابند ہوتے اور جن کو ضروری ادعیہ اور جنازہ کی دعائیں یاد ہوتیں۔ جو لوگ نماز کی جماعت میں بلا عذر شامل نہ ہوتے ان کو جرمانہ کر دیتے۔

حق گوئی اور بے باکی:

آپ کی محافل پند و نصائح اور وعظ و تقریر کی مجالس حق گوئی اور بے باکی کی تصویر ہوا کرتی تھیں۔ خدمتِ دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کسی تنقید اور ملامت کی پروانہ کرتے۔ آپ کی پوری زندگی، حدیثِ نبویؐ "قل الحق ولو کان مُرًّا" کی زندہ تصویر تھی، ایک دفعہ چک نمبر ۴۲ نزد فقیر والی میں آپ راقم الحروف کے ساتھ تھے۔ وہاں کی مشہور دینی درسگاہ قاسم العلوم سے ایک دوست مجھے تقریر کے لیے لینے آیا، میں نے اجازت طلب کی تو فرمایا، اگر تقلید شخصی کے خلاف وہاں تقریر کرو تو تمھیں اجازت ہے ورنہ نہیں، بیانِ حق کے لیے کبھی کوئی چیز آپ کے لیے مانع نہ ہوئی۔ ایک شخص حضرت کو کچھ گندم سالانہ ہدیۃً بھیجا کرتا تھا، اس کے علاقہ میں تقریر کی۔

اس تقریر کے بعض حصوں پر اس شخص نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور گندم بھیجنا بند کر دی۔ احباب نے اس کی اطلاع دی تو فرمایا کہ کیا ہمارا رزق اس سے وابستہ تھا؟ ہمارا رزق آسمانوں سے آتا ہے اور رازق اس کا خود بندوبست فرماتا ہے۔ کبھی تقریر کو ذریعہ معاش نہ بنایا اور نہ کبھی تقریر کا معاوضہ طلب فرمایا، اگر کسی نے بخوشی کچھ دیا تو قبول کر کے طلباء پر خرچ کر دیا۔

ہندوستان میں ایک دفعہ ایک گاؤں "باے بالے" کے زمیندار کو اپنے گاؤں کے لیے عالم کی ضرورت پڑی، اس نے بہت سے علماء کو دیکھا اور پرکھا لیکن آخر معذرت کر دیتا۔ وہ کہتا تھا ایسا شخص رکھوں گا جو صاحب علم ہونے کے ساتھ ساتھ حق گوئی اور بیباکی کا نشان ہو۔ آخر حضرت کا پتہ چلا تو اس نے درخواست کی۔ آپ نے اشاعتِ علم اور تبلیغ کی غرض سے قبول کیا۔ آپ "دلیپ سنگھ" والا گاؤں میں بھی امامت اور خطابت کرتے رہے۔ اس عرصہ میں آپ کے ہاں ایک بریلوی مولوی اور معروف مناظر حافظ عبدالقادر روپڑی صاحب کا مناظرہ ہوا۔ حافظ عبدالقادر صاحب نے پانچ سو روپے پیش کیے کہ اگر یہ میرے سوالات کا جواب دے دیں تو میں پانچ سو روپے ان کی خدمت میں پیش کروں گا۔ دو اڑھائی گھنٹے مناظرہ جاری رہا۔ دوسرے مولوی صاحب راہِ فرار اختیار کر گئے اور میدان حافظ عبدالقادر روپڑی کے ہاتھ میں رہا۔ گنگا میں ایک دفعہ جوان بچیوں کی شادی کے مسائل بیان کیے۔ آپ کے رشتے کے ایک چچا، جن کی لڑکیاں جوان تھیں، اس پر سخت برہم ہوئے۔ نماز جمعہ کے بعد وہ شخص لڑائی فساد پر اتر آیا، یہاں تک کہ معاملہ عدالت میں پہنچا، آخر اس نے آپ سے معافی مانگی۔ آپ نے سنتِ نبویؐ پر عمل کرتے ہوئے معاف کر دیا۔

ایک دفعہ چند دیہاتی لوگ جو ارائیں برادری سے تعلق رکھتے تھے، شادی سے متعلق بعض مسائل پوچھنے کے لیے تشریف لائے، یہ لوگ شادیاں صرف اپنی برادری میں کرتے تھے اور اس کو عین اسلام جانتے تھے۔ آپ نے بتایا کہ برادری نوازی کوئی اسلام نہیں ہے۔ اس لیے شادیاں مسلمان ہونے کے ناتے کیا کرو اور کسی برادری یا خاندان کی قید غلط ہے، ایک شخص نے

اپنی بچی حضرت کے صاحبزادے کو دینے کا خیال ظاہر کیا تو اس شرط پر رضامندی کا اظہار کیا کہ وہ تمام اخراجات اپنی جیب خاص سے ادا کریں گے۔ وہ شخص مان گیا۔ اس رشتہ پر پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ اس شخص کا جہاد ہے کیوں کہ اس نے غلط رسوم سے بغاوت کرتے ہوئے سنتِ نبوی پر عمل کیا ہے۔ لیکن گاؤں کے لوگ مخالف ہو گئے اور آپ کو وہ گاؤں چھوڑنا پڑا۔

گنگا کی مسجدوں میں نقارے رکھے ہوئے تھے جو سب آپ نے پھاڑ دیئے۔ بے نماز کی نماز جنازہ نہ پڑھتے۔ اپنے حقیقی چچا محمد یعقوب کا جنازہ اس وجہ سے نہ پڑھا کہ وہ بے نماز تھا۔ اسے ہمیشہ نماز کی تلقین فرماتے لیکن وہ ہر مرتبہ یہی کہتا کہ آخری وقت توبہ کروں گا۔ لیکن اُسے آخر دم تک اس کی توفیق نہ ہوئی۔ چچا کی بیٹی (اور بھائی کی بیوی) بیمار ہوئی تو فرمایا کہ نماز پڑھا کرو، اس نے وضو سے بیماری میں اضافے کا خدشہ ظاہر کیا، آپ نے تیمم کا طریقہ بتایا اور اشارے سے نماز پڑھنا سکھائی، وہ آخر دم تک نماز پڑھتی رہی تو اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔

ایک دفعہ ایک بے نماز عورت کا بچہ فوت ہو گیا، لوگوں نے آپ سے درخواست کی کہ نماز جنازہ پڑھائیں۔ آپ نے بچے کی نماز جنازہ نہ پڑھائی۔ مخالفت تو ہوئی لیکن بعد ازاں اس کی والدہ بلاناغہ نماز پڑھنے لگی۔ اس کے خاوند نے کہا، بچے کی نماز جنازہ کا حرج نہیں، میری بیوی تو نمازی بن گئی۔ آپ کی کوشش ہوتی کہ رشتہ ہمیشہ توحید پرست اور دین دار کو دیا اور لیا جائے، چنانچہ علاقہ کے ایک بااثر زمیندار سید محمد جوئیہ نے برادری کے خلاف آپ کی بات مان کر اپنی بچی کا رشتہ اپنی برادری کے بجائے ایک اہلِ توحید کو دیا۔ آپ کے علاقے میں جوئیہ برادری کا ایک بے نماز شخص فوت ہوا جس کے پانچ بیٹے تھے لیکن لوگوں کے اصرار کے باوجود اس کی نماز جنازہ نہ پڑھائی۔

آپ دینی معاملات میں اس قدر سخت ہونے کے باوجود انتہائی رحم دل تھے۔ مخلوق خدا حتیٰ کہ انسانوں کے علاوہ جانوروں پر بھی رحم کی تلقین فرماتے، ایک دفعہ کسی رشتہ دار (چچا) نے ایک بلی کو مار دیا۔ اسے اس پر سخت خط لکھا۔ اور اس خط کے باہر لکھ دیا: ”ظالم کے دروازے پر

جائے" ا گنگا کے ہندو نمبردار کی والدہ مرگئی، اس نے اپنے رسم ورواج کے مطابق چالیس دن کے بعد دیسی گھی کی مٹھائی بنوائی اور گاؤں میں اعلان کیا کہ گاؤں میں ہر خاندان کا ہر فرد بلاتمیز مٹھائی لے جائے۔ لیکن آپ نے برسر عام فتویٰ دیا کہ مسلمانوں کے لئے یہ مٹھائی حرام ہے، نتیجۃً کسی مسلمان نے مٹھائی نہ کھائی۔ آپ، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، نماز کی بہت تاکید کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں عورتوں کو نماز جمعہ کا حکم دیتے اور نماز عید، عیدگاہ میں پڑھنے کو کہا کرتے۔ گنگا میں نماز عید ایک ہی جگہ پڑھی جاتی اور پڑھاتے بھی آپ تھے۔ اہلِ خانہ خواتین کو بھی ساتھ لے جاتے تاکہ رسول اللہ ﷺ کی اس سنت پر بھی پورا عمل ہو۔ چنانچہ حضرت امّ عطیہ فرماتی ہیں کہ ہمیں حائضہ اور پردے والی عورتوں کو بھی عیدگاہ لے جانے کا حکم ہے تاکہ حائضہ دعا میں ضرور شامل ہو جائیں اور تقریر سنیں۔ مولانا اپنے دور کے زبردست مناظر بھی تھے۔ یہ ان کے علم، حاضر جوابی اور خلوص کا نتیجہ تھا "مناظر اعظم" بھی آپ کے سامنے ریت کی دیوار ثابت ہوئے، آپ گنگا میں ہی تھے کہ ایک دفعہ دو مولوی صاحبان دلی سے آپ کے ساتھ مناظرہ کرنے کے لئے آئے۔ لیکن ابھی مناظرے کی ابتدائی شرائط بھی طے نہ ہوئی تھیں وہ نو دو گیارہ ہو گئے۔

ہندوستان میں دلیپ سنگھ ایک گاؤں کا نام ہے۔ وہاں اکثریت اہلِ بدعت کی تھی۔ جو ہندوؤں کی رسموں پر عمل کرتے تھے۔ ان رسموں کی شرعی حیثیت پر مناظرہ کی تاریخ مقرر ہوئی۔ ان کے مناظر جہلاء اور صاحب تھے، اپنے چند دیگر علماء کے ساتھ آئے ادھر سے حضرت کے ساتھ مولانا عبدالقادر روپڑی، حافظ محمد اسمٰعیل روپڑی اور مولانا عبداللہ اوڈ تھے۔ پہلے دن مناظرے میں صاحب کتابوں کے حوالہ جات نہ لا سکے۔ اور دوسرے دن ہی بھاگ گئے۔ اہلِ توحید نے اس کامیابی پر اللہ کا شکر ادا کیا۔ وہیں حضرت کی تقریر بھی ہوئی، اور سب علماء نے تقریریں کیں، اور حق کو لوگوں نے قبول کیا۔ راستے میں ایک مسجد کا سنگِ بنیاد بھی رکھا۔

چک نمبر ۱۱ ساہیوال میں اہلِ تشیع کے خلاف ایک پوسٹر محرم کے دنوں میں شائع کیا۔ شیعہ لوگوں نے اس پوسٹر کے چند حوالہ جات کے خلاف عدالت کا رُخ کیا۔ اس پر عدالت نے

آپ کو طلب کر کے حوالہ جات پیش کرنے کو کہا۔ جس پر آپ نے وہ حوالہ جات پیش کر دیئے تو عدالت نے آپ کے حق میں فیصلہ کر کے آپ کو باعزت بری کیا۔ باطل کے خلاف جہاد کرنے کے لئے ہروقت تیار رہتے۔ پاکستان میں احمد پور شرقیہ میں (جہاں ایک مشہور مقدمہ میں پہلی دفعہ کسی عدالت نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا) قادیانیوں سے آپ کا مناظرہ بھی ہوا۔ اس میں آپ کے ساتھ مولانا پروفیسر حافظ عبداللہ بھاولپوری بھی تھے۔ اس میں آپ کامیاب ہوئے۔

مکہ مکرمہ میں کسی مسجد میں ایک عرب مولوی صاحب کے ساتھ نماز پڑھی، دیکھا کہ پاجامہ ٹخنوں سے نیچے تھا۔ بعد از نماز فرمایا: "فسد الوُضوء وفسدت الصّلوۃ" وہ حیران ہوا تو حدیثِ رسولؐ سے اس کو یہ مسئلہ دکھایا۔۔۔۔۔ ان کی سختی صرف دینی غیرت کی بناء پر تھی اور محبت و الفت کا معیار اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت تھی۔ حیاتِ مسیحؑ کے متعلق اپنے استاد مولانا محمد علی لکھوی کے خلاف اشتہار شائع کیا۔

گنگا میں کچھ لوگ رقاصہ کا ناچ دیکھنے گئے، آپ کو پتہ چلا تو فتویٰ دیا کہ رقاصہ کا ناچ دیکھنے والوں کا نکاح باطل ہو گیا۔ انکی بیویاں ان کے لیے حرام ہیں۔ جس پر لوگوں نے تجدید نکاح کی۔ بے نماز سے سلام نہ لیتے، البتہ خیریت پوچھ لیتے۔ حقہ نوشی کے خلاف تھے۔ حقہ نوش کو امام بنانے سے منع کرتے تھے اور فرماتے، فرشتے منہ پر منہ رکھ کر درود لے کر جاتے ہیں، ان کو نفرت بو سے ہوتی ہے۔ وہ درود کیسے لے کر جائیں گے۔ اس کے علاوہ یہ فضول خرچی بھی ہے۔ ایک دفعہ ہمارے گاؤں پنجکوسی (ضلع بہاولنگر) میں حنفی فقہ کی مشہور کتاب شامی کی ایک عبارت، جس میں تمباکو نوشی کی حرمت کا ذکر تھا، لکھ کر حنفی علماء کو بھیج دی، اسے آپ نے بطورِ دلیل پیش کیا تھا۔ جس کا جواب ان لوگوں کے پاس نہ تھا۔

ایک دفعہ میں آپ کے ساتھ تھا مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی کے مہتمم مولوی فضل محمد اپنے ساتھ مولوی حسن وغیرہ کو لے کر حاجی دریام کے مکان پر چک نمبر ۲۴ میں آئے۔ ایک دعوت کا

اہتمام تھا۔ مولوی فضل محمد صاحب نے کھانا ٹیک لگا کر کھایا۔ چوکڑی کی صورت میں بیٹھے تھے۔ اور دعا کرتے ہوئے دونوں ہاتھ کھول کر الگ الگ کر کے دعا کی۔ جب مولانا فضل محمد صاحب جانے لگے تو آپ سے معانقہ کیا۔ آپ نے انہیں فرمایا: "اقول لك قولاً حسنًا: التربّع من الاتّكاء ونهى رسول الله ﷺ ان يأكل الرّجل متكاً" اور فرمایا: ضمُّ اليَدَينِ فى الدّعاءِ سنّةٌ مولوی فضل محمد صاحب خاموش رہے اور فرمایا ٹھیک ہے۔

لوگ صرف اس وجہ سے آپ کے مخالف ہو جاتے کہ آپ حق بات کہنے سے نہیں رُکتے تھے۔ عام طور پر وہی مسائل بیان کرتے جن کی ضرورت ہوتی۔ سُود کی حرمت، اہلِ ایمان سے رشتہ داریاں، اقامتِ صلوٰۃ، ادائیگی زکوٰۃ، صلہ رحمی، اتفاق واتحاد، فکرِ آخرت، توحید اور اتباع سنتِ رسول اللہ آپ کے بہترین موضوعات تھے۔ تقریر ہو یا تحریر، خواہ کسی مجلس میں بات کرتے تو قرآن وسنت کے حوالے سے کرتے۔ فاتحہ خلف الامام کے موضوع پر ایک یادگار تقریر کی۔ جس میں تقریباً چالیس، پچاس احادیث بطور حوالہ پیش کیں جو ریکارڈ کر لی گئیں۔

ذوقِ مطالعہ وکتب:

کتاب دیکھنے، خریدنے اور حفاظت سے رکھنے کا بہت شوق تھا۔ آپ کی آمدنی کا معقول حصّہ کتب کی خریداری کے لیے وقف تھا۔ اور یہ سلسلہ آخر دم تک جاری رہا۔ یہی وجہ تھی کہ ایک بہترین کتب خانے کے مالک تھے۔ جونہی کتاب شائع ہوتی اسے پسند کرتے اور خرید لیتے۔ اگر کسی کتب فروش کے پاس چلے جاتے تو اچھی خاصی رقم کتابوں کی خرید پر خرچ کر ڈالتے۔ کتب فروش آپ کی اس عادت سے اس قدر واقف ہو چکے تھے بعض اوقات نئی چھپنے والی کتاب بذریعہ وی۔ پی بغیر آرڈر کے بھیج دیتے۔

ایک دفعہ راقم ساتھ تھا، فیصل آباد میں مولانا عبدالرحمٰن کے کتب خانہ سے چند پرانی کتب خریدنے کا ارادہ فرمایا۔ راقم نے عرض کیا۔ حضرت یہ کتابیں غیر ضروری ہیں لیکن نہ مانے اور خرید لیں۔ آپ کا کتب خانہ تقریباً پانچ ہزار کتب پر مشتمل تھا۔ ان میں لغت، تفسیر، احادیث، شروح

احادیث، اصول حدیث، غریب الحدیث، فقہ، اصول فقہ، تاریخ، صرف ونحو، منطق، فلسفہ اور طب غرضیکہ معقولات اور منقولات کی کونسی کتاب تھی جو آپ کے کتب خانے کی زینت نہ بنی؟ مطالعے کا یہ شوق کہ میں جب بھی ملاقات کے لیے حاضر ہوا تو آپ کو لائبریری میں ہی محوِ مطالعہ پایا۔ یا کچھ لکھنے میں معروف، کوئی خاص بات دیکھی یا پڑھی ہوتی تو تذکرہ فرماتے۔ کتب خانہ جان سے عزیز تھا۔ ہجرت کے وقت جب پاکستان آنے کا ارادہ کیا تو کتب خانہ آڑے آیا اور کہا چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ آپ بعد میں روانہ ہوئے صرف دو بوریاں کتابوں کی ساتھ لا سکے۔ آپ کو اپنے اس علمی نقصان کا پوری زندگی افسوس رہا۔ پھر جو کتاب بھی مطالعہ کی اس کے اہم مندرجات کو کتاب کے اول اوراق پر صفحات کے حوالے سے نوٹ کر لیتے۔ اپنی بعض کتب پر حاشیے بھی لکھتے۔ کتاب کبھی کسی کو عاریتاً نہ دیتے، جس نے کتاب دیکھنی ہوتی اسے کہتے، "بھائی یہیں کتب خانے میں دیکھ لو۔ یہ کتابیں مجھے جان سے زیادہ عزیز ہیں"۔

ہمارے گاؤں پنجکوسی (ضلع بہاول نگر) میں تھے تو کتب خانے کا وصیت نامہ میرے نام لکھا۔ اس میں یہ وصیت تھی کہ کوئی کتاب ادھار نہ دیں گے۔ باوجودیکہ کتب خانے کا وصیت نامہ میرے نام تھا، کبھی کوئی کتاب مانگی تو فرماتے "اگر اس کے بعد مجھے ضرورت پڑ گئی تو کیا ہوگا"؟ میں اصرار کر کے کبھی کوئی کتاب لے جاتا۔ اگر کتاب میرے پاس زیادہ عرصہ رہ جاتی تو یاد دہانی کے لیے خط لکھ دیا کرتے۔ کتب خانے کے ساتھ ان کی محبت ان عربی شعروں میں کیا خوب واضح ہے۔

الا یا مستعیرَ الکتب منّی   فانّ اعارَتِی للکتبُ عار

ومحبُوبِی من الدّنیا کتابٌ   فهَل اَبصَرتَ محبُوبًا یُعَارُ

(اے مجھ سے کتاب کو ادھار مانگنے والے، میرا کتاب عاریتاً دینا میرے لیے باعثِ شرم ہے دنیا میں میرا محبوب کتاب ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے کوئی محبوب بھی عاریتاً دیا جا سکتا ہے)۔

کسی کتاب کے ایک سے زیادہ نسخے آپ کے پاس ہوتے تو میں ان میں سے ایک خرید لیتا یا تحفتاً وصول کر لیتا۔ مولانا محمد اشرف سندھو کی کتاب "نتائج التقلید مع البشریٰ بسعادۃ الدارین" اسی طرح سے خریدی۔ کوئی کتاب خریدی اور پسند آ گئی تو اس کا ایک نسخہ ازراہِ شفقت مجھے بھی ارسال کر دیتے۔ "بغیۃ الفحول" اور مولانا ابوالقاسم بنارسی کی "حل مشکلات بخاری" یوں ہی ارسال کیں۔ ان کی اپنی تصانیف میں سے "کتاب الاذان" اور "سیاحۃ الجنان بمناکحۃ اھل الایمان" خود ارسال کیں۔ ایک دفعہ میں بہاولپور سے گیا تو مجھے کتاب "الرق فی الاسلام" کی ضرورت پڑی۔ میں نے مانگی تو فرمایا: اب تو چھٹیاں ہیں یہیں پڑھ لو۔ کتابوں سے یہ عشق آخر دم تک رہا۔

آپ چونکہ مناظر بھی تھے۔ اس لیے مختلف مذاہب کا مطالعہ ضرور کرتے۔ عیسائیت، یہودیت، بہائیت، بابیت، شیعیت اور مرزائیت وغیرہ پر خاصی نظر تھی۔ ان مذاہب پر بے شمار کتب آپ کے پاس تھیں۔ ہمعصر علماء کی کتب خریدنے سے بھی کبھی احتراز نہ کیا۔ جو کتاب اچھی لگی منگوا لی۔ عام طور پر کالی روشنائی، سرکنڈے کا قلم یا ہولڈر استعمال کرتے۔ آخری عمر میں پین استعمال کیا لیکن اس میں بھی کالی روشنائی استعمال کرتے۔ علماء و سکالرز کے مضامین مجلات و اخبارات میں آتے۔ اگر کوئی مضمون قابلِ اعتراض ہوتا تو قابلِ اعتراض عبارت پر نشان لگاتے اور مدلل جواب لکھتے۔ ہفت روزہ "الاعتصام" "اہل حدیث" "الاسلام" "صحیفہ اہل حدیث" "البلاغ" "الرحیق" اور "ترجمان الحدیث" میں ان کے مضامین اکثر چھپتے رہتے۔ اکثر مضامین اصرار و فرمائش پر لکھتے۔ اور ہمیشہ اس موضوع پر لکھتے جس پر نہ لکھا گیا ہو۔ یا لکھا گیا ہو مگر کم لکھا گیا ہو۔ "قربانی کے چار دن" "بھینس کی قربانی" کے متعلق لکھا، اسی طرح "حقہ نوش کی امامت کا حکم" "بے نماز پر کفر کا فتویٰ" پر آپ کے مضامین بہت مقبول ہوئے۔ حافظ محمد ابراہیم صاحب کمیرپوری اور پروفیسر ساجد میر سے علمی نوک جھونک رہی۔ ہمیشہ باحوالہ مضامین لکھتے۔ ان کے مضامین اہلِ علم کے لیے خاصی دلچسپی کا باعث تھے۔ صبح سے شام تک کتب کا مطالعہ کرتے۔ یہاں تک کہ

دوپہر کو کتب خانے میں ہی آرام فرماتے۔ بعد ازاں وہی شغل کتب بینی۔ کتابوں کے علاوہ کوئی چیز پسند نہ تھی۔ دو دفعہ حج پر گئے اور وہاں سے بھی کتب ہی خرید لائے۔ میں نے کسی موضوع پر لکھنے کا ارادہ کیا اور آپ سے تذکرہ کیا یا کسی کتاب کے لیے مشورہ کیا۔ تو آپ نے مدد کی، کتب تجویز کیں اور اس کے ساتھ اس پر خود بھی کچھ روشنی ڈالی۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی موجودگی میں تحریر و تقریر کے لیے مجھے کبھی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ کتب خانے کے بارے میں بہت متفکر رہے۔ کیونکہ اولاد میں کوئی بھی ان کا علمی وارث نہ تھا۔ اس لیے کتب خانے کی وصیت تحریری طور پر ساتھ رکھتے۔ پنجکوسی (ضلع بہاول نگر) میں قیام کے دوران کتب خانے کی وصیت میرے نام اور چک نمبر ۱۳۵۱ ای۔ بی (نزد گگو منڈی) میں ماموں عبدالشکور کے نام تھی۔

تحقیق کا انداز اور فتاویٰ نویسی:

جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا، اس کے تمام پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ایک دفعہ ''ختم برطعام'' پر ایک رسالہ لکھنے کا عرض کیا تو اس کی تصنیف میں لغت سے لے کر اس کی تاریخ اور پھر قرآن و حدیث کی روشنی میں یوں بحث کی کہ ہم لوگ حیران تھے وہ الحمدللہ چھپ گیا ہے۔ میرے ہارون آباد میں قیام کے دوران ایک دفعہ ایک خط میں میرے ایک دوست مولوی تاج دین کو اپنی کتاب نہ چھپنے پر شکوہ کے انداز میں خط میں مولانا تاج دین مسجد کا مجاور حشل ڈاور لکھ دیا۔ میں نے شکایت کی کہ وہ لفظ مجاور پر ناراض ہیں تو مولانا کو خط لکھا جس میں مجاور کا مادہ اس کے لغوی معنی پھر اس کا استعمال لکھا۔ اور لکھا کہ رسول اللہ ؐ کے متعلق کتب احادیث میں لکھا ہے: كَانَ رسول الله يُجَاوِرُ فِيْ غَارِ حِرَآء اسی طرح کئی صحابیوں کا لکھا۔ مولانا تاج دین بہت خوش ہوئے۔

ہمیں جب بھی کسی مسئلے میں دقت کا سامنا ہوتا۔ فوراً حضرت کی جانب رجوع کرتے۔ ایک دفعہ آنکھیں بند کر کے نماز پڑھنے کا مسئلہ پیش آیا تو میں نے لکھ کر بھیجا اور جواب مانگا۔ آپ نے جواب باحوالہ لکھا کہ آنکھیں بند کر کے نماز پڑھنا منع ہے۔ ایک دفعہ بندہ کو ساتھ فیصل آباد جانے

کا اتفاق ہوا۔ وہاں مسجد میں مسئلہ بیان کیا کہ سجدہ میں دونوں پاؤں کی ایڑیاں ملی ہوئی ہونی چاہئیں۔ وہاں کے مولوی صاحب نے اس پر دلیل طلب کی آپ نے حافظ ابن حجر کی کتاب "تلخیص الحبیر" کا حوالہ دیا۔ مولوی صاحب قلعی میں کتاب لائے اور مسکرا رہے تھے آپ نے حدیث نکال کر سامنے پیش کی۔ مولوی صاحب آپ کے حافظے اور علم سے بہت متاثر ہوئے۔

پورے ملک سے عوام و خواص، عالم و جاہل تحقیق مسائل کے لیے رجوع کرتے۔ سوالات کا جواب حتی المقدور جلدی دیتے۔ آپ کے فتاوی کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ جو فتوی دیتے اس کی نقل بھی اپنے پاس رکھتے۔ آپ کے فتاوی پر مشتمل کئی جلدوں میں کتب بن سکتی ہیں۔ اللہ تعالی کو منظور ہوا تو ان کو کتابی شکل میں شائع کیا جائے گا۔ کافی عرصہ سے مولانا محمد یوسف صاحب مہتمم دار الحدیث راجووال (اوکاڑہ) آپ کے فتاوی کو کمپیوٹرائزڈ کروا رہے ہیں۔ بقول ڈاکٹر حافظ عبدالرحمن بن مولانا محمد یوسف صاحب تین ہزار صفحات ہو چکے ہیں۔ اللہ کرے یہ جلد زیور طباعت سے آراستہ ہوں۔ ناناجی مولانا محمد یوسف صاحب سے بہت محبت کرتے تھے۔ مولانا محمد یوسف کو بھی ان سے بہت محبت تھی۔ دونوں بزرگ سنت رسول ﷺ کے گرویدہ ہیں۔ مولانا محمد یوسف صاحب نمونہ سلف ہیں۔ آپ کے زیر سرپرستی مدرسہ دار الحدیث راجووال میں چل رہا ہے۔ علم کے ساتھ ساتھ عمل پر بھی زور دیتے ہیں جس کی بہت ضرورت ہے۔ اب یہ کتاب الحمد للہ شائع ہو رہی ہے۔ مولانا محمد یوسف صاحب نے راقم الحروف کو دی اور میں نے عبداللطیف رحمانی صاحب مکتبہ اصحاب الحدیث کو چھپنے کے لیے دی۔

عوام عام طور پر نکاح، طلاق اور وراثت کے مسائل لے کر حاضر ہوتے۔ حلالہ نکالنے والوں کے سخت خلاف تھے۔ اس پر حدیث بیان فرماتے: "لَعَنَ رَسُولُ اللهِ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ" (رسول اللہ ﷺ نے حلالہ کرنے اور کرانے والے پر لعنت کی ہے)۔ اور اس کے متعلق فتوی لکھ دیتے۔ بعض اوقات لوگ اپنی مرضی کے مطابق غلط بیانی کر کے فتوی لینے کی

کوشش کرتے لیکن ان کو منہ کی کھانی پڑتی۔ اگر کوئی آدمی طلاق نہ دیتا تو خود ان لوگوں کو فتویٰ لکھ کر خلع کی اجازت دیتے۔ آپ کے فتاویٰ کی وجہ سے کئی لوگ اہل حدیث ہو گئے۔ فتویٰ کے معاملہ میں اگر کبھی عدالت میں جانا پڑا تو کبھی جھجک محسوس نہ کی۔ ایک دفعہ بہاول نگر میں بھی عدالت میں طلبی ہوئی۔ جہاں عدالت کو مطمئن کیا۔ فتویٰ پوچھنے والے جوابی لفافہ ارسال کرتے تھے۔ اگر جوابی لفافہ نہ ملتا تو پھر اپنی طرف سے ہی لفافہ ارسال کر دیتے۔ بڑھاپے میں ضعف کی وجہ سے دیر ہو جایا کرتی تھی۔

ہفتے میں پچاس سے بھی زیادہ مسائل اور فتاویٰ کے جواب بذریعہ ڈاک جاتے۔ کوشش کرتے کہ سب خطوط کا جواب لکھا جائے۔ ایام بیماری میں کسی شاگرد یا دوست سے لکھوا دیتے۔ علماء بھی اس سلسلے میں آپ کی جانب رجوع کرتے۔ مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی، مولانا عطاء اللہ حنیف، مولانا پروفیسر حافظ محمد عبداللہ بہاولپوری اور مولانا عبدالستار صاحب محدث دہلوی ایام معروفیت میں اپنا فتاویٰ کا کام جو آتا آپ کی جانب بھیجتے۔ آپ کے فتاویٰ مختلف رسالوں اور جریدوں کی زینت بھی بنے۔ فتاویٰ ایسا تسلی بخش ارسال کرتے کہ تشنگی باقی نہ رہتی۔ ایک دفعہ مولانا سید داؤد غزنویؒ نے فرمایا: ''مولانا سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کی لائبریری کتنی بڑی ہے''۔

عبادت وطہارت:

آپ ہر وقت باوضو رہنے کا بہت اہتمام کرتے تھے۔ اور اس کی نصیحت بھی فرماتے۔ جماعت کی پابندی تو زندگی کا معمول تھی۔ اگر سفر میں ایک ساتھی بھی ہوتا تو اذان کہہ کر جماعت کراتے۔ سفر میں جمع تقدیم اور جمع تاخیر دونوں طرح سے نماز پڑھتے۔ تہجد اور اشراق کبھی نہ چھوڑتے۔ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرتے۔ اور عبادت بہت کرتے۔ حضورؐ نے جو لیلۃ القدر کی دعا حضرت عائشہؓ کو تعلیم فرمائی تھی وہ اکثر ورد زبان رہتی۔ وہ دعا یہ ہے:

اللّٰهُمَّ انّكَ عفوٌ تحبّ العفوَ فاعفُ عنّي

رات کی نماز میں تنہائی میں لمبی سورتیں پڑھتے عام طور پر گیارہ رکعت نماز تہجد پڑھتے اور ان میں اکثر سورۃ البقرہ مکمل پڑھتے۔ بعض اوقات راقم رات کو جگانے کی درخواست کرتا تو جگا دیتے۔ میں وضو کرواتا اور پھر خود بھی قریب نماز پڑھتا۔ ایک دفعہ ہمارے گاؤں پنجکوسی (ضلع بہاول نگر) میں رات کو اکیلے اٹھے۔ ان دنوں اعتکاف میں تھے۔ وضو کرتے ہوئے وضو کی جگہ گر گئے اور زخمی ہو گئے۔ بخار ہو گیا۔ بندہ نے دوسری رات ساتھ مسجد میں گزاری۔ اس رات بخار کی وجہ سے زیادہ عبادت نہ کر سکے تو بار بار افسوس کا اظہار کرتے رہے کہ "کتنی اچھی رات ہے لیکن میں بیمار ہوں"۔ یوں ساری رات استغفار میں گزار دی۔ آخر عمر میں بہت کم سوتے۔ زیادہ وقت عبادت اور وظائف میں گزرنے لگا۔ عام دعاؤں میں زیادہ دعا یہ مانگتے: "اللّٰھمّ انّی اعوذبك من عذاب القبر ومن عذاب جهنّم واعوذبك من فتنة المسيح الدّجّال واعوذُبِكَ من فتنة المحيا والمماة واعوذُبِكَ من المأثم والمغرم"۔

کبھی کبھی قبرستان بھی تشریف لے جاتے اور تمام مرحومین کے لیے لمبی لمبی دعائیں کرتے۔ موت و برزخ کی زندگی کو یاد کر کے روتے رہتے۔ اکثر حلقہ احباب میں سے جب کوئی دعا کے لیے کہتا تو اس کے لیے تہجد کی نماز میں خصوصی دعا فرماتے۔ آپ مستجاب الدعوات تھے۔ اور دعائیں جلد اثر دکھاتیں۔ ان کا بیٹا محمد حسین قتل کے الزام میں گرفتار ہو گیا۔ پتہ چلایا کہ قصوروار تو نہیں؟ جب تسلی ہو گئی کہ ناحق گرفتار ہے تو دعا کی اور فرمایا: ان شاء اللہ ضرور رہا ہوگا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے رہائی عطا فرمائی۔ پچھلی رات گھر والوں کو بیدار نہ کرتے بلکہ وضو وغیرہ خود ہی کر لیتے۔ بڑھاپے میں اکثر تکلیف ہوتی۔ سنتیں اور نفل عام طور پر گھر ہی پڑھ لیتے۔ مغرب کی جماعت سے قبل، اذان کے بعد دو نفل پڑھتے کیونکہ آنحضرتؐ کے عہد میں پڑھے جاتے تھے۔ جماعت اکثر خود کرواتے۔ اگر باہر سے کوئی عالم تشریف لاتے تو پھر نماز ان کے پیچھے پڑھتے تھے۔ ان سے درس دلاتے اور تقریر بھی کرواتے اور خود اس مجلس میں سامع ہوتے۔ راقم الحروف اکثر اس بات کی کوشش کرتا کہ ملاقات کے لیے حاضری کے وقت نماز آپ ہی کے پیچھے پڑھی جائے لیکن

بعض اوقات حکم دیتے کہ جماعت کرا دے تو "الامر فوق الادب" کے تحت جماعت کرواتا۔ دوستوں کے سامنے فخریہ ذکر کرتے کہ یہ میرا نواسہ عالم دین ہے۔ بعض اوقات تقریر کا حکم دیتے جسے بجالانا پڑتا۔ اکثر تاکید فرماتے کہ آخری رات کو جاگا کرو۔ خواہ دو نفل پڑھ لیا کرو۔ پھر یہ آیت سناتے۔ "انّ ناشئة الّیل هی اشدّ وطأً وّاقوم قیلاً" (المزمل:٦)۔

میں ان کے پاس ہوتا تو رات کو بعض اوقات دیر تک جاگتے رہتے۔ کیونکہ مسائل پر گفتگو شروع ہو جاتی لیکن پھر بھی رات کے آخری حصے میں ضرور بیدار ہو کر عبادت کرتے۔ اقبال نے بھی سحر خیزی پر یوں زور دیا ہے:

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو غزالی ہو

کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

جذبہ اتباع رسول ؐ:

تمام زندگی سنت نبوی کو مشعل راہ بنایا۔ زندگی کے چھوٹے چھوٹے کاموں میں اتباع رسول کا بڑا خیال رکھتے۔ اندازہ کیجئے۔ ایک دفعہ گوہ (ضب) پکوا کر کھائی اور کھلائی۔ اور اس پر ایک رسالہ بھی تحریر کیا۔ صرف اس لیے کہ رسول اللہؐ سے اس کی اجازت منقول ہے۔ پروفیسر غلام نبی عارف صاحب کا بیان ہے کہ انہوں نے ریاض (سعودی عرب) میں لوگوں کو گوہ کھاتے دیکھا ہے۔ حضورؐ سے جوتوں سمیت نماز پڑھنا منقول ہے۔ اس لیے آپ نے بھی جوتوں سمیت نماز پڑھی اور پڑھائی، ایک دفعہ صرف اکیلا لمبا چغہ پہن کر نماز پڑھائی۔ اس لیے کہ ایسا حضورؐ سے بھی مروی ہے۔ غرضیکہ سنت نبوی ان کا اوڑھنا بچھونا تھی۔ ایک دفعہ اپنی نواسی کو اٹھا کر جماعت کروائی۔ کیونکہ حضورؐ نے اپنی نواسی امامہ بنت زینبؓ کو اٹھا کر نماز پڑھائی تھی۔ حضورؐ کا فرمان ہے "لا یصلّین احدکُم فی ثوبین لیس علی عاتقیه شیءٌ" (اس وقت نماز نہ پڑھو جبکہ تمہارے کندھے ننگے ہوں)۔ آپ نے اس پر بھی عمل کیا۔ آپ سر سے ننگے اور کندھوں کو ڈھانک کر نماز پڑھاتے۔ ایک دفعہ خود مجھے حدیث سنائی کہ حضورؐ نے حضرت علیؓ کو تین کام کرنے

میں جلدی کا حکم فرمایا: "الصلوٰۃُ اذا اتتْ والجنازۃُ اذا حضرتْ والایّمُ اذا وجدْتَ لھا کفوًا" (جب نماز کا وقت آ جائے، اور جنازہ جب حاضر ہو اور بیوہ کا جب کفو مل جائے)۔

اس لیے ان تینوں چیزوں کا خصوصی اہتمام فرماتے۔ نماز با جماعت وقتِ اوّل پر پڑھتے۔ خواہ مقتدی کتنے ہی کم کیوں نہ ہوں۔ جمعہ کے دن خوبصورت لباس زیب تن کرتے۔ تراویح جماعت کے ساتھ اس لیے نہ پڑھتے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایسا عادۃً منقول نہیں ہے۔ بلکہ پچھلی رات میں گیارہ رکعت ادا فرماتے۔ رسول اللہؐ سے نماز جنازہ بلند آواز میں پڑھنا منقول ہے۔ اسی طرح نماز جنازہ بلند آواز سے نہایت خشوع وخضوع سے پڑھتے۔ تہجد کی نماز میں سورہ بقرۃ پوری پڑھ لیتے اور بعض اوقات ایک رکعت میں ہی پڑھ لیتے روزہ عام طور پر کھجور سے افطار کرتے۔ طالب علموں سے بہت پیار کرتے۔ اس لیے کہ رسول کریمؐ حضرت ابو ہریرہؓ اور دیگر اصحاب صفہ سے بہت پیار کرتے تھے۔ آنحضرتؐ کا فرمان ہے: آدمی لڑکی دیکھ کر شادی کر سکتا ہے۔ آپ نے اس معاملے میں بھی فرمانِ نبوی کو ملحوظ رکھا۔ اور اپنے داماد مولانا محمد اسحٰق صاحب خائف کو ایک نظر اپنی بیٹی دکھادی تھی۔ لیکن اس بات کا علم میری خالہ کو نہیں تھا۔ قربانی عیدگاہ میں کرتے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے متعلق روایات میں آتا ہے: کانَ ینحرُ بالمصلّٰی" (آپ ﷺ عیدگاہ میں قربانی کرتے تھے)۔

نماز میں سزا وجزاء والی سورتیں پڑھتے۔ کدّو کا سالن پسند کرتے۔ اس لیے کہ حضورؐ کو پسند تھا۔ جوتا ہمیشہ دایاں پہلے پہنتے، مسجد میں دایاں قدم پہلے رکھتے اور دعا پڑھتے "اللّٰھمّ افتح لی ابوابِ رحمتك" اور مسجد سے نکلتے وقت بایاں پاؤں پہلے رکھتے اور دعا کرتے "اللّٰھمّ انّی اسئلك من فضلك" کپڑے پہنتے تو یہ دعا کرتے "الحمد للہ الّذی کسانی ھذا ما اواری بہ سوئتی و اتجمّل بہ فی حیاتی"

جونہی اذان ہوتی نماز کی تیاری شروع کر دیتے۔ آنحضرتؐ کے متعلق حضرت عائشہؓ

فرماتی ہیں کہ جب اذان ہوتی تو حضورؒ یوں اُٹھ کھڑے ہوتے جیسے وہ ہمارے واقف ہی نہیں "کانہ لا یعرفنا" آپ کی حالت بھی یہی ہوتی۔ سفر میں خصوصاً نماز کی پابندی کی تاکید فرماتے کہ کسی صورت نماز نہیں چھوڑنی کہ آنحضرتؐ نے کبھی حالتِ جنگ میں بھی نماز نہ چھوڑی تھی۔ موسم سرما میں جرابیں اور موزے استعمال کرتے اوران پر مسح کرتے۔ وضو کے بعد دامن پر چھینٹے چھڑکتے کہ حضورؐ سے ایسا منقول ہے۔ آپ نے بعض اوقات قبر پر نماز جنازہ پڑھی۔ اس لیے کہ اس کا ثبوت بھی احادیث میں ملتا ہے رسول اللہ ﷺ نے قبر پر نماز پڑھی ہے۔ غائبانہ نماز جنازہ بھی پڑھاتے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے پڑھائی ہے۔ غرض آپ رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کے شیدائی تھے۔

خانگی زندگی اور عادات واخلاق:

گھر میں ہر چیز کی نگرانی خود کرتے۔ اگر کہیں جانا ہوتا تو گھر کا مکمل انتظام کر کے جاتے۔ اہلِ خانہ کو کبھی آپ سے شکایت نہ ہوئی۔ بچوں سے پیار کرتے اور بعض اوقات مذاق بھی کرتے۔ دوپہر کا کھانا کھانے تشریف لاتے تو ضرور چھیڑ چھاڑ کرتے۔ طبیعت میں مذاق کا پہلو بھی تھا۔ وضو کے بعد بچوں پر چھینٹے ڈالتے۔ ایک سادہ طبیعت طالب علم کا نام "شیخ چلی" رکھا تھا۔ جس کو اس نے کبھی محسوس نہ کیا۔ اپنے بچوں میں سے چھوٹے محمد حسین کو "مِتّی" (پیارسے) اور احمد حسن کو "بِلا" کہہ کر پکارتے اور یہ نام بہت مشہور ہوئے۔

ایک دفعہ شاگرد گندم کی کٹائی کر رہے تھے۔ جنکی تعداد چالیس کے قریب تھی۔ ایک سکھ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: "یہ میرے بیٹے ہیں"۔ وہ اس پر بہت پریشان ہوا تو فرمایا "میں ان کا استاد ہوں۔ استاد اور باپ میں ہمارا مذہب فرق نہیں کرتا"۔ اپنی چھوٹی بیٹی سے بہت پیار کرتے۔ آخر عمر میں ایک دفعہ انہوں نے ناراضگی کا اظہار کیا۔ پہلے تو اسے خط لکھا پھر اپنی بیوی (میری نانی جان) کو بھیجا آخر خود تشریف لے گئے اور گلے ملے یوں بچی خوش ہوگئی۔ کوئی چیز اچھی میسر آتی تو چھوٹی بچی کو دیتے۔ بیٹوں کو بھی تاکید کرتے کہ چھوٹی بہن کا خیال رکھنا۔ دونوں

بیٹوں کے رشتے دینداری کی بنیاد پر کیے۔ لڑکوں پر لڑکیوں کو ترجیح دیتے کہ کہیں بچیاں محسوس نہ کریں۔ اپنی چھوٹی تیرہ سالہ بیٹی کو ساتھ حج بھی کرایا تقسیم جائیداد اپنی زندگی ہی میں کر دی اور شرعی حصوں کے مطابق تقسیم کی۔

تقسیم میں خواہ کسی چیز کی ہو، انصاف کا بہت خیال رکھتے۔ یہاں تک کہ خربوزے کی پھانکیں بھی برابر تقسیم کرتے۔ بقول والدہ صاحبہ کہ ایک دفعہ تقریر اثر پذیری کی وجہ سے انگریز سرکار نے کالے پانی کی سزا بھی دی۔ رمضان المبارک میں واپسی ہوئی تو وہاں سے وہاں کے پھل لائے۔ جس سے تمام روزہ داروں کے روزے افطار کرائے۔ گھریلو معاملات میں کبھی سختی نہ کی۔ البتہ نماز کے سلسلے میں ڈانٹ ڈپٹ ضرور کرتے۔ آپ کی خدمت میں رہنے والا پکا نمازی بن جاتا۔ گھر آتے تو سب سے پہلے نماز کا پوچھتے۔ فضول خرچی کو سخت ناپسند کرتے۔ اس کے نقصانات گنواتے اور قرآن کی آیت پڑھتے: "انّ المبذرين كانوا اخوان الشياطين" (بنی اسرائیل:۲۷)۔

حقوق العباد کا بہت خیال رکھتے۔ حسن سلوک سے ہر ایک گرویدہ ہو جاتا۔ اگر کبھی ناراض ہو جاتے تو فوراً راضی ہو جاتے۔ دنیا میں مسافروں کی طرح رہے کبھی دنیاوی چیزوں سے محبت نہ کی۔ وفات سے قبل نانی جان نے نیا مکان بنوانے کی فرمائش کی۔ تو فرمایا ایک لوہے کی پیٹی جو گھر میں موجود ہے اس میں سو جایا کرو۔ بے نماز کے بہت مخالف تھے۔ خواہ حقیقی بیٹا ہو محبت و ناراضگی صرف اللہ کے لیے تھی۔ طلباء کی مالی امداد بھی کیا کرتے تھے۔ انگریزی تعلیم کے سخت مخالف تھے۔ ان کے پوتے بھائی عبدالغفور نے کہا کہ کچھ رقم قرض دے دیجئے میڈیکل کی تعلیم مکمل کر کے واپس کر دوں گا۔ تو صاف انکار کر دیا کہ میرا پیسہ دینی تعلیم کے لیے مختص ہے۔ علماء سے بڑی محبت تھی۔ جلسے کرواتے۔ مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی اور مولانا محمد حسین شیخوپوری کی اکثر آمد رہتی۔ پروفیسر حافظ عبداللہ صاحب (بھاولپور والے) کی تقریر بہت پسند کرتے تھے۔ اگر کوئی عزیز یا دوست آپ کو دبانے لگ جاتا تو منع نہ فرماتے اس لیے کہ اس کے لیے اجر کا باعث

ہے۔مہمان نوازی خوب کرتے اور خود کرتے۔کہیں تشریف لے جاتے تو تین دن سے زیادہ نہ ٹھہرتے کہ مہمان تین دن کا ہوتا ہے۔عام سادہ کپڑے پہنتے۔رکھ رکھاؤ کے قائل نہ تھے۔گوشت خود بھی پسند فرماتے۔اور مہمانوں کے لیے بھی گوشت کا اہتمام ضرور کرتے۔رسول اللہؐ نے فرمایا: سید الطعام اللحم۔زندگی میں دو دفعہ حج کیا۔جن میں تمام لوگوں کے لیے دعائیں کیں۔

شعر و شاعری:

آپ اپنی تقریر اور تحریر میں شعر استعمال کرتے تھے۔پنجابی اور اردو شعراء کے شعر پڑھتے اور خود بھی پنجابی میں شعر کہتے تھے۔میں بھی شعر پسند کرتا ہوں۔میری سکول کی تعلیم کے دوران میں ان کو کہتا تو مجھے شعروں میں خط لکھتے۔شعر پنجابی میں کہتے تھے۔چھ سات کافی طویل خطوط مجھے شعروں میں لکھے تھے جو ضائع ہو گئے ان میں سے بعض کے اشعار یاد ہیں مثلاً

ـ توں تے پچھاوردیاں ہن کے تے کیتیاں طرف سکولاں چڑھایاں نے
اساں منزلاں ساریاں ختم کر کے ہن موت اڈیکاں جولایاں نے
چشماں بند تے دلاں تے پھٹ ہو گئے خونی لال انہیریاں چھایاں نے
عبدالقادر رہن رب نوں آکھدا اے رہا بخش جو ہویاں خطایاں نے

ایک خط میں اپنے چھوٹے بھائی میرے نانا عبدالواحد صاحب کے متعلق آخر میں لکھا:

ـ سب توں پچھے تیرے نانا جان تو وچ مکان سلام الاویں
شان گمان ہے بھارا اس دا ادب آداب بجائیں
محنت کر کے پڑھیں پڑھائیں ادھورا رہ نہ جائیں
علم والیاں دی مجلس رکھیں، جاہلاں منہ نہ لائیں

نانا عبدالخالقؒ کی وفات پر شعر کہے۔جن میں سے چند شعر یہ ہیں:

ـ موت آئی تے لے گئی بھرا میرا مرضی جیویں جو رب جبار دی
روز بدھ دے موت نے سدھ کیتا ۲۵ جون نوں جان سدھاردی اے

اوہ بھائی میرا سی حکیم ڈاھڈا لبھدا جا کے سار بیمار دی اے
عبدالقادر مینوں لبھیا موت دارو موت سب جہان نوں مار دی اے

انہوں نے اپنی بڑی بیٹی کی بارات کے لئے اپنے اعزاء واقرباء کو دعوت دینے کے لئے شعروں میں خط لکھا جس میں تمام رشتہ داروں کے نام لکھ کر اُن کو دعوت دی اور بھی کئی مواقع پر انہوں نے اپنے خیالات کا اظہار شعروں میں فرمایا۔ اُن کے شعر نہایت عمدہ اور سبق آموز ہوتے تھے۔

نقل مکانی:

ہندوستان سے ہجرت کر کے پہلے چک نمبر ۱۵/۱۷-ایل ضلع ساہیوال پھر ۲۵۱/ای-بی نزد گگو منڈی بعد ازاں چک نمبر ۷۳/ای۔ بی نزد عارف والا اور پھر پنجکوسی ضلع بہاول نگر میں اپنی برادری میں آ ئے۔اور وہاں سے پھر ۲۵۱/ای۔بی چلے گئے۔ وہاں سے منڈی عارف والا تشریف لے گئے۔ وہاں گھر قریب تھا لیکن عام قیام ایک مسجد ہی میں رہا اور ساتھ ہی کتب خانہ بھی تھا۔ جہاں تشریف رکھتے۔

آخری لمحات:

وفات سے قبل اپنی چھوٹی بیٹی کو ملنے بورے والا تشریف لے گئے۔ بیٹی نے کچھ ناراضگی کا اظہار کیا، پہلے گلے مل کر روئے۔ بیٹی نے کہا ابا جان میں ہر لحاظ سے راضی ہوں تو پھر مطمئن ہو گئے۔ اس دن وقت پر کھانا کھایا اور کچھ آرام کیا۔ پھر اُٹھ کر نماز پڑھی۔ وفات کے دن ان کے سر اور داڑھی میں مہندی لگائی گئی۔ غسل کیا اور ظہر کی نماز پڑھی۔ پھر عصر کی نماز بھی پڑھی۔ وفات سے قبل اپنے بیٹے مولوی عبدالشکور صاحب کو یاد کیا۔ چھوٹی بیٹی موجود تھیں۔ کہنے لگی کہ ایسے کیوں کرتے ہیں؟ تو فرمانے لگے، یہ بیماری پہلے کی طرح نہیں ہے۔ پھر آپ کچھ سورتیں پڑھنے لگے۔ جو سمجھ میں نہ آ سکیں۔ اسی حالت میں ۱۹ ستمبر ۱۹۸۱ء پانچ بجے شام کو بورے والا میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔

تبکی علیك مساجدٌ ومنابر — ولأهلِ العلم رنّةٌ وزفــيرُ

قد كان مجتهدًا مصيبًا عالمًا — يحمى الشّرائع سعيُهُ المشكورُ

نقّادُ اسنادِ الحديث ومتنهٖ — بشانِ اسرارِ الكتاب بصيرُ

نمازِ جنازہ قاری عبداللطیف صاحب خطیب وہاڑی نے بڑے خشوع وخضوع سے پڑھائی، کافی علماء اور اہلِ توحید نے شرکت کی۔ ان کو بورے والا کے قبرستان میں ہی دفن کر دیا گیا۔

مناظرانہ اسلوب:

آپ محقق ومناظر بھی تھے۔ انہوں نے احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کیلئے کئی مناظرے کیے۔ ایک دفعہ "ایک مجلس میں تین طلاق" پر ایک فاضل دیوبند سے آپ کا مناظرہ ہوا۔ جو ایک خاص واقعہ کی وجہ سے ہوا۔ دیوبندی مولانا نے حضرت فاطمہ بنت قیسؓ واقعہ سنن ابن ماجہ سے پیش کیا اس کے شوہر نے مجلس واحدہ میں تین طلاقیں دی تھیں پھر اسے نفقہ اور سکنی نہیں دیا گیا جس سے ظاہر ہے کہ یہ مطلقہ بائنہ تھیں۔

مولانا نے کہا کہ آپ کے پاس کیا دلیل ہے کہ یہ مجلس واحدہ کی تین طلاقیں تھیں، طلاق متفرقہ نہیں تھیں۔ اس پر فاضل دیوبند نے کہا کہ سنن ابن ماجہ میں اس حدیث پر یوں باب قائم کیا گیا ہے۔ "بـاب الطلاق الثلاث فی مجلس واحد" یعنی ایک مجلس میں تین طلاق کا بیان۔ مولانا نے فرمایا: باب تو محدث کا ایک دعویٰ ہوتا ہے اس کے تحت حدیث پیش کی جاتی ہے اس پر غور کرنا چاہیے کہ اس سے وہ دعویٰ ثابت ہوتا ہے یا نہیں اگر دعویٰ اور دلیل میں تقریب تام ہو تو قابلِ قبول بصورت دیگر قبول نہیں ہوگی۔ سنن ابن ماجہ میں حضرت فاطمہؓ کا واقعہ مجمل ہے دیگر کتبِ حدیث میں اسکی تفصیل موجود ہے کہ یہ طلاق ثلاثہ اکٹھی نہیں بلکہ متفرق طور پر دی گئی تھیں۔ چنانچہ مسلم شریف میں ہے کہ اس کے خاوند نے آخری باقی ماندہ طلاق (یمن سے) ارسال کی تھی: "ارسل الی امراتـه فـاطـمـه بـنـت قيس بتطليقه آخر ثلاث

تطلیقات "اس کے خاوند نے آخری تیسری طلاق دی تھی۔ ان روایات کی بناء پر امام نووی لکھتے ہیں کہ ان مختلف روایات کے درمیان جمع کی یہ صورت ہے کہ اس نے اس طلاق سے پہلے دو طلاقیں دے دی تھیں پھر آخری مرتبہ تیسری طلاق روانہ کی تھی۔

فاضل دیوبند نے مسلم شریف اور اسکی شرح نووی ملاحظہ کر کے اپنی غلطی تسلیم کر لی۔ پھر اس نے سوال اٹھایا کہ آپ کے پاس تین طلاق کے ایک ہونے کی کیا دلیل ہے۔ مولانا حصاری نے مسلم شریف سے ابن عباسؓ کی روایت پیش کی جس کے الفاظ یوں ہیں: انما کانت الثلاث تجعل واحده علی عهد النبی ﷺ وابی بکر وثلاثا فی امارة عمرؓ"۔ تب عہد نبوی ﷺ، عہد صدیقؓ اور ابتدائی عہد عمرؓ میں تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی تھی۔ پھر حضرت عمرؓ نے سیاسی طور پر تین جاری کر دیں۔ پھر مولانا نے مزید ثبوت کے لئے مسند امام احمد سے حدیث ابو رکانہؓ پیش کی جس میں مجلس واحدہ کی تین طلاق کے ایک ہونے کے صاف الفاظ تھے، اس پر فاضل دیوبند لا جواب اور خاموش ہو گیا۔

اس دیہات کے نمبردار اور اسکے باشندگان نے اس مسئلہ کو تسلیم کیا۔ مطلقہ عورت اس کے خاوند کے حوالہ کی گئی جس سے وہ بہت شکر گزار ہوا اور عوام پر یہ مسئلہ واضح ہو گیا کہ تین اکٹھی طلاقیں دینا یا لکھنا حرام یا کبیرہ گناہ ہے اس سے احتراز چاہیے۔ مگر ایسا کرنے والے پر عورت حرام نہیں ہوتی بلکہ دوران عدت اس سے رجوع کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ طلاق رجعی ہوتی ہے۔

فقیہانہ بصیرت:

مولانا مرحوم فتاویٰ نویسی اور فقیہانہ نکتہ سنجی میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، تلمیذ رشید علامہ ابن القیم اور متاخرین میں سے قاضی شوکانی سے بہت متاثر تھے۔ ان کی تالیفات پر ان کی گہری نظر تھی۔ زمانہ حال کے علماء میں سے حضرت محدث روپڑی سے ان کو بہت عقیدت تھی۔ پیش آمدہ علمی مشکلات میں ان کی طرف رجوع فرماتے اور اکثر ان کی تحقیق کے سامنے سر جھکا دیتے تھے۔

تصنیفات:

جہاں تک مجھے علم ہے کہ مرحوم جماعتی اخبارات میں بالعموم اور محدث روپڑیؒ کے اخبار ''تنظیم اہلحدیث'' میں بالخصوص اپنے محققانہ مضامین بڑی شرح و تفصیل سے تحریر فرمایا کرتے تھے۔ ان کا ایک مقالہ چالیس سے زیادہ اقساط میں مکمل ہوا تھا۔ انہوں نے اپنی زندگی میں اس کثرت سے فتوے دیئے ہیں کہ ان کی صحیح تعداد صرف علام الغیوب ہی جانتا ہے۔ فتاویٰ نویسی کے علاوہ بھی آپ ایک بلند پایہ مصنف کی حیثیت سے علماء میں متعارف تھے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل کتب آپ کے قلمی شاہکار ہیں جو یقیناً آپ کے لئے باقیات صالحات ثابت ہوں گی۔

نبوی جواہر در ذکر کبائر (بہ کتاب)	(مطبوعہ قادری کتب خانہ ملتان ۱۹۹۱ء)
تحفہ قادریہ (شعروں میں ہے)	"
سیاحۃ الجنان بمناکحۃ اہل الایمان	"
کتاب الاذان	"
شرعی داڑھی	"
گانا بجانا حرام ہے	"
نکاح شغار	"
نکاح بدہ کی حرمت	"
علل رسول	"
حرمت خضاب (سیاہ)	"
اہل سنت کی پہچان۔	"
تردید سعید بر ختم علی الطعام	مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ لاہور
اثبات عذاب قبر	"
فتاویٰ قادریہ	"

احسن الکلام "

جمع بین الصلوتین فی الحضر فی المطر "

اصلی اہل سنت — مطبوعہ مکتبہ اصحاب الحدیث لاہور

معیار صداقت — مطبوعہ، مکتبہ اسلامیہ لاہور

اول الخلق:

جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ سب سے پہلے اللہ نے رسول اللہ ﷺ کے نور کو نہیں بلکہ پانی، عرش، قلم اور لوح قلم کو پیدا فرمایا۔

احکام رکعتین الفجر: سنت فجر کے متعلق متنازعہ مسائل پر خوب بحث کی گئی ہے۔

رفع السب عن حلة الغضب — اجرت تعلیم القرآن والحدیث۔

حرمت حقہ — تقلید شخصی

اربعین قادری — اہل حدیثوں میں اولیاء

جوتا پہن کر نماز پڑھنا — احسن الکلام

آئینہ تحقیق — احتیاطی جمعہ

ضرب الفاس علی مانع کاشف الراس — تحفہ قادریہ

رشوت خوری — قبروں پر اذان

فاتحہ خوانی — پول حنفیہ

تکفیر بے نمازاں — اصلی اہل سنت کی پہچان

راگ باجے کی حرمت — حکم گیارھویں

ترجمہ حیات الحیوان:

حکیم عبداللہ آف جہانیاں نے بعض حیوانات کے خواص کا ترجمہ آپ سے کروایا تھا۔

پنجابی زبان کا منظوم کلام۔

کچھ اس کتاب کے بارے میں:

زیر نظر کتاب مولانا حصاری مرحوم کی کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے بلکہ عقائد ونظریات پر مبنی یہ ایسے علمی مقالات وتحقیقی فتاویٰ کا مجموعہ ہے جو ہمارے مسلکی اخبارات وجرائد میں محفوظ تھا۔ اس کی جمع بندی کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ بزرگوارم شیخ محترم مولانا محمد یوسف رئیس جامعہ کمالیہ راجووال نے متعدد دفعہ اس خواہش کا اظہار کیا کہ اگر عالم ربانی محقق شہیر مولانا عبدالقادر عارف حصاریؒ کے مقالات ومضامین کو مرتب کر کے شائع کر دیا جائے تو مسلک اہل حدیث کی بڑی علمی اور جماعتی خدمت ہوگی۔ چنانچہ "الولد سر لابیہ" کے مصداق ان کے نجل کریم برادرم عبداللہ سلیم نے بارش کے قطرہ اوّل کے طور پر مولانا حصاریؒ کے احوال ومناظرات "تذکرہ عارف حصاری" کے نام سے شائع بھی کر دی۔ یہ علمی دستاویز مرحومین کے نامہ حسنات میں اضافہ کا باعث ہوگی، انشاء اللہ۔ اللہ جزائے خیر دے مولانا ابراہیم خلیل خطیب حجرہ شاہ مقیم کو کہ انہوں نے اپنی سقم صحت اور گوناگوں مصروفیات کے باوجود اس کوہ گراں کو سر کرنے کا بیڑہ اٹھایا۔ انہوں نے اخبارات وجرائد کے سینوں میں محفوظ خزینہ کو نئی شان سے مرتب فرمایا۔ یقیناً یہ مجموعہ ہمارے جیسے کوتاہ ہمت اور بھولے بھٹکے مسافروں کیلئے سنگِ میل اور نشانِ منزل ثابت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مؤلف، مرتب، محرک اور ناشر، سب احیاء واموات کو اپنے فضل وکرم سے وافر حصہ عطا فرمائے اور خصوصی فیوض وبرکات سے ہمکنار کرے (آمین)۔

مولانا حصاری نے اس مجموعہ میں جو علم وتحقیق کے موتی بکھیرے ہیں ان کی قدر وقیمت ہمارے لکھنے سے نہیں بلکہ پڑھنے سے معلوم ہوگی۔ بقول شیخ فریدالدین عطار "عطر آں باشد کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید" ہماری اس بات کی حقانیت وصداقت مطالعہ کرنے سے ثابت ہو گی۔ البتہ اس حقیقت کا اظہار تو ہم بلا جھجک کرتے ہیں کہ ناناجی مولانا حصاری شیخ ابن تیمیہؒ کی وسعت علمی اور ابن حزمؒ کی فقہی نکتہ سنجی کے حامل تھے۔ انہوں نے جو علمی ورثہ ہمارے لئے چھوڑا ہے اسکی جمع وتدوین کے لئے تو ایک دفتر ضخیم اور صحبت طویل کی ضرورت ہے کیوں کہ قسام ازل

نے ان کے نہاں خانہ دل میں تحقیق و مطالعہ کا اتنا ذوق فراواں ودیعت فرمایا تھا کہ وہ صحیح معنوں میں مہد سے لحد تک طلب علم میں سرگرداں رہے اور ہر طلوع ہونے والا سورج ان کے علم میں اضافہ ہی کرتا تھا۔ آپ ہر آن مطالعہ میں معروف رہتے یا کچھ تحریر کرتے۔ آپ کے وسعت مطالعہ کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ یہ مجموعہ فتاوئی اور مقالات تقریباً دو سو سے زائد کتب کے مطالعہ کا نتیجہ ہیں۔ جو کہ آپ کے ذاتی کتب خانہ سے تھیں۔ اس مجموعہ میں آپ نے عقائد سے متعلق مندرجہ ذیل موضوعات پر سیر حاصل بحث کر کے اپنی دیدہ کاہی اور ژرف نگاری کا ثبوت دیا ہے۔

۱۔ استواء علی العرش:

سلف صالحین کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ذات کے لحاظ سے مستوی علی العرش ہے، علم کے اعتبار سے جملہ کائنات کا احاطہ کیے ہوئے ہے لیکن بعض لوگوں نے ذات باری تعالیٰ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس سے نعوذ باللہ ایک معدوم ذات کا تصور ابھر کر سامنے آتا ہے۔ باوجود اس کے کہ یہ موضوع انتہائی کٹھن اور پُر خطر ہے لیکن مولانا حصاری مرحوم نے اس کے تمام پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کر کے نہ صرف سلف صالحین کے نقطہ نظر کی وضاحت کی ہے بلکہ اپنے عارف باللہ ہونے کا بھی بین ثبوت دیا ہے۔

۲۔ رویت باری تعالیٰ:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے معراج کی رات ذات الٰہی کو اپنی ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ اس مضمون میں عدم رویت کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور احناف کے مابین تضاد دکھایا گیا ہے اور اس دعویٰ کو باطل ثابت کیا گیا ہے کہ حنفی مذہب کی تخم ریزی حضرت ابن مسعودؓ نے کی ہے۔

۳۔ تصور شیخ:

اس مضمون میں اہل بدعت کی تردید کی گئی ہے جو عبادت کے وقت تصور شیخ کو ضروری

قرار دیتے ہیں اور اس بات کو بدلائل ثابت کیا گیا ہے کہ عبادت کرتے وقت صرف اللہ وحدہ لا شریک کا تصور دل میں جاگزیں ہونا چاہیے "ان تعبداللہ کانک تراہ"۔

۴۔ مسئلہ وسیلہ:

بدعتی لوگوں کا یہ طریقہ ہے کہ دعا کرتے وقت "بحرمت فلاں" یا "فلاں کے صدقے" کے الفاظ استعمال کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے براہ راست دعا نہیں کی جاتی۔ اس مضمون میں ناناجی نے وسیلہ مباح اور وسیلہ حرام کی تفصیل بیان کی ہے اور جو وسیلہ حرام کے قائل و فاعل ہیں، ان کے دلائل کو بھی سبوتاژ کیا ہے۔

۵۔ مسئلہ نور و بشر:

بعض حضرات قرآن وحدیث کے برعکس رسول اللہ ﷺ کو نور مجسم کہتے ہیں۔ اس مضمون میں قرآن وسنت کے بیس دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جسمانی طور پر بشر تھے اور رشد و ہدایت کے لحاظ سے آپ کا وجود نور تھا۔ نیز اس میں مولوی عمر اچھروی کے شکوک و شبہات کا بھی خوب ازالہ کیا گیا ہے۔

۶۔ مسئلہ علم غیب:

قرآن وحدیث کی واضح نصوص ہیں کہ علم غیب خاصۂ ذات الٰہی ہے لیکن ہمارے ہاں اسے بھی متنازعہ بنا دیا گیا ہے اور پیروں، فقیروں کو بھی غیب دان کہا جاتا ہے۔ اس مضمون میں گیارہ مختلف عقلی ونقلی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ علم غیب صرف اللہ کی ذات کے لئے ہے اور اس میں کوئی شریک نہیں نیز رسول اللہ ﷺ بھی غیب نہ جانتے تھے۔ یہ بحث قابل مطالعہ ہے۔

۷۔ عقیدۂ حیاتِ انبیاء:

بلاشبہ حضرات انبیاء علیہم السلام اللہ کے ہاں حیات جاوداں سے شادکام ہیں لیکن یہ زندگی کیسی ہے، بعض علماء احناف اس زندگی کو حقیقی اور دنیوی تسلیم کرتے ہیں۔ صرف اتنا فرق ہے کہ بریلویوں کے نزدیک رسول اللہؐ پر ایک آن موت آتی ہے پھر اس وقت وہ زندگی لوٹا دی گئی

ہے۔ جبکہ دیوبندی حضرات کہتے ہیں کہ روح خارج نہیں ہوتی بلکہ مستور ہو جاتی ہے جیسا کہ چراغ کو گل کرنے کی بجائے اس پر کوئی چیز رکھ کر اسے چھپا دیا جائے۔ مولانا حصاری نے اس مضمون میں دونوں حضرات کو آڑے ہاتھوں لیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ اس مسئلہ میں یہ دونوں فریق فارق اجماع، خود گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والے ہیں۔ بڑے زوردار دلائل سے اس عقیدے کا ابطال کیا گیا ہے۔

۸۔ مختار کل اور سرکار دو جہاں:

بعض اوقات انسان لاشعوری طور پر اپنا لفظ استعمال کر جاتا ہے جو در حقیقت مشرکانہ عقائد کی ترجمانی کے لئے ہوتا ہے مثلاً ہمارے ہاں واعظین حضرات رسول اللہ ﷺ کیلئے مختار کل استعمال کرتے ہیں۔ ایسے الفاظ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ مولانا حصاری کے قلم گوہر بار نے اسئلہ کو خوب نکھارا ہے۔

۹۔ کسی کو قبلہ و کعبہ کہنا:

عام طور پر ہم دوران گفتگو یا خط و کتابت کرتے وقت اپنے سے بڑے کو "قبلہ" کہہ دیتے ہیں۔ مولانا حصاری مرحوم نے ایسا کہنے اور لکھنے کو بدعت حقیقت ثابت کیا ہے اور تلقین فرمائی ہے کہ موحد متبع سنت کو اس قسم کے موہم شرک الفاظ سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

۱۰۔ لفظ مولیٰ اور سید پر تبصرہ:

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ لفظ مولیٰ صرف اللہ کیلئے خاص ہے لہذا کسی اعلیٰ حضرت کو مولانا کہنا جائز نہیں جبکہ حضرت حصاری مرحوم نے دلائل سے اس فکر کو غلط ثابت کیا ہے۔ اس طرح بعض لوگ کہتے ہیں کہ اہل حدیث سادات کو نہیں مانتے۔ اس مضمون میں ثابت کیا گیا ہے کہ لفظ سید کا استعمال سات طرح سے ہے جنہیں اہل حدیث مانتے ہیں البتہ جو جعلی سید ہیں، ہمارے نزدیک ان کا کوئی اعتبار نہیں۔

۱۱۔ تبرکات کی شرعی حیثیت:

تبرکات کیا ہیں؟ اور جائز و ناجائز تبرکات میں مابہ الامتیاز کیا چیز ہے۔ اس مناسبت سے غلاف کعبہ کے متبرک ہونے پر بحث کی گئی ہے اور اس کی شرعی حیثیت سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ مولانا حصاری مرحوم نے مستند تبرکات کا اثبات اور معنوی تبرکات کا دلائل سے ابطال کیا ہے۔

۱۲۔ مسئلہ تکفیر:

ایک دوسرے کو کافر کہنے میں ہمارے ہاں بڑی جرأت کا مظاہرہ کیا جاتا ہے اور ہم لوگ اس سلسلہ میں بہت افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ کسی کو کافر کہنے کی حدود و قیود کیا ہیں، قرآن و حدیث کی رُو سے راہِ صواب کی تعیین کی گئی ہے اور بلاوجہ کسی کو کافر کہنے کے انجام سے بھی خبردار کیا گیا ہے۔ یہ مضمون بھی لائق مطالعہ ہے۔

۱۳۔ اعمال صالحہ ایمان میں داخل ہیں:

اس مضمون میں ایک اصولی مسئلہ کی وضاحت کی گئی ہے کہ اعمال صالحہ اور ترک منہیات ایمان کا حصہ ہیں یا ایمان سے خارج ہیں۔ متقدمین کے ہاں بھی اس میں اختلاف تھا۔ اس مسئلہ کو ایمان کے کم و بیش ہونے سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس فیصلہ کن بحث میں محدثین عظام کے مؤقف کو بدلائل ثابت کیا گیا ہے ایمان کے گھٹنے بڑھنے میں اعمال کو بہت دخل ہے۔ اس مضمون میں بے شمار فنی مباحث ہیں جو پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔

۱۴۔ ابراہیم علیہ السلام کا نام اور مذہب:

علماء اسلام کے ہاں یہ مسئلہ بھی اختلافی رہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد مسلمان تھے یا مشرک؟ پھر ان کا نام آزر تھا یا تارخ؟ حضرت مولانا حصاری نے اس موضوع کو بھی خوب منقح کیا ہے اور دلائل و براہین سے ثابت کیا ہے کہ قرآنی تصریح کے مطابق آپ کے باپ کا نام آزر تھا اور وہ مشرکانہ عقیدہ کا حامل تھا۔

۱۵۔ بدعتی مذہب پر ایک نظر:

اس بحث میں مدلل طور پر یہ ثابت کیا گیا ہے کہ بریلوی حضرات مشرکانہ عقائد رکھتے ہیں کیونکہ ان کے ہاں رسول اللہ مرشد کو الٰہی صفات کا حامل قرار دیا جاتا ہے۔ نیز ان کے ہاں پیر کا کلمہ پڑھنا جائز ہے پھر تصور شیخ اور سجدہ تعظیمی کے قائل و فاعل ہیں۔ حضرات اولیاء کو حاضر ناظر جانتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی توہین اور بزرگوں کی پرستش کرتے ہیں۔ بریلوی عقائد و نظریات سے واقف ہونے کے لئے اس بحث کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔

۱۶۔ بدعتی، قادیانی اور شیعہ مذہب کا تقابل:

اس مضمون میں بتایا گیا ہے کہ یہ تینوں فرقے یکساں طور پر گمراہ اور فرقہ ناجیہ سے خارج ہیں کیونکہ عقائد باطلہ میں بڑی حد تک یکسانیت کے حامل ہیں پھر ان کے متفق العقائد ہونے کو انہی کی کتابوں سے ثابت کیا گیا ہے۔

الغرض حضرت حصاری مرحوم بعض حساس اور نازک موضوعات کو بھی زیر بحث لائے ہیں۔ پھر انہیں تشنہ لب نہیں رہنے دیا بلکہ ان کے تمام پہلوؤں پر گفتگو کر کے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دیا ہے، بارگاہ رب العزت میں ان کے اعلیٰ درجات کی دعا کے ساتھ ہم قارئین سے رخصت چاہتے ہیں۔

ربنا تقبل منّا انك انت السميع العليم۔

بزرگ محترم نانا جان کا اپنا مزاج تھا۔ اس لیے کتاب میں بعض اوقات زبان میں شدت آ گئی ہے اگرچہ میں اس کو تبدیل کرنا چاہتا تھا لیکن اصل عبارتوں کو بدلنا مناسب نہیں سمجھا۔ حالانکہ میں ان سے متفق نہ تھا۔

میں نے کوشش کی ہے کہ حدیثِ نبوی کی یہ خدمت کر کے میں بھی خدمت گاران سنت نبوی میں شامل ہو جاؤں۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔ اس کتاب کو مسلمانوں کیلئے راہنمائی کا باعث بنائے۔ آمین!

احب الصالحین ولست منهم

لعل اللہ یرزقنی صلاحًا

(ماخوذ از مقدمہ کتاب الکبائر مع اضافہ شکریہ)۔

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر
ڈائریکٹر سیرت چیئر
اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور
جنوری 2012ء

حضرت عارف حصاری کی وفات حسرت آیات پر جناب مولانا حافظ محمد ابراہیم صاحب کمیر پوری ایڈیٹر اخبار ہفت روزہ "اہلحدیث" لاہور کے تاثرات:

مولانا عبدالقادر عارف حصاری کا سانحہ ارتحال:

۲۴ ستمبر کے "وفاق" کی یہ اندوہناک خبر خرمنِ دل پر بجلی بن کر گری کہ ملک کے مشہور عالم دین جماعتِ اہلحدیث کے ممتاز بزرگ نامور مصنف مایہ ناز مبلغ، قابل فخر محقق اور شہرہ آفاق مفتی حضرت مولانا عبدالقادر عارف حصاری طویل علالت کے بعد ۱۹ ستمبر ۱۹۸۱ء کو انتقال فرما گئے ہیں۔ بوریوالہ میں مولانا قاری عبداللطیف نے نماز جنازہ پڑھائی جس میں ہزاروں افراد نے شرکت کی اور بوریوالہ میں ہی انہیں سپرد خاک کر دیا گیا۔

انا لله وانا اليه راجعون

ہمیں مولانا مرحوم کے ذاتی حالات اور علمی دینی خدمات سے کماحقہٗ آگاہی نہیں کیونکہ وہ ہمارے ہم عصر ہونے کے باوجود ہمارے اکابر میں شمار ہوتے تھے۔ وہ عمر میں اس عاجز سے کم و بیش بیس برس بڑے تھے اور علم و تحقیق اور تقویٰ و طہارت میں احقر کو ان سے کوئی نسبت ہی نہیں علاوہ ازیں ان سطور کا راقم عمومی لحاظ سے گفتار کا غازی اور اخباری قسم کی تحریر کا عادی ہے۔ جبکہ مولانا مرحوم، علم و تحقیق کے ذوق سے مالا مال اور فتویٰ نویسی جیسی نازک اور پُر خطر وادی کے نشیب وفراز سے کماحقہٗ آگاہ تھے۔ ان کے سوانحی خاکہ اور ان کے علم و فضل پر قلم اٹھانا تو اُن کے کسی ہم عمر، ہم درس اور مجلس بزرگی ہی کا کام ہے۔ ہم تو آج کی فرصت میں ان کے انتقال پُر ملال پر صرف چند آنسو بہانا چاہتے ہیں اور ان کی نسبت اپنے ذاتی تاثرات قارئین تک پہنچانا چاہتے ہیں۔

جہاں تک ہمیں علم ہے مرحوم کا شمار ان کے عنفوانِ شباب سے اکابر علماء میں ہوتا تھا اور ان کی عمر ابھی تیس کے پیٹے میں تھی کہ وہ جماعتی اخبارات اور محدث روپڑی کے اخبار "تنظیم اہلحدیث" میں خصوصاً انتہائی محققانہ مضامین بڑے بسط و تفصیل سے تحریر فرمایا کرتے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ان کا ایک مقالہ "تنظیم اہلحدیث" میں چالیس سے زیادہ اقساط میں مکمل ہوا

تھا ان میں تحقیق و مطالعہ کا ذوق اتنا زیادہ تھا کہ وہ صحیح معنوں میں مہد سے لحد تک طلب علم میں سرگرداں رہے اور ہر طلوع ہونے والا سورج ان کے علم میں اضافہ ہی کرتا رہا۔

مرحوم بڑی شدت سے سلفی المسلک اور فتاویٰ نویسی میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ان کے مایۂ ناز تلمیذ ابن القیمؒ اور متاخرین میں سے قاضی شوکانیؒ سے بنہایت درجہ متاثر تھے اور ان کی کتابوں پر ان کی گہری نظر تھی۔ زمانہ حال کے علماء میں حضرت محدث روپڑیؒ سے ان کو بے حد عقیدت تھی اور پیش آمدہ علمی مشکلات میں ان کی طرف رجوع فرماتے اور اکثر ان کی تحقیق کے آگے سر جھکا دیتے تھے اور فتاویٰ نویسی میں ان ہی کے اسلوب کو پسند کرتے تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں اس کثرت سے فتوے دیئے ہیں کہ ان کی صحیح تعداد علام الغیوب ہی جانتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس کا پورا ریکارڈ شاید ان کے پاس بھی نہ ہو۔ بایں ہمہ اگر کوئی صاحب عزم ان کے فتاویٰ کو مرتب کر سکے تو یہ ایک بہت بڑی علمی اور جماعتی خدمت ہوگی۔

اس علم و فضل کے ساتھ مولانا محترم کے مزاج میں قدرے تشدد تھا۔ جس کا اصل باعث ان کی سلفیت اور دینی غیرت تھی۔ اس سلسلہ میں وہ کسی قسم کی مصالحت کے روادار نہ تھے بلکہ اپنی تحقیق کو بلا خوف لومۃ لائم صفحۂ قرطاس پر لے آتے اور اپنے سے مختلف تحقیق دیکھنے والے اہل علم سے تحریری بحث کے لیے ہر آن تیار رہتے تھے۔ اس عاجز کو بھی مرحوم سے ایک دو بار اختلاف ہوا۔ میں نے اس کا اظہار مع دلائل ہفت روزہ "الاعتصام" میں کیا۔ انہوں نے "تنظیم اہلحدیث" میں تفصیل سے میرے اعتراضات کا جواب دیا۔ جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں بایں ہمہ جب بھی ان سے ملاقات کا موقعہ ملا۔ بڑی شفقت سے پیش آئے اور مختلف ملکی اور جماعتی مسائل پر خندہ پیشانی سے تبادلہ خیالات فرماتے رہے۔ میرے خیال میں یہ بھی انؒ کے علم و فضل کا ہی مظاہرہ تھا۔

مولانا مرحوم کا اصل شغل فتاویٰ نویسی ہی تھا اور اس میں یہ بات خصوصیت سے قابل ذکر ہے کہ وہ مستفتی حضرات کے تمام مسائل کا جواب بذریعہ ڈاک بھیجتے اور یہ سارا کام محض لوجہ

للہ سرانجام دیتے اور بسا اوقات جوابی لفافہ بھی اپنی گرہ سے خریدتے تھے۔ تاہم ان کی کئی ایک مستقل تصانیف بھی ہیں جن میں سے کبیرہ گناہوں پر ان کی علمی اور مبسوط کتاب خصوصیت سے قابل ذکر ہے (نبوی جواہر در ذکرِ کبائر تحقیق ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر)۔

مولانا مرحوم کے اس مختصر سے تعارف کے بعد ہم اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ اتنے اوصاف و کمالات کے باوجود ان کی زندگی عیش و عشرت کی نہیں فقر و قناعت کی زندگی تھی۔

انہوں نے زندگی بھر کوئی مال و دولت جمع نہیں کیا۔ ہمارے نزدیک ان کی سیرت کا یہ پہلو انتہائی تابناک ہے کہ انہوں نے عسر و یسر ہر حال میں

اپنی خوداری کو قائم رکھا۔ روکھا سوکھا کھایا لیکن اپنی درویشی پر آنچ نہ آنے دی۔ کچے مکان اور مسجد کے حجروں میں بسیرا کیا لیکن فلاں سلسلہ بہانوں سے دولت جمع نہیں کی۔ ان کی زندگی اور موت صحیح معنوں میں آنحضرت ﷺ کی مشہور دعا:

اللھمّ احینی مسکیناً واَمتی مسکیناً کا نمونہ تھی۔

ہم اس مرد درویش کی موت کو موت العالم موت العالَم کا مصداق تصور کرتے ہیں۔

ان کے سانحہ ارتحال کو جماعتی حادثہ قرار دیتے ہیں اور بارگاہ رب العزت میں ان کے ارفع درجات کے لیے دعا کرتے ہیں۔

ہمیں ان کے پسماندگان سے تعارف نہیں۔ اتنا ہی علم ہے کہ مولانا محمد اسحٰق خائف ان کے داماد تھے۔ جو آج سے دو سال قبل وفات پا گئے۔ ان کے عزیزوں میں ان کے نواسے پروفیسر عبدالرؤف ظفر سے ہماری آشنائی ہے۔ ہم ان سب کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور ان کے لیے صبر جمیل کی دعا کرتے ہیں۔

ہفت روزہ "اہلحدیث" لاہور

۳/ ذوالحجہ ۱۴۰۱ھ بمطابق ۲ اکتوبر ۱۹۸۱ء

حضرت عارف حصاری کے خاص تلمیذ رشید
جناب محمد حسین آزاد (مری) کے تاثرات

پاکستان کا ابن تیمیہ:

مفتی اعظم اور اسلام کا بطلِ جلیل حضرت عارف حصاری مورخہ ۱۹ ستمبر ۱۹۸۱ء کو اس دارِ فانی سے رحمتِ ربی کی طرف انتقال فرما گئے اور اس کے ساتھ ہی پاکستان میں تحقیق و مطالعہ اور علم و تقویٰ کی ایک ایسی شمع گل ہو گئی جس کا بدل شاید صدیوں تک پیدا نہ ہو سکے گا:

تبکی علیه مساجد و منابر — ولا هل العلم رنة وزفیر

قد کان مجتهداً مصیباً ناسکا — یحیی الشرائع سعیه المشکور

نقّاد اسناد الحدیث ومتنه — کشاف اسرار الکتاب بصیر

ہمیں جہاں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ ہم اپنے اسلاف کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ وہاں ہمارا یہ بھی اخلاقی فرض ہے کہ ہم اپنے صالح بزرگان کے چھوڑے ہوئے نقوشِ پا کا ذکر کرتے رہیں۔ شاید یہ انمٹ نقوش کسی طالب علم کے لیے منزل کا کھوج لگانے میں مددگار ہو سکیں۔

میں نے حضرت حصاریؒ کو ایک مربّی و مشفق اور خطیب و محقق کی حیثیت سے ذرا قریب سے دیکھا ہے۔ اسی نسبت سے میں مرحوم کی حیاتِ مستعار کے چند گوشے قارئین کی نظر کرنا چاہتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ قارئین اس جلیل القدر بے مثال محقق کے تذکرہ سے محظوظ ہوں گے۔ ممکن ہے کہ مرحوم کی حیات کے چند کمزور پہلو بھی کسی واقفِ حال کی نظر میں کھٹکتے ہوں مگر

اذکروا موتلکم بالخیر

کے پیشِ نظر ہم خوبیوں ہی کا تذکرہ کرنے کے پابند ہیں تاکہ ربِّ رحیم ہماری کوتاہیوں سے درگزار فرمائیں۔

اذما بجز حکایت مهر و وفا مپرس

ہندوستان کا ابن تیمیہ کے عنوان کے تحت مرحوم شورش کاشمیری نے لکھا تھا کہ عرب

کے (دمشق) ابنِ تیمیہ کی زندگی میں دو راتیں ایسی گزریں کہ جن میں وہ مطالعہ نہ کر سکے مگر ہندوستان کے ابنِ تیمیہ (حضرت مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم) پر کوئی رات بھی ایسی نہیں گزری جس میں ان کے مطالعہ کا ناغہ ہوا ہو۔ اگر میں کہوں تو اس میں قطعاً مبالغہ نہ ہوگا کہ پاکستان کے ابنِ تیمیہ (حضرت حصاریؒ) کی پوری زندگی میں تادمِ واپسیں کوئی دن بھی ایسا نہیں گزرا جس روز ان کے قلم نے کسی استفسار یا فتویٰ کی گتھی نہ سلجھائی ہو۔

ہوں ہمیشہ خاک پر تیری فرشتوں کے سلام
ہو میسر روح کو فردوس میں عیشِ دوام

بحوالہ ہفت روزہ "اہلحدیث" لاہور، جلد ۱۲، یکم محرم الحرام ۱۴۰۲ھ/ ۳۰ اکتوبر ۱۹۸۱ء۔

شرکیہ عقیدہ رکھنے والے کی بابت سوال

سوال (۶۷۴) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین ایسے شخص کے متعلق جو محمد مصطفےٰ ﷺ کو عالم الغیب ماکان وما یکون سمجھتا ہے۔ نذرونیاز' غیر اللہ کا قائل ہے۔ باوجود سمجھانے کے اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہیں آتا اور اپنے عقیدہ پر مضبوط رہتا ہے اور ساتھ ہی کلمہ پڑھتا ہے۔ کیا یہ شخص یا ایسا عقیدہ رکھنے والے اشخاص مشرک ہیں یا نہیں۔ اگر مشرک ہیں تو پھر مرتدین کی جماعت میں شمار ہوں گے اور ان کا ذبیحہ حرام ہو گا یا باوجود مشرک ہونے کے اہل کتاب کا حکم رکھتے ہیں۔

جواب (۶۷۴) ایسے عقیدہ اور اعمال مشرکانہ کرنے والا شخص مسلمان نہیں ہے' نہ اس کا ذبیحہ جائز ہے اور نہ اس کا جنازہ جائز ہے' نہ ایسے کی اقتدا جائز ہے' نہ اس سے مناکحت کرنا جائز ہے۔ اہل کتاب شرع کی اصطلاح میں یہود' نصاریٰ ہیں۔ ان کے بغیر کوئی دوسرا اہل کتاب نہیں ہو سکتا' وہ کافر اسلام سے خارج کہلائے گا' خواہ وہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھے۔ (فتاویٰ ستاریہ جلد۔ چہارم' ص۔۱۷۱)

کتبہ عبدالقادر الحصاری

غیر اللہ کے نعرے لگانے والے کون ہیں؟

سوال (۶۳۵) بریلوی لوگوں کے عقائد (نبی اکرم کو علم غیب کلی ماننا' حاضروناظر سمجھنا' یارسول اللہ پکارنا' مالک و مختار جاننا' تیجہ' دسواں' چالیسواں 'گیارہویں' ولیوں کے مزار پر جاکر چلے کرنا' ان سے مدد مانگنا) کیسے ہیں؟ ایسے عقائد والا آدمی مسلمان ہے یا مشرک و کافر؟

(السائل فضل محمد مجاہد الحدیث)

جواب (۶۳۵) جو عقائد اور مسائل سوال میں درج ہیں ان کا اسلام میں کوئی ثبوت نہیں- یہ مشرکانہ اور بدعیانہ عقائد ہیں جس میں یہ پائے گئے وہ مشرک ہے- تفصیل ان کی تقویۃ الایمان اور تذکیر الاخوان منگوا کر پڑھیے- ھذا ماعندی واللہ اعلم بالصواب (فتاوٰی ستاریہ جلد-چہارم' ص-۱۴۱)

کتبہ عبدالقادر الحصاری غفرلہ الباری

مسئلہ تقدیر کی تشریح

سوال مولانا آپ نے آنحضرت ﷺ کے نور کا مسئلہ تو حل کر دیا۔ اب مہربانی فرما کر مسئلہ تقدیر پر بھی کچھ روشنی ڈالئے۔ کیونکہ بہت سے لوگ اس میں لے دے کر رہے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جب نفع نقصان' نیکی بدی سب اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور اس کی تقدیر اس کی پیدائش سے پہلے مقدر ہو چکی ہے تو پھر انسان کا قصور کیا ہے؟ امید ہے کہ آپ اس مسئلہ کو بھی قرآن و حدیث کی روشنی میں واضح کریں گے۔
(سائل عبدالغفور کمپونڈر)

جواب اس سوال کا جواب دینے سے پہلے چند ہدایتیں ہیں جن کو قبول کرنے سے اس میں تسکین ہو سکتی ہے ورنہ حیرانگی اور وسواس ہی میں زندگی گذرے گی۔ کیونکہ یہ مسئلہ تقدیر بہت عسیر الفہم ہے۔ اس بھنور میں پھنس کر کئی لوگ داخل جہنم ہو چکے ہیں۔ جبریہ اور قدریہ دو فرقے جو نہایت گمراہ ہیں' اس مسئلہ ہی کی بنا پر پیدا ہوئے جو افراط اور تفریط میں پڑ کر ہدایت سے محروم رہ گئے۔ لہٰذا اس مسئلہ کو جو اسرار الٰہی میں سے ہے۔ مندرجہ ذیل ہدایات کو ذہن نشین رکھ کر سمجھ لیجئے اور اللہ تعالیٰ سے حصول ہدایت کی دعا کیجئے۔

(۱) مسئلہ تقدیر اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات اور دیگر غیبی امور کی طرح صرف تسلیم کر لینے کے قابل ہے۔ اس میں بحث کرنا اور اس کی کیفیت اور پوری کنسہ معلوم کرنے کے لیے کرید اور تفحص کرنا ممنوع ہے۔ آنحضور ﷺ نے اپنی امت کو ارشاد فرمایا ہے کہ اذا ذکر القدر فامسکوا۔ (طبرانی) یعنی مسئلہ تقدیر کا ذکر کیا جائے تو تم اس پر بحث اور مذاکرہ کرنے سے رک جاؤ۔

مشکوٰۃ میں بروایت ابن ماجہ حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے مسئلہ تقدیر پر بحث کی وہ دن قیامت کے سوال کیا جائے گا اور جس نے خاموشی

اختیار کی' اس سے سوال نہیں کیا جائے گا۔ یعنی جو شخص تقدیر پر ایمان لے آیا اور اس پر اس نے بحث نہیں کی اور حقیقت سے تفحص نہیں کیا' اس سے یہ سوال نہ ہو گا کہ تو نے اس پر بحث کر کے اصل حقیقت کو معلوم نہیں کیا؟ اور جس نے بحث کی اس سے محاسبہ ہو گا کہ تو اس مسئلہ کے درپے کیوں ہوا؟ اگر وہ خطا کر گیا تو ہلاک ہوا۔ مشکوۃ میں حدیث منقول ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم مسئلہ تقدیر پر بحث مباحثہ کر رہے تھے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور ہم پر بہت غضبناک ہوئے اور غصہ سے آپ کا چہرہ اس طرح سرخ ہو گیا کہ گویا اس میں انار نچوڑے گئے ہیں۔ پھر فرمانے لگے کہ کیا تم ساتھ اس چیز کے حکم کئے گئے ہو یعنی کیا مسئلہ تقدیر کی بال کی کھال نکالنے پر مامور ہو۔ اور کیا میں اسی مسئلہ پر مباحثہ کرانے کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ پہلے لوگ بھی اس مسئلہ پر جھگڑنے اور رائے زنیاں کرنے کے سبب سے ہلاک ہو گئے۔ میں تم کو بار بار قسم دے کر یہ وصیت کرتا ہوں کہ تم اس مسئلہ پر جھگڑا نہ کیا کرو۔

(۲) مسئلہ تقدیر پر ایمان لانا فرض ہے۔ اس کا مکذب ملعون اور جہنمی ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرقہ قدریہ یعنی جو تقدیر الٰہی کے منکر اور انسان کو افعال کا خالق جانتے ہیں' وہ میری امت کے مجوس ہیں۔ اگر بیمار ہوں تو ان کی عیادت نہ کرو اور اگر مر جائیں تو ان کا جنازہ نہ پڑھو۔ (مشکوۃ) اور فرمایا کہ فرقہ قدریہ اور مرجیہ کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ (اور مسند احمد میں حدیث ہے کہ) آپ نے فرمایا کہ اگر تم احد پہاڑ کے برابر سونا راہ الٰہی میں خرچ کرو تب بھی اللہ تعالیٰ اس کو قبول نہ کرے گا جب تک کہ تم مسئلہ تقدیر پر ایمان نہ لاؤ گے۔ اگر تقدیر پر ایمان لائے بغیر مر گئے تو تم جہنمی ہو گے۔ پس تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کا یہ فرمانا کہ ہرچند میرے نزدیک مسئلہ قضا و قدر جزو ایمان نہیں ہے اور اس کی حیثیت ایک مسئلہ کی ہے' سراسر غلط ہے۔ (ملاحظہ ہو رسالہ جبروقدر ص-۱۰)

مشکوۃ کے شروع کتاب الایمان میں بخاری و مسلم کی صحیح حدیث وارد ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ مجھے ایمان کی خبر دیجئے تب

آنحضرت ﷺ نے فرمایا "کہ ایمان لائے تو ساتھ اللہ کے اور فرشتوں کے اور اس کی کتابوں کے اور اس کے رسولوں کے اور دن قیامت کے اور ایمان لائے تو ساتھ تقدیر نیک اور بری کے۔" اس پر جرائیل علیہ السلام نے کہا کہ صدقت کہ آپ نے سچ فرمایا۔ پس جرائیل علیہ السلام اور نبی کریم ﷺ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ مسئلہ قضاء و قدر جزو ایمان ہے اور جو شخص اس کو نہیں مانتا وہ کافر خارج از اسلام ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ اپنی تمام کائنات کا واحد مالک اور متصرف اور مختار مطلق ہے جو چاہے سو کرے اس کا ہر کام اور ہر حکم اور ہر فیصلہ عدل اور حکمت پر مبنی ہے۔ اس پر کسی کو سوال کرنے اور دم مارنے کی اجازت نہیں ہے۔ قرآن میں ہے لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون یعنی اللہ تعالیٰ کے کام پر سوال نہیں کیا جا سکتا اور لوگوں سے ان کے کاموں پر محاسبہ ہو گا۔ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کی پیدائش پر سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ جواب دیا "انی اعلم مالا تعلمون" اس کے پیدا کرنے کی حکمتوں کو میں جانتا ہوں، تم نہیں جانتے۔

مشکوۃ میں آنحضرت ﷺ اور ابی بن کعب اور ابن مسعود اور حذیفہ بن یمان اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کا متفقہ بیان ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمام آسمان کے رہنے والوں کو اور زمین کے رہنے والوں کو عذاب کرے تو وہ ظالم قرار نہیں دیا جا سکتا اور اگر سب پر رحم کر کے بخش دے تو یہ ان کے عملوں سے بہتر ہے۔ پس تقدیر کے شبہات دفع کرنے کے لیے یہی بات کافی ہے۔ ان ہدایتوں کو ذہن نشین فرما کر اب اپنے سوال کا جواب سنیئے کہ نیکی اور بدی مطلق با لکلیہ نہ اللہ کی طرف سے ہے اور نہ انسان کی طرف سے ہے بلکہ بروئے قرآن و حدیث یہ ظاہر ہے کہ نیکی تو اللہ تعالیٰ اور انسان کی طرف سے منسوب ہے اور بدی اللہ تعالیٰ اور انسان اور شیطان کی طرف سے منسوب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف اس لیے منسوب ہے کہ وہ خالق ہے۔ انسان اور اس کے اعمال کا اور اسی کی توفیق اور قدرت دینے سے ہر کام ہوتا ہے۔ اور انسان کی طرف برائی کی اور نیکی کی نسبت اس لیے ہے کہ وہ کاسب ہے اور عمل اس کے اختیار اور قدرت سے ظاہر ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسے دیا ہے۔ اور شیطان کی طرف اس لیے برائی منسوب ہے کہ وہ دل پر اپنا اثر اور مشورہ ڈالنے والا ہے اور برائی کی رغبت دینے

والا ہے۔ اس لیے بعض وقت کوئی انسان برائی کرنے کا حکم دے یا مشورہ دے یا اس کے اثر سے برائی کی جائے تو اس کی طرف بھی برائی منسوب ہو جاتی ہے۔ آیت من شر الوسواس الخناس الذی یوسوس فی صدور الناس من الجنة والناس میں اسی کا بیان ہے۔ قرآن میں ان سب کے دلائل موجود ہیں۔ الیوم تجزی کل نفس بما کسبت۔ کہ ہر نفس کو اس کی کمائی کے مطابق بدلہ دیا جائے گا۔ فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر یعنی جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے انکار کرے۔ وما اصابک من سیئة فمن نفسک ہر برائی جو تمہیں پیش آتی ہے' وہ تمہاری اپنی وجہ سے ہے۔ الشیطان یعدکم الفقر ویامرکم بالفحشاء شیطان تم کو زکوٰۃ صدقات سے روکتا ہے کہ تم مفلس ہو جاؤ گے اور بے حیائی کے کاموں کا حکم دیتا ہے۔ وزین لھم الشیطان اعمالھم فصدھم عن السبیل فھم لا یھتدون یعنی شیطان نے ان کے لیے ان کے برے عملوں کو مزین کر دیا ہے اور راہ راست سے روک دیا ہے اس لیے وہ ہدایت نہیں پاتے۔ الم ترانا ارسلنا الشیاطین علی الکافرین تؤزھم ازاہ ہم نے کافروں پر شیطانوں کو چھوڑ دیا ہے۔ وہ ان کو بھڑکا رہے ہیں۔ وجعلناھم ائمة یدعون الی النار۔ ہم نے ان کو ان کے راہنما بنا دیئے ہیں جو ان کو آگ کی طرف بلاتے ہیں۔ وما اصابکم من مصیبة فیما کسبت ایدیکم یعنی تم پر جو مصیبت بھی آئے وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی کے سبب سے ہے۔ ظھر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس۔ خشکی اور تری جنگلوں اور دریاؤں میں جو فساد برپا ہوئے' وہ تمہاری بد اعمالیوں کے سبب سے ہیں۔ ان اللہ لا یظلم الناس شیئا ولکن الناس انفسھم یظلمون یقیناً اللہ تعالیٰ لوگوں پر کوئی ظلم نہیں کرتا بلکہ لوگ خود اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہیں۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے برائی' ظلم' کسب کو انسانوں' شیطانوں اور برے رہنماؤں کی طرف منسوب کیا ہے۔ کیونکہ کوئی اس کام کا مشورہ خفیہ یا ظاہر دیتا ہے اور کوئی وہ کسب اور عمل کرتا ہے اور اس سے وہ کام صادر ہوتا ہے۔

اب اللہ تعالیٰ اپنی بابت فرماتا ہے کہ واللہ خلقکم وما تعملون یعنی اللہ نے تم کو اور تمہارے عملوں کو پیدا کیا ہے۔ وما اصابکم یوم التقی الجمعان فباذن اللہ

جو مصیبت تم پر دونوں گروہوں کے مقابلہ سے آئی وہ اللہ کے اذن سے تھی۔ ما اصاب من مصیبة فی الارض ولا انفسکم الافی کتاب من قبل ان تبراها کوئی مصیبت زمین میں یا تمہاری جانوں میں نہیں پہنچتی مگر وہ ایک کتاب (لوح محفوظ) میں لکھی ہوئی ہوتی ہے۔ قبل اس کے کہ ہم اس کو ظاہر کریں وان تصبهم حسنة یقولوا هذه من عندالله وان تصبهم سیئة یقولوا هذه من عندک قل کل من عند الله یعنی اگر انہیں کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تیری بدولت ہے' تم کہو یہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ وما کان لنفس ان تؤمن الا باذن الله کوئی نفس اللہ کے اذن کے بغیر مومن نہیں ہو سکتا۔ ولقد ذرانا لجهنم کثیرا من الجن والانس۔ ہم نے بہت جنوں اور انسانوں کو جہنم کے لیے پیدا کیا ہے۔ زینا لهم اعمالهم فهم یعمهون ہم نے ان کے اعمال ان کے لیے خوشنما بنا دیئے ہیں۔ وہ بھٹکتے پھر رہے ہیں۔ ان الفضل بیدالله یؤتیه من یشاء فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ قد جعل الله لکل شئی قدرا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا اندازہ ٹھہرا دیا ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنا اختیاری کام ظاہر کیا ہے۔ پہلی آیات اور ان آیتوں میں کوئی تعارض اور تضاد نہیں ہے۔ ان تمام باتوں اور کاموں میں سب کا کچھ نہ کچھ دخل ہے۔ ہر ایک کے لحاظ سے وہ چیز اس کی طرف منسوب ہے۔ مثلاً ایک بادشاہ کے حکم سے کسی بادشاہ کے لشکر سے جنگ ہو اور سپہ سالار اور فوج لڑتی ہو اور ان کو لڑنے کا حکم دے کر سامان لڑائی کا دیا گیا ہو اور ان کو تمام ہدایات جنگ بھی دے دی گئی ہوں۔ پھر وہ فوج سپہ سالار کی ماتحتی میں لڑے اور فتح یاب ہو جائے تو اس فتح کو بادشاہ کی طرف بھی نسبت کیا جا سکتا ہے کہ بادشاہ نے فلاں لڑائی کی اور ملک فتح کر لیا اور سپہ سالار کو بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس نے لڑائی کی اور ملک فتح کیا اور فوج کو بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس نے لڑائی کی اور ملک فتح کیا اور ہر مجاہد سپاہی کو بھی کہہ سکتے ہیں کہ تم نے لڑائی کی اور ملک فتح کیا۔ ایک ہی کام اور اس کے نتیجہ کو مختلف شخصوں کی طرف نسبت کیا گیا ہے۔ کیونکہ سب کی اس کام میں شمولیت اور دخل ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ پھر اللہ تعالیٰ بھی ہر برے کام کا شریک کار ہوا تو اس کا جواب

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ کسی برے کام کرنے کا حکم دیتا ہے اور نہ اس پر راضی ہے۔ بلکہ اس سے منع کرتا ہے اور ناراض ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ بحکم فالھمھا فجورھا وتقوھا اللہ تعالیٰ نے ہر نفس میں برائی اور نیکی کا الہام اور القاء کر دیا ہے اور انسان کو قدرت اور اختیار دیا ہے اور جدھر وہ کوشش اور ارادہ کرتا ہے ادھر ہی اللہ تعالیٰ اس کو توفیق دے دیتا ہے اور چلاتا ہے اور جب بندہ کسب کرتا ہے تو اللہ اس فعل کو پیدا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کام کو اپنی کتاب میں لکھ رکھا ہے کہ اس طرح ہو گا۔ جس کا نام تقدیر اور قضا و قدر ہے اس لیے تمام کام اللہ کی طرف منسوب ہیں۔ پس انسان کو نفع و نقصان کی راہ سمجھا کر اور بجھا کر دنیا میں ایک محدود پیمانہ پر کچھ اختیارات دیئے گئے اور ان کے استعمال میں مناسب حد تک اسے آزاد کر دیا گیا۔

اب آخرت میں اور اس دنیا میں جو انسان کو بھلا یا برا کہا جاتا ہے یا عدالت دنیا میں یا عدالت الٰہی میں اسے جزا سزا ملتی ہے' وہ اسی اختیار اور کسب کی وجہ سے ہے لیکن یہ اتنا مختار مطلق نہیں ہے کہ اپنی زندگی میں جو چاہے وہ کرے مثلاً ہمیشہ تندرست رہنا' ہر کام میں ہمیشہ کامیاب ہونا' ہمیشہ مالدار رہنا' ہمیشہ زندہ رہنا' ہمیشہ خوش اور بے غم رہنا وغیرہ امور اس کے اختیار میں نہیں ہیں۔ اس کی آزادی اور اختیار ایک خاص مقدار پر اور خاص حدود کے اندر اور خاص نوعیت کے ہیں جس کا تعین مشکل ہے لیکن بالکل مجبور بھی نہیں ہے۔ جیسے موٹر' انجن چرخہ وغیرہ بے جان چیزیں مجبور ہیں یا پتھر لکڑی وغیرہ مجبور ہیں کہ ان کے ذریعہ انسان کوئی برا کام کرے تو ان کی طرف برائی کی نسبت نہیں کی جا سکتی اور کوئی ان کو کافر موٹر یا مومن چرخہ یا مشرک انجن نہیں کہتا یا بدمعاش پتھر یا فاجر لکڑی نہیں بولتا مگر انسان کو اس کے اعمال اور قول و کردار پر ایسا کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں جان ہے وہ حرکت کرتا ہے اور اس کو اختیار اور قدرت حاصل ہے اور جن امور میں اس کو قدرت اور اختیار حاصل نہیں' ان میں اس پر کوئی جزا اور سزا مرتب نہیں ہے اور جہاں اس کو کوئی مجبور اور مکرہ اور مضطر بنا دیتا ہے تو وہاں اس کو معاف رکھا جاتا ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا کہ کسی شخص کو اس کی قدرت اور وسعت سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کام کرنے کی تکلیف نہیں دی جاتی

ہے۔

باقی رہا یہ سوال کہ انسان کی تقدیر اس کے پیدا کرنے سے پہلے لکھی جاتی ہے یا ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ تقدیر کئی بار لکھی جاتی ہے اور دفتر الٰہی میں ہر وقت کام ہو رہا ہے۔

تقدیر اول ⇦ ایک بار تو آسمان' زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے قلم سے لکھی گئی' جس کا ذکر سوال نمبر۔۲ کے جواب نمبر۔۲ میں احادیث نمبر۔۱۴٬۱ میں مذکور ہے۔ اب جو کچھ دنیا میں وقوع پذیر ہو رہا ہے یا ہوا یا آئندہ ہو گا' وہ سب اسی نوشتہ کے مطابق ہے اور جو کچھ لکھا گیا ہے وہ علم الٰہی ہے جو بالکل صحیح اور درست ہے۔ اس نے اپنے علمی کمال سے تمام کائنات کی حقیقت اور احوال اور انجام کو جان لیا اور لکھ دیا ہے۔ جیسے ایک قابل ڈاکٹر تجربہ سے کسی دوا کا فائدہ جان کر اس کا نفع اور حکم لکھ دے اور انجام بتا دے اور مریض کو استعمال کی ہدایت کر دے پھر مریض اسے لے کر استعمال کرے تو فائدہ اسی طرح ظاہر ہو جس طرح ڈاکٹر نے بتلا دیا تھا' پس اس سے ڈاکٹر کا کمال ظاہر ہو گا۔ باقی دوا کا کام اور اثر اور مریض کا عمل یہ سب علیحدہ چیزیں ہیں۔ ان میں تقدیر تحریر شدہ نے کوئی دست اندازی نہیں کی۔ جس طرح ڈاکٹر کے علم نے نہیں کی۔ پس یہ کہنا صحیح نہیں کہ جو کچھ لکھا گیا ہے وہ انسان یا دیگر مخلوق سے بالجبر کرایا جاتا ہے بلکہ یوں کہنا صحیح ہے کہ انسان یا دیگر مخلوق کے ارادہ اور اختیار سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ عین علم الٰہی کے مطابق اترتا ہے۔ درسگاہ میں استاد تجربہ کار نے طلباء کو جان لیا کہ فلاں ذہین ہے اور فلاں کند فہم ہے اور فلاں محنتی ہے اور فلاں غفلت شعار اور سست ہے' فلاں امتحان میں پاس ہو گا اور فلاں فیل ہو گا۔ پھر استاد نے سب طلباء کو یکساں تعلیم دی اور یکساں ہدایت کی۔ اب جو استاد نے بتلائے تھے' امتحان میں وہی پاس اور فیل ہوئے۔ تو اس میں استاد کا علم صحیح ثابت ہوا۔ پاس یا فیل کرانے میں استاد کے علم کو کچھ دخل نہیں ہے۔ استاد نے ایک اندازہ کیا تھا جو ٹھیک ظاہر ہوا۔

مخلوق کے اندازے' قیافے' علم' تجربے کبھی غلط ہو جاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا اندازہ اور اس کا علم کبھی غلط ثابت نہیں ہوا' نہ ہو گا۔ جو کچھ ہوا اس کا مقابلہ لوح محفوظ سے کیا گیا تو درست پایا گیا۔

تقدیر دوم ⇦ حذیفہ بن اسید ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب نطفہ ماں کے پیٹ میں چالیس رات ٹھہر چکتا ہے تو اس کے پاس ایک فرشتہ آتا ہے اور کہتا ہے کہ اے اللہ! یہ شقی ہو گا یا سعید؟ پھر (جو کچھ اللہ فرماتا ہے) لکھا جاتا ہے پھر پوچھتا ہے یہ مرد ہو گا یا عورت؟ جو حکم ہوتا ہے لکھ دیا جاتا ہے اور اسی وقت اس کے تمام عمل نشان قدم عمر اور رزق سب لکھ لیے جاتے ہیں اور نوشت لپیٹ دی جاتی ہے۔ پھر اس میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔ یہ انفرادی تقدیر ہے جو ملک الرحم کے ذریعہ لکھی جاتی ہے اور یہ تقدیر انفرادی ہوتی ہے' سب کی تفصیل لوح محفوظ میں ہے۔

تقدیر سوم ⇦ شب قدر میں سالانہ تقدیر لکھی جاتی ہے۔ جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔ حم والكتاب المبين انا انزلناه في ليلة مباركة انا كنا منذرين فيها يفرق كل امر حكيم امرا من عندنا انا كنا مرسلين۔ یعنی قسم ہے کتاب واضح کی ہم نے شب قدر میں قرآن کو اتارا ہے جو مبارک رات ہے' ہمیں لوگوں کو اپنے حساب اور عذاب سے ڈرانا منظور ہے۔ تمام امور انتظامیہ اسی رات میں تصفیہ پاتے ہیں کیونکہ ہم کو پیغمبر کا بھیجنا اور قرآن کا بھیجنا منظور ہے۔ حضرت ابن عباس ؓ نے اس آیت کی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ لیلۃ القدر میں وہ تمام چیزیں جو آئندہ سال ہوں گی یعنی موت حیات' رزق' بارش' یہاں تک کہ حاجیوں کے نام کہ فلاں فلاں شخص حج کرے گا' لوح محفوظ سے (علیحدہ دفتر میں) لکھے جاتے ہیں۔ سعید بن جبیر' مقاتل' حسن نے بھی اس آیت کی تفسیر میں ایسا ہی ذکر کیا ہے اور یہی آیت کے معنوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ سال بھر کے واقعات اس رات میں مقدر ہوتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ مدبر سال بھر کے کاروبار ملائکہ منتظمین' عاملین کے سپرد کر دیتا ہے اور وہ اس کے حکم کے مطابق سزا انجام دیتے ہیں۔ فتفکر۔

عبدالقادر عارف الحصاری

اہل حدیث سوہدرہ جلد-۶' شمارہ-۱۸' ۱۹' ۲۰ مورخہ ۸ و ۱۶ و ۲۳ مئی سنہ-۱۹۵۴ء

صورت الٰہی

واضح ہو کہ ایک صاحب نے پوچھا کہ حضرت مولانا سید اسماعیل شہید محدث دہلوی ؒ نے تقویۃ الایمان میں یہ لکھا ہے کہ اس کی یعنی اللہ تعالیٰ کی صورت کا تصور باندھنا' اس کی بابت کیا حکم ہے؟ کیونکہ مولوی نعیم الدین مراد آبادی نے اپنی کتاب اطیب البیان میں اس مسئلہ کی تردید کی ہے اور یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ صورت سے پاک ہے' اسی لیے صورت ماننا کفر ہے۔

تصور شیخ کی تردید ⇦ میں کہتا ہوں کہ حضرت شہید رئیس الموحدین نے اہل بدعت کی بابت یہ معلوم کیا کہ وہ ذکر الٰہی اور عبادات میں جب مراقبہ کرتے ہیں تو اپنے مشائخ اور پیروں کا تصور باندھتے ہیں حالانکہ ان کا عبادات الٰہی میں کوئی اشتراک نہیں ہے لیکن اہل بدعت گروہ وثنیہ ہے جو تصور شیخ سے باطنی بت پرستی کرتا ہے۔ اس کی تردید اس حدیث میں پائی جاتی ہے جو مشکوۃ کی کتاب الایمان میں حضرت عمر فاروق ؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے احسان کی تعریف بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا طریقہ یہ ہے' "ان تعبد اللّٰه كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك"

کہ بندگی کر تو اللہ تعالیٰ کی بایں طور کہ گویا تو اس کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہے' پس اگر تو نہیں دیکھ سکتا اس کو تو دل میں یہ تصور کرے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

شرع میں اس حالت کو خشوع و خضوع و اخلاص کہتے ہیں جو شخص عبادت کرتے وقت اپنے دل میں توجہ الی اللہ کی یہ حالت پیدا کر لے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے تو یہ حالت کمال ہیبت و جلال کی ہے' اس سے انابت الی اللہ اور خشوع و ذوق اور محبت الٰہی پیدا ہو گی۔ اولیاء کرام کو یہ مرتبہ عظمٰی حاصل تھا' اس کو ان کی اصطلاح میں مقام مشاہدہ و استغراق کہتے ہیں۔ یہ مرتبہ انبیاء و اولیاء کو حاصل تھا اور بہت سے صلحاء و علماء اس درجہ علیا کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ اگر یہ ممکن نہ ہوا تو درجہ ثانیہ یہ ہے کہ دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف یوں متوجہ کرے کہ وہ اس کو دیکھ رہا ہے اور اس

طرح جانے کہ وہ حاضر و ناظر ہے تو اس حالت میں بھی خشوع اور خوف الٰہی پیدا ہو گا' پھر ایسی حرکات و سکنات سے بچے گا اور احتیاط کرے گا جو نماز کے منافی ہیں اور پھر نماز میں جو قرات اور تسبیحات وغیرہ پڑھتا ہے ان کو سمجھے گا۔ قرآن کریم کی آیت "قد افلح المؤمنون ○ الذین ھم فی صلاتھم خاشعون" ○ میں اسی کا بیان ہے یعنی فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ وہ مومن لوگ فلاح پائیں گے جو نماز میں خشوع رکھتے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں ابن کثیر جلد۔۳' ص۔۲۳۸ میں حضرت علی ﷺ سے مروی ہے "الخشوع خشوع القلب" یعنی خشوع دل سے ہوتا ہے کہ دل کو اللہ کی طرف متوجہ کر کے اس کے سامنے عاجزی اور خشیت ظاہر کی جائے۔ امام حسن بصری سے منقول ہے۔ "کان خشوعھم فی قلوبھم" کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کا خشوع ان کے دلوں میں ہوتا تھا پھر اس کی تفسیر ابن کثیر میں یوں وضاحت کی ہے "والخشوع فی الصلوٰۃ انما یحصل لمن فرغ قلبہ لھا واشتغل بھا ماعداھا واثرھا علیٰ غیرھا وحینئذ تکون راحۃ لہ وقرۃ عین کما قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وجعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ"

یعنی نماز میں خشوع کرنے کا طریقہ یہ ہے اپنے دل کو نماز کے لیے فارغ کر دے اور نماز کے ماسوا سب کو چھوڑ کر اس میں دل و جان سے مشغول ہو جائے اور سب کاموں پر سے دل ہٹا کر نماز کی طرف متوجہ ہونے کو ترجیح دے' جب نماز کو اللہ کی طرف متوجہ ہو کر اس طرح پڑھے گا تو اس کو راحت حاصل ہو گی اور آنکھوں میں ٹھنڈک آئے گی' جیسا کہ حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ نماز میں میری آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے۔

ان دلائل سے یہ ثابت ہوا کہ انسان مومن عابد کو عبادت کے وقت اپنے معبود کی طرف توجہ اور تصور رکھنا چاہیے' غیر کی طرف دل کو متوجہ کرنا اور اس کا تصور رکھنا شرک ہے' کیونکہ اس طرح عبادات الٰہی میں غیر کو اللہ کے ساتھ شریک کرنا ہے جو ظلم عظیم ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اخبار الاخیار کے ص۔۲۰۸ میں فرماتے ہیں "ہرچہ نظر در غیر است شرک است" یعنی طاعت الٰہی میں غیر کی طرف نظر رکھنا شرک ہے'

اور ص-۱۹۰ میں فرماتے ہیں "نگہبانی دل کند و دل را متوجہ بجق دارد و ہرچہ غیر حق است اور اور باطن جائے ندہد" یعنی عبادت الٰہی میں دل کی نگہبانی کرے اور دل کو حق تعالیٰ کی طرف رکھے اور جو چیز سوائے حق ہے اس کو اپنے باطن میں جگہ نہ دے۔
اور ص-۲۸۹ میں فرماتے ہیں "اہل تحقیق گفتہ اند کہ ہر قوم راگو سالہ است کہ در پرستش او مشغول اند گو بظاہر خود را مسلمان و دیندار پندارند" یعنی علماء اہل تحقیق نے یہ فرمایا ہے کہ ہر قوم کے لیے ایک گو سالہ ہے (جیسے سامری کا گو سالہ تھا) یعنی بیل ہے کہ اس کی پوجا میں مشغول ہیں گو بظاہر اپنے آپ کو مسلمان دیندار سمجھتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ پیر پرستوں کا گو سالہ ان کا وہ پیر ہے جس کا نماز میں یا ذکر الٰہی میں تصور رکھتے ہیں اور ان کو اپنا قبلہ و کعبہ اعتقاد رکھتے ہیں اور زبان سے کہتے ہیں اور قلموں سے لکھتے ہیں۔ اس لیے تصور شیخ حرام اور شرک ہے۔

مولانا رشید احمد گنگوہی دیوبندی اپنے فتاویٰ میں ایک سائل تصور شیخ کے جواب میں یہ فرماتے ہیں:

"اس شغل میں متاخرین صوفیہ نے غلو کیا اور شرک تک نوبت پہنچی لہٰذا متاخرین علماء نے اس کو منع فرمایا اور اب علماء متاخرین کے قول پر عمل کرنا چاہیے' اس شغل (تصور پیر) کی کچھ ضرورت نہیں اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اس شغل کا کچھ اثر تھا۔" رشید احمد گنگوہی۔

میں کہتا ہوں کہ اس بدعت شرکیہ کا عہد نبوی ﷺ و عہد صحابہ رضی اللہ عنہم بلکہ تمام قرون ثلاثہ میں کوئی ثبوت نہیں ملتا' لہٰذا اس شرکیہ بدعت سے اجتناب واجب ہے۔

پس اسی بناء پر حضرت مولانا سید اسماعیل شہید رحمہ اللہ نے تقویۃ الایمان میں یہ فرمایا کہ اللہ کی صورت کا تصور باندھنا چاہیے۔ صورت سے مراد ذات الٰہی ہو تو یہ کوئی اعتراض ہی نہیں ہے اور اگر صورت عرفی مراد ہو تو پھر دیگر صفات کی طرح اس کو بھی بلاکیف و تشبیہ تسلیم کرتے ہیں' کیونکہ اہل سنت کا اصول یہ ہے کہ ذات الٰہی اور صفات کے بارے میں جو الفاظ وارد ہوں ان کو بلا تشبیہ و تمثیل مان لیا جائے۔ اہل حق نے دو اصول بیان کیے ہیں اول یہ ہے کہ "النصوص تحمل علی ظواھرھا" کہ

کتاب و سنت کے نصوص اپنے ظاہر پر محمول ہیں۔ دوسرا اصول یہ ہے "امروها كما جاءت" کہ نصوص شرعیہ جس طرح شارع نے بیان کیے ہیں ان کو اسی حالت پر گزار دو تاویل وغیرہ سے کوئی تعرض نہ کرو۔ پس جس طرح وجہ' ید' اصابع' بصر' سمع' کلام' ساق' قدم کو مانا ہے اسی طرح صورت الٰہی کو مان لیں کہ وہ احسن صورت میں بے مثل ہے۔

ترمذی مع شرح جلد۔۴' ص۔۱۷۳ میں طویل حدیث ہے جس میں یہ الفاظ ہیں' اتانی اللیلة ربی تبارک تعالٰی فی احسن صورة" کہ آج رات کو میرا رب تبارک تعالیٰ نہایت اچھی صورت میں آیا۔ شرح تحفة الاحوذی میں لکھا ہے "فمذهب السلف فی مثل هذا من احادیث الصفات امراره کما جاء من غیر تکییف ولا تشبیه ولا تعطیل والایمان به من غیر تاویل" ۔

یعنی سلف صالحین کا مذہب ایسی احادیث صفات کے متعلق یہ ہے کہ وہ جس طرح وارد ہیں ان کو بغیر کیفیت بیان کرنے اور ان کو تشبیہ دینے اور بے کار کرنے کے مان لینا ہے اور بغیر تاویل کے ایمان لانا ہے۔

اسی طرح صحیح احادیث میں یہ آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "اذا قاتل احدکم فلیجتنب الوجه فان الله خلق آدم علی صورته" (رواہ مسلم) یعنی جب کوئی تم میں سے لڑے تو اس کے منہ پر نہ مارے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے' دیگر حدیث میں ہے' "اذا ضرب احدکم فلیجتنب الوجه ولا یقل قبح الله وجهک فان الله خلق آدم علی صورته" یعنی جب کوئی شخص کسی کو مارے تو منہ پر مارنے سے بچے اور اس کے منہ کو برا بھی نہ کہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔ بعض لوگ کلمہ "صورته" کی ضمیر کو لفظ آدم کی طرف پھیرتے ہیں جو دو وجہ سے غلط ہے ایک یہ کہ پھر کلام بالکل مہمل ہو جاتی ہے' کیونکہ منہ پر مارنے اور اس کو برا کہنے کی ممانعت کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی صورت پر بنایا ہے' اسی وجہ سے اس کی عظمت و کرامت ہے' اگر آدم مراد ہو تو پھر نہ مارنے کی علت معقول نہیں رہتی "کما هوالظاهر" دوسری وجہ یہ ہے کہ ایک روایت میں صاف یہ الفاظ ہیں' "عن ابن

عمر قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم لا تقبحوا الوجه فان اللّٰہ خلق آدم علیٰ صورته الرحمنٰ" یعنی جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم انسان کے منہ کو برا نہ کہو' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو رحمان کی صورت پر پیدا کیا ہے۔

پس صورت کا اطلاق ذات الٰہی پر ثابت ہوا' لیکن اللہ کی صورت بے مثل ہے' کیونکہ اللہ کی ذات نور ہے' انسان مٹی سے پیدا ہوا تو مٹی نور کی مثل نہیں ہے۔ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی صورت پر بنایا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام میں اپنی صورت کے نمونے پیدا کیے' جیسے کلام کرنا' دیکھنا' سننا' ہنسنا' دماغ میں عقل کا نور ہونا' چہرہ کا خوبصورت ہونا۔ جیسے فرمایا "لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم" یعنی ہم نے انسان کو نہایت اچھی شکل میں پیدا کیا ہے۔ یہاں ایک لطیفہ قابل غور ہے کہ تفسیر عزیزی میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں کسی شخص نے اپنی عورت کو مخاطب کر کے یوں کہا "ان لم تکونی احسن من القمر فانت طالق" یعنی اگر تو چاند سے زیادہ خوبصورت نہیں ہے تو تجھ پر طلاق ہے۔

جب علماء سے طلاق کا حکم دریافت کیا گیا تو وہ حیران ہوئے اور آخر طلاق واقع ہونے کا حکم دیا۔ جب اس فتوٰی کی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے تصدیق کرائی گئی تو آپ نے فرمایا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی' کیونکہ عورت انسان ہے اور انسان کی بابت قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ ہم نے اس کو نہایت خوبصورت بنایا ہے۔ اگر چاند کی صورت انسان کی صورت سے بہتر ہوتی تو انسان کے حق میں احسن تقویم نہ فرماتا۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے "فی احسن صورۃ و شکل" کہ نہایت خوبصورت شکل میں پیدا کیا۔ جہمیہ' معتزلہ' معطلہ صورت الٰہی سے انکار کرتے ہیں' اور فرقہ مجسمہ و مشبہ اللہ تعالیٰ کے لیے صورت کا اقرار کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صورت انسان جیسی ہے' خدوخال ہیں یعنی اس کا جسم' گوشت' پوست' خون سے مرکب ہے۔ ان پر علماء نے لعنت کی ہے۔ ہم اہل سنت نہ معطلہ ہیں کہ کسی صفت ثابتہ کا انکار کرتے ہیں اور نہ مشبہ ہیں کہ خالق کو مخلوق کے مشابہ کہتے ہیں۔ محض کسی صفت کو ماننے سے تشبیہ لازم نہیں آتی۔ ذات اور صفات کا مسئلہ نہایت اہم ہے' بعض گمراہ

فرقے تنزیہہ میں غلو کر کے تعطیل میں پڑ گئے اور بعض ظاہر نصوص کو مخلوق کے مشابہ خالق کو مان کر شبہہ و تمثیل میں پڑ گئے' متکلمین اور موولین دونوں ایک گڑھے سے نکل کر ضلالت کے دوسرے گڑھے میں پڑتے رہتے' بعض نام کے اہل سنت تنزیہہ الٰہی کا بہنہ بنا کر یہ کہتے ہیں کہ نہ اللہ کی صورت ہے نہ مکان ہے نہ زمان ہے نہ جہت ہے نہ جوہر ہے نہ عرض ہے نہ نزول ہے نہ صعود ہے نہ استواء عرش ہے نہ وہ اوپر ہے نہ نیچے ہے نہ ید' نہ وجہ' نہ ساق' نہ اس کا کلام مسموع ہے' نہ اس میں آواز ہے' نہ ہی حروف وغیرہ ہیں کہ یہ سب چیزیں معدوم کی صفات ہیں۔

اہل سنت کا مذہب ان سب فرقوں کے مابین ہے جو صفات کتاب و سنت میں وارد ہیں' ان کا بلاکیف اطلاق ذات الٰہی پر کرتے ہیں اور جو وارد نہیں ان سے توقف کرتے ہیں۔ مثلاً جسم کا اطلاق ذات الٰہی پر نہیں کرتے کہ یہ لفظ وارد نہیں' ہاں صورت کا اطلاق کریں گے کہ یہ لفظ نصوص میں وارد ہے۔ بخاری شریف ص-۱۰۷ کے حاشیہ ص-۶ میں لفظ صورت پر یہ لکھا ہے "استدل به ابن قتیبة بذکر الصورة علی ان لله صورة لا کالصور کما ثبت انه شئی لا کالا شیاء" یعنی بخاری کی اس حدیث سے جس میں لفظ صورت وارد ہے' امام ابن قتیبہ نے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صورت ہے' لیکن مخلوقات کی صورتوں کی طرح نہیں ہے' جیسے یہ ثابت ہے کہ اللہ شئی ہے' لیکن دیگر اشیاء کی طرح نہیں ہے۔ اہل حدیث کے نزدیک تنزیہہ شرعی اس قدر ہے جس قدر قرآن و حدیث سے ثابت ہے مثلاً ذات الٰہی کسی کی جز نہیں اور نہ کوئی شئی اس کی جز ہے نہ وہ جنا گیا ہے نہ اس نے کسی کو جنا ہے۔ اس کی مثل کی کوئی چیز نہیں۔ کھانے' پینے' سونے' اونگھنے سے پاک ہے' وہ پاک ذات موجود ہے جو عرش معلی پر مستوی ہے اور وہ جہت فوق میں ہے اس کی طرف ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں اور انگلی سے اس کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ آخر رات میں پہلے آسمان پر نزول فرماتا ہے' وہ کلام کرتا ہے اس کا کلام سنا جاتا ہے' اس میں کلمات اور حروف ہیں جن کو فرشتے سنتے ہیں۔ آدم علیہ السلام' موسیٰ علیہ السلام' حضرت محمد ﷺ سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا ہے' اس کا چہرہ ہے' وہ نہایت خوبصورت ہے۔ حدیث میں ہے' اللّٰه جمیل یحب الجمال کہ اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے' خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ اللہ

تعالیٰ کے دو ہاتھ ہیں' ساق ہے' قدم ہے' انگلیاں ہیں۔ آدم علیہ السلام کو اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا ہے اور اس میں خود روح پھونکی ہے۔ پس اس طرح اللہ تعالیٰ کی بے مثل صورت کا اقرار کرتے ہیں کہ یہ صفت بخاری و مسلم کی احادیث میں وارد ہے۔ بخاری شریف جلد۔۲' ص۔۱۱۰۷ میں حدیث طویل ہے جس کے ضروری الفاظ نقل کرتا ہوں جو میرے محل استدلال ہیں۔ قیامت کے دن میدان حشر کا ذکر ہے کہ اس دن مومنین عابدین یہ کہیں گے "انما منتظر ربنا قال فیاتیھم الجبار فی صورۃ غیر صورتہ التی رؤہ فیھا اول مرۃ فیقول انا ربکم فیقولون انت ربنا" یعنی مومنین کہیں گے کہ اپنے رب کا انتظار کر رہے ہیں وہ تشریف لانے والا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اس صورت سے جلوہ فرما ہو گا جو پہلی صورت کے علاوہ ہو گی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں تمہارا رب ہوں' وہ کہیں گے ہاں ہم نے پہچان لیا کہ تو ہمارا رب ہے۔ اس حدیث نص قطعی سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی صورت ہے جو حسن و جمل میں بے نظیر ہے کہ قرآن ناطق ہے۔ "اشرقت الارض بنور ربھا" کہ اللہ تعالیٰ میدان حشر میں آئے گا تو تمام زمین نور الٰہی سے جگمگا اٹھے گی۔ اللہ تعالیٰ جس طرح چاہے کرے اور وہ جس صورت سے چاہے جلوہ افروز ہو۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مومنوں کے امتحان کے لیے پہلے ایک صورت میں ظاہر ہو گا جس کو دیکھ کر مومنین انکار کر دیں گے "فیاتیھم اللّٰہ فی صورتہ التی یعرفون فیقول انا ربکم فیقولون انت ربنا فیتبعونہ" یعنی پھر اللہ تعالیٰ اپنی اصلی صورت میں آئے گا جس کو مومنین پہچان لیں گے' اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں تمہارا رب ہوں۔ مومنین کہیں گے کہ ہاں تو ہمارا رب ہے' پھر اللہ تعالیٰ سوال کرے گا کہ ھل بینکم وبینہ آیۃ تعرفونھا فیقولون الساق فیکشف عن ساقہ فیسجد لہ کل مؤمن" یعنی کیا تمہارے پاس اللہ کو پہچاننے کی کوئی علامت ہے' جس سے تم اپنے رب کو پہچان سکتے ہو؟ مومن کہیں گے کہ ہاں نشانی ہم کو معلوم ہے' وہ اس ذات کی ساق ہے جو وہ کھولے گا پھر اللہ تعالیٰ ساق کھولے گا یعنی پنڈلی پھر سب مومن سجدہ میں گر جائیں گے۔ (بخاری جلد۔۲' ص۔۱۱۰۷)

اس حدیث سے اللہ تعالیٰ کی پنڈلی ثابت ہوئی جو مومن اس کے ظاہر پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس علامت سے اپنے رب کو پہچان لیں گے۔ یہ ساق بلا کیف ہے جیسا

کہ اس کی ذات کے لائق ہے۔
اسی طرح اللہ کے مکان سے انکار کرنا گمراہی ہے۔ بخاری جلد۔۲' ص۔۱۱۰۸ میں حدیث ہے جو شفاعت کے بارے میں ہے "فاستاذن علی ربی فی دارہ" یعنی اللہ تعالیٰ سے شفاعت کا اذن حاصل کروں گا' اس کے گھر میں جاکر سجدہ میں گر کر اللہ تعالیٰ سے شفاعت حاصل کریں گے۔ اس کی اللہ تعالیٰ نے قسم اٹھائی ہے' "وارتفاع مکانی" کہ مجھے میرے بلند مکان کی قسم۔ گمراہ فرقے اس کی تاویل کرتے ہیں جو باطل ہے۔ یہ ابطال صفت کا موجب ہے۔ حضرت شہید محدث دہلوی نے اپنی کتاب ایضاح الحق الصریح مترجم کے ص۔۴۴ میں لکھا ہے "ہمچنیں مسئلہ تجرد واجب وسلاط او تعالیٰ بحسب ذہن یعنی از زمان و مکان و جہت وماہیت و ترکیب عقلی و مبحث جیسیہ و زیارت صفات و تاویل تشابہات واثبات رویئت بلاجہت ومحاذات واثبات جوھر فرد را ابطال ہیولی وصورت ونفوس و عقول یا بالعکس (تاآخر) ہم از قبیل بدعات حقیقیہ است"

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ اپنے ذہن کی تیزی سے جو یہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ زمان' مکان' جہت اور تاویل تشابہات اور رویئت الٰہی بغیر جہت و محاذ کے ہو گی اور ابطال صورت کا کرتے ہیں یہ خرافات حقیقی بدعات میں شمار ہے۔ پس ان دلائل سے واضح ہوا کہ حضرت شہید نے جو یہ فرمایا کہ عبادت الٰہی نماز وغیرہ میں تصور شیخ کی بجائے صورت الٰہی کا تصور باندھنا چاہیے یہ درست ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو صورت سے پاک کہنا بدعت حقیقیہ سے ہے۔
(کتبہ عبدالقادر حصاری غفرلہ الباری۔ پندرہ روزہ صحیفہ اہل حدیث کراچی جلد۔۳۲' شمارہ۔۲' بمطابق ۱۶ محرم الحرام ۱۴۰۶ھ)

رویت الٰہی

ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حنفیہ کا تقابل

مجھے علم ہے کہ حنفیہ کے ہر دو فرقے دیوبندی اور بریلوی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ معراج والی رات جناب رسول اللہ ﷺ نے ذات الٰہی کو اپنی ظاہری آنکھوں سے دیکھا ہے۔ راقم الحروف اس مضمون میں مسئلہ کی تحقیق کی رو سے بحث کرنا نہیں چاہتا' کیونکہ یہ بحث تفصیل طلب ہے۔ یہاں صرف اپنے موضوع کے مطابق حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حنفیہ کے مابین تضاد دکھانا مقصود ہے اور ان کے اس دعوئی کو باطل ثابت کرنا چاہتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حنفی مذہب کا دارومدار ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مذہب پر ہے اور انہوں نے مذہب حنفی کی تخم ریزی کی ہے جیسا کہ بندہ اپنے تمہیدی مضمون میں اس کی وضاحت کر چکا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اعلم بالقرآن والسنۃ تھے اور ان کو علم شریعت کا سمندر قرار دیا گیا ہے۔

مسئلہ رویت الٰہی کے بارہ میں مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نشر الطیب ص۔۵۴ پر یوں خوشبو پھیلاتے ہیں۔ "طبرانی نے اوسط میں بسند ثقات ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا ہے۔ ایک مرتبہ بصر سے اور ایک مرتبہ قلب سے۔" پھر ص۔۵۶ میں لکھتے ہیں "ظاہر یہی ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک بار دل سے دیکھا اور ایک بار بصر سے۔" اور نفی رویت کی جو روایت بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے' اس کا یہ جواب دیا ہے۔ "بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا نفی رویت اپنی رائے سے ہے جو مستنبط ہے۔ بعض عمومات سے جیسے "لا تدرکہ الابصار" لیکن بعد اثبات بالنصوص کے ان عمومات کو محمول کیا جائے گا۔ نفی ادراک بمعنی معرفت کنہ و احاطہ پر۔"

نہایت افسوس ہے کہ مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ باوجودیکہ دارالعلوم دیوبند کے رکن اعظم تھے اس اصولی مسئلہ سے ناواقف رہے کہ طبقہ اولیٰ کی روایات کتب طبقہ ثانیہ و ثالثہ کی روایات پر راجح ہیں۔ طبقہ اولیٰ کی کتابیں یہ ہیں۔ موطا امام

مالک' جامع صحیح بخاری' صحیح مسلم' اور طبرانی وغیرہ طبقہ ثالثہ کی کتابیں ہیں۔ بموجب اصول حدیث طبقہ اولیٰ اور طبقہ ثانیہ و ثالثہ کی روایات میں تعارض اور مقابلہ ہو تو طبقہ اولیٰ کی روایت مقدم ہو گی' چنانچہ صحیح مسلم میں ہے۔ جلد۔ا' ص۔۹۸ "عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہ قال ماکذب الفواد ماریٰ ولقد راہ نزلۃ اخریٰ' قال راہ بفوادہ مرتین" یعنی ابن عباس ﷜ سے روایت ہے۔ آیت ماکذب الفواد ماریٰ ولقد راہ نزلۃ اخریٰ' کی تفسیر میں کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو اپنے دل سے دو بار دیکھا۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی آنکھوں سے ذات الٰہی کو دیکھا ہے وہ بہت بڑا بہتان ذات الٰہی و ذات رسول ﷺ پر باندھتا ہے۔ میں اس امت کا وہ پہلا فرد ہوں جس نے نبی کریم ﷺ سے رویت الٰہی کے بارہ میں سوال کیا تو آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا انما ھو جبریل علیہ السلام کہ میں نے جو دیکھا ہے وہ جبرائیل علیہ السلام تھے۔ حضرت ابن مسعود ﷜ سے کئی روایتیں نقل کی ہیں۔ وہ بھی یہ فرماتے ہیں ماکذب الفواد ماریٰ قال رایٰ جبریل لہ ستمائۃ جناح یعنی آیت ماکذب الفواد ماریٰ سے جبرائیل علیہ السلام کا دیکھنا مراد ہے کہ اس کے چھ سو پر تھے اور فتح الباری شرح صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا کہ وہ فرماتی ہیں سب سے پہلے میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سوال کیا کہ "یارسول اللّٰہ ھل رایت ربک؟ فقال لا انما رایت جبریل مھبطا" یارسول اللہ ﷺ آپ نے معراج کی رات اپنے رب کو دیکھا ہے؟ آپ نے کہا کہ میں نے نہیں دیکھا ہاں جبرائیل کو دیکھا ہے کہ وہ نیچے اتر رہے تھے۔ حضرت ابن مسعود ﷜ اس حدیث کے راوی بڑے عالم بالقرآن ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس آیت سے مراد جبرائیل ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت بھی ان کی موید ہے اور مسلم شریف میں حضرت ابوذر غفاری ﷜ سے مرفوعاً یہ روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ "ھل رایت ربک؟" کہ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا "نورانی اراہ" کہ ذات الٰہی نور ہے میں کیسے دیکھتا' یعنی ذات الٰہی کا حجاب نور تھا میں کیسے دیکھ لیتا' یعنی نور تیز ہو تو آنکھیں چکا چوند ہو جاتی ہیں۔ کچھ دکھائی نہیں دیتا' جیسے ابو موسیٰ اشعری ﷜ کی روایت میں ہے جو

مسلم میں ہے "حجابہ النور" کہ ذات الٰہی کے گرد نور ہے اور وہ نور مثل آگ ہے جیسے اسی روایت میں یہ ہے النار لو کشفھا لا حرقت سبحات وجھہ ما انتھیٰ الیہ بصرہ من خلقہ" یعنی پردہ وہ آگ ہے اگر کھول دے اس پردہ کو البتہ اس کی ذات کی شعاعیں جلا دیں تمام مخلوق کو جہاں تک اس کی نگاہ پہنچے۔ امام نووی نے حدیث ابوذر ؓ کا یہ معنی کیا ہے "معناہ حجابہ النور فکیف اراہ" یعنی ذات الٰہی نور کے پردہ میں تھی میں کیسے اس کو دیکھ لیتا۔ "معناہ ان النور منعنی من رؤیتہ کما جرت العادۃ باغشاء الانوار الابصار" یعنی ذات الٰہی دیکھنے سے نور مانع ہوا کیونکہ عادت جاری ہے کہ نور سے آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔

مولانا احمد علی سہارنپوری نے صحابہ رضی اللہ عنھم کی روایات نفی و اثبات میں حاشیہ بخاری میں یہ تطبیق دی ہے کہ نفی رویت بصر پر محمول ہے اور اثبات رویتہ القلب پر محمول ہے۔ تفسیر ابن کثیر جلد۔۴' ص۔۲۴۹ میں ان صحابہ رضی اللہ عنھم کے نام لکھے ہیں جو رویت الٰہی کی نفی کرتے ہیں ان میں ابن مسعود ؓ کا نام بھی ہے' اس سے ظاہر ہے کہ حنفیہ کے ہر دو فرقوں کا عقیدہ ابن مسعود ؓ کے خلاف ہے پس یہ کہنا کہ حنفی مذہب کا دارومدار ابن مسعود ؓ پر ہے سراسر غلط ہے۔ ہر دو میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔

کتبہ عبدالقادر حصاری

ہفت روزہ الاسلام لاہور جلد۔۲' شمارہ۔۳۳ بمطابق ۱۵ اکتوبر ۱۹۷۶ء

مسئلہ استواء علی العرش میں

ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حنفیہ میں مخالفت

دیوبند کے ایک رسالہ بنام "المہند علی المفند" میں علماء دیوبند کے عقائد درج ہیں جس کے کئی مندرجات خلاف کتاب و سنت ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ وہ ذات الٰہی کو عرش معلی پر نہیں جانتے' چنانچہ المہند کے صفحہ-۲۳ پر یہ لکھا ہے "عقیدہ دربارہ استواء علی العرش وغیرہ" یقیناً جانتے ہیں کہ اللہ سبحانہ مخلوق کے اوصاف سے منزہ اور نقص و حدوث کی علامات سے مبرا ہے جیسا کہ ہمارے متقدمین کی رائے ہے اور ہمارے متاخرین ائمہ نے آیات میں لغت اور شرع کے اعتبار سے جائز تاویلیں فرمائی ہیں تاکہ کم فہم سمجھ لیں۔ ممکن ہے استوا سے مراد غلبہ ہو اور ہاتھ سے مراد قدرت تو یہ بھی ہمارے نزدیک حق ہے البتہ جہت و مکان اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کرنا ہم جائز نہیں جانتے اور یوں کہتے ہیں کہ وہ جہت اور مکانیت اور جملہ علامات احداث سے منزہ و عالی ہے۔

راقم الحروف کا مقصد اس عقیدہ کے باطل ہونے پر بحث کرنا نہیں بلکہ حنفی مذہب کی مخالفت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے دکھانا مقصود ہے۔ ویسے یہ بات بتانا ضروری ہے کہ ہاتھ سے مراد قدرت لینا صفت الٰہی کے ابطال کو مستلزم ہے۔ چنانچہ فقہ اکبر عربی جو میرپور خاص سندھ سے شائع ہوئی ہے جسے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اپنے مقلدین کے لیے شائع کیا تھا اس کے ص-۲ پر یہ لکھا "ولا یقال ان یدہ قدرتہ اونعمتہ لان فیہ ابطال صفتہ وھو قول اھل القدر و الا عتزال ولکنہ یدہ صفتہ بلا کیف" یعنی یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ ہاتھ سے مراد قدرت یا نعمت ہے کیونکہ اس تاویل سے صفت الٰہی بیکار ہو جاتی ہے اور یہ مذہب قدریہ اور معتزلہ کا ہے' لیکن یہ کہا جائے گا کہ ہاتھ اللہ تعالیٰ کی صفت بلاکیف ہے۔

میں کہتا ہوں کہ مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی نے یہ لکھا ہے کہ حنفی مذہب میں گمراہ فرقوں کی ملاوٹ ہے۔

اب استوا علی العرش کی بابت سنئے' مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحی لکھنؤی کے ص-۴۰ پر یہ روایت ہے "عن ابن مسعود رضی اللّٰہ عنہ انہ قال مابین السماء القصوی و کرسی خمس ماۃ عام وما بین الکرسی والماء کذالک والعرش فوق الماء واللّٰہ فوق العرش لایخفی علیہ شئی من اعمالکم" یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آسمان قصوئی اور کرسی کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے اور ایسا ہی کرسی اور پانی کے درمیان فاصلہ ہے اور اللہ تعالیٰ عرش پر ہے۔ اس پر کوئی عمل پوشیدہ نہیں ہے۔ امام ذہبی اس روایت کو کتاب العلو میں لا کر یہ لکھتے ہیں "ھذا الزیادۃ توکدکون وجودہ تعالٰی فوق العرش" یعنی یہ زیادتی اللہ تعالیٰ کی ذات کے عرش پر ہونے کی تاکید کرتی ہے۔ اس حدیث پر لکھا ہے رواہ البیہقی باسناد صحیح کہ بیہقی نے اس کو صحیح سند سے روایت کیا ہے اور غنیۃ الطالبین مترجم کے ص-۱۰۱' جلد-اول میں ہے "وینبغی اطلاق صفتہ الاستواء من غیر تاویل وانہ استواء الذات علی العرش" یعنی اطلاق استواء صفت الٰہی کا بغیر تاویل کے کیا جائے کہ استواء ذات الٰہی کا عرش پر ہے پھر لکھا ہے ولا علی معنی الاستیلاء والغلبۃ لان الشرع لم یرد بذالک ولا نقل عن احد من الصحابۃ والتابعین من السلف الصالح من اصحاب الحدیث" یعنی استواء کی تاویل استیلا اور غلبہ سے کرنی جائز نہیں ہے' کیونکہ شرع میں یہ تاویل وارد نہیں ہے اور کسی صحابی یا تابعی سے منقول نہیں ہے جو سلف صالحین ہو گزرے ہیں پھر حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے آیت "الرحمٰن علی العرش استوی" کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ کیفیت استواء کی معلوم نہیں ہے اور استواء مجہول نہیں اور اقرار استواء علی العرش کا کرنا واجب ہے اور انکار کفر ہے اور مجموعہ فتاویٰ عبدالحی لکھنؤی کے ص-۳۹ سے تا ۵۳ پر خوب تفصیل بیان کی ہے اور ص-۴۴ پر نقل کیا ہے' "قد اتفقت الکلمۃ من المسلمین علی ان اللّٰہ تعالٰی فوق عرش وعرشہ فوق سمواتہ" یعنی مسلمانوں کا یہ کلام متفق علیہ ہے کہ اللہ اپنے عرش پر ہے اور اس کا عرش آسمانوں پر ہے اور فتاویٰ کے ص-۴۶ پر یہ لکھا ہے کہ صحابہ اور تابعین نے اس بات پر اجماع کر لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کے اوپر عرش پر ہے اور مخلوق سے بہت دور ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مقلدین حنفیہ کا یہ عقیدہ کہ اللہ تعالیٰ کا غلبہ عرش پر ہے۔ ذات نہیں ہے' قرآن و احادیث متواترہ و اجماع سلف صالحین کے سراسر خلاف ہے۔ اس لیے باطل ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مسلک کے بھی خلاف ہے۔ یہ عقیدہ معتزلہ وغیرہ کا ہے اہل سنت کا نہیں ہے۔ کتبہ عبدالقادر عارف الحصاری

ہفت روزہ "الاسلام" جلد-۲' شمارہ-۳۸ بمطابق ۱۹ نومبر ۱۹۷۶ء

ایک تعاقب

(استواء علی العرش)

صفات باری تعالیٰ اور دیگر مذہبی عقائد کے متعلق اہل حدیث کا مسلک وہ ہے جو عقیدہ اہل سنت مصنفہ امام اہل سنت و رئیس المحدثین و امام الائمہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ میں درج ہے جس کو حضرت مولانا محمد صاحب مرحوم جوناگڑھی نے عقائد محمدی کے نام سے ترجمہ کر کے شائع کر دیا ہے جس کے بعض عقائد مقصودہ کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"ساتویں آسمان پر پانی ہے اور پانی پر عرش الٰہی ہے اور اللہ تعالیٰ ذوالعرش اپنی ذات سے عرش اعظم پر مستوی اور موجود ہے اور اس کا علم و ادراک و قدرت و حکومت ہر جگہ ہے اور وہ ہر مکان میں نہیں ہے بلکہ عرش بریں پر تمام مخلوق سے الگ اور جدا ہے اور کوئی چیز اس کے علم سے پوشیدہ اور قدرت سے باہر نہیں۔"

تفسیر جامع البیان ص۔۳۵۱ کے حاشیہ پر عقیدۃ الواسطیہ کا حوالہ دے کر جناب شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ حرانی رحمہ اللہ سے یہ نقل کیا گیا ہے:

"وقد دخل فیما ذکرناہ من الایمان باللّٰہ الایمان بما اخبر بہ اللّٰہ فی کتابہ وتواتر عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم واجمع علیہ سلف الامۃ من ان اللّٰہ سبحانہ فوق سماواتہ علی عرش علا علٰی خلقہ۔"

یعنی ایمان باللہ میں جو امور ہم نے ذکر کیے ہیں ان میں یہ بات بھی داخل ہے کہ جس چیز کی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن) میں خبر دی ہے اور وہ مسلسل طریقوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اور اس پر سلف امت کا اجماع ہے' اس پر بھی ایمان اور اعتقاد رکھا جائے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ساتوں آسمان کے اوپر عرش معلی پر ہے اور اپنی مخلوق سے بلند اور اوپر ہے۔

پھر سید المحققین وشیخ المحدثین امام ابن القیم رحمہ اللہ جو شمس الدین کے نام سے شہرہ آفاق ہیں' ان کی بے نظیر کتاب اغاثۃ اللہفان سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: "اساطین فلاسفہ ارسطو سے قبل اس بات کے قائل تھے کہ اللہ بذاتہ تمام جہان

کے اوپر آسمانوں پر ہے اور جہت علو میں ہے۔"

پھر فرماتے ہیں:

"اما هذه الصفة فلم يزل اهل الشريعة من اول الامر يثبتونها لله سبحانه حتى نفتها المعتزلة ثم تبعهم علٰى نفيهما متاخرو الا شاعرة كابى المعالى ومن اقتدى بقوله (الى ان قال) ----- والشرائع كلها مبنية على ان الله فى السماء (الى قوله) ----- فقد ظهرلک من هذا ان اثبات الجهة واجب بالشرع والعقل وان ابطاله ابطال الشرائع۔

یعنی صفت استواء وجہت علو کو اللہ کے لیے اہل شریعت شروع ہی سے ثابت کرتے چلے آئے ہیں۔ یہاں تک کہ معتزلہ پیدا ہوئے تو انہوں نے اس کی نفی کر دی' پھر استواء وجہت فوق کی نفی میں متاخرین اشاعرہ نے معتزلہ کی تقلید کی' جیسے ابوالمعالی اور ان کے مقلدین ہوئے ہیں' لیکن تمام شرائع الٰہی اس عقیدہ پر مبنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں پر ہے جس سے یہ امر ظاہر ہوا کہ جہت علو وفوق کا اثبات واجب ہے۔ نقل شرع کی رو سے بھی اور عقل کی رو سے بھی اور اس کو باطل کہنا تمام شریعتوں کے بطلان کو مستلزم ہے۔

کتاب السنہ مصنفہ امام عبداللہ بن امام احمد رضی اللہ عنہ ص-۲۷ میں ہے کہ علی بن حسن رضی اللہ عنہ نے بیان کیا:

سالت عبد الله بن المبارک كيف ينبغى لنا ان نعرف ربنا قال على السابعة على عرشه ولا نقول كما تقول الجهمية انه ههنا فى الارض

یعنی میں نے عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ (رئیس التابعین) سے سوال کیا کہ ہمیں اپنے رب کو کس طرح پہچاننا چاہیے؟ تو انہوں نے فرمایا یوں پہچانو کہ وہ ساتویں آسمان کے اوپر عرش پر ہے اور ہم جہمیہ کی طرح نہیں کہتے کہ وہ یہاں زمین پر ہے۔

حضرت شیخ الشائخ جیلانی امام ربانی غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں:

اما معرفة الصانع ان تعرف وتيقن ان الله واحد احد (الى ان قال) وهو بجهة العلو مستو على العرش محيط علمه بالاشياء (الى قوله) ولا يجوز وصفه بانه فى كل مكان بل يقال انه فى السماء على العرش۔

یعنی صانع مخلوق کی معرفت میں یہ جاننا اور عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ وہ اپنی ذات میں اکیلا یکتا ہے اور جہت علو میں عرش پر مستوی ہے اور اس کا علم تمام چیزوں کو محیط ہے اور اس کا یہ وصف بیان کرنا جائز نہیں ہے کہ ہر مکان میں ہے بلکہ یہ کہا جائے گا کہ وہ آسمان کے اوپر عرش پر ہے۔

جامع البیان کے ص-۲۱۰ حاشیہ نمبر-۲ میں ہے:

قال الامام ابوالحسن علی بن مهدی الطبری تلمیذ الاشعری فی کتاب مشکل الاثار فی باب قوله تعالٰی الرحمٰن علی العرش استوی' اعلم ان اللّٰه فی السمآء فوق کل شئی مستو علی عرشه ----- عال علی عرشه بذاته بائن من مخلوقاته۔

یعنی امام ابوالحسن علی بن مہدی طبری جو امام ابوالحسن اشعری کے شاگرد ہیں' اپنی کتاب مشکل الاثار کے باب قولہ تعالیٰ "الرحمٰن علی العرش استوی" میں فرماتے ہیں کہ یہ بات جان لینی چاہیے کہ اللہ عزوجل ہر چیز کے اوپر ہے اور آسمان سے پرے اپنے عرش پر مستوی ہے اور وہ اپنی تمام مخلوقات سے جدا بالذات عرش پر ہے۔

پھر لکھا ہے:

قال الامام ابوالحسن الاشعری فی کتاب "اختلاف المصلین ومقالات الاسلامیین" ان اللّٰه تعالٰی علی عرشه کما قال الرحمٰن علی العرش استوی (الی ان قال) فلولا ان اللّٰه تعالٰی علی عرشه ماقال فی حق ملائکته' یخافون ربهم من فوقهم ولما فطر الخلق عند سواله علی رفع الایدی الی السمآء قال قائلون من المعتزلة والجهمیه والحروریة ان معنی استوی استولٰی وملک وقهر (الی ان قال) وقالو'انه فی کل مکان وجحدوا ان یکون علی عرشه کما قال اهل الحق ---- وکیف یکون فی کل مکان ومنه الحشوش والخانات والمزابل وما اشبهذالک من الاماکن المستقذرة تعالی اللّٰه عن ذالک علوا کبیرا ولم یجز عند احد من المسلمین ان یکون اللّٰه فی شئی من ذالک فبطل ماقالوه بالنقل والعقل۔

یعنی امام ابوالحسن اشعری نے اپنی کتاب اختلاف المصلین میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ

تعالیٰ اپنے عرش پر بلند ہے جیسا کہ اس نے خود فرمایا ہے کہ رحمٰن نے عرش پر قرار پکڑا۔ اگر وہ عرش پر نہ ہوتا تو اپنے فرشتوں کے متعلق یہ کیوں ارشاد فرماتا کہ وہ اپنے رب سے اوپر سے ڈرتے ہیں اور انسانی مخلوق کی فطرت بھی یہی ہے کہ وہ سوال کے وقت آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتے ہیں (اور ویسے بھی ہر شخص عام طور پر یہ کہتا ہے کہ اللہ اوپر ہے جو سب حال جانتا ہے کہ استوی کا معنی استولی اور ملک اور قہر ہے یعنی اللہ عرش پر غالب اور بادشاہ ہوا اور اللہ ہر مکان میں ہے' خاص عرش پر نہیں ہے' جیسا کہ اہل حق کا عقیدہ ہے اور وہ بذاتہ ہر مکان میں کیونکر ہو سکتا ہے۔ مکانات میں تو گندے مکان بھی ہیں جس سے یہ ماننا پڑے گا کہ (معاذ اللہ) ذات الٰہی شراب خانہ' پاخانہ' کوڑاخانہ وغیرہ دیگر مقامات نجس میں بھی موجود ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے منزہ اور بہت بلند ہے اور اس کو کوئی شخص بھی مسلمین میں سے جائز نہیں رکھتا لیکن ان کا یہ عقیدہ نقل و عقل کی رو سے باطل اور مردود ہے۔

جامع البیان کے حاشیہ پر عقیدہ صابونیہ ہے جو شیخ الاسلام و امام المسلمین ابوعثمان بن عبدالرحمٰن صابونی قدس سرہ کا تالیف کردہ ہے اور اس کو عقیدۃ السلف اور اصحاب الحدیث کا جو گروہ اہل حق و فرقہ ناجیہ ہیں عقیدہ قرار دیا گیا ہے جن کے متعلق امام الحرمین نے فرمایا کہ میں مذاہب مختلفہ کی وجہ سے متردد ہوں۔

فرآیت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال علیک باعتقاد ابن صابونی۔

یعنی میں نے نبی اکرم ﷺ کی خواب میں زیارت کی تو آپ نے مجھے یہ ارشاد فرمایا کہ تم ابن صابونی کے اعتقاد کو لازم پکڑ لو۔

اس میں یہ لکھا ہے:

ویعتقد اصحاب الحدیث ویشهدون ان اللّٰہ سبحانه فوق سبع سمٰوات علی عرشه مستو کما نطق به کتابه

یعنی محدثین یہ اعتقاد رکھ کر شہادت دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ساتوں آسمانوں کے اوپر اپنے عرش پر مستوی ہے' جیسا کہ اس عقیدہ پر اللہ کی کتاب ناطق ہے کہ سورہ اعراف' یونس' رعد وغیرہ میں فرمایا' ثم استوی علی العرش یعنی پھر اس نے عرش پر قرار پکڑا۔ (جامع البیان کا حاشیہ ص-۲۶۷)

نیز ص-۲۹۷ کے حاشیہ نمبر-۲ میں ہے کہ حافظ ابو نعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی نے اعتقاد سلف و اجماع امت بیان کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے:

ان اللّٰه بائن من خلقه والخلق بائنون منه لا يحل فيهم ولا يمتزج وهو مستو على عرشه فى سمائه دون ارضه۔

یعنی اللہ تعالیٰ خلق سے جدا ہے نہ مخلوق میں داخل ہے اور نہ ان سے ملا ہوا ہے۔ وہ تو آسمان پر اپنے عرش کے اوپر ہے زمین پر نہیں ہے۔ یہی سلف کا عقیدہ اور اسی پر امت مسلمہ کا اجماع ہے۔

استواء کی کیفیت بیٹھنے سے بیان کرنا بھی مسلک سلف کے خلاف ہے۔ (حماد)

حافظ المغرب ابن عبدالبر سے نقل کیا ہے:

اجمع علماء الصحابة والتابعين الذين حمل عنهم قالوا فى تاويل قوله "مايكون من نجوى ثلاثة الا هو رابعهم" هو على العرش وعلمه فى كل مكان۔

یعنی علماء صحابہ و تابعین جن سے تفسیر لی جاتی ہے۔ آیت نجویٰ میں یہ فرمایا کہ اللہ تو عرش پر ہے اور علم اس کا ہر مکان میں ہے۔

حمویہ میں امام ابن تیمیہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

۲ امام زاہد ابن بطہ عکبری نے کتاب الابانہ میں فرمایا ہے:

اجمع المسلمون من الصحابة والتابعين ان اللّٰه على عرشه فوق سماواته بائن من خلقه - یعنی صحابہ و تابعین کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش معلّٰی کے اوپر ہے۔

پھر امام عثمان بن سعید دارمی سے نقل کیا ہے جن کی بابت امام الدنیا فی الحدیث امام بخاری کی شہادت ہے کہ میں نے عثمان بن سعید کی مثل کوئی شخص نہیں دیکھا۔ انہوں نے کتاب النقض علی بشر المریسی میں یہ لکھا ہے:

قد اتفقت الكلمة من المسلمين ان اللّٰه بكماله فوق عرشه فوق سموات (وقال ايضًا فى موضع آخر) قال اهل السنة ان اللّٰه بكماله فوق عرش' يعلم و يسمع من فوق العرش - یعنی اہل سنت مسلمین کا یہ متفق کلمہ ہے کہ اللہ عرش پر آسمانوں کے اوپر ہے اور وہیں سے سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

اور ص-۲۸۸ کے حاشیہ نمبر-۸ پر ہے کہ امام ابو سلیمان خطابی نے اپنی کتاب شعار الایمان میں یہ لکھا ہے کہ:

ان انکار الفوقیة شئی سرقه المتاخرون من الفلاسفة وفی ذالک رد کتاب اللّٰه وسنت رسوله یعنی جہت فوق کا انکار متاخرین نے فلاسفہ سے حاصل کیا ہے جو اللہ کی کتاب اور سنت کے خلاف ہے۔

اس مسئلہ کی اگر پوری تفصیل دیکھنا مقصود ہو تو کتاب العلو امام ذہبی' کتاب الاسماء والصفات' بیہقی رحمہ اللہ وغیرہ کا مطالعہ کیجئے اور کتاب الانتہاء فی الاستواء ملاحظہ فرمایئے۔ اگر زیادہ مطالعہ کی گنجائش نہ ہو تو حضرت الامام مولانا عبدالجبار غزنوی رحمہ اللہ کا مجموعۃ الفتاوٰی ہی ملاحظہ فرمالیجئے۔

ان تمام عبارات اور راقم کی معروضات کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام ائمہ محدثین اور سلف امت کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش بریں پر قائم ہے اور وہ جہت علو میں ہے' اور کتاب اللہ و حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام کے اقوال میں اس مسئلہ پر بڑے دلائل ہیں --- اس کے خلاف دوسرے فرقوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خاص عرش پر نہیں ہے' وہ لامکان ہے اور جہات ستہ سے پاک ہے۔ کوئی یہ کہتا ہے کہ وہ عرش' فرش' آسمان' زمین وغیرہ ہر مکان اور ہر جہت میں ہے اور کوئی یہ کہتا ہے کہ وہ ہر چیز کے اندر ہے اور ہر چیز میں اللہ ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے بلندوبالا ہے' واللہ اعلم۔

کتبہ عبدالقادر حصاری

ہفت روزہ الاعتصام لاہور جلد-۷' شمارہ-۲۱' بمطابق ۳۰ر دسمبر ۱۹۵۵ء

علماء دیوبند کے ایک عقیدہ باطلہ کی

خدام الدین لاہور کے ایک عالم نے تردید کردی

علماء دیوبند نے! "عقائد علماء دیوبند" کے نام سے ایک کتابچہ شائع کیا ہے جس میں کئی ایک عقائد فاسدہ اور باطلہ ہیں جو مسلک اہل سنت والجماعت کے سراسر خلاف ہیں۔ ان میں سے ایک عقیدہ استواء علی العرش کے متعلق لکھا ہے۔ چنانچہ رسالہ کے ص۔ ۲۴ پر یہ لکھا ہے "ہمارے متاخرین اماموں نے آیات میں جو صحیح لغت اور شرع کے اعتبار سے جائز تاویلیں فرمائی ہیں تاکہ کم فہم سمجھ لیں مثلاً ممکن ہے استواء سے مراد غلبہ ہو اور ہاتھ سے مراد قدرت تو یہ ہمارے نزدیک حق ہے' البتہ جہت' مکان اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کرنا ہم جائز نہیں سمجھتے اور یوں کہتے ہیں کہ وہ جہت اور مکانیت اور جملہ علامات حدوث سے منزہ و عالی ہے۔"

اس کے خلاف ایک تقریر میں جو اخبار خدام الدین لاہور مطبوعہ ۸؍ اپریل ۱۹۶۶ء میں جناب شیخ المعقول والمنقول شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالخالق صاحب صدر مدرس دارالعلوم عیدگاہ کبیروالا نے شائع کرائی ہے اور وہ مدرسہ عربیہ احیاء العلوم مظفر گڑھ کے سالانہ اجلاس منعقدہ ۱۸؍ مارچ ۶۶ھ میں بیان کی گئی تھی' اس میں وہ یہ فرماتے ہیں:

قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ فاذکرونی اذکرکم - اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس جملہ میں فرماتے ہیں کہ اے بندو! جب تم رب تعالیٰ کو زمین پر پکارتے ہو تو رب تعالیٰ عرش معلی پر بیٹھ کر تمہارا ذکر کرتا ہے۔

اس تقریر میں اللہ تعالیٰ کا عرش پر بیٹھنا تسلیم کیا گیا ہے۔

یہ عقیدہ مظفر گڑھ کے سالانہ اجلاس میں نشر کیا جاتا ہے اور پھر اخبار خدام الدین میں شائع کیا جاتا ہے۔ جس پر کسی عالم دیوبندی نے انکار نہیں کیا ہے' تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ رسالہ عقائد دیوبند میں جو استواء علی العرش سے مراد غلبہ لکھا گیا ہے۔ یہ فرقہ ضالہ معتزلہ کا عقیدہ ہے' جو سراسر باطل ہے۔

مولانا اشرف صاحب تھانوی نے تفسیر قرآن میں استواء علی العرش کا ترجمہ غلط کیا ہے۔ اس سے تنفیذ احکام مراد رکھا ہے پھر جب علماء اہلحدیث نے اس ترجمہ کی تغلیط کی اور مولانا تھانوی کو تنبیہہ کی تو پھر انہوں نے اس ترجمہ میں ترمیم کی جن کا ذکر بوادر النوادر ص-۷-۱۳۲ میں ہے۔ چنانچہ لکھا ہے "ترمیم" پھر عرش پر جو مشابہہ ہے' تخت سلطنت کے اسی طرح قائم اور جلوہ فرما ہوا جو کہ اس کی شان کے لائق ہے۔ اھ

اس طرح ساتوں آیات استواء علی العرش کے ترجمہ میں ترمیم کی گئی ہے۔ اس سے استواء الذات علی العرش بلاکیف کا عقیدہ حق ثابت ہوا' جو اہل سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے۔ یہی اہل حدیث کا عقیدہ ہے' لیکن مولانا عبدالخالق صاحب نے استواء الذات کی کنہ اور کیف بیان کر دی کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہے۔ اس سے علماء دیوبند کے عقیدہ کی تردید ہو گئی کہ استواء سے مراد غلبہ ہے۔ علماء دیوبند کے اس عقیدہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تو پھر وہ عرش پر غالب ہوا' جس سے ظاہر ہوا کہ پہلے غالب نہ تھا پھر غالب ہوا یہ صریح کفر ہے' جناب شیخ المعقول والمنقول نے اس عقیدہ کی تردید کر دی کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہے جو اپنے بندوں کو یاد کرتا ہے۔

واضح ہو کہ مولانا اشرف علی نے اپنی کتاب بوادر النوادر جلد-۲ میں صفات الٰہی خصوصاً استواء علی العرش پر بہت بحث کی ہے اور اس کا نام رکھا ہے "تمہید الفرش فی تحدید العرش" لیکن وہ تمام بحث ایسی ہے کہ اس میں سخت اضطراب ہے اور وہ سب باہم متضاد ہے' اس کے پڑھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا اشرف علی صاحب اس مسئلہ میں سخت پریشان اور مضطرب تھے کہ رات کو دن اور دن کو رات بناتے چلے گئے مگر پھر بھی کوئی فیصلہ کن بات نہ کر سکے۔ آخر الجھ کر اسی عقیدہ متضاد پر فوت ہو گئے۔ اب ہماری بات علماء حنفیہ سے ہے کہ وہ اس الجھن کو چھوڑ کر کسی صحیح عقیدہ پر قائم ہوں۔

حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی محدث رحمہ اللہ نے اپنی کتاب مصنف حلیتہ الاولیاء میں متبعین کتاب و سنت کا یہ عقیدہ لکھا ہے جس پر اجماع امت کا بتایا ہے:

ان اللّٰہ بائن من خلقه والخلق بائنون منه لایحل فیھم ولا یمتزج وھو مستو علٰی عرشه فی سمائه دون ارضه۔

یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے جدا ہے اور مخلوق اس سے جدا ہے نہ اس کی ذات مخلوق میں حائل ہے اور نہ اس سے ملی ہوئی ہے وہ عرش پر مستوی ہے زمین پر نہیں ہے۔

امام زاہد ابو عبداللہ بطہ عکبری نے کتاب الابانہ کے باب الایمان میں بعینہ یہی لکھا ہے جو اوپر بیان ہوا' اور ہے:

اجمع المسلمون الصحابة والتابعين ان الله علٰى عرشه فوق السموت بائن من خلقه۔

جس کا مطلب اوپر بیان ہوا' اس سے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین اور جملہ مسلمین کا اجماع اس عقیدہ پر ثابت ہوا' مولانا اشرف علی صاحب نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ سلف کا یہی مذہب تھا۔

چنانچہ ص-۲۰۳ میں لکھا ہے کہ ایک طریقہ سلف کا ہے کہ اس کو حقیقی معنی پر محمول فرماتے ہیں اور حقیقی معنی کی کنہ مفوض بعلم الٰہی کرتے ہیں اور اس کی کیفیت متعین نہیں کرتے' میں کہتا ہوں کہ خیرالقرون میں جس عقیدہ پر تمام مسلمان متفق تھے وہ واجب الاتباع ہے کیونکہ اس وقت مسلمین اسی عقیدہ پر تھے جو حق تھا پس حق کے بعد گمراہی ہے۔ چنانچہ قرآن نے اعلان کیا:

فماذا بعد الحق الا الضلال کہ حق کے بعد گمراہی کا درجہ ہے۔

امام عثمان بن سعید دارمی جن کی بابت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے ما رایت مثل عثمان بن سعید کہ میں نے عثمان بن سعید کی مثل کوئی شخص نہیں دیکھا' وہ کتاب النقض علی بشر المریسی میں فرماتے ہیں:

ان الله بکماله فوق عرشه فوق سموات۔

کہ جملہ مسلمانوں کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اپنے کمال کے ساتھ عرش پر ہے اور عرش آسمانوں پر ہے۔

عبداللہ بن مبارک رئیس التابعین سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں:

نعرف ربنا فوق سبع سموات علی العرش استوی بائن من خلقه ولا نقول کما قال الجهمیه انه ههنا واشار الی الارض۔

(عقیدہ صابونیہ برحاشیہ جامع البیان ص-۳۴۹)
یعنی ہم اپنے رب کو یوں پہچانتے ہیں کہ وہ ساتوں آسمانوں پر عرش معلیٰ پر مستوی ہے اور مخلوق سے جدا ہے اور یہ نہیں کہتے جو جہمیہ کہتے ہیں کہ وہ زمین پر ہے۔

تفسیر جامع البیان ص-۳۵۱ کے حاشیہ پر شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ حرانی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ وہ عقیدہ واسطیہ میں فرماتے ہیں کہ یہ عقیدہ ایمان باللہ اور ایمان بالقرآن میں داخل ہے اور متواتر احادیث سے ثابت ہے اور اس پر سلف امت کا اجماع ہے:

ان اللہ سبحنہ فوق سموتہ علٰی عرشہ علا علٰی خلقہ۔

یعنی اللہ سبحانہ ساتوں آسمانوں کے اوپر اپنے عرش پر ہے اور اپنی خلقت سے بلند ہے۔

اور امام ابن القیم جن کو علامہ ملا علی قاری نے اکابر اہلسنّت اور اولیاء اللہ میں شمار کیا ہے وہ اپنی کتاب "اغاثۃ اللھفان میں اللہ تعالیٰ کے لیے جہت ثابت کرنے کے بارہ میں لکھتے ہیں:

اما ھذہ الصفتہ فلم یزل اھل الشریعۃ من اول الامر یثبتونھا للہ سبحانہ حتّٰی نفتھا المعتزلتہ۔

یعنی جہت فوق اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ہے جس کو تمام اہل شریعت ہمیشہ سے ثابت کرتے چلے آئے ہیں حتیٰ کہ معتزلہ نے انکار کیا ہے۔

پھر یہ لکھا ہے:

ان اثبات الجھۃ واجب بالشرع والعقل وان ابطالہ ابطال الشرع۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے جہت فوق شرع اور عقل سے ثابت ہے۔ اس کا انکار اور ابطال شرع کا ابطال ہے۔

اور شیخ جیلانی عالم ربانی جن کو تمام علماء حنفیہ تاج الاولیاء تصور کرتے ہیں وہ اپنی کتاب غنیۃ میں فرماتے ہیں:

وھو بجھۃ العلو مستو علی العرش۔

یعنی اللہ تعالیٰ اوپر کی جہت میں عرش پر بلند ہے۔

اور دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

عرش الرحمٰن علی الماء واللّٰہ تعالٰی علی العرش۔

یعنی آسمانوں کے اوپر پانی ہے اور پانی پر اللہ تعالیٰ کا عرش ہے اور عرش پر اللہ تعالیٰ ہے۔

تیسرے مقام پر فرمایا ہے:

ولا یجوز وصفه بانه فی کل مکان بل یقال انه فی السمآء علی العرش کما قال جل ثناءه الرحمٰن علی العرش استوی۔

یعنی یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ اللہ ہر جگہ ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ وہ آسمانوں کے اوپر عرش پر ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ رحمان عرش پر مستوی ہے اور پھر حدیث نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک لونڈی سے دریافت کیا کہ "این اللّٰہ" اللہ کہاں ہے؟ "فاشارت الی السمآء" اس لونڈی نے آسمان کی طرف انگلی سے اشارہ کیا یعنی اوپر ہے۔ آنحضرت ﷺ نے لونڈی کے ایمان اور اسلام کا حکم جاری فرمایا۔ اس سے شیخ الشائخ نے جہت فوق ثابت کر کے علماء دیوبند کے عقیدہ باطلہ کا رد کر دیا ہے۔

چوتھے مقام پر غنیۃ الطالبین میں یہ لکھا ہے:

ینبغی اطلاق صفته الاستواء من غیر تاویل وانه استواء الذات علی العرش لا علٰی معنی القعود والمماسة کما قالت المجسمه والکرامیة ولا علٰی معنی العلو والرفیعة کما قالت الاشعریة ولا علٰی معنی الاستیلاء والغلبة کما قالت المعتزلة لان الشرع لم یرد بذالک ولانقل عن احد من الصحابة والتابعین من السلف الصالح من اصحاب الحدیث۔

یعنی لائق یہ بات ہے کہ صفت استواء کو بغیر کسی تاویل کے اطلاق کیا جائے استواء ذات کا عرش پر ہے۔ یہ نہ کہے کہ اللہ عرش پر بیٹھا اور اس سے ملا ہوا ہے جیسا کہ مجسمہ اور کرامیہ کا مذہب ہے اور نہ علو اور رفعت کی تاویل کرے' یعنی یہ نہ کہے کہ اللہ کا مرتبہ بلند ہوا' جیسا اشعریہ کہتے ہیں اور نہ یہ تاویل کرے کہ عرش پر اللہ کا

غلبہ ہوا۔ (جیسا کہ علماء دیوبند کہتے ہیں) کیونکہ یہ معتزلہ کا مذہب ہے۔ شرع میں یہ تاویل اور معنی کسی جگہ وارد نہیں ہوا اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین سلف صالحین سے منقول ہے اور نہ محدثین سے۔ (پس یہ تاویل گمراہی ہے)

پانچویں مقام پر یہ لکھا ہے:

کونہ عزوجل علی العرش مذکور فی کل کتاب انزل علٰی کل نبی ارسل بلا کیف ولان اللّٰہ تعالٰی فیما لم یزل موصوف بالعلو والقدرۃ والاستیلاء والغلبۃ علٰی جمیع خلقہ من العرش وغیرہ فلایحمل الاستوآء علٰی ذالک۔

یعنی ذات الٰہی کا عرش پر بلاکیف ہونا ہر آسمانی کتاب میں مذکور ہے جو ہر رسول پر نازل ہوئی ہے اور وہ علو اور قدرت اور غلبہ سے تو ہمیشہ سے موصوف ہے کہ اللہ قادر اور ہر چیز پر غالب ہے خواہ عرش ہو یا کچھ اور استواء کو غلبہ پر محمول نہ کیا جائے گا۔

شیخ جیلانی رحمہ اللہ کی ان تصریحات سے یہ عقیدہ صحیح اور حق ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ بالذات عرش پر بلاکیف ہے اور جہت فوق میں ہے پس غلبہ وغیرہ کی تاویلیں کرنا جائز نہیں' یہ گمراہ فرقوں معتزلہ' جہمیہ کا ہے۔ اس لیے مولانا عبدالحی لکھنوی نے لکھا ہے کہ حنفی مذہب میں گمراہ فرقوں کی ملونی ہے۔ فروعی طور پر حنفی ہیں' اعتقادی اور اصولی طور پر کوئی معتزلہ ہے کہ کوئی جہمیہ ہے' کوئی کچھ ہے۔

مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی مرحوم کا عقیدہ اس مسئلہ میں علماء دیوبند سے نہایت اچھا تھا۔ مجموعۃ الفتاویٰ عبدالحی لکھنوی جلد۔اول' ص۔۳۹ میں ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے' اعتقاد رکھنا اس طرح پر کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے عرش کے اوپر ہے۔ تنزیہہ مذکور کے ساتھ صحیح و حق ہے۔ کیونکہ یہ بات قرآن و حدیث و اجماع سلف سے ثابت ہے اور عقائد کی کتابوں میں اہل سنت وجماعت کی موجود ہے اور سلف صالحین یعنی صحابہ و تابعین و تبع تابعین وائمہ مجتہدین رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ پھر مولانا لکھنوی نے احادیث اور اقوال سلف و ائمہ محدثین سے اس مسئلہ کو خوب ثابت کیا ہے اور ص۔۴۲ پر لکھا ہے' امام ابو محمد ابی زید مالکی نے اپنے رسالہ میں جو مشتمل عقائد اور فقہ کے مسائل پر ہے لکھا ہے:

انہ تعالٰی فوق عرشہ المجید بذاتہ وانہ فی کل مکان بعلمہ یعنی اللہ تعالیٰ

بذاتہ اپنے عرش مجید پر ہے اور وہ اپنے علم کے اعتبار سے ہر جگہ میں ہے۔

اور ص۔۴۸ پر لکھا ہے' "امام ابویوسف صاحب ابوحنیفہ ؒ کا قصہ مشہور ہے کہ انہوں نے بشر مریسی کو توبہ کرنے کا حکم دیا تھا جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے عرش پر ہونے کا انکار کیا تھا' اس کو عبدالرحمٰن بن ابی حاتم وغیرہ نے اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے۔"

خلاصہ بحث یہ ہے کہ علماء دیوبند کا عقیدہ باطل ہے کہ عرش پر ذات الٰہی نہیں ہے' بلکہ غلبہ ہے اور ید سے مراد قدرت ہے۔ یہ ابطال صفت ہے اب علماء دیوبند سے بحکم قاضی ابویوسف توبہ کرائی جائے۔

حررہ عبدالقادر عارف الحصاری

صحیفہ اہل حدیث کراچی جلد۔۴۷' شمارہ۔۱۰' بمطابق ۱۶ر جمادی الاول ۱۳۸۲ھ

جہت فوق و استواء الٰہی کا اثبات

اخبار "الاعتصام" مبلغ شرعی احکام و مبین جماعتی نظام و مفید خاص و عام جو جمعیت اہلحدیث کے زیر اہتمام بڑی دھوم دھام سے شائع ہو کر مظہر نیک انجام ہے۔ یہ بفضل الرحمٰن ملک پاکستان میں مسلک اہلحدیث کا ترجمان ہے۔ جیسا کہ ہمارے مہربان مدیر ذی شان نے شروع عنوان میں اس کا اعلان اپنے زیر فرمان شائع کر رکھا ہے۔

لیکن جب صفات رب منان کے متعلق فلسفیانہ بیان از الف ثانی مجدد الزمان خلاف حدیث و قرآن پڑھا گیا تو بندہ بہت حیران و پریشان ہوا' کیونکہ اس انسان کے وجدان میں یہ مسلک موجب خسران خلاف اہلحدیث عالی شان ہے۔ اگرچہ حضرت مجدد الزمان صاحب عرفان ہیں' لیکن بعض صفات رحمٰن میں ان کا میلان و رجحان فلاسفہ اہل طغیان کی طرف ہمارے گمان میں معلوم ہوتا ہے' چنانچہ ان کا فرمان فارسی زبان کے ترجمان نے یہ بیان فرمایا ہے:

"تمام ناقص صفتیں حق تعالیٰ کی بارگاہ سے مسلوب ہیں۔ حق تعالیٰ جواہر و اجسام و اعراض کے صفات و لوازم سے مبرو و منزہ ہے۔ اس کی بارگاہ میں مکان و زمان و جہت کی گنجائش نہیں۔ یہ سب اس کی مخلوق ہیں اور یہ بھی مناسب نہیں کہ حق تعالیٰ کو عرش کے اوپر جانیں اور فوق کی طرف اشارہ کریں' کیونکہ عرش اور اس کے سوا سب کچھ حادث اور اسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ مخلوق و حادث کی کیا مجال ہے کہ خالق قدیم کا مکان اور جائے قرار بن سکے۔"

(الاعتصام ۱۶ ستمبر ۱۹۵۵ء جلد ۷' نمبر ۶' ص ۷)

ہر شریعت شناس اس اقتباس سے یہ قیاس کر سکتا ہے کہ اس عقیدہ بے اساس سے مسلک اہلحدیث اساس کا ستیاناس ہو رہا ہے۔ کل کو کوئی زندیق خناس اس عبارت سے لوگوں کو وسواس ڈال کر بدحواس کرے گا کہ جمعیت اہلحدیث نامدار نے اللہ پروردگار کے استواء عرش سے انکار کر دیا ہے اور اس پر کسی فاضل علمدار نے مسلک اہلحدیث کا حق دار بن کر اس عبارت سے کوئی احتراز یا تنقید جر حدار نہیں کی بلکہ اشاعت سے ان کا اقرار اور مجدد شاندار کے قول کا اعتبار نمایاں ہے۔ اس اظہار سے

اللہ غفار کے استواء عرش کا مسئلہ صاف واندار ہے۔ اس لیے یہ خاکسار ائمہ سلف کا تابعدار ہو کر عرض گزار ہے کہ:

استواء ذات ستار جبار قہار کا عرش پائیدار دلائل استواء قرآن و حدیث پر بہار اور سلف صالحین کے آثار و علماء اطہار کے اقوال بے شمار سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا عرش معلی پر استقرار پر اسرار بلاکیف و اطوار مظہر اقتدار ہے۔ اس میں حاجت و انکسار ہے نہ کوئی امر عیب دار ہے نہ ذات غفار استواء کے لیے لاچار ہے' بلکہ اس میں صفت علو کا اظہار فرما کر ملاء اعلیٰ میں ایک دربار قائم فرمایا ہے تاکہ اللہ مختار ہر کار کی تدبیر تمام دیار میں فرماتا رہے۔

اس کی ذات عالی سرکار کے سامنے ستر ہزار پردۂ انوار ہیں کہ کوئی اولی الابصار اس پر نظر کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔ اس میدان کارزار میں عقل کے ہتھیار چلانا فضول کار ہے۔

حضرت سرہندی نامدار نے اعتقادی شاہراہ میں فلسفیوں کے افکار اہل سنت کے اعتقادات میں شمار کر کے ہمارے لیے معاملہ دشوار بنا دیا ہے۔ یہ الفاظ کہ ذات الٰہی جہت فوق میں نہیں اور نہ عرش پر ہے۔ مخترعات و محدثات اہل کلام فلاسفہ سے ہیں۔ علمائے اہل سنت سلف صالحین نے ایسی باتیں نہیں لکھی ہیں شرح الطحاویہ فی عقیدۃ السلفیہ ص-۱۰۹ میں اللہ تعالیٰ کے حق میں یہ صفات سلبیہ ذکر کرتا کہ وہ "جسم" نہیں' ذی صورت نہیں' وہ شخص نہیں' جوہر نہیں' ذی جوارح نہیں' ذی جہت نہیں' ذی مکان نہیں وغیرہ' یہ معتزلہ سے نقل کیا گیا ہے۔ قرآن و حدیث میں ان صفات سلبیہ کا کوئی ذکر نہیں ہے' بلکہ یہ لکھا ہے: وهذا النفی المجرد ومع کونه لا مدح فیه فیعه اساءة ادب یعنی ایسی نفی جس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی مدح نہیں ہے موجب سوء ادب ہے۔

جیسے کوئی بادشاہ کی تعریف میں یہ کہے کہ آپ جولاہے نہیں' آپ ذرا سی چیز نہیں' آپ حجام نہیں' تو یہ مدح تصور نہ ہو گی' بلکہ اس کو یہ کہنا چاہیے کہ آپ اپنی رعیت کے بادشاہ ہیں اور بے نظیر ہیں۔

پھر یہ لکھا ہے: والتعبیر عن الحق بالالفاظ الشرعیة النبویة الالهیة هو

سبیل اهل السنة والجماعة والمعطلة یعرضون عما قاله الشارع من الاسمآء والصفات ولا یتدبرون معانیها ویجعلون ما ابتدعوه من المعانی والالفاظ هو المحکم الذی یجب اعتقاده واعتماده واما اهل الحق والسنة والایمان فیجعلون ماقاله اللّٰه ورسوله هو الحق الذی یجب اعتقاده واعتمادہ۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات ثبوتیہ و سلبیہ کے بیان میں ان الفاظ کا ذکر کرنا چاہیے جو بروئے قرآن و حدیث شرع سے ثابت ہوں' اہل سنت کی یہی راہ ہے اور فرقہ معطلہ شارع علیہ السلام کے بیان کردہ اسماء و صفات سے تو اعراض کرتا ہے اور ان کے معانی پر غور نہیں کرتا اور جو معانی اور الفاظ اہل بدعت کی اصطلاحات میں رائج ہیں ان کو محکم قرار دے کر ان پر اعتقاد و اعتماد رکھنا واجب کہتا ہے' لیکن اہل حق صرف اسی چیز کو حق اور محکم قرار دے کر قابل اعتقاد و اعتماد رکھتے ہیں جو اللہ اور رسول ﷺ نے بیان فرمائی ہے۔

اب میں عرض کرتا ہوں کہ استواء علی العرش اور جہت فوق کی نفی قرآن و حدیث میں کسی جگہ وارد نہیں ہے۔ من ادعیٰ فعلیه البیان ہاں ثبوت موجود ہے جس سے انکار کرنے کی کسی اہلسنّت کو گنجائش نہیں ہے۔ لہٰذا ان کو اللہ تعالیٰ کی صفات سلبیہ اور ناقص صفتوں میں ذکر کرنا ڈبل غلطی ہے' کیونکہ استواء علی العرش وجہت علو ان صفات عقلیہ ثابتہ سے ہیں جو سلف صالحین اور ائمہ محدثین اہلسنّت والجماعت میں مسلم ہیں اور ان کو بلاکیف ماننا سلف کا بالاتفاق مسلک ہے اور حق تعالیٰ کے لیے فوق العرش کا عنوان قرآن مجید و حدیث شریف میں پایا جاتا ہے۔

استواء علی العرش کا قرآن سے ثبوت ⇐ استواء علی العرش کا مضمون معرفت الٰہی کے بیان میں سات سورتوں میں وارد ہے۔ (۱) اعراف' (۲) یونس' (۳) رعد' (۴) طٰہ' (۵) فرقان' (۶) سجدہ' (۷) حدید۔ ارشاد یہ ہے: "ثم استوی علی العرش" یعنی پھر اللہ تعالیٰ عرش پر بلند ہوا۔ استواء کا معنی ارتفع' علا' صعد' استقر سلف سے مروی ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب استواء کا تعدیہ علیٰ کے ساتھ ہو تو اس کے معنی چڑھنے' قرار پکڑنے اور قائم ہونے کے آتے ہیں۔ جیسے "واستوت علی الجودی" قرآن میں آیا ہے' یعنی کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہری اور "لتستووا علیٰ ظهوره" یعنی اس

کی پیٹھ پر تم چڑھ بیٹھو۔

قرآن و حدیث میں بہت سے الفاظ ایسے ہیں جو اللہ کی صفات اور مخلوق کے اوصاف میں بالاشتراک وارد ہیں۔ جیسے حی' سمیع' بصیر' قدیر' علیم' رحیم' خبیر وغیرہ' لیکن جیسے ذات الٰہی پر ہمارا ایمان ہے کہ وہ موجود ہے لیکن "لیس کمثلہ شئی" وہ بے مثل ہے۔ اسی طرح اس کا سمع' بصر' علم' رحم وغیرہ برحق ہے' لیکن "لیس کمثلہ شئی" وہ بے نظیر ہے۔

جیسے اس کی صفت پیدا کرنا' رزق دینا' کلام کرنا وغیرہ ہیں اسی طرح جہت علو میں عرش پر استواء کرنا بھی اس کی صفت ہے۔ یہ سب بے مثل صفتیں ہیں' ان کی کنہ اور کیفیت معلوم نہیں ہے۔ جیسے کہ ذات کی کنہ اور کیفیت معلوم نہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا چہرہ' ہاتھ' ساق' قدم وغیرہ ثابت ہیں' لیکن ان کو ہمارے چہروں' ہاتھوں' ساقوں' قدموں سے کوئی مماثلت اور مشابہت نہیں ہے۔

ایسے ہی استواء حق جو برحق ہے اس کو مخلوق کے استواء سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔ کسی صفت کے نفس ثبوت سے مناسبت اور مشابہت لازم نہیں آئی' جب تک اس کی مناسبت اور مشابہت کسی کے ساتھ قصداً نہ دی جائے۔

لہٰذا آیت کریمہ میں استواء کا معنی حقیقت پر محمول ہے۔ اس کی تاویل نہیں کی جائے گی' لیکن حقیقت کے دو درجے ہیں۔ ایک ظاہر معلوم الکیف والکنہ' دوم باطن مجہول الکنہ والکیف۔ جن امور منفیہ کو استواء حق کے اقرار پر لازم کیا جاتا ہے وہ درجہ ظاہر معلوم الکیف کے لیے لازم ہے' درجہ باطن کے لیے لازم نہیں ہیں۔

پس ہم یہ کہتے ہیں کہ عرش پر اللہ تعالیٰ کا استقرار تو ثابت ہے مگر اس کی کیفیت ہم کو معلوم نہیں ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ مخلوق کے استقرار کی طرح ہو جس سے جسم ہونا لازم آئے' بلکہ اس کی کیفیت اور ہے جو ہم کو معلوم نہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ اس لیے ہم استواء کی کیفیت اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔ اگر نفس صفت ثبوتیہ کے ماننے سے تشبیہ لازم آجاتی ہے تو ہم اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کا اقرار نہیں کر سکتے' مثلاً اللہ تعالیٰ کو حی' علیم' متکلم' قدیر نہیں کہہ سکتے کیونکہ بندہ بھی ان اوصاف سے متصف ہے۔ اس پر سمیع و بصیر کا اطلاق بھی نہیں کر سکتے کیونکہ انسان کو

بھی سمیع و بصیر کہا جاتا ہے' تو یہ باطل ہے۔ کیونکہ یہ صفات اللہ کے لیے شرع میں ثابت ہیں جن کی نفی نہیں کی جا سکتی۔

بس اسی طرح استواء علی العرش اور جہت علو کو سمجھ لیں کہ یہ شرع میں ثابت ہیں ان کی نفی نہیں کی جا سکتی۔

عرش کے معنی تخت اور بلند مقام کے ہیں اور استواء کا ترجمہ علماء حق نے استقرار یعنی قرار پکڑنے اور قائم ہونے سے کیا ہے۔ یہی ہم کہیں گے کہ اللہ نے اپنے تخت پر قرار پکڑا' لیکن یہ کہیں گے کہ بلاکیف۔ ایسے کہ اس کی ذات کے شایان شان ہے۔ اس کا استواء ہمارے استواء کی مثل نہیں ہے جن خائفین متکلمین نے صفات ثبوتیہ کے ماننے سے اہلحدیث علماء کو مجسمہ مشبہ کہا ہے' انہوں نے زبان درازی کی ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ کے باب الایمان .صفات اللہ میں فرمایا ہے: واستطال ھؤلاء الخائفون علی معشر اھل الحدیث وسموھم مجسمة ومشبھة الخ- یعنی ان بیہودہ لوگوں نے صفات الٰہی میں کرید کرنے والوں نے جماعت اہلحدیث پر یہ ظلم کیا ہے کہ ان کو مجسمہ اور مشبہ مشہور کیا ہے۔

شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ "غنیة" میں فرماتے ہیں:

وعلامة الجھمیة تسمیتھم اھل السنة مشبھة ---- ولا اسم لھم الا اسم واحد وھو اصحاب الحدیث ولا یلتصق بھم مالقبوھم اھل البدع-

یعنی جہمیہ فرقہ کی پہچان یہ ہے کہ وہ اہل سنت کو مشبہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں ---- حالانکہ اہلحدیث کے سوا ان کا کوئی اور نام نہیں ہے۔ یہ اہل بدعت جو ان کے ایسے برے نام رکھ رہے ہیں ان سے ان کا کچھ نہیں بگڑتا۔

اور شاہ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے جہمیہ کا یہ عقیدہ بیان کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں: "لا ھو علی العرش" یعنی اللہ عرش پر نہیں ہے۔ اسی بنا پر مولوی اشرف علی تھانوی نے تائید الحقیقۃ کے ص-۳ میں اس بارے میں محدثین کی بہ نسبت صوفیوں کے مذہب کو (کہ ذات الٰہی جہت علو میں عرش پر نہیں ہے) صحیح قرار دیا ہے اور بوادر النوادر کے ص-۷۱۰ پر علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں دریدہ دہنی کی ہے' چنانچہ لکھتے ہیں:

"وہ خود متشدد ہیں اور علماء پر طعن کرتے ہیں۔ ان کو باک نہیں ---- ابن

القیم کے تشدد پر محققین نے خود نکیر کیا ہے۔"

حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ حضرت ملا علی قاری حنفی نے علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کو اولیاء اللہ میں شمار کر کے اکابر اہل سنت میں قرار دیا ہے۔

(شرح شمائل ترمذی ص-۲۰)

اور ان کی علمی تحقیق اہل حق میں مسلم ہے' جن لوگوں نے ان پر طعن کیا ہے وہ خود مطعون ہیں اور محققین سے نہیں ہیں بلکہ مقلدین متعصبین سے ہیں جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ مولانا اشرف علی صاحب کا خود یہ حال ہے کہ انہوں نے تفسیر بیان القرآن میں آیت "ثم استوی علی العرش" کا معنی سلف صالحین کے خلاف معتزلہ اور جہمیہ اور متکلمین فلاسفہ کے طریق پر کیا ہے' چنانچہ لکھتے ہیں:

"پھر عرش یعنی تخت شاہی پر قائم ہوا' یعنی زمین آسمان میں احکام جاری کرنے لگا۔"

یعنی استواء علی العرش سے مراد تنفیذ احکام و تدابیر اور احکام شاہی کا صدور لیا ہے۔ اس پر ایک عالم اہلحدیث نے ان کی محدثانہ تردید فرما کر ایسے محققانہ اعتراضات کیے کہ مولانا اشرف علی صاحب اپنے تفسیری مقالات کی اصلاح اور ترمیم پر مجبور ہو گئے' چنانچہ لکھتے ہیں:

"میں نے اس مناظرہ منکرہ سے وہی اثر جو مشاورہ معروفہ سے لیتا اور متن اور حاشیہ کی ترتیب بدل دی یعنی سلف کا قول متن میں رکھ دیا اور خلف کا حاشیہ میں (تا آخر) چونکہ استواء علی العرش کا مضمون سات سورتوں میں آیا ہے ——— سب جگہ ترمیم کر دی ہے اس کے بعد اگر کہیں تفسیر کی جدید طبع کا انتظام ہو تو وہ اس ترمیم کے موافق درست کر دیں اور چونکہ اس طرف توجہ معترض صاحب ہی کی بدولت ہوئی اس لیے اپنے ساتھ ان کے لیے بھی ہر خیر کی دعا کرتا ہوں۔

(بوادر النوادر جلد-۲' ص-۳۱۱)

جب ہمارے عالم اہلحدیث جزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء نے مولانا موصوف حکیم الامتہ الحنفیہ کی رہنمائی کر دی تو آپ نے تلقی بالحق فرماتے ہوئے تمام آیات سور سبعہ کے تراجم میں ترمیم فرما دی جس کی تفصیل بوادر کے ص-۳۳۲ تا ص-۳۳۸ درج

ہے۔ اب یوں اصلاح کی ہے۔

"پھر عرش پر جو مشابہ ہے سلطنت کے اس طرح قائم اور جلوہ فرما ہوا جو کہ اس کی شان کے لائق ہے' الخ۔"

یہ ترجمہ صحیح ہے لیکن عرش کو مشابہ تخت سلطنت کہنے میں مجھے تامل ہے کیونکہ جیسے اللہ تعالیٰ کی حکومت اور تنفیذ احکام بے نظیر ہے اور استواء بے مثل ہے ایسے ہی اس کا تخت سلطنت بے مثل ہے جس کو قرآن میں عرش مجید' عرش کریم کہا گیا ہے اور یہ حضرت مجدد الف ثانی کا بھی قول عرفانی ہے کہ "عرش اس کی تمام مخلوقات سے اشرف ہے اور تمام ممکنات سے بڑھ کر اس میں صفت نورانیت ہے۔"

اس سے ان بعض حنفی مقلدین اور فقہاء کا رد ہو گیا' جو کہ یہ کہتے ہیں کہ قبر نبوی ﷺ عرش معلی سے افضل ہے اور یہ بنا فاسد علی الفاسد ہے کہ وہ ذات الٰہی کو عرش پر اعتقاد نہیں رکھتے اور ذات محمد مصطفیٰ ﷺ کو قبر میں جلوہ فرما سمجھتے ہیں۔ یہ اعتقاد بالکل باطل ہے۔ ذات الٰہی عرش پر ہے اور اس کی کتاب لوح محفوظ جس میں علوم الٰہی درج ہیں بھی اللہ تعالیٰ کے پاس عرش پر ہے' كما ورد فی الحديث الصحيح۔ پھر عرش الٰہی مصدر احکام و مرکز حکومت الہیہ ہے۔ ترمذی شریف میں سورہ سبا کی تفسیر میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"جب اللہ تعالیٰ آسمان پر کسی حکم کو نافذ کرتا ہے تو حاملین عرش نہایت عاجزی اور انکساری ظاہر کرتے ہیں اور تسبیح پڑھتے ہیں' پھر ساتویں آسمان کے فرشتے سن کر تسبیح پڑھنے لگتے ہیں۔ اسی طرح لگاتار تمام آسمانوں کے ملائکہ تسبیح پڑھتے ہیں اور اسی ترتیب سے نیچے والے اوپر کے فرشتوں سے دریافت کرتے ہیں کہ ماذا قال ربكم یعنی تمہارے رب نے کیا ارشاد فرمایا ہے؟ وہ اس حکم کی اطلاع دیتے ہیں۔"

پس یہ احکام عرش پر سے جاری و نافذ ہوتے ہیں۔ جس سے عرش معلی کے فضائل ظاہر ہیں۔

عرش معلی ذو قوائم ہے جس کو چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں۔ اس کے اسفل حصہ اور اعلیٰ میں اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان ہے اور کرسی جس نے تمام آسمانوں اور زمینوں کو گھیر رکھا ہے' عرش کے سامنے مثل حلقہ لوہا کے ہے اور

عرش کے قدر کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے لا یقدر قدرہ الا اللہ کہ اس کا اندازہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔ اور حدیث اوعال میں ہے:

واللّٰہ فوق ذالک لیس یخفٰی علیہ من اعمال بنی آدم شئی (رواہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجۃ) یعنی عرش کے اوپر اللہ تعالیٰ ہے اور اس پر بنی آدم کے اعمال میں سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

نیز ابوداؤد میں حدیث ہے: ان اللّٰہ فوق عرشہ وعرشہ فوق سماواتہ یعنی اللہ تعالیٰ عرش پر ہے اور اس کا عرش ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے ——— اس واسطے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے یہ شعر فرمایا ہے ؎

ان العرش فوق المآء طاف
وفوق العرش رب العالمینا
تحملہ ملٰئکۃ شداد
ملائکۃ الالٰہ مسومینا

ترجمہ: پانی پر عرش ہے (جو پانی ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے) اور عرش پر اللہ رب العالمین ہے جس کے عرش کو مضبوط اور قوی فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہے۔

پس معرفت الٰہی اور توحید میں یہ چیز داخل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو عرش معلی مکان اعلیٰ پر ہونے کا اعتقاد رکھا جائے اور جہت فوق میں سمجھا جائے۔ موطا امام مالک رحمہ اللہ میں باب یوں منعقد کیا گیا ہے:

باب بماذا یعرف ایمان الرقبۃ المومنۃ یعنی کسی مومن بندے کا ایمان کس طرح سے پہچانا جا سکتا ہے۔ پھر عمرو بن حکم رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوع اس باب کے تحت ذکر کی گئی ہے جس کا آخری حصہ جو ہمارا محل استدلال یہ ہے:

وعلی رقبتہ افاعتقہا فقال لہا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم این اللّٰہ؟ قالت فی السمآء فقال من انا فقالت انت رسول اللّٰہ فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اعتقہا یعنی ابن الحکم نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے ذمہ ایک گردن آزاد کرنا ہے کیا میں اس لونڈی کو آزاد کر دوں؟ آپ نے (لونڈی کو بلا کر) فرمایا کہ اللہ

کہاں ہے؟ اس نے جواب میں یہ کہا کہ وہ آسمان پر ہے' پھر دریافت کیا کہ میں کون ہوں؟ اس لونڈی نے جواب دیا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا اس کو آزاد کر دو۔ (یہ مومنہ ہے)

لفظ این ظرف مکان ہے جس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مکان ہے اور اس سے سوال کیا جا سکتا ہے۔ مولانا اشرف علی صاحب نے اس کو تسلیم کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے مکان کا اطلاق حدیث میں وارد ہے۔ حیث قال فی بوادر النوادر "وورد فی الحدیث اطلاق المکان حیث قال وارتفاع مکانی' الخ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بلند مکان کی قسم کھائی ہے کہ مجھے میرے بلند مکان کی قسم ہے' پس اطلاق مکان کا حدیث میں وارد ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حدیث شفاعت میں یہ وارد ہے: فاستاذن علیٰ ربی فی دارہ یعنی میں اپنے پروردگار کے پاس اس کے مکان میں جا کر اذن مانگوں گا اور اس سے مراد عرش ہے۔ چنانچہ دوسری حدیث مشکوۃ میں ہے جس کے یہ الفاظ ہیں: فاتی تحت العرش فاقع ساجداً لربی یعنی میں عرش کے نیچے آکر اپنے رب کے لیے سجدہ میں گروں گا۔

حدیث "ارتفاع مکانی" اور حدیث "دارہ" اور حدیث "تحت العرش" ہرسہ کو ملانے سے اللہ تعالیٰ کا مکان عرش معلی ثابت ہوا جس پر اس کا استقرار ہے۔ جیسا کہ اس کی ذات کے شایان شان ہے۔

لونڈی نے فی السماء کہہ کر جواب دیا ہے' کیونکہ قرآن مجید میں ہے: ءامنتم من فی السماء کیا تم اس ذات سے بے خوف ہو جو آسمان پر ہے۔ آیت اور حدیث میں جو لفظ "فی" ہے یہ معنی "علیٰ" ہے۔ جیسے یہ ارشاد قرآن میں ہے لاصلبنکم فی جذوع النخل یعنی میں تم کو کھجور کی شاخوں پر سولی دوں گا۔ اور فرمایا "فسیروا فی الارض" یعنی تم زمین پر سیر کرو اور سماء علو کے معنی میں آجاتا ہے اس لیے بادل کو بھی سماء کہہ لیتے ہیں۔ پس اس سے مراد عرش ہے کہ وہ آسمان کے اوپر ہے۔ اس سے آیت "ثم استوی علی العرش" سے مطابقت ہو گئی اور اگر سماء سے مراد معروف ہو تب بھی کچھ حرج نہیں' کیونکہ جب اللہ تعالیٰ عرش پر ہے اور عرش

آسمانوں کے اوپر ہے تو اللہ تعالیٰ کو آسمانوں کے اوپر کہنا جائز ہوا۔ اس سے اللہ تعالیٰ کے لیے جہت علو اور فوق ثابت ہے اور اس کا عرش پر ہونا صاف ظاہر ہے اور جہت فوق اور استواء علی العرش کا اعتقاد رکھنا توحید اور معرفت الٰہی میں داخل ہے۔ جس کو مجدد الف ثانی نے خارج کر دیا ہے۔

کتاب السنہ لعبداللہ بن امام احمد رحمہ اللہ ص-۳۵ میں منقول ہے کہ عبداللہ بن نافع رحمہ اللہ نے کہا:

نعرف ربنا فوق سبع سموت علی العرش بائن من خلقه بحد ولا نقول کما قالت الجهمية یعنی ہم اپنے رب کو یوں پہچانتے ہیں کہ وہ اپنی مخلوقات سے جدا ساتوں آسمانوں کے اوپر عرش معلٰی پر ہے اور جہمیہ کی طرح اس کے خلاف عقیدہ رکھنے کے ہم قائل نہیں۔

نیز ص-۲۷ میں ہے علی بن حسن نے بیان کیا کہ سالت عبدالله بن المبارك کیف ینبغی لنا ان نعرف ربنا قال علی السابعة علٰی عرشه ولا نقول کما تقول الجهمية انه ههنا فی الارض یعنی میں نے عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے سوال کیا کہ ہم کو اپنے پروردگار کو کس طرح پہچاننا چاہیے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ساتویں آسمان کے اوپر عرش پر جاننا چاہیے اور ہم اللہ کو زمین پر نہیں کہتے جس طرح جہمیہ فرقہ کہتا ہے۔

امام ربانی حضرت شیخ الشائخ جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اما معرفة الصانع ان تعرف وتیقن ان الله واحد احد (الٰی ان قال) وهو بجهة العلو مستوی علی العرش محیط علمه بالاشیآء الیه یصعد الکلم الطیب یدبر الامر من السمآء الی الارض ثم یعرج الیه ولا یجوز وصفه بانه فی کل مکان بل یقال انه فی السمآء علی العرش۔ (غنية الطالبین)

یعنی اللہ صانع کی معرفت یہ ہے جس پر اعتقاد رکھنا چاہیے کہ وہ ایک اور اپنی ذات و صفات میں یکتا ہے اور وہ جہت علو میں عرش پر مستوی ہے۔ اور اس کا علم تمام کائنات کو محیط ہے۔ اسی کی طرف تمام پاک کلمے چڑھتے ہیں اور وہ آسمان سے زمین کے تمام امور کی تدبیر کرتا ہے۔ پھر اسی کی طرف ہر امر چڑھتا ہے اور یہ کہنا جائز نہیں ہے

کہ اللہ ہر مکان میں ہے بلکہ یہ کہا جائے گا کہ وہ آسمان کے اوپر عرش معلیٰ پر ہے۔

پس مجدد سرہندی کے خلاف جو ان بزرگان دین اور اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اللہ کی معرفت بتلائی ہے بالکل حق اور صحیح ہے اور عین کلام الٰہی کے موافق ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی تعریف اسی طرح بتلائی ہے۔ سورہ سجدہ میں ارشاد ہوا ہے:

اللّٰہ الذی خلق السموت والارض وما بینہما فی ستۃ ایام ثم استوی علی العرش یعنی اللہ وہ ذات ہے جس نے آسمان و زمین اور جو کچھ اس میں ہے اس کو پیدا کر کے پھر عرش پر قرار پکڑا۔

جناب شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے **ثم استوی علی العرش** کا ترجمہ اس طرح کیا ہے: "**باز مستقر شد بر عرش**"

اور شاہ رفیع الدین صاحب رحمہ اللہ نے یوں کیا ہے: "پھر قرار پکڑا اوپر عرش کے"

اور حضرت شاہ عبدالقادر مرحوم دہلوی نے اس طور پر ترجمہ کیا ہے: "پھر بیٹھا تخت پر"

ان سب تراجم سے ہمارا مدعا ثابت ہوا کہ ذات الٰہی جہت فوق میں عرش پر ہے' لیکن جہمیہ اور معتزلہ وغیرہ گمراہ فرقے اس اعتقاد کے خلاف کہتے ہیں اور اسی طرح بعض حنفی سلفی و خلفی مائل ہو گئے ہیں۔ جامع البیان کے حاشیہ پر امام اہل السنہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ شیبانی کی ایک کتاب "**کتاب الرد علی الجہمیۃ**" چھپی ہوئی ہے۔ اس فرقہ جہمیہ کے پیشوا جہم بن صفوان کا یہ عقیدہ درج ہے:

ھو تحت الارضین السابعۃ کما ھو علی العرش لا یخلو عنہ مکان ولا ھو فی مکان دون مکان (الٰی قولہ) وتبعہ علٰی قولہ رجال من اصحاب ابی حنیفۃ واصحاب عمرو بن عبید بالبصرۃ۔

یعنی اللہ تعالیٰ زمینوں کے نیچے ہے جیسا کہ وہ عرش پر ہے اور وہ ہر مکان میں ہے۔ اس سے کوئی مکان بھی خالی نہیں ہے اور وہ کسی خاص مکان میں نہیں ہے کہ دوسرے مکان میں نہ ہو۔ یہی بعض حنفیوں کا عقیدہ ہے اور اسی کو عمرو بن عبید بصری کے مقلدین نے اختیار کر لیا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ یہی آج کل عام حنفیہ کا اور ان کے سلفیہ و خلفیہ صوفیہ کا مذہب

19185

ہے اور تمام گدی نشین پیروں کا عقیدہ ہے اور یہی دیوبندی احناف کے حکیم روحانی مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کا مذہب ہے۔ چنانچہ وہ اپنے رسالہ "تائید الحقیقتہ" میں آیت واللّٰہ محیط بالکافرین ○ کان اللّٰہ بکل شئی محیطًا ○ وان ربک احاط بالناس وغیرہا لکھ کر فرماتے ہیں:

وھذہ الایات کلھا دالۃ علٰی صحۃ قول من یقول من العلمآء الصوفیۃ ان فی کل اللّٰہ تعالٰی بکل مکان غیر انھم لایعلمون کیفیۃ کون مکان اللّٰہ ای یقولون بالاحاطۃ الذاتیۃ لا محض الاحاطۃ الصفاتیۃ کاھل الظاھر (الٰی قولہ) وان تفسیر الاحاطۃ ان لایکون المحاط علیہ بعید من المحیط ولا المحیط بعیدا منہ ثم ان ذالک مشھور بین المشائخ الصوفیۃ نحو جنید والشبلی وابن عطآء وغیرھم روی عن جنید انہ تکلم عندہ رجل فاشار الی السمآء فقال لا تشر الی السمآء فانہ معک فھذا دلیل علٰی انہ لا خصص مکان اللّٰہ تعالٰی بالعرش ولابجھۃ دون جھۃ۔

یعنی آیات احاطہ علماء صوفیہ کے اس قول کے صحیح ہونے پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر مکان میں ہے لیکن ہر مکان میں ہونے کی کیفیت معلوم نہیں۔ اور یہ احاطہ ذاتیہ ہے یعنی ذات الٰہی ہر جگہ ہے اور احاطہ صفاتیہ نہیں ہے جیسے اہل ظاہر کہتے ہیں۔ تفسیر احاطہ کی یہ ہے کہ محیط اور محاط علیہ ایک دوسرے سے دور نہیں ہے' مشائخ صوفیہ جنید' شبلی' ابن عطاء کا یہی مذہب مشہور ہے' چنانچہ نقل کیا گیا ہے کہ جنید کے پاس کسی شخص نے کلام کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بابت آسمان کی طرف اشارہ کیا تو حضرت جنید نے کہا کہ آسمان کی طرف اشارہ نہ کرو وہ تمہارے ساتھ ہے۔ یہ بات دلیل ہے اس پر کہ وہ عرش کو اللہ کا خاص مکان نہ جانتے تھے اور نہ خاص کسی جہت میں کہتے تھے۔

پھر لکھتے ہیں بل المراد انہ لا مکان لہ خاصا (الٰی ان قال) فان کون شئی فی کل مکان یستلزم عدم کونہ فی مکان خاص۔ (بوادر النوادر جلد۔دوم' ص۔۳۱)

یعنی مراد یہ ہے کہ اللہ کا کوئی خاص مکان نہیں اور کسی چیز کا ہر مکان میں ہونا اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ کسی خاص مکان میں نہیں ہے۔

ان دیوبندیوں کے حنفی بھائی جو بریلوی ہیں وہ بھی یہی کہتے ہیں۔ چنانچہ رسالہ سلطان المشائخ لاہور مطبوعہ ماہ اکتوبر ۵۵ء کے ص-۶ پر یہ لکھا ہے:

"نجات کی صورت صرف اسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے یہ عقیدہ رکھا جائے کہ وہ ہر زمان و ہر مکان و ہر جہت میں ہے' مگر اس طرح کہ وہ زمانہ و مکان و جہت سے بالکل منزہ ہے۔ اگر اس عقیدہ کے جزء اول سے کوئی انکار کرے تو وہ صریح آیات قرانیہ کا انکار کر رہا ہے جو یقیناً قطعاً کفر اور صریح انکار قرآن ہے۔ اھ۔

یہ تحریر مجذوب کی بڑ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی' کیونکہ باہم متضاد اور متعارض ہے۔ اس لیے ساقط الاعتبار ہے۔ ان کی کتب اصول میں لکھا ہے کہ اگر آیاتِ قرآن کی باہم متعارض ہوں تو ساقط ہو جائیں گی۔ معاذ اللہ جب یہ آیات قرانیہ متعارضہ کو ساقط کرتے ہیں تو ہم ان بد مذہبوں کے کلام متعارضہ کو ساقط کیوں نہ قرار دیں۔ ان کا ایک بھائی لغات القرآن جلد-۱' ص-۳۳ میں یہ لکھتا ہے:

"دو متضاد چیزوں کی نفی تو صحیح ہو سکتی ہے' لیکن اثبات نہیں ہو سکتا۔"

اس سے ثابت ہوا کہ ان کا متضاد عقیدہ باطل ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ دیوبندی اور بریلوی احناف اس گمراہ کفریہ عقیدہ میں مساوی الاقدام ہیں۔ اے ناظرین اہل انصاف ان کی گمراہی کا ثبوت ملاحظہ کریں اور معلوم کریں کہ یہ لوگ اہل سنت مذہب سے خارج گمراہ فرقوں میں داخل ہیں۔

منتقٰی مع نیل الاوطار جلد-۸' ص-۲۵۱ میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ ایک شخص جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک لونڈی کو لایا جو عجمی سیاہ رنگ کی تھی۔ اس نے یہ کہا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میرے ذمہ ایک ایمان دار گردن آزاد کرنا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لونڈی سے فرمایا۔ این اللہ؟ اللہ تعالیٰ کس جگہ ہے؟ فاشارت الی السماء باصبعها تب اس لونڈی نے آسمان کی طرف اپنی انگلی سے اشارہ کیا کہ آسمان پر ہے۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا من انا؟ میں کون ہوں؟ فاشارت باصبعها الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والی السماء ای انت یارسول اللہ یعنی اس لونڈی نے اپنی انگلی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کر کے پھر آسمان کی طرف اشارہ کیا یعنی آپ اس اللہ کے رسول ہیں جو آسمان کے اوپر ہے'

تب آپ نے اس کو مومنہ قرار دے کر ارشاد فرمایا اعتقها کہ اس لونڈی کو آزاد کر دو۔ (کیونکہ یہ مومنہ ہے)

اس حدیث کو امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ اس حدیث سے مقلدین حنفیہ کا خوب رد ہو گیا ہے اور جس جنید کی وہ تقلید کرتے ہیں اس کا قول بھی مردود ہو گیا۔ اور ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ جہت علو میں آسمان کے اوپر ہے اور اس کی طرف اشارہ کرنا جائز بلکہ ضروری ہے اور یہ معرفت الٰہی کی عظیم الشان دلیل ہے اور ایمان پر ثبوت ہے۔

علاوہ اس کے خود آنحضرت ﷺ کا اشارہ کرنا بھی ثابت ہے کہ آپ نے مکان اعظم عرفات میں اور یوم اعظم عرفہ میں اور مجمع اعظم حجاج صحابہ میں خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے یہ خطاب کیا کہ انتم مسؤلون عنی فماذا انتم قائلون؟ یعنی بروز قیامت تم میرے متعلق سوال کیے جاؤ گے۔ تم اس روز کیا کہو گے؟ تب حاضرین نے متفقہ طور پر یہ کہا' ہم یہ شہادت دیں گے کہ آپ نے حق رسالت خوب ادا کیا اور تبلیغ احکام کر دی اور تمام کی خوب خیر خواہی کر کے تمام دین پہنچا دیا۔ تب آپ نے اپنی انگلی مبارک آسمان کی طرف اٹھائی اور یہ کہا: اللّٰھم اشھد اللّٰھم اشھد یعنی اے اللہ عزوجل آپ گواہ رہیں کہ میں نے اپنا فرض پورا کر دیا ہے جس کا ان انسانوں نے اقبال کر لیا ہے اور یہ آج گواہی دے رہے ہیں۔

پس آنحضرت ﷺ کا آسمان کی طرف انگلی کا اشارہ کرنا اور لفظ اللّٰھم کہنا اس امر پر صاف دال ہے کہ اللہ جہت علو میں ہے۔ ہر جگہ اور ہر مکان میں نہیں ہے۔ ابوداؤد میں حدیث ہے جس میں یہ الفاظ ہیں اتدری ما اللّٰہ؟ کیا تو جانتا ہے کہ اللہ کہاں ہے؟ پھر فرمایا ان اللّٰہ فوق عرشہ وعرشہ فوق سمواتہ یعنی اللہ عرش پر ہے اور عرش آسمانوں کے اوپر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ملائکہ کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ یخافون ربھم من فوقھم یعنی فرشتے اپنے رب سے اوپر سے خوف کرتے ہیں پس عرش کا مکان الٰہی ہونا اور جہت علو کا متعین ہونا ثابت ہوا اور اس پر تمام سلف اور ائمہ متقدمین اور کتب سماویہ کا اجماع ہے جس کا منکر کافر اور خارج از اسلام ہے۔ چنانچہ عقیدہ صابونیہ جو جامع البیان کے حاشیہ پر طبع ہوا ہے اس میں یہ لکھا ہے:

۶

رئیس المحدثین امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں: من لم یقبل بان اللہ عزوجل علٰی عرشہ قد استوی فوق سبع سمواتہ فھو کافر بربہ حلال الدم الخ یعنی جو شخص اس مسئلہ کو قبول نہ کرے کہ اللہ تعالٰی عرش پر مستوی ہے اور اس کا عرش ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے۔ تو وہ کافر ہے جس کا خون کرنا خلیفہ اسلام پر حلال ہے۔

امام ابوالحسن اشعری اپنی کتاب "اختلاف المصلین و مقالات الاسلامیین" میں فرماتے ہیں: ان اللہ تعالٰی علٰی عرشہ تحقیق اللہ تعالٰی عرش پر ہے۔ پھر معتزلہ، جہمیہ وغیرہ گمراہ فرقوں کا عقیدہ لکھتے ہیں کہ قالوا انہ فی کل مکان وجحدوا ان یکون علٰی عرشہ کما قال اھل الحق، یعنی وہ کہتے ہیں کہ اللہ ہر مکان میں ہے اور اللہ کے عرش پر ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ جیسا کہ اہل حق کا مذہب ہے۔

(جامع البیان ص-۲۱۰ حاشیہ نمبر-۲)

اگر ذات الٰہی کا ہر جگہ عقیدہ رکھا جائے تو اس سے تنزیہ الٰہی کا عقیدہ غلط ہو جاتا ہے، کیونکہ پھر ذات الٰہی اماکن مستقذرہ یعنی گندگی کی جگہوں مثلاً ٹیوں، پاخانہ کی جگہوں، بھنگڑ خانوں اور کوڑا خانہ وغیرہ میں ہونا لازم آتا ہے جو سراسر باطل ہے۔ کتاب الابانۃ کے باب الایمان میں امام زاہد ابوعبداللہ بن بطہ عکبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اجمع المسلمون من الصحابۃ والتابعین ان اللہ علٰی عرشہ فوق سموات بائن من خلقہ یعنی تمام مسلمانوں صحابہ تابعین وغیرہم نے اس عقیدہ پر اجماع کیا ہے کہ اللہ تعالٰی عرش پر ہے اور اس کا عرش آسمانوں کے اوپر ہے اور وہ اپنی خلقت سے جدا ہے۔

اس طرح امام ذہبی نے کتاب العلو میں تمام سلف و خلف ائمہ محدثین و مجتہدین کا اجماع نقل کیا ہے۔ امام الائمہ عثمان بن سعید داری جن کی بابت امام الدنیا فی الحدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کے مثل کوئی عالم نہیں دیکھا وہ اپنی کتاب النقص علی المریسی میں فرماتے ہیں: قد اتفقت الکلمۃ من المسلمین ان اللہ بکمالہ فوق عرشہ وفوق سموات اور آخر کتاب میں فرماتے ہیں: قال اھل السنۃ ان اللہ بکمالہ فوق عرشہ یعلم ویسمع من فوق العرش وما یخفی علیہ خافیۃ من خلقہ ولا یحجبھم عنہ شی یعنی تمام مسلمانوں کا اور اہلسنّت کا یہ متفقہ عقیدہ ہے

کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے جو آسمانوں کے اوپر ہے اور وہ عرش پر ہی سے جانتا ہے اور سنتا ہے۔ اس کی خلقت سے اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے اور کوئی چیز اس کے سامنے پردہ نہیں بن سکتی۔

اسی طرح شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ حرانی رحمہ اللہ نے عقیدہ واسطیہ میں فرمایا ہے کہ ایمان باللہ میں یہ عقیدہ داخل ہے جو قرآن اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے اور اس پر سلف امت کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں پر عرش معلی پر ہے اور تمام خلقت سے اس کی ذات بلند ہے۔ پھر فرماتے ہیں: القول فی الجهة واما هذه الصفة فلم يزل اهل الشريعة من اول الامر يثبتونها لله سبحانه حتّٰى نفتها المعتزلة ثم تبعهم على نفيها متاخروا الا شاعرة كابى المعالى (الٰى ان قال) والشرائع كلها مبنية علٰى ان الله فى السمآء (الٰى قوله) ان اثبات الجهة واجب بالشرع والعقل ولن ابطاله ابطال الشرع۔ اھ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے جہت علو کی صفت پہلے اہل شریعت علماء میں ہمیشہ مسلم رہی ہے اور وہ اس کو ثابت کرتے رہے ہیں' یہاں تک کہ فرقہ معتزلہ پیدا ہوا۔ اس نے اللہ تعالیٰ سے اس صفت کی نفی کر دی' پھر اس نفی کی متاخرین اشعریوں نے تقلید کی جیسے ابوالمعالی وغیرہ ہو گزرے ہیں۔ تمام شرائع اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان کے اوپر ہے اور جہت علو کا ثابت کرنا بروئے عقل و نقل واجب ہے اور جہت کا عقیدہ باطل کرنا شریعت الٰہی کا باطل کرنا ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ بریلویوں کے اختراعی معبود غنیۃ میں یہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پر ہونا ہر آسمانی کتاب میں مذکور ہے' جو ہر نبی مرسل پر نازل ہوئی ہے اور غنیۃ الطالبین مترجم اردو ص-۲۳۲ میں گروہ سالیہ کا یہ عقیدہ درج ہے جو ایک مشہور گمراہ فرقہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک مقام پر ہر ایک جگہ میں موجود ہے کوئی جگہ اس سے خالی نہیں اور عرش اور فرش دونوں برابر ہیں۔ ان میں کوئی فرق نہیں ہے' مگر یہ قول قرآن سے جھوٹا ثابت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "اللہ تعالیٰ نے عرش پر قرار پکڑا" اور اس نے نہیں کہا کہ اس نے زمین پر قرار پکڑا ہے اور یہ نہیں کہا جاتا کہ اس نے حاملہ عورتوں کے پیٹوں میں یا پہاڑوں یا اور جگہوں میں قرار پکڑا ہے۔ اور ص-۲۳ پر معتزلہ اور قدریہ وغیرہ گمراہ فرقوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سب ہی

اللہ تعالیٰ کی صفتوں کے منکر ہیں (تا آخر) اور اس کے قائل نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عرش پر قرار پکڑا ہوا ہے۔ اھ۔ اور معرفت الٰہی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں وہ بلند ہے اور اس کا قیام عرش معظم پر ہے۔ اس کی ذات نے سب عالم کو ——— اور سب چیزوں کو اس کے علم نے اپنے گھیرے میں کر لیا ہے۔ پاک لوگوں کے کلام اور نیک عمل اس کی طرف چڑھ جاتے ہیں۔

اس تصریح سے یہ ثابت ہو گیا کہ رئیس الاولیاء اور راس الصوفیہ شیخ جیلانی محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ جن کا قدم تمام اولیاء کی گردنوں پر بتایا جاتا ہے معرفت الٰہی اور ایمان باللہ میں یہ عقیدہ داخل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش معظم پر ہے اور علم اس کا سب جگہوں کو محیط ہے اور یہ فرماتے ہیں کہ یہ تمام آسمانی کتابوں کی تعلیم ہے اور یہ فرماتے ہیں کہ سالمیہ اور معتزلہ وغیرہ گمراہ فرقے جو اہل سنت سے خارج ہیں' وہ اللہ تعالیٰ کے جہت علو میں عرش پر قرار پکڑنے سے منکر ہیں اور ہر مکان میں ہونے کے قائل ہیں اور قرآن ان کی تکذیب کرتا ہے۔ پس بروئے قرآن و حدیث و اجماع سلف و اولیاء اللہ مسئلہ استواء علی العرش کا حق ہے اور اللہ کے ہر مکان اور ہر جہت میں ہونے کا باطل ہے اور موجب ضلالت ہے۔ اس عقیدہ کے لوگ خواہ دیوبندی ہوں یا بریلوی سب گمراہ اور اہل سنت سے خارج ہیں۔ نہ ان کے اکابر کو معرفت الٰہی حاصل ہے اور نہ اصاغر کو اور نہ خود ان کو' سب ضلالت کی تاریکی میں مبتلا ہیں۔

رئیس التابعین امام الائمہ حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں: نعرف ربنا فوق سبع سموات على العرش استوى بائنا من خلقه ولا نقول كما قالت الجهمية انه ههنا واشار الى الارض (عقیدہ صابونیہ برحاشیہ جامع البیان ص—۳۱۹)

یعنی ہم اپنے رب کو اس طرح پہچانتے ہیں کہ وہ ساتوں آسمانوں پر عرش معلی کے اوپر ہے اور اپنی خلقت سے جدا ہے اور ہم اس طرح نہیں کہتے جس طرح جہمیہ کہتے ہیں کہ وہ زمین پر بھی ہے۔

حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بھی یہ فرمایا ہے کہ استواء معلوم ہے اور کیف مجہول ہے اور اس کا اقرار کرنا ایمان ہے اور انکار کرنا کفر ہے۔ اسی طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ جامع البیان میں حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کے قصیدہ

مسئلہ ظہار کے بارے میں ہے: ترفع راسها الی السمآء وتشکوا الی اللّٰہ تعالٰی یعنی خولہ رضی اللہ عنہا نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے معاملہ کی شکایت کی۔ تفسیر در منثور اور فتح البیان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ ھذہ امراۃ سمع اللّٰہ شکواھا من فوق سبع سموات یعنی یہ وہ عورت ہے کہ سنا ہے اللہ تعالیٰ نے شکایت اس کی کو ساتوں آسمانوں کے اوپر سے۔" اس سے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا اعتقاد بھی صاف نمایاں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ہر جگہ نہیں مانتے بلکہ ساتوں آسمانوں پر جہت علو میں اعتقاد رکھتے تھے۔

احادیث نبویہ سے بھی یہی عقیدہ ثابت ہے' چنانچہ لیلۃ القدر کے بارے میں ایک حدیث وارد ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے پانچ قسمیں فرمائی ہیں وہ یہ ہیں: "وعلوی وارتفاع مکانی" یعنی قسم ہے مجھے میرے بلند مرتبے کی اور بلند ہونے مکان میرے کی۔ اس کا مکان مثل مکان مخلوق کے نہیں ہے بلکہ جیسے ذات الٰہی بے مثل ہے ویسے مکان بھی بے مثل اور استواء بھی بے مثل ہے۔ ذات کو یا مکان کو یا استواء کو نہ تشبیہ دی جا سکتی ہے اور نہ اس کی کیفیت بیان کی جا سکتی ہے۔

عبدالوہاب وراق نے کہا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو زمین پر کہے وہ بھی خبیث ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے۔ جامع البیان ص-۲۳۲ میں ہے' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: العرش فوق المآء واللّٰہ فوق العرش ولا یخفی علیه شئی من اعمالکم یعنی اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر ہے اور اللہ تعالیٰ عرش پر ہے اور اس پر تمہارے اعمال سے کوئی عمل پوشیدہ نہیں ہے۔

حنفیہ کا یہ دعویٰ ہے کہ ہمارے مذہب کا سلسلہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے' سو اس سے ظاہر ہے کہ یہ جھوٹ ہے۔ ان کے عقائد اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے عقائد میں بعد المشرقین ہے۔ کتاب العلو میں ہے کہ قاضی ابویوسف رحمہ اللہ کے پاس بشر مریسی اور علی احول وغیرہ کا ذکر ہوا کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر مکان میں ہے۔ قاضی ابویوسف رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ان کو میرے پاس لاؤ تو علی احول اور ایک شیخ کو لایا گیا۔ قاضی نے شیخ کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ تمہارا ادب مانع ہے ورنہ جو کچھ سزا دیتا'

لیکن پھر بھی قید کر دیا اور احول کو پڑا کر شہر میں گشت کرایا۔ نیز امام ابوحنیفہ ؒ سے منقول ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ اللہ آسمان پر نہیں زمین پر ہے وہ کافر ہے اور فقہ اکبر میں یہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے' مگر عرش کا محتاج نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا عرش پر ہونا اور علم اور قدرت اس کی ہر جگہ ہونی مسلم ہے اور یہ عقیدہ اہل حق ہے جس پر تمام اہل سنت اور اہل حدیث کا اجماع ہے اور یہ کہنا کہ اللہ عرش پر نہیں ہے اور مکان و جہت سے پاک ہے یا یہ کہ وہ ہر جگہ اور ہر مکان میں ہے یہ سراسر باطل ہے اور اس عقیدہ کے لوگ گمراہ ہیں اور اہل سنت سے خارج ہیں' نہ ان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہے اور نہ ان کا ایمان صحیح ہے۔ اگرچہ وہ دنیا میں ولی اللہ اور امام الائمہ مشہور ہوں' کیونکہ حق کے ساتھ آدمی پہچانے جاتے ہیں اور آدمیوں کے ساتھ حق نہیں پہچانا جاتا۔ ہم نے کتاب و سنت سے اپنا عقیدہ صحیح ثابت کر کے علماء محدثین و ائمہ مجتہدین کے اقوال بطور تائید مزید پیش کر دیئے ہیں اور عاشقان اقوال رجال کے لیے الزامات بھی پیش کیے ہیں۔ بالآخر دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ صراط مستقیم کی طرف ہدایت فرمائے۔ وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین۔

حررہ عبدالقادر عارف الحصاری غفرلہ الباری

صحیفہ اہل حدیث کراچی جلد۔۲۷' شمارہ۔۱۳' ۱۴' ۱۵' ۱۶' ۱۷' ۱۸

بمطابق ۱۵ر جمادی الثانی و ۱۵ر رجب و یکم و ۱۵ر شعبان و یکم و ۱۵ر رمضان المبارک و یکم شوال ۱۳۷۶ھ

کھلی چھٹی دربارہ مسئلہ استویٰ علی العرش

بخدمت شریف جناب مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی مدظلہ العالی

قال مولانا ⇦ اور حسب وعدہ ان سوالوں کو محفوظ رکھ لیا کہ اطمینان کے وقت ایسا ہی عمل کیا جائے گا۔ سائل نے (یعنی حکیم ابو تراب نے) اپنا آخری سوال مشتمل بر ردوقدح متجاوز عن الحد اپنے یکم اپریل ۳۲ھ کے اخبار (اہل السنت والجماعت) میں شائع کر دیا۔ جس کا ضروری یا غیر ضروری ہونا میرے اور ان کے درمیان مختلف فیہ ہے اور ساتھ ہی اپنے اخبار کی مدح بھی لکھی' الخ۔

اقول ⇦ میں نے حضرت مولانا کی خدمت میں کوئی سوال ایسا نہیں کیا جو مشتمل بر ردوقدح متجاوز عن الحد ہو اور نہ ہی اخبار میں کوئی ایسا لفظ لکھا جس سے حضرت مولانا کی دل آزاری ہو حاشا و کلا۔ کیونکہ میں بزرگان دین کا ادب کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ البتہ یہ عرض کر دیا تھا کہ جناب مولانا کو ہر معاملہ میں صوفیوں کی مدد نہ کرنی چاہیے کیونکہ صوفیوں کی وجہ ہی سے ہندوستان میں شرک و بدعت کی اشاعت زیادہ ہوئی ہے۔ جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ نے اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمہ اللہ وغیرہ لولیاء اللہ نے لکھا ہے۔ اور یہ بھی لکھا تھا کہ معتزلہ و جہمیہ و وجودیہ و حلولیہ کی تائید نہ کرنی چاہیے۔ یہ فرقے صراط مستقیم صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین سے کوسوں دور ہیں۔ (جیسا کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے منہاج السنۃ اور کتاب العقل میں اور مجموعہ رسائل کبریٰ جلد دوم کے ص۔۹۳ میں نور الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح کے ص۔۱۸۹ میں اور کتاب شرح حدیث نزول میں لکھا ہے۔ اور ان کے تلمیذ رشید حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے کتاب جلاء الافہام فی الصلوۃ والسلام علی خیرالانام کے ص۔۳۷ اور قصیدہ نونیہ میں لکھا ہے۔) اس کو شاید جناب والا نے متجاوز عن الحد قرار دیا ہے۔ جو میرے نزدیک متجاوز عن الحد نہیں ہے۔ حضرت مولانا دامت برکاتہم کو شاید سورہ نون کے الفاظ عتل بعد ذالک زنیم اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے الفاظ امصص ببظر اللات کا خیال نہیں رہا کہ جس میں ولید وغیرہ کی کیسی درگت بنائی گئی ہے۔ جو دیکھنے کے قابل ہے۔ بخلاف میرے کہ میں نے تو

کوئی ایسا لفظ معتزلہ و جہمیہ و وجودیہ و حلولیہ وغیرہ گمراہ فرقوں کی نسبت نہیں لکھا۔ اخبار یکم اپریل ۳۳ء کا پرچہ موجود ہے۔ جناب ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ اس میں اس لیے یہ ضروری مضمون لکھا گیا تھا کہ یہ مسئلہ علوی خانقاہ میں آنے جانے والوں اور دوسروں کو معلوم ہو جائے۔ اور حضرت مولانا اپنی زبان فیض ترجمان سے رسالہ النور وغیرہ میں اس پر روشنی ڈالیں۔ سو بہت اچھا ہوا کہ میرے استفسار سے جناب نے مسئلہ استوی علی العرش کی تحقیق فرمائی۔ جو میرے نزدیک یہ بھی ابھی ناکمل اور قابل اصلاح ہے۔ کاش کہ جناب اس مضمون کے لکھنے سے پہلے امام ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم اور علامہ عینی اور ابن ہمام اور امام سخاوی اور حافظ ابن حجر اور ملا علی قاری اور امام ابو جعفر طحاوی حنفی وغیرہ اجلہ علماء کی کتابیں ملاحظہ فرما لیتے۔ جب کہ میں نے جناب کی خدمت میں ایک خط بھی لکھا تھا کہ مسئلہ استوی علی العرش پر لکھنے سے پہلے جناب والا ان علماء اسلام کی کتابیں اچھی طرح دیکھ لیں کہ ان بزرگان ملت نے دونوں طریقوں کو حق بتایا ہے۔ اور خلف کو باطل قرار دیا ہے۔ سو میں نے جہاں تک ان حضرات کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے' مجھے تو یہی معلوم ہوا ہے کہ سلف صالحین کا مسلک صحیح اور درست ہے۔ اور معتزلہ و جہمیہ و اشعریہ و متکلمین کا مسلک غلط اور باطل ہے اور اخبار اہل السنت والجماعت کی مدح لکھنا دائرہ شریعت کے اندر ہے۔ کیونکہ مدح کرنے والا جب کہ کبر و عجب وغیرہ امراض قلبی سے محفوظ رہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا فضل اس کے شامل حال ہو۔ تو مدح جائز ہے۔ کما مدح واثنی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم علی الصحابۃ رضی اللّٰہ عنہم حتی قال لووزن ایمان ابی بکر بایمان العالم لرجح۔ وقال لعمر رضی اللّٰہ عنہ لو لم ابعث لبعثت یاعمرو قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم انا سید ولد ادم لا فخر۔ (احیاء العلوم) وقال علی رضی اللّٰہ عنہ انا الذی سمتنی امی حیدرہ۔ کلیث اسد غابات کریہ المنظرہ۔ وقال سفیان بن عتبہ لایضر المدح من عرف نفسہ۔ پس جب مادح و ممدوح آفات قلبی سے بہ سبب برکت اتباع قرآن و سنت کے محفوظ رہیں تو مدح مذموم نہیں ہے۔ اسی واسطے حضرت طلحہ ؓ بوقت مدح نفس اپنے کے اپنا ٹنڈا ہاتھ صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے پیش کیا کرتے تھے جو جنگ میں آنحضرت ﷺ پر فدا کیا گیا تھا۔ اور حضور ﷺ کو بچایا

گیا تھا۔ تو اگر میں نے اخبار اہل السنت والجماعت کی مدح کی تو خلاف شریعت نہیں۔ کیا' کیونکہ اس میں ۸۱ برس سے ملی و ملکی خدمت کی گئی ہے اور انصاف کے ترازو کو ہاتھ میں لے کر حاکم و محکوم اور راعی و رعایا کی بے لوث خدمت ادا کی گئی ہے۔ اور شرک و بدعت کا ازالہ کیا گیا ہے۔ الحمدللہ یہ مدح تو معیوب نہیں ہے۔ البتہ یہ کلمات کہ لا الہ الا اللہ اشرف علی رسول اللہ مدحیہ سننے اور اس کے جواب کو برا نہ کہنا اور تعبیریں اس کی محبت اور قوت ایمانی کی توثیق کرنا محل تعجب و استفسار ہے۔

قال مولانا ⇦ جب تک میرے قلب پر اس کی ناگواری کا اثر رہا۔ میں نے کچھ لکھنا مناسب نہ سمجھا کہ رجحان تھا شوب نفس کا الخ۔

اقول ⇦ جناب جیسے فاضل عالم باعمل صاحب زہد و تقویٰ کے نفس پر ناگواری کا اثر ہونا اور میری تحریر پر رنجیدہ ہونا دور از انصاف ہے۔ ؎

دریائے فراواں نشود تیرہ بسنگ
عارف کہ برنجد تنگ آب است ہنوز

جناب کو اچھی طرح معلوم ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے فہم کے مطابق جنگ بدر والوں کے متعلق آنحضرت ﷺ سے فوراً استفسار کیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ کا ان اجسام بے ارواح سے کلام کرنا آیت قرآنی انک لا تسمع الموتی - وما انت بمسمع من فی القبور کے خلاف ہے اور آنحضرت ﷺ سن کر ناراض نہیں ہوئے اور حضور ﷺ کے قلب مبارک پر برا اثر نہیں پڑا بلکہ فرمایا یاعمرؓ کفار اس وقت جو بات میں ان سے کہہ رہا ہوں تم سے زیادہ سنتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو اس وقت میری بات سنانے کے لیے بطور اعجاز کے زندہ کر دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو صحیح بخاری وغیرہ)

اسی طرح جناب کو میری باتوں سے رنجیدہ نہ ہونا چاہیے تھا' کیونکہ عارف لوگ کبیدہ خاطر نہیں ہوا کرتے۔ بلکہ نہایت جرات انبساط قلبی سے سائل کے دامن کو گوہر مقصود سے پر کر دیا کرتے ہیں۔ بہرحال جو کچھ بھی ہوا اگر اتنی تکلیف کے باوجود بھی جناب رسالہ النور میں میرا اطمینان کر لیتے تو کہتا کہ محنت ٹھکانے لگی۔ مگر افسوس

کہ ایسا نہ ہوا۔ جناب کو رنج ہوا اور میرا مطلب بھی پورا نہ ہوا۔

اور آپ کا یہ لکھنا کہ رسالۂ مذکور کی تحقیق برنگ مناظرہ نہیں الخ۔ اسی کے متعلق گزارش ہے کہ اگرچہ جناب نے اس کو مناظرہ کے رنگ میں نہیں لکھا۔ مگر تاہم معنوی صورت میں مناظرہ ہی سمجھا جاتا ہے۔ لان المناظرة توجه المتخاصمين فی المسئلة بين الشيئين اظهارا للصواب۔ اس پر صادق آتا ہے۔ ہاں البتہ مجادلہ و مکابرہ نہیں ہے۔

حررہ عبدالقادر عارف حصاری اہل سنت والجماعت امرتسر

بمطابق ۸مر و ۱۴مر فروری ۱۹۳۳ھ جلد۔۴۱، شمارہ نمبر۔۳۵

توسل بالا بدان والذوات جائز ہے یا نہیں؟

سوال توسل بالا بدان والذوات جائز ہے یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہو تو پھر قابل توضیح بات یہ ہے کہ توسل بالاحیاء والاموات برابر ہے یا فقط یہ صورت جائز ہے کہ جو نیک لوگ زندہ ہیں ان کے پاس جا کر ان سے بارگاہ ایزدی میں دعا کی درخواست کی جائے یا بحرمت فلاں' بطفیل فلاں' ببرکت فلاں کہہ کر دعا مانگی جائے جو صورت جواز ہو اس کو قرآن مجید و حدیث شریف کی روشنی میں واضح کیا جائے۔

جواب توسل بالاحیاء درست ہے۔ توسل بالاموات شرع سے ثابت نہیں یہ بدعت ہے۔ توسل بالاحیاء تو حدیث سے ثابت ہے اور اس کے جواز پر امت کا اجماع ہے اور وہ توسل یہ ہے کہ ان سے دعا کرائے اور خود اللہ تعالیٰ سے دعا کرے اور بزرگ کی دعا پر آمین کہے۔

توسل بالاموات شرع سے ثابت نہیں۔ ایک بار قحط سالی ہوئی تو لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان کا توسل کیا اور یہ کہا کہ یااللہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں موجود تھے تو ہم ان سے توسل کرتے تھے۔ اب ہم ان کے چچا کا توسل کرتے ہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دعا کی اور حاضرین نے آمین کہی تو بارش ہو گئی۔ یہ واقعہ بخاری میں ہے۔ اس سے زندوں کا توسل ثابت اور اموات کا ناجائز ثابت ہوا۔

کتبہ عبدالقادر الحصاری
(فتاویٰ ستاریہ جلد۔ چہارم' ص۔۱۷۲)

اصحاب کہف کے
کتے والا تعویذ "صاف شرک" ہے

غیر اللہ کے ناموں سے توسل والا عمل مردود ہے

سوال ——— بخدمت جناب مولانا صاحب السلام علیکم!

"الٰھی بحرمت یملیخا مکسلینا کشفوططا اذر فطیوس کشافطیونس نطیونس بوانس بوس وکلبھم قطمیر' الخ۔

کیا یہ تعویذ کرنا جائز ہے' خاص کر کلبھم قطمیر لکھنا جائز ہے؟ یہ منتر شرکیہ تو نہیں ہے؟ یہاں ایک بلاغت اندیش مولوی ایک ہزار روپیہ انعام دیتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ یہ تعویذ صحیح ہے اور جائز ہے) اور کہتے ہیں کہ تم ان کے معانی سے نابلد ہو .... ہمیں یہ فتویٰ کتاب و سنت کی روشنی میں درکار ہے۔

شیخ عبداللطیف اہل حدیث
معرفت نیشنل نوری کمپنی بازار کمیکل سیالکوٹ

الجواب بعون الوہاب ——— الحمد للہ رب العالمین' امابعد فاقول وباللہ التوفیق۔

واضح ہو کہ یہ عقیدہ کہ کسی نبی یا ولی یا صالح شخص کی مجرد حرمت' وجاہت و قدر یا اس کی ذات کا نام حق تعالیٰ کے حضور میں پیش کرنے سے دعا قبول ہو جاتی ہے۔ عقیدہ باطلہ ہے' جس پر کتاب اللہ و سنت رسول اللہ ﷺ سے کوئی ثبوت نہیں پایا گیا' اور نہ ایسی دعا کرنے کی تعلیم کتاب و سنت میں دی گئی ہے' جو شخص اس طرح کا عقیدہ و عمل جائز اور درست قرار دے اس کے ذمہ دلیل شرعی پیش کرنا لازم ہے۔ اگر وہ دلیل پیش نہ کر سکے تو یہ بغیر اذن الٰہی شرع بنانا ہے۔

قرآن میں ہے: "ام لھم شرکاء شرعوا لھم من الدین مالم یاذن بہ اللہ" یعنی "کیا ان مشرکوں کے لیے ایسے تجویز کردہ شرکاء ہیں جنہوں نے بغیر اذن الٰہی کے خود ان کے لیے شرع مقرر کر دی ہے۔"

اس سے ظاہر ہے کہ بغیر اذن الٰہی کوئی عقیدہ یا عمل صالح دین میں گھڑنا حرام ہے اور اس پر عمل کرنا بھی حرام اور گناہ ہے۔ غیر اللہ کے ناموں سے تعویذ کرنا اور ان سے شفا چاہنا شرک و بدعت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا بزرگوں کی حرمت و وجاہت سے کرنا بدعت سیئہ ہے اور تعویذ لکھ کر دینا جس میں غیر اللہ کے نام ہوں دوسری بدعت ہے اور اس وسیلہ سے شفا چاہنا تیسری بدعت ہے' بلکہ موہم شرک ہے' جس سے اجتناب واجب ہے۔ تعویذ و گنڈے کرنا اور ان کو گلے میں لٹکانا ممنوع ہے۔ ہاں نابالغوں کے لیے جو دعائیں ماثورہ نہ پڑھ سکیں' ایسی دعا لکھ کر دے جو سنت صحیحہ سے ثابت ہے جواز کی حدود میں ہے' لیکن کلام الٰہی یا اسماء الٰہی کے عددوں کے تعویذ بنانا اور گلے میں لٹکانا اور ان کے نقش تیار کرنا بدترین بدعت ہے۔ اسی طرح غیر اللہ کے ناموں سے برکت اور شفاء چاہنا اور ان کے ناموں سے تعویذ لکھنا شرک و بدعت ہے۔

تعویذ مذکورہ جس میں اصحاب کہف کے اسماء درج ہیں موہم شرک و بدعت سیئہ ہے۔ موہم شرک بایں وجہ ہے کہ ان کے ناموں کا لکھنا موجب شفاء و برکت سمجھا جاتا ہے' گو شروع میں الفاظ غیر شرکیہ ہیں' مگر اصحاب کہف کے نام لکھنے سے غیر اللہ سے استفاد کا ظن غالب ہے' یہ ایہام شرک ہے۔ شرک اور ایہام شرک سے بچنا ضروری ہے۔ بدعت سیئہ بایں وجہ ہے کہ ادعیہ ماثورہ کے سوا غیر اللہ کے ناموں کا توسل تحریر میں لا کر تعویذ بنانا کسی دلیل شرعی سے ثابت ہے اور نہ قرون ثلاثہ میں اس پر تعامل پایا گیا ہے' لہٰذا یہ عمل مردود ہے۔ حدیث میں آیا ہے: "من احدث فی امرنا هذا ماليس منه فهو رد" یعنی "جس شخص نے دین میں نیا کام پیدا کیا وہ مردود ہے۔" بہت عاملین ان ناموں کے فضائل و برکات بیان کرتے ہیں اور ان کے ذریعہ حفظ و امان چاہتے ہیں۔ بعض نے شرک کے الزام سے بچنے کے لیے ان ناموں کے شروع میں "الٰہی بحرمت" بڑھا دیا ہے تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ یہ غیر اللہ سے استمداد ہے۔ حالانکہ عرف عام میں استفادہ ان ناموں سے مقصود ہے جو شرک ہے۔ جب یہ عمل موہم شرک اور بدعت ہے تو موحد کامل کو اس مشتبہ امر سے بچنا ضروری ہے۔ بعض تعویذ نویس ان ناموں کا حلقہ بنا کر لفظ قطمیر جو ان کے کتے کا نام ہے درمیان میں لکھتے ہیں' یہ صاف شرک ہے کہ غیر اللہ سے شفا طلبی ہے۔

خلاصہ کلام ⇦ یہ ہے کہ جس طرح کلمہ "**یاشیخ عبدالقادر جیلانی شیئا للہ**" اہل بدعت نے ایجاد کیا ہے' اسی طرح اصحاب کہف کا نقش تیار کیا ہے۔ دونوں کام بدعت اور مردود ہیں۔ ان سے بچنا واجب ہے۔

جو مولوی انعام دینا چاہتا ہے' اس کو کہو کہ ایک ہزار روپیہ لاہور میں جناب مولانا حافظ عبدالقادر صاحب روپڑی ناظم مرکزی جماعت اہل حدیث مغربی پاکستان کے پاس جمع کرا دیں او پھر تاریخ مقرر کر کے مجھے اطلاع دیں اور اس بحث کے لیے جامعہ سلفیہ لائل پور یا لاہور میں کوئی مقام مقرر کریں تاکہ اہل علم جمع ہو کر ہماری بحث کا فیصلہ کر سکیں' ورنہ مرزائیوں کی طرح گھر بیٹھے انعام کی ڈینگیں مارنا عبث ہے' جس سے عوام کو دھوکا نہ کھانا چاہیے۔

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

کتبہ عبدالقادر عارف الحصاری غفرلہ الباری۔

تنظیم اہل حدیث لاہور جلد۔۱۹' شمارہ۔۴۷' بمطابق ۵ر مئی ۱۹۶۷ء

مسئلہ وسیلہ

علمی سوالات کے جوابات

جریدہ اہلحدیث جلد-۳' نمبر-۲۹' مطبوعہ ۷ ہر شوال ۷۰ھ میں مولوی عبداللہ صاحب ڈیرہ غازی خاں نے علماء اہلحدیث سے خطاب فرماتے ہوئے چند علمی سوالات شائع کیے ہیں جن کے جوابات کسی عالم کی طرف سے شائع نہیں ہوئے یا میری نظر سے نہیں گزرے۔ اگر کسی محقق عالم نے ان کے جوابات شائع کیے ہوں تو وہ اس خادم العلماء کے نام ارسال فرما کر ممنون فرمائیں۔

ان سوالوں کے جواب جو اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے اس خادم العلماء کی سمجھ میں آئے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

سوال (۴۴) دعاء میں جناب نبی کریم ﷺ کا وسیلہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب (۴۴) اس کے جواب سے پہلے لفظ وسیلہ کا لغوی اور شرعی معنی جاننا نہایت ضروری ہے اور بعد ازاں وسیلہ کے انواع پر غور کرنا لازم ہے کہ کون سی قسم جائز اور مشروع ہے اور کون سی ناجائز اور غیر مشروع ہے۔

وسیلہ کے لغوی معنی یہ ہیں مرتبہ' درجہ' قربت' سبب' بادشاہ کے نزدیک عزت اور مرتبہ' تقرب حاصل کرنا' تقرب حاصل کرنے کا ذریعہ' ملاحظہ ہو قاموس' مصباح اللغات وغیرہ —— حقیقت شرعیہ اس کی یہ ہے کہ طاعت الٰہی اور اعمال صالحہ سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا یا اپنی دعا اور کسی بزرگ صالح کی دعا کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا۔

قرآن مجید میں دو جگہ یہ لفظ وارد ہے۔ باتفاق مفسرین وہاں "اطاعت" اور اعمال صالحہ سے قربت حاصل کرنا مراد ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر' ابن جریر' جامع البیان وغیرہ۔ احادیث میں یہ لفظ "مقام محمود" اعلیٰ مرتبہ' ذریعہ اور سبب کے معنی میں مستعمل ہے۔

پس حقیقت لغویہ اور حقیقت شرعیہ قریباً ایک ہی ہے۔ حسب موقعہ و محل سب

معانی مذکورہ میں یہ لفظ استعمال ہوتا ہے' لیکن وسیلہ مروجہ موجبہ کسی آیت یا حدیث میں وارد نہیں ہوا۔ اس لیے قرآن و حدیث میں جہاں کہیں یہ لفظ ہے وہاں وسیلہ متعارفہ مراد نہیں ہے۔ کتاب و سنت کے تتبع اور استقراء سے یہ معلوم ہوا ہے کہ اس کے تین معنی ہیں۔ (۱) طاعت و عبادت سے تقرب الٰہی حاصل کرنا' (۲) آنحضرت ﷺ کے لیے اللہ تعالیٰ سے مقام محمود اور درجہ جنت طلب کرنا' (۳) کسی صالح بزرگ کی حیات مبارکہ میں اس سے دعا کرانا اور اس کی دعا کے ذریعہ سے درگاہ الٰہی میں قبولیت چاہنا۔

پس حکم شرعی کے لحاظ سے وسیلہ دو قسم ہے۔ ایک مشروعہ جو شرع سے ثابت ہے' دوم غیر مشروعہ جس کا ثبوت شرع میں نہیں ہے بلکہ وہ اختراعیہ ہے۔ وسیلہ مشروعہ کے کئی انواع ہیں:

(۱) اسماء وصفات الٰہیہ کا وسیلہ' یہ کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ قرآن میں ہے وللّٰہ الاسماء الحسنٰی فادعوہ بھا (پارہ۔۹' سورہ اعراف) یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے اسماء حسنیٰ ہیں' ان کے ذریعہ اس سے دعا کرو۔" چنانچہ کتب حدیث کی کتاب الدعوات میں اسم اعظم اور اس سے دعا کرنے کا ذکر احادیث میں وارد ہے۔ کما لا یخفی علی اہل الحدیث۔

(۲) اعمال صالحہ کا وسیلہ' یہ بھی کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ آیت وابتغوا الیہ الوسیلۃ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔

اس سے باتفاق مفسرین اعمال صالحہ سے قربت حاصل کرنا مراد ہے' چنانچہ آیت واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ کہ اللہ تعالیٰ سے صبر اور نماز کے ذریعہ سے مدد طلب کرو۔ اس پر دال ہے اور احادیث صحاح میں غار والے تین آدمیوں کا تتمہ مشہور ہے' جنہوں نے غار والی مصیبت میں مبتلا ہو کر یہ کہا تھا کہ انظروا اعمالا عملتموھا للّٰہ صالحۃ فادعوا اللّٰہ بھا لعلہ یفرجھا کہ تم اپنے اعمال صالحہ خالصہ کو دیکھو پھر ان کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو تاکہ اللہ تعالیٰ اس بلا کو ٹال دے۔" چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا کہ اپنے اعمال صالحہ کے وسیلہ سے اللہ سے دعا مانگی جو فوراً قبول ہوئی اور انہوں نے اس مصیبت سے رہائی پائی۔ پس اصل وسیلہ اعمال صالحہ کا ہے جو مامور

رہا اور جملہ مسلمانوں کا معمول رہا ہے۔

(۳) جناب نبی کریم ﷺ پر ایمان لانا اور تمام احکام شرعیہ میں آپ کو اسوہ حسنہ جان کر آپ کی اتباع کرنا اور آپ کی سنت کی نصرت اور احیاء سے آپ کی محبت کا ثبوت دینا اور آپ کی توقیر کرنا وسیلہ ہے جو عین اسلام اور ذریعہ نجات اور کامیابی کا ہے۔

(۴) نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنے کا وسیلہ بھی مشروع ہے۔ اگر تمام حاجتوں کے لیے صرف درود ہی کا ورد ٹھہرا لیا جائے تو یہی کافی ہے۔ حدیث میں ہے اذا تکفی ھمک ویکفرلک ذنبک کہ گناہ دور کرنے اور غم' فکر دور کرنے کے لیے تیرے واسطے درود ہی کافی ہے۔

(۵) کسی صالح اور ممتاز ذات سے جو کہ زندہ موجود ہو عرض کر کے دعا کرانا اور اس کی دعا کے ذریعہ اور وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے قبولیت چاہنا' چنانچہ جناب نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ میں آپ سے دعائیں منگوائی گئیں۔

قریش نے قحط سالی کے موقعہ پر دعا کی درخواست کی تو آنحضرت ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی جو قبول ہوئی' جس سے خوب مینہ برسا اور اہل مکہ کو قحط سے نجات ملی۔ (بخاری شریف)

بموقعہ ہجرت سراقہ نے تعاقب کیا' جب گھوڑا دھنس گیا تو اس نے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے دعا کی تو اس نے مصیبت سے نجات پائی۔ (بخاری شریف)

متعدد احادیث میں مذکور ہے کہ مدینہ منورہ میں قحط پڑا۔ آنحضرت ﷺ خطبہ دے رہے تھے کہ اسی حالت میں ایک اعرابی نے آکر کہا کہ یارسول اللہ ﷺ مویشی ہلاک ہو گئے اور لوگ بھوکوں مر گئے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ ہم کو سیراب کرے۔ آپ نے دعا فرمائی تو اسی دن سے بارش شروع ہو کر آئندہ جمعہ تک بارش برستی رہی۔ پھر دوسرے جمعہ میں مکانات گرنے کی شکایت کر کے بارش روکنے کی دعا طلب کی گئی' تو آپ نے دعا فرمائی جس سے بارش رک گئی۔ (بخاری و مسلم) لیکن یہ سلسلہ آپ کی زندگی تک جاری رہا۔ جب زندگی ختم ہوئی تو دیگر صالحین سے دعا منگوائی گئی' چنانچہ ایک بار قحط سالی ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے استسقاء کے موقعہ پر یہ ارشاد فرمایا:

اللّٰھم انا کنا نتوسل الیک بنبینا صلی اللّٰہ علیہ وسلم فتسقینا وانا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا الٰہی! ہم اپنے پیغمبر کی زندگی میں تو ان کو وسیلہ دعا پکڑتے تھے تو تو ان کی دعا سے ہم کو سیراب کرتا تھا۔ اب ہم ان کے چچا کو دعا کے لیے وسیلہ لائے ہیں تو اب ان کی دعا سے ہم کو سیراب کر دے۔

بنبینا دراصل بدعآء نبینا ہے اور بعم نبینا سے مراد بدعآء عم نبینا ہے کیونکہ دیگر طرق حدیث سے آنحضرت ﷺ اور آپ کے چچا صاحب رضی اللہ عنہ کا دعا مانگنا مذکور ہے۔ پس الاحادیث یفسر بعضھا بعضا قانون مسلم ہے۔

اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید بن اسود جرشی رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے دعا کی جو اس طرح ہے: اللّٰھم نستسقی بیزید ابن الاسود یا یزید ارفع یدیک فرفع یدیہ ودعا ودعا الناس حتّٰی امطروا (حیاۃ الانسان ص-۳۷۹) یعنی اے اللہ! ہم یزید بن اسود کے ذریعہ سے تجھ سے بارش طلب کرتے ہیں۔ اے یزید! آپ ہاتھ اٹھایئے' یزید نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور لوگوں نے بھی دعا کی تو بارش ہو گئی۔

ان دلائل سے یہ ثابت ہوا کہ وسیلہ زندہ سے لینا بایں طور کہ اس سے دعا کرانا جائز ہے۔ ہمیشہ مسلمانوں میں قرناً بعد قرن یہ سلسلہ جاری رہا کہ اہل الخیر والدّین اولیاء اللہ علماء متقین سے دعا کرواتے رہے ہیں اور اب بھی کرواتے ہیں۔ پس توسل بالاحیاء یعنی بدعاء الاحیاء جائز اور درست ہے اور اس پر جملہ مسلمانوں کا اجماع ہے۔

(۶) اللہ تعالیٰ کے نام پاک کو عباداللہ الصالحین فرشتگان یا انبیاء مرسلین یا بندگان صالحین میں سے کسی کی طرف مضاف کر کے دعا کرنا بھی جائز ہے جو ایک قسم کا وسیلہ ہے مثلاً اللّٰھم رب جبرائیل ومیکائیل واسرافیل ومحمد الخ' اسی طرح کوئی اللّٰھم رب ابراھیم و موسٰی وعیسٰی یا اللّٰھم رب محمد و فاطمۃ والحسن والحسین یا اللّٰھم رب الشیخ عبدالقادر الجیلانی کہے تو جائز ہے اور یہ دعا اللہ تعالیٰ ہی سے ہے۔

پس یہ چھ قسم کا وسیلہ اور توسل مشروع ہے جس میں کوئی خطرہ شرک اور بدعت کا نہیں ہے اور بالاتفاق جائز ہے اور شبہات سے خالی ہے اور منصوص ہے۔

وسیلہ غیر مشروعہ کے اقسام جو کہ شرع میں ناجائز ہیں درج ذیل ہیں:

(۱) کسی صالح شخص نبی یا ولی کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر اللہ سے دعا کرنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ اس بزرگ کی قبر کے پاس کھڑے ہونے سے دعا قبول ہوتی ہے یہ ناجائز ہے کیونکہ بدعت ہے۔ کسی دلیل شرعی سے اس طرح دعا کرنا ثابت نہیں ہے' من ادعیٰ خلافه فعليه البيان بالبرهان۔

(۲) کسی نبی یا ولی کی قبر پر کھڑے ہو کر اس کو پکارنا اور یوں کہنا یاسیدے فلان ادع اللہ لی اے فلاں بزرگ! آپ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے۔ تو یہ بھی ناجائز ہے' کیونکہ بدعت ہے۔ فکل بدعة ضلالة۔

(۳) کسی نبی یا صالح شخص کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر اس کو پکارنا اور یوں کہنا یاسیدی فلان اشف مریضی واکشف عنی کربتی اے فلاں بزرگ! میرے بیمار کو شفا بخشو اور میری مصیبت دور کرو۔

یہ وسیلہ شرک جلی ہے' کیونکہ یہ غیر اللہ کو پکارنا اور اس سے استمداد کرنا اور حاجت روائی اور مشکل کشائی پر اس کو قادر تصور کرنا اور اس کی ذات کا تقرب حاصل کرنا ہے جو صریح شرک اور عبادت غیراللہ میں داخل ہے اور قرآن کریم توحید الوہیت کو واضح کرتا ہوا اس کی تردید کرتا ہے۔ مبتدعین مشرکین اس وسیلہ شرکیہ میں اکثر مبتلا ہیں۔

(۴) کسی نبی یا ولی یا فرشتہ یا جن کو کسی جگہ سے پکارنا اور اس سے حاجت طلب کرنا اور یہ کہنا کہ اے فلاں بزرگ! میری حاجت پوری کر' فلاں مصیبت دور کر' مجھے اولاد دے' میرا قرض اتار دے' اور یہ عقیدہ ہو کہ یہ بزرگ میرے سوال کو سنتا ہے اور میرے حال کو جانتا ہے اور عالم الغیب ہے اور حاجتوں کے پورا کرنے پر قادر ہے' جیسے اہل بدعت کا یہ شعر مشہور ہے ؎

امداد کن امداد کن از بند غم آزاد کن
در دین و دنیا شاد کن یا شیخ عبدالقادرا

تو یہ صریح شرک ہے' کیونکہ جملہ اہل اسلام کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عالم الغیب والشھادہ نہیں ہے اور نہ قادر مطلق ہے۔ قرآن و حدیث اس پر ناطق ہیں۔ پس غیرالٰہی کو اس طرح جاننے والا کافر خارج از اسلام ہے۔

(۵) کسی نبی یا ولی کو مخاطب کر کے کسی جگہ سے یہ کہنا کہ اے فلاں بزرگ! آپ میرے لیے اللہ سے دعا کریں کہ فلاں حاجت پوری ہو یا مصیبت دور ہو تو یہ وسیلہ بھی بدعت و شرک ہے' کیونکہ یہ داعی متوسل اس بزرگ کو عالم الغیب اور سامع کل تصور کرتا ہے جو شرک ہے۔

(۶) اللہ تعالٰی کو مخاطب کر کے یوں دعا کرنا اللّٰھم بحق فلان کہ اے اللہ! فلاں بزرگ کے حق سے یہ میری حاجت پوری کر' یا فلاں بزرگ کی حرمت سے' یا فلاں بزرگ کے طفیل سے' یا فلاں ولی ہے میں اس کا وسیلہ لیتا ہوں' یااللہ! اس کے وسیلہ سے میری مصیبت دور کر دے۔

یہ صورت وسیلہ بھی کسی آیت یا حدیث صحیح سے ثابت نہیں ہے اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر تعامل ثابت ہوا ہے۔ ہاں اس کے برعکس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ثابت ہے کہ وہ بڑی بڑی ممتاز ہستیوں کو چھوڑ کر زندہ ہستیوں کی دعا کو وسیلہ بناتے رہے ہیں۔ کسی کی شخصیت کو وسیلہ نہیں بنایا ہے' پس توسل بالاموات کے جملہ اقسام غیر مشروع ہیں۔

اس مسئلہ کی زیادہ تفصیل شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتاب الجلیلہ فی التوسل والوسیلہ میں ہے۔ مولوی عبداللہ صاحب کو اس کتاب کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے کی تاکید کرتا ہوں۔ لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں بڑے بڑے لوگ علماء اور جہلاء ٹھوکریں کھا چکے ہیں اور کئی اب بھی کھا رہے ہیں۔ یہ مسئلہ توحید و سنت سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کو چند موضوع اور ضعیف بے بنیاد روایتوں کی بنا پر اسلام میں رواج نہیں دینا چاہیے۔ اب آپ اپنے پیش کردہ دلائل پر غور فرمائیں کہ وہ قابل استدلال نہیں ہیں۔

(۱) پہلی حدیث آپ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی لکھی ہے جس کو طبرانی وغیرہ نے روایت کیا ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے گناہ ہوا تو انہوں نے یوں دعا کی: اسئلک بحق محمد الا غفرت لی اور دلائل النبوہ بیہقی میں ہے: یارب اسئلک بحق محمد الا ما غفرت لی یعنی اے پروردگار! میں تجھ سے بحق محمد ﷺ دعا کرتا ہوں کہ تو میرا گناہ بخش دے۔

اس حدیث کو مقلدین حنفیہ کے حکیم الامت مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے بھی اپنی کتاب "نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب" کے ص-۹ تا ص-۱۰ نقل کر کے آنحضور ﷺ کی فضیلت سابقین میں ثابت کی ہے۔ حالانکہ یہ حدیث نہایت درجہ کی ضعیف بلکہ موضوع ہے' کیونکہ اس حدیث کا دارومدار "عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم" پر ہے جو باتفاق ائمہ حدیث ضعیف اور متروک ہے۔ امام احمد بن حنبل' ابوزرعہ' ابوحاتم' امام نسائی' دار قطنی' امام ذہبی' امام ترمذی وغیرہم رحمہم اللہ عنہم نے اس کو ضعیف اور متروک قرار دیا ہے۔ تفصیل اس کی شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتاب قاعدہ جلیلہ فی التوسل والوسیلہ میں ہے۔

صیانۃ الانسان میں صارم المنکی سے نقل کیا ہے کہ انہ حدیث غیر صحیح ولاثابت بل ھو حدیث ضعیف الاسناد جدا وقدحکم علیہ بعض الائمۃ بالوضع (ص-۳۲) کہ یہ حدیث صحیح اور ثابت نہیں ہے بلکہ نہایت درجہ کی ضعیف ہے اور بعض ائمہ حدیث نے اس پر موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے: قال الذھبی فی المیزان عبداللّٰہ بن مسلم ابوالحارث الفھری عن اسماعیل بن مسلمۃ بن قعنب عن عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم خبرا باطلا فیہ "یاآدم لولا محمد ما خلقتک" رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ قال فی مجمع الزوائد رواہ الطبرانی فی الاوسط و الصغیر وفیہ من لم اعرفھم (صیانۃ الانسان لمولانا الفاضل المحدث محمد بشیر سھسوانی رحمۃ اللّٰہ علیہ) یعنی یہ حدیث باطل ہے۔ امام ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں ایسے راوی ہیں جن کو میں پہچانتا ہی نہیں۔"

رسالہ الوسیلہ کے ص-۱۳۲ میں یہ فیصلہ درج ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ والی حدیث جس کو کئی ایک مصنفوں نے بغیر اسناد کے نقل کیا ہوا ہے جیسا کہ قاضی عیاض مع زیادات اور ابو محمد مکی اور ابواللیث سمرقندی وغیرہم یہ حدیث بالکل ضعیف ہے' قابل حجت شرعی نہیں ہے۔ تمام ائمہ اسلام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ "ایسی احادیث مثل اسرائیلیات کے ہیں جن کے صحیح ہونے کا علم نہیں۔"

میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث قرآن کے بھی خلاف ہے کیونکہ قرآن مجید میں حضرت

آدم علیہ السلام کا قصہ مذکور ہے وہاں دعا ربنا ظلمنآ انفسنا الآیۃ کا پڑھنا اور دعا کا قبول ہونا اور گناہ کا بخشا جانا ثابت ہے۔ لہٰذا یہ حدیث روایت اور درایت کے لحاظ سے قابل استدلال نہیں ہے۔ پس صاحب کتاب کا یہ کہنا کہ آدم علیہ السلام نے بھی حضور ﷺ کا وسیلہ لیا' سراسر جھوٹ ہے' کیونکہ اس حدیث کا راوی عبدالرحمٰن جس کے متعلق امام حاکم رحمہ اللہ نے کتاب الضعفاء میں لکھا ہے کہ انہ روٰی عن ابیہ احادیث موضوعۃ اس نے اپنے باپ سے موضوع احادیث روایت کی ہیں ——— اور پھر لکھا ہے کہ ایسا راوی احد الکاذبین ہوتا ہے۔

(۲) مولوی عبداللہ صاحب نے دوسری دلیل مشکوٰۃ کے حوالہ سے ذکر کی ہے کہ ایک نابینا کو دعا کا طریقہ سکھلایا گیا جس میں حضور ﷺ کے وسیلہ کا ذکر ہے' اس کے تین جواب ہیں۔

ایک یہ کہ اس حدیث کی سند میں "ابوجعفر راوی ہے۔ اگر وہ "عیسٰی بن ابوعیسٰی ماہان ابوجعفر رازی تمیمی" ہے تو اس کے ضعف پر اکثر ائمہ متفق ہیں۔ صیانۃ الانسان ص-۳۰ میں ہے کہ وقال احمد والنسائی لیس بالقوی یہ قوی نہیں ہے۔

امام فلاس نے کہا ہے کہ یہ سئی الحفظ ہے۔ ابوزرعہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ بہت وہمی ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس کو سئی الحفظ لکھا ہے۔ ابن حبان نے کہا ہے کہ مشاہیر ائمہ سے منکر روایتوں کے ساتھ منفرد ہے۔ امام ابن مدینی نے کہا ہے کہ وہ خطا کرتا ہے۔ اور اگر "ابوجعفر" مدنی ہے جیسے کہ سنن ابن ماجہ میں ہے تو وہ "مجہول" ہے کیونکہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے میزان میں کہا ہے کہ اس سے صرف یحیٰی بن کثیر ہی روایت کرتا ہے ——— اور تنازعہ فیہ حدیث میں شعبہ ہے اور شعبہ سے اس کی روایت معروف نہیں ہے۔ (صیانۃ الانسان)

پس سند کے لحاظ سے یہ حدیث اکثر علماء کے نزدیک معتبر نہیں ہے۔ صیانۃ الانسان میں ص-۹۷ سے ص-۱۴۲ تا ۱۴۱ تک بہت بحث کی ہے۔

دوم یہ وسیلہ بالذات نہیں ہے اور نہ توسل بالاموات ہے' بلکہ وسیلہ بدعاء الاحیاء ہے اور توسل بدعاء الصالحین ان کی حیات مبارکہ میں ہم جائز ثابت کر چکے ہیں۔ اور دعا ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ صیانۃ الانسان ص-۲۰۶ میں ہے: فالمراد بقولہ بنبیک

بدعائه وشفاعته بل هو متعين بدليل قول الضرير ادع الله ان يعافيني وقوله صلی اللہ علیہ وسلم ان شئت دعوت وقوله فی الدعاء اللّٰهم فشفعه فی یعنی اس حدیث میں بنبیک سے مراد بدعاء نبیک ہے کہ آنحضرت ﷺ کی دعا کے ساتھ توسل کیا بلکہ متعین ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ نابینا نے آپ سے یہ درخواست کی تھی کہ آپ اللہ تعالیٰ سے میری آنکھوں کی عافیت کی دعا کیجئے' پھر آپ نے اس کو دعا کرانے یا صبر کرنے کا اختیار دیا تو اس نے فادعه کہہ کر دعا کو منظور کیا تب آپ نے اس کو وضو اور نماز حاجت کا طریقہ بتلا کر دعا سکھلائی کہ یوں دعا کر اور پھر آخر میں اس نے کہا کہ میرے بارے میں یااللہ محمد ﷺ کی شفاعت اور سفارش قبول فرما! تب اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور وہ اچھا ہوا۔

حدیث میں یہ جملے صاف قرینہ دعا نبوی کا ہیں پھر اس کو محض وسیلہ ذات پر محمول کرنا تحکم ہے۔

حنفیوں کے حکیم روحانی مولوی اشرف علی صاحب نے نشر الطیب کے ص-۲۲۹ میں ایک فصل یوں منعقد کی ہے۔ "اڑتیسویں فصل آپ کے ساتھ توسل کرنے میں دعا کے وقت۔" پھر اس کے تحت عثمان بن حنیف کی روایت لائے ہیں اور اس میں صاف یہ ترجمہ کیا ہے کہ:

"عرض کیا دعا کیجئے اللہ تعالیٰ مجھ کو عافیت دے۔" "اگر تو چاہے تو دعا کر دوں؟ اس نے عرض کیا کہ دعا ہی کر دیجئے۔ آپ نے اس کو حکم دیا یہ دعا کرے۔ اے اللہ! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں اور آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں بوسیلہ محمد ﷺ نبی رحمت کے۔ اے محمد! ﷺ میں آپ کے وسیلہ سے اپنی اس حاجت میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا ہوں تاکہ وہ پوری ہو۔ اے اللہ! آپ کی شفاعت میرے حق میں قبول کیجئے۔"

اس ترجمہ کے خط کشیدہ کلمات صاف دلالت کر رہے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے دعا اور سفارش صحت کی ہے۔ یہ توسل بالدعا ہے نہ توسل بالذات۔

پس مولوی اشرف علی صاحب کا یہ کہنا کہ "اس سے توسل "صراحۃً" ثابت ہوا اور چونکہ آپ کا اس کے لیے دعا فرمانا کہیں منقول نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ جس

طرح توسل کسی کی دعا کا جائز ہے۔ اسی طرح توسل دعا میں ذات کا بھی جائز ہے۔"
سراسر غلط ہے' کیونکہ عدم ذکر سے عدم شے لازم نہیں آتا۔ عبارت کا سیاق سباق اور دعا کا ذکر اور آخر دعا میں آپ کی شفاعت کا ذکر صاف دلالت کر رہے ہیں کہ آپ نے دعا فرمائی اور سفارش عنایت کی کی ہے' چنانچہ تنقیح الرواۃ .تخریج احادیث مشکوۃ ص ۲۰۸ میں ہے: قال ابن حجر المکی سأل اولا باذن اللّٰہ لنبیہ ان یشفع لہ ثم اقبل علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ملتمسا ان یشفع لہ ثم کرر مقبلا علی اللّٰہ ان یقبل شفاعتہ قائلا فشفعہ فی ای فی حقی یعنی ابن حجر مکی ؒ نے کہا کہ سائل ضریر نے اول تو اللہ تعالیٰ سے اذن طلب کیا کہ وہ نبی ﷺ کو سفارش کرنے کی اجازت عطا فرمائے (کیونکہ بغیر اذن الٰہی شفاعت درست نہیں ہے) پھر نبی ﷺ کی طرف دعا میں متوجہ ہوا کہ آپ اس کے لیے سفارش کریں (آپ سفارش کرنے لگے) پھر کرر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر یہ عرض کرنے لگا کہ یاالٰہی! اپنے نبی کی سفارش صحت قبول فرما یعنی میرے حق میں۔

پس ابن حجر ؒ نے شفاعت اور دعا نبوی ﷺ کو واضح کیا ہے جس سے مولوی اشرف علی صاحب حکیم الامت کی حکمت باطل ہو گئی جس سے وہ اپنے مریدین کا علاج کر رہے تھے۔

نیز بیہقی کی روایت میں اس دعا کے یہ الفاظ وارد ہیں کہ یامحمد انی اتوجہ بک الی ربی فی حاجتی ھذہ فیقضیھا فی اللّٰھم فشفعہ فی واشفعنی فیہ قال فقام وقد بصر یعنی اے محمد! ﷺ میں سفارش کے لیے آپ کو اپنے پروردگار کے حضور میں پیش کرتا ہوں تاکہ وہ میری حاجت پوری کرے۔ یاالٰہی! جو سفارش وہ میرے لیے کر رہے ہیں وہ قبول فرما اور میں جو سفارش ان کے لئے (قبولیت دعا کی) کر رہا ہوں وہ بھی قبول فرما۔ راوی نے کہا وہ بینا ہو کر کھڑا ہو گیا۔"

یہ عبارت غور طلب ہے جو مسئلہ متنازعہ کو بالکل واضح کر رہی ہے کہ اس نابینا نے بھی دعا کی اور حضور ﷺ نے بھی سفارش کی' جو قبول ہوئی اور وہ بینا ہوا۔ پھر اس کا مزید ثبوت اور سنئے! کہ دوسری روایت کہ جس میں بعد از وفات کا ذکر ہے اور یہ دعا اس میں مذکور ہے۔ اس میں آخری جملہ حذف کر کے دعا سکھلائی گئی ہے' کیونکہ

حیات مبارکہ میں آپ کا ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا' سفارش کرنا پایا جاتا ہے اور وفات کے بعد ممکن نہ تھا۔

اگر اس جملہ سے سفارش قیامت کی مراد ہوتی تو یہ جملہ بدستور قائم رکھا جاتا' کیونکہ اس کی ضرورت ہر ایک کو تھی' لیکن اس سے حضور ﷺ کا دعا اور سفارش کرنا مراد تھا' اس لیے بعد از وفات اس کو بیکار سمجھ کر حذف کیا گیا۔۔۔۔ پس یہ بھی صاف دلیل ہے کہ شفاعت سے مراد دعائے صحت ہے جو آپ نے اس نابینا کے بارے میں کی تھی' قیامت کی شفاعت مراد نہیں اور نہ اس کا کوئی قرینہ ہے۔

سوم یہ کہ دعویٰ تو عام ہے کہ آنحضور ﷺ کی ذات کا توسل حیات میں اور بعد از وفات ہمیشہ دعاؤں میں جائز ہے اور دلیل اس پر خاص واقعہ کے متعلق پیش کی ہے حالانکہ خاص واقعہ میں عموم نہیں ہوتا۔ نیز اس حدیث میں صرف دعا کرنے اور کرانے کا ذکر ہے جو بعد از وفات ناممکن ہے۔ نیز اس میں ندا حاضر کے لیے ہے اور بعد از وفات ندا غائب کے لیے لازم آتی ہے جو جائز نہیں ہے' کیونکہ اس وقت آپ حاضر تھے اور آپ نے اپنے روبرو وضو اور نماز پڑھوا کر دعا کروائی اور کی تھی۔ اب یہ نہیں ہو سکتا کیونکہ شفیع سامنے موجود نہیں ہے۔

پھر بعد وفات وسیلہ لینا حضرت عمر ﷛ اور حضرت معاویہ ﷛ کے اجماعی تعامل کے خلاف ہے کہ انہوں نے بڑے بڑے مجمعوں میں آنحضرت ﷺ کو چھوڑ کر زندوں سے دعا کا وسیلہ لیا تھا۔ اگر بعد وفات آپ کا وسیلہ لینا جائز ہوتا تو جیسے آپ کی زندگی میں وسیلہ لیتے تھے بعد وفات بھی وسیلہ لیتے مگر نہیں لیا' کیونکہ وسیلہ دعا سے ہوتا ہے اور دعا کرانی ممکن نہ تھی۔ اس لیے زندوں کی طرف رجوع کیا اور ان سے دعا منگوائی' چنانچہ انہوں نے دعا کر دی جو قبول ہوئی۔ پس یہ طریقہ مشروع ہوا۔

(۳) مولوی عبداللہ صاحب کی تیسری دلیل توسل بالذات بعد از وفات کے متعلق ہے جو عثمان بن حنیف کا دوسرا طریقہ ہے۔ یہ اسناد اور متن کے لحاظ سے یعنی روایت اور درایت کی رو سے قابل استدلال نہیں ہے جس کی رسالہ "الوسیلہ" ترجمہ قاعدہ جلیلہ میں پانچ وجہیں ظاہر کی گئیں ہیں جو مرقومہ ذیل ہیں:

(۱) اس حدیث میں راوی کا ایک فاضل اجل سے منفرد ہونا۔

(۲) ائمہ اہل سنن کا اس حدیث سے اعراض کرنا۔
(۳) ائمہ اہل سنت والجماعت کا بوجہ اضطراب لفظی اس کو قبول نہ کرنا۔
(۴) راویان حدیث کا استاد "روح" سے منکر روایات نقل کرنا۔
(۵) اس حدیث کے راوی عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کا فہم ہے جو دوسرے شخص کو انہوں نے دعا مرفوعہ کا بعض حصہ سکھلایا ہے اور اس دعا کا آخری حصہ جو شفاعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر دلالت کر رہا ہے' ترک کر دیا ہے۔ حالانکہ وہی فیصلہ کن ہے کہ اس دعا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محض ذات وسیلہ نہ تھی بلکہ آپ کی شفاعت اور دعا صحت تھی۔ چنانچہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ان پانچ وجہوں پر بحث کی ہے اور اس حدیث کو ناقابل حجت کر دیا ہے کہ اول تو یہ بوجہ ضعیف اسناد حجت نہیں ہے اور دوم بوجہ اضطراب لفظی اور سوم بوجہ اجتہاد صحابی رضی اللہ عنہ کے جو کہ ظاہر عبارت کے بھی خلاف ہے اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجماع کے بھی خلاف ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ روایت ثابت ہی نہیں ہے۔

صیانۃ الانسان کے ص-۳۲ میں ہے کہ فی سندہ روح ابن صلاح وقد ضعفہ عدی کہ اس حدیث طبرانی وغیرہ میں روح بن صلاح ہے جس کو ابن عدی نے ضعیف کہا ہے ــــ بہرکیف شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور علامہ محمد بشیر سہوانی رحمہ اللہ اس روایت کو ناقابل استدلال قرار دیتے ہیں۔ تفصیل کے لیے قاعدہ جلیلہ اور صیانۃ الانسان ملاحظہ ہو۔

مولوی اشرف علی صاحب نے نشرالطیب کے ص-۲۱۷ پر اس روایت کو نقل کر کے یہ تسلیم کیا ہے کہ طبرانی کبیر میں اور اوسط میں ایسی سند سے نقل کیا ہے جس میں روح بن صلاح بھی ہے اور ابن حبان و حاکم رحمہم اللہ عنہما نے اس کی توثیق کی ہے اور اس میں ایک گونہ ضعف ہے۔

میں کہتا ہوں کہ مجمع الزوائد میں بھی علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے اس کو ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اس میں ضعف ہے وفیہ ضعف پھر ضعیف روایت حجت نہیں ہے' چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ نے جلد-۱' ص-۲۱ صحیح مسلم کی شرح میں فرمایا ہے کہ ان کان یعرف ضعفہ لم یحل لہ ان یحتج بہ فانھم متفقون علی انہ لا یحتج بالضعیف فی

الاحکام کہ اگر راوی کا ضعف معلوم ہو جائے تو اس سے حجت پکڑنا حلال نہیں ہے' کیونکہ ائمہ حدیث اس بات پر متفق ہیں کہ ضعیف راوی سے احکام میں حجت نہیں پکڑی جاتی اور احکام یہ ہیں: حلال' مباح' حرام' مکروہ' واجب' مسنون وغیرہ۔

اور مولوی اشرف علی صاحب کا یہ کہنا کہ ضعف راوی کا ایسے ابواب میں معتبر نہیں غلط ہے' کیونکہ تمام عبادات واجب ہیں یا مسنون اور کوئی چیز یا عمل بغیر دلیل شرعی کے واجب یا مستحب اور مسنون نہیں ہو سکتا اور وجوب اور استحباب' بغیر دلیل صحیح کے ثابت نہیں ہو سکتے۔ ضعیف حدیث صرف فضائل اعمال اور ترغیب و ترہیب میں آسکتی ہے وہ بھی اس وقت کہ اصل حکم اور وہ عمل صحیح دلیل سے ثابت ہوں۔

لیکن یہاں یہ معاملہ نہیں ہے' کیونکہ دعا میں وسیلہ بالاشخاص اور وسیلہ بالذات کا وجوب ہی سرے سے ثابت نہیں ہے۔ اگر توسل بالذات ثابت ہوتا اور پھر کوئی حدیث ضعیف کسی دعا یا شخص کے بارے میں مل جاتی تو وہ مفید ہو سکتی تھی' مثلاً توسل بالاعمال قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ اب کسی اسم الٰہی یا دعا یا کسی نفلی عبادت یا صدقہ وغیرہ کے متعلق کوئی ضعیف حدیث وارد ہو تو وہ مقبول ہو گی' لیکن یہاں یہ معاملہ نہیں ہے' کیونکہ توسل بالاشخاص کا دعا میں وجود ہی ثابت نہیں ہے اور جو لوگ آنحضرت ﷺ اور حضرت عباس ؓ کا توسل پیش کرتے ہیں تو وہ توسل بالذات نہیں ہے بلکہ دعا سے ہے' چنانچہ صیانۃ الانسان ص ۲۰۱ پر ہے: فلن المراد بالتوسل بالنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وبعم النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی ھذا القول (ای قول عمر رضی اللّٰہ عنہ) ھو التوسل بدعآء النبی وبدعآء عمہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا غیر کما یدل علیہ صفۃ ما لستسقٰی بہ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وعمہ العباس فقد علم بذلک ان المراد بالتوسل بالنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی عرف الصحابۃ رضی اللّٰہ عنہم ھو التوسل بدعآء النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یعنی قول عمر ؓ کہ پہلے ہم آنحضرت ﷺ کا وسیلہ لیا کرتے تھے' اب ہم آپ کے چچا کا وسیلہ لیتے ہیں۔ اس میں وسیلہ آپ کی دعا اور آپ کے چچا کی دعا سے وسیلہ لینا مراد ہے جیسا کہ استسقاء کی کیفیت اور صفت سے ظاہر ہے کہ نبی ﷺ اور حضرت عباس ؓ نے دعا فرمائی تھی۔ پس معلوم ہوا کہ توسل بالنبی ﷺ سے مراد' عرف صحابہ

رضی اللہ عنہم میں توسل بدعاء النبی ﷺ ہے اور کچھ نہیں ہے۔
اگر بالفرض توسل بالذات مراد لینا صحیح ہو تو یہ توسل بالاحیاء ہو گا۔ پھر اس سے توسل بالاموات کیسے ثابت ہو گا؟ اس کے لیے مستقل ضرورت ہے جو صحیح ہو۔ ضعیف سے احتجاج جائز نہیں بلکہ توسل عمر رضی اللہ عنہ بالعباس رضی اللہ عنہ سے توسل بالاموات ناجائز ثابت ہوا۔ چنانچہ صیانۃ الانسان ص-۲۱۳ میں ہے: ان عمر وسائر الصحابة رضی الله عنهم مع انهم السابقون الاولون عدلوا وهذا العدول اوضح دليل وابهر برهان على ان التوسل بالاموات غير جائز انتهٰى یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے باوجودیکہ وہ سابقین اولین تھے بعد وفات النبی ﷺ کے توسل بالنبی ﷺ سے توسل بالعباس رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کیا۔ تو یہ رجوع کرنا اس امر کی واضح اور صاف روشن دلیل ہے کہ اموات سے توسل ناجائز ہے۔

رسالہ الوسیلہ ترجمہ قاعدہ جلیلہ کے ص-۱۰۱ میں ہے کہ امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشہور قصہ توسل بالعباس رضی اللہ عنہ بموجودگی تمام جماعت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اللهم انا كنا اذا نتوسل الحديث اس امر پر صریح دلالت کر رہا ہے کہ اس پاکیزہ جماعت کے نزدیک توسل بالنبی ﷺ آپ کی حیات مبارکہ میں آپ کی دعا و سفارش ہی تھا اور بس کیونکہ اگر آپ کی وفات کے بعد جائز ہوتا تو یہ تمام جماعت بالاتفاق مہاجر و انصار توسل بالرسول ﷺ سے توسل بالعباس رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع نہ کرتے۔

اب اس سے مولوی عبداللہ صاحب کے اس خدشہ کا دفعیہ بھی ہو گیا جو انہوں نے یہ کہا ہے کہ "ضعیف کہہ کر جب ٹالا جاتا ہے کہ اس کے مقابلہ میں نص صریح اور صحیح دلیل ہو۔"

سو واقعہ عباس رضی اللہ عنہ نص صریح اور دلیل صحیح ہے اور اس کی تائید واقعات نبویہ ﷺ دعائیہ سے بھی ہوتی ہے' پس اس کے مخالف جو حدیث ہو گی وہ مسترد ہو گی' کیونکہ یہ تعامل اجماعیہ ہے اور حدیث اعمیٰ جو مجوزین توسل بالذات پیش کرتے ہیں وہ بھی اسی کے موافق ہے' کیونکہ اس میں بھی دعا کا ذکر ہے' چنانچہ اس کی تفصیل ہو چکی ہے' مزید فیصلہ "وسیلہ ترجمہ قاعدہ جلیلہ" شیخ الاسلام رحمہ اللہ سے سنئے:

ان مجوزین توسل کے لیے حدیث اعمیٰ بالکل حجت نہیں ہو سکتی' کیونکہ اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے اس نابینا کو حکم دیا کہ اس طرح سے دعا کر اور میں بھی کرتا ہوں جس کا آخری کلمہ اللھم فشفعه فی ہے۔ اے اللہ آپ کی سفارش جو میرے لیے کر رہے ہیں منظور فرما۔" آپ کی اس سفارش اور نابینا کی دعا سے نابینا کی آنکھیں درست ہو گئیں ـــــ یہ آنحضرت ﷺ کے معجزات سے ہے' کیونکہ اس کے بعد دو نابیناؤں نے آپ سے اسی طرح استدعا کی جو آپ نے منظور نہ کی' یعنی یہ واقعہ خاص ہے جو اسی کے لیے خصوصیت رکھتا ہے۔ اس میں عموم نہیں کہ ہر شخص یہ دعا کرتا رہے ورنہ یہ دعا تمام نابیناؤں کے لیے قابل عمل بن جاتی' اذ لیس فلیس۔

نیز یہ کمزور بھی ہے۔ اگر اس سے توسل بالذات ثابت ہوتا ہے تو قابل استدلال نہیں۔ چنانچہ تفصیل ہو چکی ہے۔ مزید صیانۃ الانسان کے مؤلف رحمہ اللہ کا فیصلہ سنئے: انا التوسل بالاعمال الصالحة ثابت بالكتب والسنة الصحيحة بخلاف التوسل بالذوات الفاضلة فان امثل مايستدل به علٰى هذا المطلب هو حديث عثمان ابن حنيف وهو غير ثابت لان فى سنده ابا جعفر الرازى وهو سئى الحفظ بهم كثير فلا يحتج بما ينفرد به وعلٰى تقدير ثبوته فالمراد بقوله بنبيك بدعآء نبيك وشفاعته بل هذا متعين الخ' یعنی اعمال صالحہ سے وسیلہ لینا قرآن و حدیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ اس کے خلاف بزرگ ذاتوں کے ساتھ وسیلہ لینا ثابت نہیں ہے۔ اس بارے میں بڑی سے بڑی دلیل جس سے استدلال کیا جاتا ہے عثمان بن حنیف کی حدیث ہے جو کہ ثابت ہی نہیں ہے' کیونکہ اس کی سند میں ابوجعفر رازی ہے جو برے حافظہ والا اور بہت وہمی ہے۔ جب وہ کسی روایت میں اکیلا ہو تو قابل حجت نہیں ہے۔ برتقدیر ثبوت اس سے مراد نبی ﷺ کی دعا اور سفارش ہے بلکہ یہی مراد متعین ہے۔

جب واقعات توسل بدعا النبی ﷺ کی احادیث اور واقعہ عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث اور واقعہ یزید بن اسود کی حدیث اجماعی تعامل پر دال ہیں اور واقعہ عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ متعلقہ اعمیٰ مجموعی طور پر توسل بدعاء الصالحین الاحیاء کے مسئلہ کو ثابت کرتی ہیں۔ ان کے خلاف صرف ایک حدیث موقوف رہ جاتی ہے جو وسیلہ بالاموات پر دال ہے' لیکن وہ ان دلائل قطعیہ کا مقابلہ نہیں کر سکتی' کیونکہ ایک تو وہ سند کے لحاظ سے ضعیف

ہے۔ دوم اضطراب لفظی کی وجہ سے مخدوش ہے۔ سوم وہ درایت کے لحاظ سے بھی مسلمہ اصول کے خلاف ہے۔ چہارم وہ طبقہ ثالثہ کی روایت ہے۔ پنجم موقوف ہے جو مرفوع احادیث کا مقابلہ نہیں کر سکتی لہٰذا یہ حجت نہیں۔

لیکن حنفیوں کے حکیم الامت نے اپنی حکمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس حدیث کے متعلق اپنے مریدوں کو یوں تسلی دی ہے کہ "ندا کا شبہ یہاں بھی نہ کیا جائے' وہ وجہ سے ایک تو متبادر قصہ سے یہ ہے کہ مسجد نبوی میں جانے کو فرمایا ہے سو وہاں حضور ﷺ کے قریب ہی تشریف رکھتے ہیں ندا غائب لازم نہیں۔ تفصیل اس دخل مقدر کی یہ ہے کہ حدیث عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کے اس دوسرے واقعہ میں دعا کے یہ الفاظ یامحمد انی اتوجه بک الی ربک الخ' وارد ہیں یعنی اے محمد ﷺ میں تیرے وسیلہ سے تیرے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ وہ میری حاجت پوری کر دے ـــــ آنحضرت ﷺ نے جب یہ دعا اس نابینا کو سکھلائی تھی اس وقت آپ بنفس نفیس زندہ تھے اور سامنے موجود تھے۔ اب اس دوسرے واقعہ میں جس شخص کو عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے یہ دعا سکھلائی ہے اور اس نے پڑھی ہے اس وقت آنحضرت ﷺ عالم برزخ میں اپنی قبر شریف میں راحت فرما ہیں اور انک میت کے مصداق بن چکے ہیں اور پاس موجود بھی نہیں ہیں تو یہ ندا غائب کو ہوئی اور غائب کو کسی حاجت کے لیے پکارنا شرک ہے اور بالاتفاق ناجائز ہے۔"

اس اعتراض کا جواب مولانا اشرف علی صاحب یہ دے رہے ہیں کہ سائل کو مسجد میں جانے کا حکم دیا گیا ہے وہاں حضور ﷺ قریب ہی ہیں تو ندا غائب کو نہ ہوئی حاضر کو ہوئی۔

اس جواب سے یہ ظاہر ہوا کہ بعد از وفات وسیلہ لینا اور اس دعا کو پڑھنا اہل مدینہ سے خاص ہے کہ وہ مسجد نبوی میں جا کر بطریق مذکورہ فی الحدیث دعا مانگا کریں۔ دیگر ممالک کے لوگوں کے لیے اس سے استدلال کرنا ناجائز ہے کیونکہ اس سے ندا غائب لازم آتی ہے جو بالاتفاق ناجائز ہے۔

لیکن ہم اہل مدینہ کی طرف سے بھی اس وجہ پر یہ تنقید کرتے ہیں کہ مولوی اشرف علی صاحب اور ان کے مسترشدین یہ بتلائیں کہ اس آدمی داعی نے یہ دعا بالجہر

مانگی تھی یا بالسر؟ اور آپ نے سن لی تھی یا نہیں؟ اور قبر شریف کے بالکل قریب بیٹھ کر مانگی تھی یا دور کے فاصلہ سے؟ جب تک آپ قبر کے قریب دعا مانگنا اور بالجہر مانگنا اور اس کو آنحضرت ﷺ کا سن لینا ثابت نہ کر دیں تب تک یہ توجیہ زخرف القول غروراً کی مصداق ہے۔ مواہب لدنیہ اور اس کی شرح زرقانی میں ہے: ویکثر من الصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحضرتہ الشریفۃ حیث یسمعہ ویرد علیہ بان یقف بمکان قریب منہ ویرفع صوتہ الٰی حد لو کان حیا مخاطبا یسمعہ عادۃ۔ وقال الزرقانی والظاہر ان المراد بالعندیۃ قرب القبر بحیث یصدق علیہ عرفا انہ عندہ وبالبعد ماعداہ وان کان بالمسجد یعنی حدیث میں جو ہے کہ من صلّٰی علی عند قبری سمعتہ ومن صلّٰی علی من بعید اعلمتہ جب کوئی شخص مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہے تو میں سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھتا ہے تو مجھے بتا دیا جاتا ہے۔ اس کی بنا پر "مواہب" میں لکھا ہے کہ درود اور سلام قبر کے قریب کسی ایسی جگہ کھڑے ہو کر پڑھے کہ رسول اللہ ﷺ اس کو سن لیں اور جواب دیں اور آواز کو اس حد تک بلند کرے کہ عادتاً" وہاں زندہ مخاطب موجود ہو تو سن سکے اور زرقانی شارح نے کہا کہ عند قبری سے مراد قبر کے ایسا قریب ہونا مراد ہے کہ عرف عام میں اس کو پاس ہونا کہہ سکیں اور دور ہونے سے مراد ایسا دور ہونا ہے کہ اس کو عرف عام میں پاس نہ کہہ سکیں اگرچہ وہ مسجد میں ہو۔

خلاصہ یہ کہ جب تک اس قدر قریب نہ ہو کہ عرف عام میں اس کو پاس مخاطب کے کہہ سکیں اور اتنی بلند آواز نہ کرے کہ پاس والا مخاطب کے کہہ سکیں اور اتنی بلند آواز نہ کرے کہ پاس والا مخاطب اس کو سن سکے تو اس کو حاضر کا خطاب نہیں کہہ سکتے اور نہ ندا حاضر کہہ سکتے ہیں بلکہ وہ ندا غائب ہے۔ پس جب تک مولوی اشرف علی صاحب علیٰ قرب قبر اور رفع صوت ثابت نہ کریں یہ وجہ باطل ہے۔

اب ناظرین غور کریں کہ آنحضور ﷺ کا مدفن حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں ہے اور حجرہ بند ہے پھر اس پر بہت بلند دیواریں بنائی گئی ہیں جو مستدیر ہیں۔ پھر اس پر دو دیواریں بنا دی گئیں ہیں جس سے قبر کے پاس پہنچنا متعذر ہے۔ اگر زندہ شخص قبر کے اندر ہو اور مسجد کے اندر کوئی بات کرے تو وہ کبھی نہیں سن سکتا اور نہ

اس کو قریب کہہ سکتے ہیں اور نہ مخاطب کو حاضر اور موجود کہہ سکتے ہیں۔ پھر یہ توجیہ کیونکر درست ہو سکتی ہے؟ لہٰذا درایت کی رو سے یہ توجیہ اصول کے خلاف ہے۔

دوسری وجہ مولوی اشرف علی صاحب نے یہ لکھی ہے کہ "سلف صالح خوش اعتقاد تھے ندا بقصد "تبلیغ ملائکہ" ان کے حال سے ظاہر تھا بخلاف اس وقت کے عوام کے کہ عقیدہ میں غلو رکھتے ہیں' اسی لیے ان کو منع کیا جاتا ہے بلکہ ان کی حفاظت کے لیے خواص کو روکا جاتا ہے۔ (نشر الطیب ص ۔ ۲۱۷)

میں کہتا ہوں کہ اس وجہ کی بناء پر بھی آج کل متوسلین کو وسیلہ موجہ سے رک جانا چاہیے اور اس حدیث کو اس استدلال میں پیش کرنا فضول ہے' کیونکہ مجوزین وسیلہ کا اس حدیث سے استدلال کرنے کا منشا تو یہ ہے کہ اس طرح وسیلہ بالذات لینا جائز ہے اور ہم کو لینا چاہیے اور مولوی اشرف علی صاحب اس زمانہ کے عوام اور خواص کو روک رہے ہیں کہ یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح خوش اعتقاد نہیں ہیں۔ وہ خوش اعتقاد تھے۔ ان کا ارادہ کچھ اور تھا فتدبر ولا تکن من الکاھلین جاہلوں کو اس لیے رک جانا چاہیے کہ وہ خوش اعتقاد نہیں اور عالموں کو اس لیے بچنا چاہیے کہ جاہل ان کو دیکھ کر نہ کرنے لگیں۔

یہ بات تو الزامی ہے' تحقیقی تنقید اس وجہ پر یہ ہے کہ مولوی اشرف علی صاحب کا "تبلیغ ملائکہ" کا احتمال پیدا کرنا غلط ہے' کیونکہ یہ کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ ہاں درود اور سلام کے متعلق یہ ثابت ہے' چنانچہ حدیث میں ہے کہ صلوا علی وسلموا فان صلوتکم وسلامکم یبلغنی این ملکنتم (مسند ابو یعلی) تم مجھ پر درود اور سلام پڑھو کیونکہ تم جہاں کہیں بھی ہو گے تمہارا درود اور سلام مجھے پہنچ جائے گا۔

اگر ہر ایک ندائیہ اور دعائیہ کلمات بھی آنحضور ﷺ کو پہنچتے ہیں تو اس پر کتاب و سنت سے دلیل پیش کرنی چاہیے ورنہ بلا دلیل دعویٰ باطل ہے۔ اچھا اگر "یا محمد" کہنے سے تبلیغ ملائکہ کے ذریعہ یہ ندا پہنچتی تو پھر علماء دیوبند اس ندا سے منع کیوں کرتے ہیں؟ چنانچہ دیوبندی اور بریلوی مولویوں کا اب تک اس میں نزاع ہے۔ اگر بذریعہ تبلیغ ملائکہ آنحضرت ﷺ کو ہر ندا پہنچتی ہے تو دونوں گروہوں کو متفقہ فیصلہ شائع کر دینا چاہیے تاکہ ہم یہ کہہ دیں "خوب گزرے گی جب مل بیٹھیں گے دیوانے دو۔"

تیسری وجہ مولانا اشرف علی صاحب رکن اعلیٰ جمعیتہ علماء دیوبند نے یہ بیان فرمائی ہے کہ "تیسرے وہ حضرات یہ ندا حاجت روا سمجھ کر نہ کرتے تھے' اب اس میں بھی غلو ہے' پس ان کا فعل ناقصین کے فعل کا مقیس علیہ نہیں بن سکتا ؎ "کار پاکاں را قیاس از خود مگیر"

گویا مولوی اشرف علی صاحب متوسلین بالموتی کی تردید کر رہے ہیں کہ تم اس طرح وسیلہ نہ لیا کرو اور یہ حدیث "یامحمد" والی پیش کر کے جو تم دلیل پکڑتے ہو اور ناقص ہو کر اپنے فعل ناقص کو ان کاملین کے فعل پر قیاس کرتے ہو' یہ قیاس قیاس مع الفارق ہے کیونکہ کاملین کا فعل ناقصین کے فعل کا مقیس علیہ نہیں بن سکتا۔

چونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے مقابلہ میں زمانہ حاضرہ کے متوسلین سب ناقص ہیں' لہٰذا ان کو ان کی طرح وسیلہ لینا ناجائز ہوا۔ فافهم وتدبر ولا تكن من المعاندين۔ اب کاملین سے ہماری یہ عرض ہے کہ آنحضرت ﷺ یہ ندا سنتے نہیں اور وہ حاجت روا بھی نہیں ہیں تو پھر یہ ندا ہی لغو اور عبث ہے' کیونکہ اصل مرفوع حدیث میں یہ ندا حاضر کے لیے تھی اس وقت نبی کریم ﷺ حاضر تھے اور سنتے تھے جس کا فائدہ یہ ہوا کہ آپ نے سفارش کی جو قبول ہوئی۔ اب حاضر پر غائب کو قیاس کرنا اور جواز نکلنا قیاس مع الفارق ہے جو مردود ہے۔

نیز جب غلو کرنے والے آنحضرت ﷺ کو مختار کل اور حاجت روا سمجھ کر ندا کرتے ہیں تو اب ہمارے لیے بھی ناجائز ہوا کیونکہ جو لفظ موہم امر ناجائز کا ہو تو اس کا بولنا بھی ممنوع ہے جیسے لفظ "راعنا" سے روکا گیا ہے جو یہود بولتے تھے' فتنکر۔

مولوی اشرف علی صاحب نے توسل بالذات پر ایک اور دلیل پیش کی ہے' چنانچہ حضرت عمرؓ کا واقعہ لکھا ہے کہ "حضرت عمرؓ جب لوگوں پر قحط ہوتا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کے واسطے سے دعا بارش کی کیا کرتے اور فرماتے کہ اللہ! ہم پہلے آپ کے دربار میں اپنے نبی ﷺ کو توسل کیا کرتے تھے۔ آپ ہم کو بارش دیتے تھے اور اب ہم آپ کے دربار میں اپنے پیغمبر ﷺ کے چچا کا توسل کرتے ہیں سو ہم کو بارش دیجئے چنانچہ بارش ہوتی تھی۔

اس حدیث سے غیرنبی کے ساتھ بھی توسل جائز نکلا جب کہ اس کو نبی سے کوئی

تعلق ہو قرابت حسیہ کا یا قرابت معنویہ کا' تو توسل بالنبی کی ایک صورت یہ بھی نکلی۔
میں کہتا ہوں کہ اس دلیل سے توسل بالذات جائز ہے اور یہ وسیلہ آنحضرت ﷺ خود بھی لیا کرتے تھے' چنانچہ حدیث میں ہے: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یستفتح بصعالیک المهاجرین یعنی آنحضرت ﷺ فقیر درویشوں (اصحاب صفہ) کے سبب سے فتح حاصل کیا کرتے تھے۔ اس سے مراد دعا ہے۔ شارحین نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ یعنی بدعاء ہم کہ ان سے دعا کروایا کرتے تھے۔

اور حدیث میں ہے ہل ترزقون وتنصرون الا بضعفآیکم ای بصلاتهم ودعائهم یعنی تم ضعیفوں کی دعاؤں اور نمازوں کے سبب سے رزق دیئے جاتے ہو۔
اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سلوا اللہ لی الوسیلة کہ تم میرے لیے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ مانگو — اور حدیث میں ہے کہ جب حضرت عمر ؓ نے عمرہ کرنے کی آنحضرت ﷺ سے اجازت چاہی تو آپ نے اجازت دے کر یہ فرمایا کہ لاتنسنا یااخی من دعآئک اے میرے بھائی! ہمیں بھی دعا سے فراموش نہ کرنا۔
ان احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ مسلمان کو اپنے مسلمان بھائیوں سے ایک سے یا زیادہ سے دعا کروانا جائز ہے اور فاضل مفضول سے بھی دعا کروا سکتا ہے اور افضل سے بھی۔ یہ مسئلہ تمام ائمہ اسلام میں متفق علیہ ہے۔ برخلاف اس کے محض ذات فاضل اور کسی شخص افضل کو دربار الٰہی میں وسیلہ بنانا بدعت ہے۔ هذا مما لادلیل علیه من الكتب والسنة۔
رہی حضرت عمر ؓ والی حدیث "توسل بالعباس" کی سو اس میں تین چیزوں کا ذکر ہے۔ ایک آنحضرت ﷺ کا آپ کی زندگی میں وسیلہ لینا۔ دوم آپ کے چچا حضرت عباس ؓ سے وسیلہ لینا۔ سوم یہ کہنا کہ پہلے ہم اپنے نبی کا وسیلہ لیتے تھے اب اپنے نبی کے چچا کا لیتے۔ ان تینوں پر غور کرنے سے وسیلہ کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔
اب نبی کریم ﷺ کی زندگی کا اسوہ حسنہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ آپ سے وسیلہ لینے کی کیا صورت تھی؟ چنانچہ ابواب الاستسقاء بخاری ملاحظہ کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ سے دعا منگوائی جاتی تھی۔ جب آپ دعا کرتے تھے تو بارش ہو جاتی تھی۔ مکہ کی قحط سالی کے موقعہ ابوسفیان آیا اور کہنے لگا یامحمد انک تامر بطاعة اللہ وبصلة

الرحم وان قومک قد هلکوا فادع اللّٰه لهم اے محمد ﷺ تم تو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور صلہ رحمی کا حکم کرتے ہو اور تمہاری قوم قحط سے مر رہی ہے۔ ان کے لیے دعا کرو' تب دعا فرمائی تو بارش ہو گئی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ کبھی میں ایک شاعر (ابوطالب) کا یہ شعر یاد کرتا تھا ؎

وابیض یستسقی الغمام بوجهه
ثمال الیتامٰی عصمة للارامل

وانا انظر الٰی وجه النبی ﷺ یستسقی فما ینزل حتّٰی یجیش کل میزاب۔

"اور میں آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک کو دیکھتا۔ آپ منبر پر دعا فرماتے' پھر منبر سے اترتے بھی نہ تھے کہ بارش ہو جاتی۔"

امام بخاری ؒ نے باب باندھا ہے کہ جب لوگ امام سے پانی مانگنے کی سفارش کریں تو ان کی درخواست رد نہ کرے۔ پھر حدیث بیان کی ہے جس میں خطبہ جمعہ میں ایک شخص کا درخواست کرنا آنحضرت ﷺ کا منظور کرنا اور دعا فرمانا مذکور ہے فدعا اللّٰه فمطرنا من الجمعة الی الجمعة کہ آنحضرت ﷺ نے اللہ سے دعا فرمائی اور جمعہ سے دوسرے جمعہ تک ہم پر بارش ہوتی رہی۔

الغرض کبھی آپ سے مسلمان پانی مانگتے اور کبھی کفار پانی کے لیے درخواست کرتے۔ آپ سب کے لیے دعا فرماتے تھے۔ پس یہ دعا کا وسیلہ تھا' ذات کا نہ تھا۔ من یدعی وسیلة الذات فعلیه الدلیل۔

حضرت عمرؓ کے فرمان کہ ان کنا نتوسل الیک بنبینا صلی اللّٰه علیه وسلم سے بھی دعا کرنا مراد ہے کبھی آپ نماز استسقاء پڑھ کر دعا کرتے اور کبھی خطبہ جمعہ میں اور کبھی ویسے ہی کرتے۔ بہرکیف دعا مانگتے تھے تو بارش ہو جاتی تھی۔ اب حضرت عباسؓ سے وسیلہ لینے کی کیفیت سنئے۔ صیانة الانسان کے ص-۱۳۱ پر الصارم المنکی سے نقل کیا ہے کہ ولما مات صلی اللّٰه علیه وسلم توسلوا بدعاء العباس واستسقوا به جب نبی کریم ﷺ رحلت فرماگئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت

عباس ﷺ کی دعا سے وسیلہ لیتے تھے اور آپ کی دعا کے سبب سے بارش طلب کرتے تھے۔

پھر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی فتح الباری کے حوالہ سے بلااسناد یہ نقل کیا ہے کہ ان العباس لما استسقٰی به قال اللّٰهم انه لم ینزل بلاء الا بذنب ولم یکشف الا بتوبة وقد توجه القوم بی الیک لمکانی من نبیک وهذه ایدینا الیک بالذنوب ونواصینا الیک بالتوبة فاسقنا الغیث فارخت السماء مثل الجبال حتّٰی اخصبت الارض وعاش الناس یعنی جب حضرت عمر ﷺ نے حضرت عباس ﷺ کے ذریعہ سے بارش مانگی تو حضرت عباس ﷺ نے یوں دعا کی کہ اے الٰہی! مصیبت گناہ کے بغیر نازل نہیں ہوتی اور وہ توبہ کے بغیر دور نہیں ہوتی اور مجھے تیرے نبی ﷺ کے قائم مقام جان کر قوم میرے ذریعہ تیری طرف متوجہ ہوئی ہے۔ یہ ہمارے گناہ بھرے ہاتھ تیرے حضور میں حاضر ہیں اور توبہ کے لیے ہماری پیشانیاں جھکی ہوئی ہیں۔ پس ہم پر مینہ برسا دے۔ پس بادل مثل پہاڑوں کے اٹھے اور انہوں نے اللہ کے حکم سے زمین کو سرسبز کر دیا اور لوگوں کو زندگی حاصل ہوئی۔

اس سے کسی صالح نبی ہو یا ولی سے اس کی حیات میں دعا کرانا اور ان کی دعا کا توسل اختیار کرنا نافع اور مفید ثابت ہوا اور ساتھ ہی اس سے یہ معلوم ہوا کہ "توسل" میں یہ ضروری ہے کہ توسل کیا گیا اور توسل کرنے والا دونوں دعا کرنے والے ہوں اور دعا اور شفاعت میں اللہ سے قبولیت چاہنے والے ہوں کسی شخص کا صرف کسی ذات فاضلہ کا نام لے کر کوئی چیز طلب کرنا جس میں متوسل بہ دعا نہ کرتا ہو تو یہ جائز نہیں۔

تیسری چیز اس واقعہ میں یہ غور طلب ہے کہ حضرت عمر ﷺ کا یہ فرمانا کہ پہلے ہم اپنے نبی کا وسیلہ لیتے تھے۔ یہ صاف دلالت کر رہا ہے کہ وسیلہ بالاحیاء مشروع ہے۔ وسیلہ بالموتی مشروع نہیں ہے' ورنہ حضرت عمر ﷺ اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم توسل بالرسول سے توسل بالعباس ﷺ کی طرف ہرگز رجوع نہ کرتے اور یوں خطبہ نہ دیتے جیسا کہ نیل الاوطار میں وہ خطبہ درج ہے کہ فقال ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کان یرٰی للعباس مایری الولد للوالد فاقتدوا ایهاالناس برسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی عمه العباس واتخذوه وسیلة الی اللّٰه الخ' (نیل الاوطار

ج-۲' ص-۷) یعنی حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ حضرت عباسؓ کا اسی طرح مرتبہ سمجھتے جس طرح بیٹا اپنے باپ کا مرتبہ سمجھتا ہے- تم بھی اے لوگو! ان کے چچا کے بارے میں انہی کی اقتدا کرو اور آپ کے چچا ہی کو اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ بناؤ-

اس سے یہ ظاہر ہوا کہ اگر کوئی صالح شخص آپ کے اہل بیت سے موجود ہو تو اس کو وسیلہ بنانا چاہیے- اگر وہ موجود نہ ہو تو پھر کسی اور بزرگ صالح کو بنالیں جیسے حضرت معاویہؓ نے یزید بن اسود جرشیؓ کو بنایا تھا' مگر ان ذوات فاضلہ کو وسیلہ بنانے سے ان کی دعاؤں کا وسیلہ لینا مراد ہے- وسیلہ کی نسبت ان کی ذات کی طرف مجازاً" ہے کیونکہ دعا کی صراحت ہو چکی ہے- چنانچہ حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ اللّٰھم انا نستشفع ونتوسل بخیارنا یایزید ارفع یدیک فرفع یدیه ودعا الناس حتٰی سقوا یعنی یااللہ! ہم اپنے سے بہترین لوگوں کے ساتھ وسیلہ لیتے ہیں اور ان کی سفارش چاہتے ہیں- اے یزید! ہاتھ اٹھاؤ' بس یزید نے ہاتھ اٹھائے اور دعا کی اور لوگوں نے بھی دعا کی حتیٰ کہ بارش ہوئی-

پس واقعات سے یہ ثابت ہوا کہ وسیلہ میں متوسل بہ اور مستشفع بہ کی دعا اور متوسل اور مستشفع کی دعا ہونی ضروری ہے- موتی چونکہ دعا نہیں کر سکتا اس لیے محض اس کی ذات یا اس کی صفات یا درجات کا نام لے کر دعا کرنا جائز نہیں' بدعت ہے- کما ھو مصرح فی القاعدۃ الجلیلۃ وصیانۃ الانسان-

مولوی اشرف صاحب اور دیگر علماء مجوزین وسیلہ کے ہاتھ وسیلہ مروجہ محدثہ کے ثبوت کے لیے کوئی دلیل شرعی نہیں ہے اور جو دلائل پیش کیے ہیں ان میں وسیلہ مروجہ کا ذکر نہیں ہے' کیونکہ وسیلہ مروجہ میں عام طور پر یہ الفاظ بولے جاتے ہیں کہ فلاں بزرگ کے طفیل سے یہ کام اللہ کر دے- یا یہ کہ اے اللہ! فلاں نبی کی وجاہت سے' غوث اعظم کے نام سے' پنج تن پاک کی حرمت سے میرا کام کر دے یا گنج فرید شکر گنج میری مراد پوری کر دے وغیرہ' من الخرافات البدعیه- یہ سب بدعت ہیں- کتاب و سنت میں ایسے کلمات کی تعلیم نہیں دی گئی- من ادعیٰ فعلیه البیان-

پانچویں دلیل مولوی اشرف علی صاحب کی یہ ہے کہ مواہب میں بسند امام

ابوالمنصور صباغ اور ابن النجار اور ابن عساکر اور ابن الجوزی رحمھم اللہ تعالیٰ محمد بن حرب ہلال سے روایت کیا ہے کہ میں قبر مبارک کی زیارت کر کے سامنے بیٹھا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور زیارت کر کے عرض کیا کہ یاخیرالرسل اللہ تعالیٰ نے آپ پر ایک سچی کتاب نازل فرمائی جس میں ارشاد فرمایا ہے: ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جآءوک فاستغفروالله واستغفرلهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما ○ (پارہ-۵' سورہ نساء) اور میں آپ کے پاس اپنے گناہوں سے استغفار کرتا ہوا اور اپنے رب کے حضور میں آپ کے وسیلہ سے شفاعت چاہتا ہوا آیا ہوں- پھر دو شعر پڑھے' الخ-

اور ان محمد بن حرب رحمہ اللہ کی وفات ۲۲۸ھ میں ہوئی- غرض زمانہ خیر القرون کا تھا اور کسی سے اس وقت نکیر منقول نہیں پس حجت ہو گی-

مولوی اشرف علی صاحب کی علمیت حنفیوں میں مایہ فخر تصور کی جاتی ہے' یہاں تک کہ آپ کو حکیم الامت اور واقف اسرار شریعت وغیرہ القاب حاصل ہیں' لیکن جب وہ اختلافی مسائل کو لے کر معرکہ تحقیق میں نکلتے ہیں تو ان کی سب علمی حقیقت منکشف ہو جاتی ہے' چنانچہ پہلے دلائل میں اس کا مظاہرہ ہو چکا ہے- اب ناظرین اہل علم اس دلیل پر غور کر لیں کہ وسیلہ ایسے اعتقادی مسئلہ میں کس قدر تار عنکبوت سے زیادہ کمزور دلیل سے استدلال کیا گیا ہے جو روایت اور درایت دونوں کے لحاظ سے باطل ہے-

اول یہ روایت طبقہ چہارم کی کتابوں کی ہے جس کے متعلق مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ نے "عجالہ نافعہ" میں یہ فرمایا ہے کہ "وعلٰی کل تقدیر" "ایں حدیث قابل اعتماد نیست کہ در اثبات عقیدہ یا عملے یاتما کردہ شود-" یعنی یہ احادیث اثبات عقیدہ اور عمل کے لیے کسی صورت قابل اعتماد نہیں ہیں- اور طبقہ چہارم میں تصانیف ابن نجار و ابن عساکر وغیرہ اور مواہب کو شمار کیا ہے- لہٰذا یہ روایت کتب صحاح ستہ کی احادیث کے مقابلہ میں قابل اعتماد نہیں ہے-

دوم یہ کہ اس کی اسناد اور متن میں اضطراب ہے- صیانة الانسان میں ہے کہ ليست هذه الحكاية المذكورة عن الاعرابى لما تقوم به حجة واسنادها مظلم مختلف ولفظها مختلف ايضا یعنی اعرابی کی حکایت مذکورہ قابل استدلال نہیں ہے'

کیونکہ اس کی اسناد میں بھی اندھیرا ہی اندھیرا ہے اور الفاظ سند و متن میں بھی اختلاف ہے۔ صیانۃ الانسان میں اس کی سب سندوں اور متن کے الفاظ پر غور کے بعد بطور فیصلہ یہ لکھا ہے کہ ولا یصلح الاحتجاج بمثل ھذہ الحکایۃ ولا الاعتماد علی مثلھا عند اھل العلم یعنی اہل علم کے نزدیک ایسی بے بنیاد و حکایت پر اعتماد کرنا اور اس سے استدلال لائق نہیں ہے۔

سوم یہ ایک اعرابی کا فعل ہے جس کے متعلق علامہ سہسوانی فرماتے ہیں کہ ان فعل الاعرابی لیس من الحجۃ فی شئی یعنی ایک دیہاتی کا فعل کسی طرح بھی حجت نہیں ہو سکتا۔

چہارم یہ کہ اعرابی کی پیش کردہ حکایت میں تین امور کا ذکر ہے۔ (۱) ظلم ہو جانے کے بعد آنحضرت ﷺ کے روبرو پیش ہونا۔ (۲) آپ کے پاس ہو کر اپنے گناہ اور ظلم کی معافی مانگنا۔ (۳) آنحضرت ﷺ کا ان ظالموں کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہنا۔

یہ تینوں آنحضرت ﷺ کی حیات مبارکہ سے تعلق رکھتے ہیں کہ آپ کی زندگی میں منافقین ظالمین حاضر ہو کر معافی مانگیں اور منگوائیں۔ نہ بعد از وفات حاضر ہونے کا ذکر ہے اور نہ زیارت قبر کا اس میں بیان ہے اور نہ قبر میں آپ کا دعا مانگنا اور ان کے لیے استغفار کرنا ثابت ہے۔ حیات دنیوی پر حیات برزخیہ کو قیاس کر کے قبر پر حاضر ہونا سراسر بے وقوفی اور جہالت ہے' کیونکہ موت کے بعد احکام حیات دنیوی منقطع ہو جاتے ہیں مثلاً فرائض نماز' روزہ' حج' جہاد' امر بالمعروف' نہی عن المنکر' مشاورت وغیرہ سب منقطع ہیں۔ معاملات' خرید و فروخت' مناکحت وغیرہ۔ اسی طرح قضا یا حکومت اور تجہیز جیوش' حفظ ثغور' محافظت رعایا اور فرائض نبوت' تبلیغ احکام' ترغیب و ترہیب وغیرہ سب منقطع ہیں' پھر اپنے گناہوں کو لے کر جانا اور آپ سے معاف کرانا اور عرض معروض کرنا کس طرح جائز ہے؟ اگر یہ جائز ہے تو بیعت کرنا بھی جائز ہونا چاہیے' مثلاً کوئی عورت آیت یاایھا النبی اذا جاءک المؤمنت یبایعنک پڑھتی ہوئی قبر شریف پر جائے اور امور مذکورہ فی الآیۃ کا معاہدہ کرے تو کیا یہ بیعت معتبر ہو گی؟ فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم پڑھ کر روضہ نبوی ﷺ پر جا کر تحاکم

الی الرسول پر عمل کرے تو اس کو کون عقلمند کہہ سکتا ہے؟

بہرکیف درایت کی رو سے بھی یہ روایت ناقابل اعتماد ہے اور اس وقت کی نکیر نہ ہونا یا اس کا منقول نہ ہونا کوئی دلیل نہیں ہے۔ جب کہ یہ عمل ہی خود بداہت کے خلاف ہے اور اس پر کوئی دلیل کتاب و سنت سے موجود نہیں ہے۔ قبر شریف پر ماسوائے درود و سلام کے اور کچھ کہنا یا کرنا ثابت نہیں ہے۔ ومن یدعی خلاف ذلک فعلیه البیان بالبرھان۔

مسئلہ توسل بالفعل ⇐ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی اور ان کے ہم مشرب توسل بالقول کے علاوہ "توسل بالفعل" کے بھی قائل ہیں۔ چنانچہ آپ نشرالطیب کے ص-۲۱۸ پر چوتھی روایت لکھ کر اپنے اس دعوے کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں' تحریر فرماتے ہیں۔ "ابوالجوزاء سے روایت ہے کہ مدینہ میں سخت قحط ہوا۔ لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے شکایت کی۔ آپ نے فرمایا کہ نبی ﷺ کی قبرمبارک کو دیکھ کر اس کے مقابل آسمان کی طرف اس میں ایک سوراخ کر دو' یہاں تک کہ اس کے اور آسمان کے درمیان حجاب نہ رہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا تو زور کی بارش ہوئی' الحدیث۔ روایت کیا اس کو دارمی نے پھر لکھتے ہیں "اوپر توسل بالقول ثابت ہوا تھا اس سے توسل بالفعل بھی ثابت ہوا۔"

میں کہتا ہوں کہ مقلد شخص کتنا بھی علم میں شہرہ آفاق ہو لیکن مسائل کی تحقیق میں وہ بالکل کچا ہوتا ہے۔ اس واسطے اصولی طور پر مقلد کو استدلال کرنے سے روکا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ انما المقلد فمستندہ قول مجتھدہ لاظنه کہ مقلد کے لیے سند اس کے امام کا قول ہوتا ہے۔ اس کی اپنی تحقیق سند نہیں ہوتی۔

مولوی اشرف علی صاحب حنفی ہیں اور ان کے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہیں۔ ان کو چاہیے تھا کہ اپنے امام اعظم کا قول پیش کر کے صبر کر جاتے' مگر ایک تو امام صاحب وسیلہ مروجہ کے قائل نہ تھے' اس لیے ان کو چھوڑ دیا گیا اور پھر تقلید کا دعویٰ رکھتے ہوئے ادلہ اربعہ سے استدلال کرنے لگے جو مجتہد کا منصب تھا۔ (عندالاصولیین)

توضیح میں صاف لکھا ہے کہ فالادلة الاربعة انما یتوصل بھا المجتھد لا المقلد کہ "ادلہ اربعہ (قرآن' حدیث' اجماع' قیاس) سے مجتہد ہی دلیل پکڑ سکتا ہے

مقلد نہیں۔" کیونکہ "منجد" میں تقلید کا مفہوم یہ لکھا ہے کہ قلدہ فی کذا ای تبعه من غیر تامل ولا نظر کہ کسی کی پیروی بغیر تحقیق کے کرنے کا نام تقلید ہے۔ قول سدید حنفی ص-۴ میں ہے "التلقید الاخذ بالرای من غیر دلیل کہ بغیر دلیل کے کسی کی رائے پکڑ لینے کو تقلید کہتے ہیں۔

جب مولوی اشرف علی صاحب مقلد حنفی تھے تو ان کو اپنی فقہ پر کاربند رہنا چاہیے تھا جب کہ فقہ میں یہ لکھا ہے کہ ان الفقه هو ثمرة الحديث (درمختار ص-۳۵) کہ فقہ حدیث کا میوہ ہے۔ اور کتب فقہ حنفیہ میں یہ صاف تصریح ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ صرف اللہ تعالیٰ سے اس کے اسماء کے ساتھ دعا کرنا جائز کہتے ہیں اور بحق فلاں اور بحق الانبیاء والاولیاء کہنا ناجائز کہتے ہیں نہ توسل بالقول کے قائل ہیں اور نہ توسل بالفعل کے۔ یہ تو متاخرین حنفیہ نے امام صاحب رحمہ اللہ کے خلاف عقیدہ اختراع کیا ہے' حالانکہ ان کو خلاف کرنا جائز نہ تھا چنانچہ نورالہدایہ میں شرح عین العلم سے منقول ہے کہ فلوالتزم احد مذهبا کابی حنیفة والشافعی فلزم علیه استمرار فلا یقلد غیره فی مسئلة من المسائل۔ تفسیر احمدی میں ہے کہ اذا التزم مذهبا یجب علیه ان یدوم علیٰ مذهب التزمه ولا ینتقل عنه الیٰ مذهب اخر کہ اگر کسی نے کسی امام معین کا مذہب اپنے اوپر لازم کر لیا اور اسی ایک کا اس نے التزام کیا تو اس کو اس کے مذہب پر ہمیشہ قائم رہنا واجب ہے اور کسی مسئلہ میں کسی دوسرے مذہب کی طرف نہ جائے (ورنہ غیر مقلد ہو جائے گا)

لیکن مولوی اشرف علی صاحب وسیلہ کے مسئلہ میں اپنے ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے خلاف چل رہے ہیں اور متون کتب فقہ کے خلاف عقیدہ رکھ کر کتب حدیث سے خود دلائل تلاش کر رہے ہیں' چنانچہ توسل بالفعل پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث دارمی سے پیش کی ہے' لیکن اس کی حقیقت پر غور نہیں کیا۔ اس لیے کامیاب نہ ہو سکے۔

دلیل کی تعریف اصولیوں کے نزدیک رسالہ فن مناظرہ میں یہ لکھی ہے کہ فهو مایمکن التوصل بصحیح النظر فی احواله الیٰ مطلوب خبری یعنی دلیل اس چیز کا نام ہے کہ جس کے احوال پر صحیح نظر کرنے سے مطلوب خبری کی طرف پہنچنا ممکن ہو۔

ناظرین کرام! مولوی اشرف علی صاحب حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کے احوال پر

غور فرما لیتے تو توسل بالفعل پر استدلال ہی نہ کرتے' کیونکہ حال اس روایت کا صحیح نہیں ہے۔ اس کی سند میں تین چار راوی مخدوش ہیں۔

ایک راوی "محمد بن فضل" سدوسی عارم ہے جس کا آخری عمر میں حافظہ خراب اور عقل زائل ہو گئی تھی جس کا سماع ۲۲۰ھ سے پہلے کا ہے۔ وہ روایت تو اس کی معتبر ہو گی' دوسری نہیں۔ میزان الاعتدال وغیرہ ملاحظہ ہو۔ پس مستدل پر لازم ہے کہ اس روایت کو قبل اختلاط و تغیر ثابت کرے ودونه خرط القتاد۔

دوسرا راوی اس حدیث کی سند میں "سعید بن زید" ہے۔ امام ذہبی رحمہ اللہ نے "کاشف" میں ایک جماعت محدثین رحمہم اللہ سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث قوی نہیں ہے۔ خلاصہ میں ہے کہ اس کو امام نسائی نے غیر قوی قرار دیا ہے اور میزان میں ہے کہ یحییٰ بن سعید نے اس کو ضعیف کہا ہے اور سعدی سے نقل کیا ہے کہ یہ حجت نہیں ہے۔ محدثین اس کی روایت کو ضعیف کہتے ہیں۔

تیسرا راوی عمرو بن مالک نکری ہے جو صدوق تو ہے لیکن اس کو وہم ہوتے ہیں۔ کما فی التقریب۔

چوتھا راوی ابوالجوزاء اوس بن عبداللہ ہے جس کی بابت تقریب میں ہے کہ یرسل کثیراً کہ یہ ارسال بہت کرتا ہے۔ بیچ میں راوی کو چھوڑ دیتا ہے۔ میزان میں ہے قال یحیی بن سعید قتل فی الجماجم فی اسنادہ نظر کہ یحییٰ بن سعید نے کہا ہے کہ وہ واقعہ جماجم میں قتل ہوا۔ اس کی اسناد میں نظر ہے اور صیانۃ الانسان میں ہے۔ سند پر تنقید کرنے کے بعد لکھا ہے کہ فقد ثبت من ھناک ان ھذا الحدیث ضعیف منقطع اس بحث اسنادی سے ثابت ہوا کہ یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی ضعیف منقطع ہے۔

دیگر یہ کہ یہ حدیث موقوف ہے اور موقوف محققین کے نزدیک حجت نہیں ہے۔ دیگر یہ کہ اگر اس کی حجیت تسلیم کی جائے تو یہ واقعہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ توسل بالدعاء اور واقعہ یزید بن اسود کے خلاف ہے' کیونکہ دونوں سے اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم ثابت ہے۔ اب جو روایت اس اجماع سے ٹکرائے گی وہ مسترد کر دی جائے گی۔ خصوصاً جب کہ سنداً مخدوش ہو۔

دیگر یہ کہ توسل بالاحیاء کی روایت اجماعی طبقہ اولیٰ کی ہے اور روایت عائشہ رضی اللہ عنہا طبقہ ثالثہ کی ہے طبقہ ثالثہ کی روایت طبقہ اولیٰ کے معارض ہو تو وہ قابل نظر ہو گی۔

دیگر یہ کہ اس روایت میں توسل محدثہ مروجہ کا ذکر نہیں ہے' بلکہ یہ محض تبرک ہے جو مانحن فیہ سے خارج ہے۔ لیکن چونکہ یہ حدیث رفعاً" ثابت نہیں اس لیے ہم ایسے متبرک محدثہ کے قائل نہیں ہیں۔ صیانۃ الانسان ص–۲۱۵ میں ہے وان کان ذلک التبرک ثابتا بکتاب اوسنۃ صحیحۃ فلا مریۃ فی مشروعیتہ وان لم یکن ثابتا فھو بدعۃ ضلالۃ یعنی اگر یہ تبرک کتاب اللہ اور حدیث صحیح سے ثابت ہو تو اس کے مشروع ہونے میں شبہ نہیں ہے۔ اور اگر ثابت نہ ہو تو بدعت ضلالت ہے اور ثابت بالکل نہیں ہے تو قبرپرستوں کا ایسا کرنا جیسا کہ وہ خانقاہوں پر کر رہے ہیں بدعت ہے۔

مولانا سیالکوٹی کا توسل بالفعل ⇐ بعض علماء فرشتوں اور بزرگوں کے ناموں سے تعویذ لکھتے ہیں اور ان ناموں کو اسماء الٰہی کی طرح پڑھتے ہیں اور انہیں تاثیر تصور کر کے ان سے توسل کرتے ہیں اور تبرک حاصل کرتے ہیں جو بالکل نامشروع ہے۔

مجھے بہت تعجب اور نہایت افسوس ہے جناب مولانا ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی پر جو زمانہ حاضر میں ہمارے مذہب اہلحدیث کے ایک بڑے عالم اور مفسر قرآن ہیں کہ آپ نے بھی اس مسئلہ توسل میں سخت لغزش کھائی ہے' چنانچہ تفسیر سورہ کہف کے دیباچہ ص–۶ پر "اسمائے اصحاب کہف کے برکات" کے عنوان سے یہ تحریر فرمایا ہے:

(۱) جس کو جنات ایذا دیں یا اس کے گھر میں اینٹ پتھر ماریں تو وہ ایک کاغذ پر اصحاب کہف کے نام لکھ کر سامنے کی دیوار پر کیل سے ٹھونک دے۔

(۲) نیز یہ کہ ان اسماء کو لکھ کر اپنے پاس رکھنے سے حاجات پیش آمدہ میں فتح و برکت نصیب ہوتی ہے اور دشمن کے شر سے امن ملتی ہے۔

(۳) نیز یہ کہ اگر ان کو لکھ کر مال اسباب میں رکھیں تو وہ مال اسباب بحکم الٰہی جل شانہ آگ اور چور ڈاکو کی زد سے محفوظ رہے گا۔

(۴) نیز یہ کہ تولد کے وقت جب عورت کو درد زہ ہو تو یہ اسماء لکھ کر اس کی

بائیں ران پر باندھ دیں۔ اللہ کے فضل سے بچہ آسانی سے پیدا ہو جائے گا اور عسر ولادت کی تکلیف سے نجات مل جائے گی۔

مولانا نے ان ناموں سے جو توسل بالفعل کیا ہے اور استمداد ظاہر کی ہے جس سے ان ناموں میں نفع اور دفع ضرر کی تاثیر ظاہر ہوتی ہے یہ کسی نص شرعی سے ثابت نہیں ہے اور نہ مولانا نے کسی دلیل سے اس کا ثبوت دیا ہے۔ قرآن مجید جس میں توحید ہی توحید بھری ہوئی ہے اس کی تفسیر میں ایسے نامشروع عمل لکھنے قرآن پر ظلم ہے۔ اور پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ اس عمل کو مشروع قرار دیا ہے اور شرع سے اس کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا بلکہ ایک دوسرے عالم کی تقلید کی ہے' چنانچہ لکھتے ہیں:

"حافظ محمد صاحب رحمہ اللہ ساکن لکھو کے ضلع فیروز پور صاحب علم و عمل اور صاحب فضیلت بزرگ تھے آپ نے یہ عملیات ان عملیات کے مقابلہ میں لکھ کر بتلائے ہیں جو خلاف شرع ہیں۔"

(دیباچہ سورہ کہف ص-۷)

گویا مولانا موصوف نے حافظ محمد صاحب مرحوم کے قول سے استدلال کیا ہے کہ یہ عمل شرع کے موافق ہے۔ خود ان کے پاس اس عمل کی مشروعیت پر کوئی دلیل نہیں ہے' حالانکہ اصحاب کہف کا قصہ قرآن میں وارد ہے اور وہ عہد نبوی سے بہت پہلے ہو گزرے ہیں لیکن کتاب و سنت میں ان ناموں سے توسل بالقول یا توسل بالفعل کرنے پر یا ان کے نام سے یہ برکت حاصل کرنے پر کوئی ہدایت وارد نہیں ہے۔ من ادعیٰ فعلیہ البیان۔

ان ناموں سے اس طرح توسل اور تبرک حاصل کرنے سے شرک اور بدعت پھیلتی ہے اور اہل بدعت کے خیالات باطلہ اور عقائد فاسدہ کو تقویت پہنچتی ہے۔

مولانا جیسے عالم اہل حدیث کی شان سے یہ بات بہت بعید ہے جس کے سبب سے مجھے تعجب ہو رہا ہے۔ ان سے پہلے جناب مولانا نواب صدیق حسن خان صاحب مرحوم نے بھی اسماء اصحاب کہف کا یہ عمل لکھا ہے اور اس پر کسی شیخ نازلی کی طرف سے ایک موضوع حدیث بھی پیش کی ہے کہ تم اپنی اولاد کو اصحاب کہف کے نام سکھلاؤ۔" لیکن پھر اس کا موضوع ہونا بھی ظاہر کر دیا ہے اور پھر آخر میں مندرجہ ذیل فیصلہ لکھ

کر اپنی بریت بھی کر دی ہے' چنانچہ فرماتے ہیں "میں کہتا ہوں کہ ان اسباب سے کام نہ لینا بہتر ہے بہ نسبت کام لینے کے اس لیے کہ ابراہیم علیہ السلام نے جبرائیل سے استمداد نہیں لی تھی اور فرمایا تھا حسبی عن سؤالی علمه بحالی اور وقت القاء کے نار میں فقط یہ کہا تھا حسبنا الله ونعم الوکیل موحد کامل جب مدد لے تو اللہ ہی سے لے اور سے نہ لے گو کہ کیسا ہی بزرگ کیوں نہ ہو- حدیث صحیح میں آیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا اذا سالت فاسئل الله واذا استعنت فاستعن بالله جن کو اللہ پاک نے قوت توحید و ذائقہ تفرید بخشا ہے وہ ایسے امور مشتبہ سے علیحدہ رہتے ہیں' واسطے حفظ کے رائج شرک خفی کے دع مایریبک الی مالا یریبک (الداء والدواء ص-۷۲)

نواب صاحب مرحوم نے اس عمل کو مشتبہات میں داخل کیا ہے اور اس میں شرک خفی کا خطرہ ظاہر فرمایا ہے- پس مولانا ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی کو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے ہم نام ہونے کی وجہ سے ایسے مشتبہات سے اجتناب کر کے خالص توحید میں مستغرق رہنا چاہیے تھا- اہل بدعت ایسے ہی توسل اور تبرک سے گزر کر شرک اور بدعت حقیقیہ میں داخل ہو کر ہلاکت کے گڑھے میں پڑے ہیں-

رسالہ الوسیلہ ترجمہ جلیلہ کے صفحہ نمبر-۲۳۹ میں ہے کہ "الغرض یہ اور ان کے ہم مثل کلمات دعائیہ جو اکثر جہلاء نے اختراع کر رکھے ہیں بالکل صریح شرک ہے جیسا کہ آج کل جہلاء بھی وبائی ایام میں مندرجہ ذیل شعر لکھ کر گھروں کے اندر اور دروازوں پر چسپاں کرتے ہیں ؎

لی خمسة اطفی بها حر الوبآء الحاطمه
المصطفیٰ والمرتضیٰ وابناهما والفاطمه

علمائے حقانی و فضلائے ربانی نے اس کے مقابل خوب کہا ہے جو بالکل صحیح اور موحدانہ ؎

لی واحد اطفی بها حر الوبآء الحاطمه
الله رب المصطفیٰ والمرتضیٰ والفاطمه وابناهما

اور اگر مولوی صاحب کی مراد قرون ثلاثہ کے لوگوں اور ائمہ اربعہ کے سوا دوسرے زمانہ کے جمہور لوگ مراد ہیں تو وہ دو حال سے خالی نہیں یا مقلد ہوں یا غیر مقلد! اگر مقلد تھے تو ان کا اعتبار نہیں کیونکہ مسلم الثبوت میں لکھا ہے کہ لا عبرۃ بالکافر ولا بالمقلد عند الاکثر ولوکان عالما کہ اجماع میں کافر اور مقلد کا اکثر علماء کے نزدیک کچھ اعتبار نہیں ہے۔ اگرچہ وہ کتنا ہی عالم ہو۔ گویا کافر اور مقلد محض کی حیثیت برابر ہے۔ دونوں کا اجماع میں اعتبار نہیں۔ جب اجماع میں اعتبار نہیں تو پھر جمہوریت میں ان کا کیا اعتبار ہے' وہ تو ادنیٰ درجہ ہے۔

میں کہتا ہوں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد کسی ایسی چیز پر علماء کی اکثریت ہو جائے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف ہے تو وہ اکثریت و جمہوریت ناقابل اعتبار ہے۔ صیانۃ الانسان میں ہے کہ ملا سعدی رومی مجالس الابرار میں فرماتے ہیں: فلا بدلک ان تکون شدید التوقی من محدثات الامور وان اتفق علیہ الجمھور فلا یغرنک اتفاقھم علی ما احدث بعد الصحابۃ الخ' یعنی یہ تیرے لیے ضروری ہے کہ بدعت کے کاموں سے سختی سے پرہیز کرے۔ اگرچہ ان کے جواز پر جمہور متفق ہوں اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد کسی نئے کام پر لوگوں کا اتفاق کر لینا تجھے دھوکہ میں نہ ڈال دے۔

نیز لکھا ہے کہ حدیث میں ہے اذا اختلف الناس فعلیکم بالسواد الاعظم المراد بہ لزوم الحق واتباعہ وان کان المتمسک بہ قلیلا والمخالف کثیراً لان الحق ماکان علیہ الجماعۃ الاولیٰ وھم الصحابۃ ولا عبرۃ الیٰ کثرۃ الباطل بعدھم یعنی جب لوگ مختلف ہو جائیں تو تم سواد اعظم کو لازم پکڑ لو۔ اس سے مراد حق کو لازم پکڑ لینا اور اس کی اتباع کرنا مراد ہے اگرچہ تمسک کرنے والے کم ہوں اور مخالف زیادہ ہوں۔

نیز ص۔۳۲۱ میں فضیل بن عیاض سے منقول ہے الزم طرق الھدیٰ ولا یضرک قلۃ السالکین وایاک وطرق الضلالۃ ولا تغتر بکثرۃ الھالکین وقال بعض السلف اذا وافقت الشریعۃ ولا حظت الحقیقۃ فلا تبال وان خالف رایک جمیع الخلیقۃ یعنی ہدایت کے راستوں کو تو لازم پکڑ لے اور گمراہی کے راستوں سے بچ اور ہا لکین

کی اکثریت سے دھوکہ نہ کھا۔ بعض سلف نے کہا ہے کہ جب تو شریعت کے موافق ہو اور حقیقت کو ملاحظہ کر لے تو پھر کسی کی پرواہ نہ کر اگرچہ تیری رائے تمام جہان کے خلاف ہو۔

توسل بالاسباب ⇦ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ اپنے عملوں کو اور بزرگوں کی دعاؤں کو دونوں جہان کی کامیابی کا وسیلہ بنانا محض توسل بالاشخاص بغیر اطاعت و موالات کے نامشروع ہے جو کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں ہے۔ ضعیف اور کمزور دلائل کا سہارا لے کر ایک پختہ اور مضبوط راستہ چھوڑتے ہوئے خطرناک راستہ اختیار کرنا جہالت اور حماقت ہے۔

پس ہم ایسے راستہ پر ہیں جو بے خطر ہے اور وسیلہ بالذات بعد الموت والے ایسے راستہ پر ہیں جو خطرناک ہے' لہٰذا ہم کو جمہور کی کچھ پرواہ نہیں ہے۔ دلائل کے لحاظ سے اگر کوئی انسان صحیح عقیدہ و عمل پر ہو اور جمہور کے خلاف ہو تو اس میں کچھ حرج نہیں ہوتا' چنانچہ ہر مذہب والا اور ہر امام کسی نہ کسی مسئلہ میں ضرور جمہور کے خلاف ہو گا۔ كما لا يخفى على اهل العلم بالمذاهب۔

حنفی مذہب ہی کو لیجئے! کہ یہ بہت سے مسائل میں جمہور کے خلاف ہے۔ ان کے امام اعظم رحمہ اللہ بھی جمہور کے مخالف ہیں چنانچہ چند مسائل بطور نظیر درج ذیل ہیں۔

(۱) بغیر باپ اور دادا کے نابالغہ لڑکی کا نکاح دیگر اولیاء کا کرا دینا جمہور علماء کے نزدیک ناجائز ہے' اگر نکاح پڑھا دیا تو صحیح نہ ہو گا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام اوزاعی رحمہ اللہ وغیرہ کا جمہور کے خلاف یہ مذہب ہے کہ دیگر اولیاء کو بھی یہ جائز ہے کہ صغیرہ باکرہ کو کسی سے بیاہ دیں۔ ملاحظہ ہو نووی شرح صحیح مسلم جلد۔اول' ص۔۴۵۶)

(۲) حنفیہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ رکوع کو جاتے وقت اور سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرنا مستحب نہیں ہے اور جمہور یہ کہتے ہیں کہ رفع یدین ان موقعوں پر کرنا مستحب ہے' چنانچہ نووی شرح صحیح مسلم ص۔۱۶۸ میں ہے فقال الشافعی واحمد وجمهور العلماء من الصحابة فمن بعدهم يستحب رفعهما ايضا عند الركوع وعند الرفع منه اس مسئلہ میں حنفی مذہب نے احادیث صحیحہ اور

جمہور کا خلاف کیا ہے۔

(۳) جمہور علماء کے نزدیک "گوہ" (جو ایک جانور ہے) حلال ہے چنانچہ نووی جلد-۲' ص-۱۵۱ میں ہے اجمع المسلمون علٰی ان الضب حلال لیس بمکروہ الا ماحکی عن اصحاب حنیفۃ من کراھیتہ الخ' یعنی سب مسلمانوں نے اس پر اجماع کیا ہے کہ "گوہ" حلال ہے لیکن حنفیہ سے کراہت منقول ہے۔

اس مسئلہ میں بھی حنفیہ نے جمہور مسلمین کا خلاف کیا ہے ——— بہرکیف بیسیوں مسائل ایسے ہیں کہ حنفیہ نے جمہور علماء جمہور ائمہ' جمہور اہل اسلام کا خلاف کیا ہے۔

پس اگر وسیلہ بالذات بعد الممات میں اہل حدیث علماء نے خلاف کیا ہے تو کیا ہوا ماھو جوابکم فھو جوابنا۔

مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے امام اعظم ؒ کا خلاف کیا ⇦

مقلدین کا اصول ہے کہ وہ اپنے امام کے مناقب بیان کر کے ان کے قول کو منتہائے بحث قرار دیتے ہیں چنانچہ درمختار کے دیباچہ میں ہے کہ یفتٰی علٰی قول الامام مطلقا کہ ہمیشہ ہر حال میں امام کے قول پر فتوٰی دیا جائے گا۔

وسیلہ کے متعلق امام ابوحنیفہ ؒ کا فتوٰی اور قول یہ ہے کہ وسیلہ میں کسی کے حق اور وجاہت وغیرہ سے سوال کرنا جائز نہیں ہے۔ صیانۃ الانسان میں ہے قال القدوری المسئلۃ بخلقہ لا تجوز لانہ لاحق للمخلوق علی الخالق وقال البلدجی فی شرح المختار ویکرہ ان یدعواللّٰہ الا بہ فلایقول اسئلک بفلان او بملائکتک اوبانبیآئک وغیر ذلک لانہ لاحق للمخلوق علی الخالق۔ مولانا قدوری نے کہا کہ مخلوق کے وسیلہ سے سوال کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ مخلوق کا خالق پر کوئی حق نہیں ہے ——— اور بلدجی نے شرح مختار میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو پکارنا مکروہ ہے اور یہ نہ کہے کہ میں اے اللہ! تجھ سے فلاں کے وسیلہ سے یا فرشتوں کے وسیلہ سے یا انبیاء کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں یا ایسا اور کوئی کلمہ کہنا کیونکہ خالق پر مخلوق کا کوئی حق نہیں ہے۔

درمختار سے نقل کیا ہے عن ابی حنیفۃ لا ینبغی لاحد ان یدعواللّٰہ الا بہ

والدعآء الماذون فیه المامور به من قوله تعالٰی وللّٰه الاسمآء الحسنٰی فادعوه بها (الٰی اخره) وکره قوله بحق رسلک وانبیائک واولیآئک اوبحق البیت لانه لاحق للخلق علی الخالق یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے دعا کرنا جائز نہیں ہے۔ دعا یہی مامور بہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "اللہ کے لیے نہایت اچھے نام ہیں ان کے ساتھ اس کو پکارو اور اس سے دعا کرو۔ اور یہ مکروہ ہے کہ کہے اے اللہ! میں تجھ سے تیرے رسولوں یا نبیوں یا ولیوں کے حق سے سوال کرتا ہوں یابیت اللہ کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کیونکہ خلقت کا خالق پر کوئی حق نہیں ہے۔

شامی درمختار شرح درمختار میں بھی یہی لکھا ہے اور پھر رقم طراز ہیں کہ اطلق ائمتنا المنع ہمارے اماموں نے مطلقاً" منع کیا ہے۔ اسی طرح دیگر کتب فقہ حنفیہ اور ہدایہ وغیرہ میں موجود ہے۔

پس مولوی اشرف علی صاحب نے اپنے امام کا قول رد کر دیا اور متاخرین لوگوں کا قول لے لیا۔ اب ان پر کیا فقہاء کا یہ شعر مشہور صادق نہیں آئے گا جو شامی وغیرہ میں ہے ؎

فلعنة ربنآ اعداد رمل
علٰی من رد قول ابی حنیفة

یعنی ریت کے ذروں کے برابر لعنت ہو اس شخص پر جو ہمارے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول رد کر دے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ دعا ہمیشہ مسنون طریقہ سے مانگنی چاہیے۔ کسی کا وسیلہ یا طفیل یا حرمت یا وجاہت یا حق ظاہر کر کے دعا کرنا بدعت ہے اور محض کسی کی ذات کا نام لے کر سوال کرنا غیر مشروع ہے۔ ہاں کسی بزرگ سے دعا کرانا جائز ہے۔

مجوزین وسیلہ بالذات کے دلائل سب بودے اور ضعیف اور اختراعی ہیں جن سے استدلال کرنا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ گذشتہ اشاعتوں میں اس کی تصریح کر دی گئی ہے۔ اب یہاں ان کی ایک اور دلیل کا جواب لکھ کر اس مضمون کو ختم کیا جاتا ہے۔ ابن ماجہ میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر سے

نماز کی طرف نکلتے تو یہ دعا پڑھتے: اللّٰھم انی اسئلک بحق السائلین علیک واسئلک بحق ممشای ھذا الیک الخ' یعنی اے اللہ! میں تجھ سے سائلین کے اس حق کے ساتھ سوال کرتا ہوں جو تجھ پر ہے اور تجھ سے میرے تیری طرف اس چلنے کے حق سے سوال کرتا ہوں۔

تقریر استدلال کی یہ ہے کہ اس دعا میں رسول اللہ ﷺ نے سائلین کے حق کو وسیلہ بنایا ہے جس سے انبیاء اور اولیاء کے حق سے سوال کرنا جائز ثابت ہوا کیونکہ وہ بھی سائلین ہیں بلکہ عام سائلین سے زیادہ حق رکھتے ہیں اور عالی مرتبہ اور بلند پایہ کے ہیں جن کے حق سے سوال کرنا بطریق اولیٰ جائز ہو گا تو اس کے دو جواب ہیں۔

ایک یہ کہ یہ حدیث ضعیف ہے جو خصم کے لیے ناقابل استدلال ہے' کیونکہ اس کی سند میں عطیہ بن سعد عوفی ہے جس کی بابت صیانۃ الانسان میں ہے کہ الراجح والمحقق انه ضعیف کہ راجح اور محقق یہ بات ہے کہ عطیہ عوفی ضعیف ہے۔ پھر کتب اسماء الرجال سے ثبوت پیش کر کے اس کا ضعف ثابت کیا ہے کہ میزان میں ہے کہ یہ ضعیف ہے۔ نیز ابوحاتم اور امام احمد' امام نسائی' منذری' بیہقی' دار قطنی' ابن حجر وغیرہ رحمہم اللہ محدثین سے بھی اس کا ضعف نقل کیا گیا ہے۔ پھر عطیہ مدلس ہے جو عن سے روایت کرتا ہے۔ عنعنہ مدلس کا معتبر نہیں۔

دوسرا راوی فضیل بن مرزوق ہے جس کو امام نسائی اور عثمان بن سعید نے ضعیف قرار دیا ہے۔ ابن حبان نے کہا ہے کہ وہ منکر الحدیث ہے۔ ابوحاتم نے کہا کہ وہ بہت وہمی ہے۔ اس کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جاتی اور ابن معین سے منقول ہے کہ وہ ضعیف ہے۔ بہرحال سند کی رو سے یہ حدیث ضعیف ہے۔ علامہ منذری نے ترغیب میں اس حدیث کو علامت ضعیف سے درج کیا ہے اور امام نووی نے اذکار میں ضعیف قرار دیا ہے۔

اس حدیث کا ایک اور طریق بھی ہے جو ابن السنی نے عمل الیوم واللیلہ میں ذکر کیا جو بروایت بلال آنحضرت ﷺ تک پہنچتا ہے۔ وہ اس سے بھی زیادہ ضعیف ہے' کیونکہ اس میں "وازع بن نافع عقیلی" ہے جس کے متعلق امام نووی رحمہ اللہ نے اذکار میں لکھا ہے کہ وہ منکر الحدیث ہے اور اس کے ضعف پر اتفاق کیا گیا ہے اور حافظ ابن

حجر ؒ نے شرح اذکار میں اس حدیث کو واہی قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ وازع بالاتفاق ضعیف ہے اور منکر الحدیث ہے۔ ابوحاتم اور ایک جماعت نے اس کو متروک الحدیث قرار دیا ہے اور اس طریق میں اضطراب بھی ہے۔

ایک روایت طبرانی کبیر میں بھی ہے جس میں الفاظ بحق السائلین علیک ہیں۔ اس میں فضالہ بن جبیر واقع ہے جس کے ضعف پر اجماع کیا گیا ہے۔ علامہ ہیثمی ؒ مجمع الزوائد میں فرماتے ہیں وھو ضعیف مجمع علی ضعفہ اسی طرح دیگر دلائل کا حال ہے جن میں بعض ضعیف اور بعض اضعف ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ "یہ ذوات سائلین" اور ان کے حق سے سوال نہیں ہے بلکہ اس حق سے سوال ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے سائلین اور داعین سے اجابت اور اثابت کا وعدہ کیا ہے کہ جب وہ مجھ سے سوال کریں گے اور دعا کریں گے میں اس کو قبول کروں گا۔ سو یہ سوال اللہ تعالیٰ کی صفات فعلیہ سے ہے جس میں کوئی نزاع نہیں ہے۔ حق ثابت جو ایمان اور اعمال صالحہ کے مقابلہ اور معاوضہ میں ہے وہ مراد نہیں ہے کہ مخلوق کی ذات اور ان کے حق سے سوال کرنا لازم آئے فافهم وتدبر ولا تكن من الغافلين۔

انبیاء اور اولیاء کے حق اور مرتبہ اور ان کے ایمان اور اعمال کا دوسروں کے محض اپنی دعاؤں میں ذکر کرنے سے کیا اثر ہے؟ اور کیا فائدہ اور کیا دلیل؟ برخلاف اس کے ہم سائلین کا حق سوال کرتے ہوئے ظاہر کریں تو یہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کی بنا پر موجب تاثیر ہو سکتا ہے۔ جیسے صفا و مروہ پر حاجی کے لیے یہ دعا مشروع ہے اللهم انك قلت ادعونی استجب لكم وانك لا تخلف الميعاد ○ یعنی اے اللہ! تو نے دعا قبول کرنے کا وعدہ کیا ہے تو کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

پس اسی طرح بحق السائلین علیک کا مطلب سمجھ لینا چاہیے کہ اس سے سائلین کو عطا کرنے اور عابدین کو ثواب دینے کا وعدہ مراد ہے کہ اس کی بنا پر یہ سوال پورا کر دے کہ تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ پس اس کا منشا کچھ اور ہے اور حق انبیاء اور اولیاء اور بحرمت انبیاء و اولیاء اور بوجاہت انبیاء یا بحق محمد ﷺ یا بحق عبدالقادر جیلانی و بحق بابا فرید و بحق معین الدین چشتی وغیرہ کا منشا کچھ اور ہے' لہٰذا وہ دعا مندرجہ حدیث

جائز اور یہ پیرپرستوں کے کلمات نامشروع اور بدعت ہیں۔

هذا ما عندی واللّٰہ اعلم بالصواب○ واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین○

(کتبہ عبدالقادر حصاری غفرلہ الباری)

صحیفہ اہل حدیث کراچی یکم و ۱۵ ربیع الثانی' یکم و ۱۵ جمادی الاول' یکم و ۱۵ جمادی الثانی' یکم و ۱۵ رجب' ۱۵ شعبان' یکم و ۱۵ رمضان المبارک' یکم و ۱۵ شوال' ۱۵ ذی الحجہ ۷۲ ۱۳ھ جلد-۲۳' نمبر-۷' ۸' ۹' ۱۰' ۱۱' ۱۲' ۱۳' ۱۴ و ۱۶' ۱۷' ۱۸' ۱۹' ۲۰ و ۲۴ و بابت یکم محرم ۷۳ ۱۳ھ جلد-۲۴' نمبر-۱

کسی گھر کے دروازہ پر کلمہ طیبہ پڑھ کر سوال کرنا کیسا ہے؟

سوال کسی کے گھر دروازہ پر کوئی شخص کلمہ طیبہ پڑھ کر سوال کر سکتا ہے یا نہیں؟ جیسا کہ یہ طریقہ ہمارے ہاں مروج ہے کہ سائل گھر کے دروازہ پر آکر کلمہ طیبہ پڑھ کر سوال کرتے جاتے ہیں۔ یہ شرع کی رو سے جائز ہے یا ناجائز؟ باحوالہ تحریر فرمائیں۔

(سائل محمد محفوظ الرحمٰن ویاپنپوری جماعت عالم دوم ضلع گوڑا)

جواب سائل کو کلمہ طیبہ پڑھ کر سوال کرنا جائز نہیں اور یہ کلمہ کی توہین ہے اور بدعت ہے۔ صرف اپنی حاجت ظاہر کر کے فی سبیل اللہ کا سوال کرنا مشروع ہے۔ کلمہ سے سوال کرنے کا رواج بدعت ہے' کیونکہ شرع سے اس کا ثبوت نہیں ہے۔

عبدالقادر الحصاری غفرلہ الباری

فتاویٰ ستاریہ جلد۔چہارم' ص۔۱۳۲

اشتہار نور کے اقرار پر تبصرہ

ذاتی نور کہہ کر کیوں کرتا ہے کفر کو نشر
محمد ﷺ ہے سب انسانوں میں افضل البشر

ایک اشتہار کئی روز سے دفتر قادریہ میں بذریعہ ڈاک آیا ہوا ہے جس کا عنوان یہ ہے "نور کا اقرار" اور اس کے تحت یہ لکھا گیا ہے۔ "اہل سنت والجماعت کا عقیدہ وہابیوں کا اقرار" اس اشتہار کا مشتہر کوئی شخص شیخ محمد صادق کلاتھ مرچنٹ صدر بازار حویلی لکھا ہے جیسے کفار مکہ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لفظ صابی سے ان کے مذہب اور دین کو تعبیر کرتے تھے ٹھیک اسی طرح شرک و بدعت سے بیزار ہو کر توحید و سنت کا عقیدہ رکھنے والوں کو مشرکین و متبدعین لفظ وہابی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسلامی دنیا میں وہابی کوئی مذہب نہیں ہے اس لیے انگریزی حکومت میں اس لفظ پر عدالتوں میں بحث ہو کر وہابی لکھنے اور بولنے کی ممانعت کر کے اس پر جرمانہ عائد کیا گیا تھا پھر پاکستان کی حکومت میں جس میں اکثر مرزائیت' بریلویت' رافضیت' پرویزیت اور سوشلزم وغیرہ گمراہ فرقوں کے عناصر ہیں پھر موحدین اہل سنت کو اس لفظ وہابی سے تعبیر کرنے لگے ہیں حالانکہ فرقہ ناجیہ اہل حدیث و اہل سنت کا نہ وہابی ہونے کا دعویٰ ہے اور نہ جس مقصد اور ارادہ سے اہل شرک و متبدعین وہابی کہتے ہیں وہ وہابی ہیں۔ اگر توحید کی وجہ سے کوئی وہابی کہتا تو جائز ہوتا لیکن ان کا مقصد فاسد ہے۔ اس لیے کہ کسی اہل دل نے یہ کہہ دیا ہے۔

وہابی کا معنی ہے رحمان والا
کچھ اور ہی سمجھتا ہے شیطان والا

پھر اہل بدعت نے اس اشتہار میں اپنے بے اصول مناظرے کا ذکر کیا ہے کہ موضع نہال مہار میں مولانا ابوالرضا محمد عبدالعزیز صاحب نوری خطیب جامع مسجد قادری شیخاں والی اور استاذ العلماء حضرت مولانا علامہ ابوالانعام محمد رمضان صاحب محقق نوری صدر مدرس دارالعلوم غوثیہ حویلی لکھا اور مولوی محمد حسن صاحب مدرس ہائی سکول

حویلی لکھا و مولوی علم الدین صاحب خطیب مسجد وہابیہ رحمانیہ حویلی لکھا کے درمیان مناظرہ ہوا جس میں قرآن مجید اور کتب احادیث و تفاسیر سے قطعی دلائل سن کر وہابیوں نے حضور ﷺ کو سب سے بڑا نور مان لیا۔ ہم نے یہ اشتہار پڑھ کر نہایت تعجب کیا کہ جب قرآن کریم اور احادیث صحیحہ اور اجماع علماء و اہل حق میں یہ صراحت موجود ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ذات جنس بشر سے ہے اور آپ میں صرف نبوت اور رسالت کا نور ہے اور آپ دیگر انبیاء کرام اور عوام انسانوں کی طرح اولاد آدم علیہ السلام سے ہیں جیسے دیگر انسانوں کی پیدائش والدین کے نطفہ اور مٹی سے ہے۔ ایسے ہی جناب نبی اکرم ﷺ کی پیدائش ہے پھر کیسے مولوی محمد حسن صاحب اور مولوی علم الدین صاحب نے یہ اقرار نامہ لکھ دیا کہ آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے نور کے جز اور تمام نوروں سے بڑھ کر نور ہیں۔ اس اقرار نامہ میں یہ الفاظ سراسر کفر ہیں کہ آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے نور کے جز ہیں اور قرآن مجید صاف ناطق ہے وجعلوا له من عباده جزءا ان الانسان لكفور مبين۝ یعنی مشرکوں نے اللہ کے بندوں میں سے بعض بندوں کو اللہ تعالیٰ کی ذات کا جز بنا دیا تحقیق ایسا کہنے والا انسان صاف طور پر کافر ہے' کیونکہ ذات الٰہی صمد ہے کہ نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ کوئی چیز اس کی ذات سے پیدا ہوتی ہے۔ ہم نے بذریعہ ڈاک کے مولوی محمد حسن صاحب سے دریافت کیا کہ آپ نے اس مسئلہ پر مناظرہ کیا ہے یا نہیں؟ اور کیا آپ نے اس باطل عقیدہ کا اقرار نامہ لکھ کر دیا ہے جو اشتہار میں شائع ہوا ہے۔ انہوں نے جو جواب دیا ہے اس کی عبارت طویل ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ ہم موضع نہل مہار میں شادی پر گئے تو وہاں کے ملاں امام مسجد نے آنحضرت ﷺ کو نور من نور اللہ کہا تو میں نے کہا یہ عقیدہ رکھنا کہ حضور ﷺ اللہ کے نور کا حصہ ہیں کفر و شرک ہے۔ اس نے کہا میں آپ کو قرآن مجید سے دکھا سکتا ہوں' لیکن وہ نہ دکھا سکا۔ آخر وہ اپنے مولویوں کو بلا لایا۔ بصیرپور سے پانچ بریلوی مولوی اور آٹھ دس درویش آگئے۔ ہم بھی وہ عبارت نور من نور اللہ کی قرآن سے دیکھنے کے لیے پہنچ گئے۔ ہمارا مناظرہ کا کوئی خیال نہ تھا وہاں جانے پر ہم کو بھی مناظرہ کرنا پڑا۔ میں نے کہا یہ عقیدہ رکھنے والا کہ حضور ﷺ اللہ کے نور سے جدا ہیں چٹا کفر ہے۔ آپ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں بشر ہیں' آپ کی پیدائش مٹی سے ہے'

آپ نے دنیا سے کفر و شرک کے پھیلے ہوئے اندھیروں کو دور کیا اس لحاظ سے آپ نور ہیں اور تمام نوروں سے بڑے نور ہیں میرے اس کہنے پر انہوں نے کہا کہ اللہ کے نور کا حصہ ماننے والوں کو ہم بھی کافر سمجھتے ہیں۔ میں نے کہا یہ لکھ دو۔ انہوں نے کہا آپ یہ لکھ دیں میری عبارت سے "باقی" کا لفظ بڑی ہوشیاری سے اڑالیا گیا ہے۔ آپ علاوہ کا مطلب سوا اور بغیر لیس نور سے مراد نور ہدایت ہے اور یہ بھی لکھا کہ عوام جاہل اور سارے حنفی تھے" میں کہتا ہوں کہ مشتہر صاحب۔ اور نہال مہار کے لوگوں اور بصیرپور اور حویلی لکھا کے ملا مولویوں کا تیس مار خان بن کر ڈینگ مارنے کہ ہم نے وہابیوں سے آنحضرت ﷺ کا اللہ کے نور کے جزء ہونے کا اقرار لے لیا۔ یہ سب کارنامہ باطل ہے جس کی چند وجوہ ہیں وجہ اول یہ کہ بنا مخاصمت آنحضرت ﷺ کے نور من نور اللّٰہ ہونے کی تھی۔ اس کا ثبوت دینے سے نہال مہار کا بریلوی عاجز رہا اور وہ قرآن سے نہ دکھا سکا حالانکہ اس کا اقرار تھا کہ میں قرآن مجید سے دکھاتا ہوں یہ فرقہ بریلوی نہال مہار کے باشندگان کی پہلی شکست ہے پھر وہ اندرا گاندھی کی طرح کہ پاکستان کی جنگ سے عاجز ہو کر روس سے استمداد لینے کو بھاگی تو نہال مہار کا ملا بصیرپور اور حویلی لکھا کے مولوی سے امداد لینے لگا۔ جب وہ مقلدین کا گروہ ادھر ادھر سے جمع ہوا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کے ذاتی نور ہونے کا ناموس اور نقارہ بجایا اور قرآن و حدیث سے موضوع مناظرہ کے خلاف بے محل دلائل پڑھ کر لوگوں کو یہ دھوکہ دیا کہ ہم نے آنحضرت ﷺ کا ذاتی نور ہونا ثابت کر دیا اور اشتہار میں بھی لکھا ہے کہ ہم نے قطعی دلائل سے اپنا دعویٰ ثابت کر دیا۔ حالانکہ دعویٰ اور اس پر فریب کاری کا استدلال بالکل بے محل تھا۔ ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ کتاب و سنت میں آنحضرت ﷺ کے ذاتی نور اور نور من نور اللّٰہ ہونے کی ایک بھی قطعی دلیل نہیں جو کہا اور لکھا سراسر جھوٹ ہے اور ان کا یہ کہنا کہ آنحضرت ﷺ کو اللہ کے نور کا حصہ کہنے والوں کو ہم بھی کافر کہتے ہیں یہ دوسری شکست ہے کیونکہ بنا مخاصمت یہی تھی کہ آنحضرت ﷺ نور من نور اللّٰہ ہیں یا نہیں؟ اہل بدعت مشرکوں کا یہی عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ذات نور من نور اللّٰہ ہے اور اس پر یہ موضوع اور روایت پڑھا کرتے ہیں کہ سب سے پہلے اللہ نے اپنے نور سے میرا نور پیدا کیا اور میرے نور سے سب مخلوق پیدا

کی اور یہ کہا کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انا عرب بلاعین کہ میں عرب بلاعین کے ہوں یعنی رب ہوں اور احمد ﷺ بغیر میم کے ہوں یعنی احد ہوں اور یہ شعر ان کا مشہور ہے۔

؎ وہی جو مستوی تھا عرش پر خدا ہو کر
اتر پڑا مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر

مختلف مناظروں میں جب اہل حدیث اور دیوبندی علماء نے دلائل شرعیہ کے تھپڑ مارے تو اب ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اللہ کی ذات سے پیدا ہو کر نور نہیں ویسے جسمانی نور ہیں۔ نمال مہار کے ملا اور مولویوں کا یہ دعویٰ کہ آنحضرت ﷺ نور من نور اللہ ہیں ان کی زبان سے باطل ہوا کہ اللہ کے نور کا حصہ نہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بریلوی مولویوں نے اپنا عقیدہ یہ لکھا ہے۔ ہمارا اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ کا نور اللہ تعالیٰ کے نور کا کٹا ہوا حصہ اور جزو نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ خالق ہے اور حضور ﷺ اُس کی مخلوق ہیں۔ یہی ہمارا ہمیشہ سے عقیدہ ہے اس سے ظاہر ہوا ہے کہ فرقہ حنفیہ بریلویہ کا یہ کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنے نور سے نبی کریم ﷺ کا نور پیدا کیا اور پھر اس نور سے سب مخلوق بنائی یہ عقیدہ باطل ہے۔ جو نور نامہ اور قصص الانبیاء وغیرہ میں ایسی خرافات لکھی ہیں وہ موضوع ہیں۔ اگر یہ ملا مولوی نقار خانہ میں شور وشغب نہ کرتے اور تحمل اور متانت اور سنجیدگی سے کام لیتے تو اُس عقیدہ پر مولوی محمد حسن اور مولوی علم دین کے دستخط کرا لیتے تو یہ عقیدہ متفقہ قرار دے کر شائع کر دیتے تو کوئی اعتراض اور افسوس نہ تھا لیکن انہوں نے ہوشیاری سے کام لے کر اپنا عقیدہ لکھوا لیا کہ وہ اللہ کے نور کے جز ہیں پس اس طرح سے دونوں فریق کافر ہو گئے ہیں کہ دونوں کا یہ اقرار ہے کہ اس طرح کہنے والا کافر ہے پس اب دونوں فریقوں کے اجلاس عام میں بذریعہ اشتہار توبہ کرنا اور اس عقیدہ سے اپنی برأت ظاہر کرنا ضروری ہے۔ تیسری وجہ ہے کہ مولوی محمد حسن نے جو یہ لکھا ہے کہ ہماری جماعت اہل حدیث کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں تمام کائنات سے اعلیٰ اور افضل ہیں یہ عقیدہ درست اور صحیح ہے۔ باقی اس سے آگے کی عبارت ان کا ذاتی اقرار نامہ ہے۔ جماعت اہل حدیث اس اقرار کی ذمہ

دار نہیں ہے اور نہ وہ دیگر جماعت اہلحدیث پر حجت ہے بلکہ وہ ان کی لغزش ہے جو فریق ثانی کے شور وشغب سے متاثر ہو کر گھبرا گئے اور صحیح الفاظ نہ لکھ سکے ان کو یہ لکھنا چاہیے تھا کہ میں اقرار کرتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کی ذات بشر ہے لیکن روحانی طور پر اور منصب نبوت کی رو سے آپ تمام باطن نوروں سے بڑے نور ہیں کہ آپ میں تمام انوار جمع ہیں' نور نبوت' نور اسلام' نور ایمان' نور علم و عرفان' نور قرآن۔ یہ اقرار نامہ صحیح ہوتا۔ چوتھی وجہ کہ تمام اہلحدیث جماعت کے وہ ذمہ دار نمائندہ نہیں ہیں۔ وہ ہائی اسکول حویلی کے سرکاری ملازم اور ماسٹر ہیں کوئی عالم کامل اور مناظر تجربہ کار اور اصول و فروع میں ماہر نہیں ہیں کہ ان کا یہ اقرارنامہ مستند قرار دیا جا سکے۔ پانچویں وجہ یہ کہ ایک حدیث میں آیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں بشر ہوں تم میرے پاس جھگڑے مقدمے لاتے ہو ممکن ہے کہ ان میں کوئی شخص چرب زبان ہو اور وہ اپنی بات کو ایسے انداز میں کرے کہ میں اس کو سن کر اس کے حق میں فیصلہ دے دوں' پس اگر میں اپنے فیصلے میں غلطی کر کے اس کو دوسرے مسلمان کا حق دے دوں تو وہ ہرگز نہ لے وہ جہنم کا ایک ٹکڑا ہے یہ حدیث بخاری و مسلم کی مشکوۃ کے جلد-۲' ص-۳۲۷ میں ہے۔ اس حدیث سے ایک تو یہ ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ بشر تھے اور دوسرا یہ کہ آپ کو علم غیب نہ تھا' تیسرا یہ کہ کسی فریق کی چرب زبانی اور چالاکی سے کوئی غلط بات فیصل ہو جائے تو وہ نفس الامر میں صحیح تصور نہ ہو گی چنانچہ ملفوظات حصہ اول کے ص-۹۳ میں فرقہ بریلویہ کے مجدد مولوی احمد رضاخان نے اس فرقہ کے دیگر علماء کے سامنے یہ بات کہی جس پر کسی نے انکار نہیں کیا "کہ مباحثہ میں لوگ یہ شرط کر لیتے ہیں کہ جو ساکت ہو جائے گا وہ دوسرے کا مذہب اختیار کرلے گا یہ سخت حرام اور اشد حماقت ہے۔ اگر کسی سے لاجواب بھی ہو جائیں تو مذہب پر کوئی الزام نہیں کہ ہمارے مقدس مذہب کا مدار ہم پر نہیں' ہم انسان ہیں اس وقت جواب خیال نہ آیا۔ پس اس مسلمہ اصول کی بناء پر محمد حسن ماسٹر لاجواب ہو گیا ہو یا دوسرے فریق کے فریب میں آکر غلط اقرار کر لیا ہو تو یہ تمام جماعت اہلحدیث کی شکست یا اس عقیدہ اور اقرار کی ذمہ داری دیگر جماعت اہلحدیث پر عائد نہیں ہو گی۔ پس فرقہ بریلویہ کا دوسرے اشتہار میں جو نتیجہ مناظرہ کے عنوان سے

شائع ہوا ہے یہ ڈینگ مارنا کہ یہ فیصلہ ہمارے روبرو بڑی بحث و مباحثہ کے بعد متفقہ طور پر طے پایا لہذا ہمیں تمام جہلا طبقہ کو آئندہ نبی کریم ﷺ کے نور سے مشتبہ کرنا کفر کے مترادف ہو گا میں کہتا ہوں ایسے بے اصول مناظرہ سے تمہارا اس غلط فیصلہ پر عقیدہ رکھنا سراسر کفر ہے۔ تم ایسے لاعلم اور نادان ہو کہ جس چیز کو دونوں فریق کفر قرار دے رہے ہیں اور یہ کہہ چکے ہیں کہ حضور ﷺ کا نور اللہ کے نور کا جزو نہیں اور جزو کہنا کفر ہے تو پھر تم اس کفر پر کیسے جم گئے بلکہ اس اقرار نامہ محمد حسن کو لکھنے اور لکھوانے والے دونوں فریق کافر ہیں تم لوگوں' تمہارے مولویوں اور محمد حسن کو اس کفر متفقہ سے توبہ کرنی چاہیے' تمہارے مولوی رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے نور کا جزو نہیں مانتے اور محمد حسن جزو کہتا ہے پھر یہ فیصلہ متفقہ کیسے ہوا۔ ہاں یہ بات دونوں فریق کی متفقہ ہے کہ نور نبوی ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے نور کا جزو کہنا کفر ہے۔ ہمارا چیلنج یہ ہے کہ تم دونوں فریق حویلی لکھا سے نکل کر موضع وسلوے والہ کے میدان میں آؤ ہم تم دونوں کو تمہارے اشتہار کی رو سے کافر ثابت کرتے ہیں۔ اگر تم اشتہار کا فیصلہ حق اور صواب ثابت کرو تو تم کو اس اجلاس میں یک صدر روپیہ انعام دیا جائے گا۔ ھل من مبارز یبارزنی؟ لیکن سن لو تم دونوں فریق یہ فیصلہ کفر کا لکھنے والے سراسر جھوٹے ہو اور کبھی ہمارے مقابلہ میں اپنے اشتہار کی صداقت ثابت کرنے کے لیے انشاء اللہ تعالیٰ حاضر نہ ہو سکیں کیونکہ ؎

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

بندہ پھر دعویٰ سے کہتا ہے کہ تم دونوں فریق ایک محمد حسن کا فریق اور دوسرا بریلوی مولوی عبدالعزیز اور محمد رمضان کا فریق ان کے شائع شدہ اشتہار اور اقرار ناموں کی رو سے کافر ہو گئے۔ ان کو اجلاس عام میں توبہ علانیہ کرنا واجب ہے۔ اگر یہ دونوں فریق نہ مانیں تو میدان مناظرہ مقرر کر کے ہمارے ساتھ فیصلہ کر لیں۔ اگر بندہ ان دونوں فریقوں کو کافر ثابت نہ کر سکا تو یک صد روپیہ جرمانہ ادا کرے گا۔ اور اگر تم دونوں فریق اپنے اقرار ناموں کو متفقہ طور پر صحیح ثابت کر دو تو تم کو یک صد روپیہ انعام دیا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اور تم جھوٹے اشتہارا شائع کر کے ڈینگ نہ مارو

ورنہ قیامت کو ماخوذ ہوں گے۔ وما علینا الا البلاغ وعلی اللہ الحساب

الراقم والمشتہر عبدالقادر عارف حصاری غفرلہ الباری مقیم عارف والا ضلع ساہیوال

صحیفہ اہل حدیث کراچی جلد-۶۲' شمارہ نمبر-۲۳' ۲۴' بمطابق یکم و ۱۶ ذوالحجہ ۱۴۰۱ھ

تذکرہ نور محمدیؐ

کر لیں یہ گمراہ گمراہی کی اپنی دھوم دھام
جب تک مہدیؑ کے لشکر کا پتہ لگتا نہیں
سرکش اور گمراہ سارے ہوں گے سیدھے اس گھڑی
ہو گا جب کلا نشاں ظاہر خراساں کی طرف

منکرین بشریت محمدیہ آنحضور ﷺ کے معجزات و علامات نبوت و اوصاف رسالت سے ناجائز استدلال کر کے آپ کو عبودیت سے اوپر الوہیت کے مرتبہ میں لے جاتے ہیں اور آپ کو اللہ تعالیٰ کی صفات میں شریک کر کے اس کی عبادت میں شریک گردانتے ہیں جو صریح کفر ہے۔ اور عوام کالانعام کو یہ چکمہ دیتے ہیں کہ یہ آنحضور ﷺ کی تعظیم اور محبت ہے اور جو کوئی قرآن و حدیث کی رو سے اور ائمہ دین کی تشریحات کے لحاظ سے اور حقیقت واقعیہ کے اظہار کے لیے آنجناب محمد مصطفیٰ ﷺ کو بشر اور انسان یا آدمی کہہ دے تو اسے گستاخ' بے ادب' شان رسول گھٹانے والا قرار دے کر عوام کی نظروں میں اسے برا اور ذلیل بناتے ہیں۔ یہ ایک ایسا حربہ ہے جو' حقیقت پر پردہ ڈالنے کے لیے اور خرمن اتفاق میں آگ لگانے کے لیے کافی ہے اور اس سے دن رات کام لے رہے ہیں۔

عوام اس سے متاثر ہو کر یہ امتیاز نہیں کر سکتے کہ کسی بے گناہ نے فی الواقع گستاخی کی ہے یا نہیں۔ اور کیا یہ بات حقیقت میں بے ادبی اور گستاخی ہے بھی یا نہیں؟ عوام ایسے اشتعال میں آتے ہیں کہ ان کے سامنے ہم قرآن کی منہ بولتی صریح آیات پڑھیں یا خود آنحضور ﷺ کے ارشادات پیش کریں اور آپ کی زندگی کے حالات اور واقعات سامنے رکھیں اور آپ کا ماں باپ کی اولاد سے ہونا اور آپ سے اولاد ہونا اور آپ کی ازواج مطہرات اور ان سے مناکحت کا پایا جانا' بیان کریں تو ان پر یہ دلائل کچھ اثر انداز نہیں ہوتے اور وہ ان سب کو معاذ اللہ لغو اور فضولیات تصور کرتے ہیں' جو کفر بر کفر ہے۔ یہ امر مسلم ہے کہ آنحضور ﷺ کی تعظیم اور محبت شرعی کرنا فرض ہے اور بغیر اس کے کوئی شخص ایمان دار نہیں ہو سکتا لیکن گمراہ لوگوں نے

محبت کا معیار غلط سمجھا ہے جس سے وہ دھوکہ کھا رہے ہیں اور لوگوں کو فریب دے رہے ہیں۔ تعظیم اور محبت کا معیار شرعی یہ ہے کہ انبیاء اور اولیاء کے شان اور مراتب اور اوصاف کو ان کی مقررہ حدود کے اندر رہ کر بیان کرنا اور ان کے اقوال و افعال کی تعمیل کرنا اور ان کے حق میں دعاء رحمت کرنا۔ لیکن عیسائیوں' رافضیوں' مرزائیوں کی طرح غلو کرنا کہ انبیاء اور اولیاء کو ان کے مراتب اور منصبوں سے نکال کر الوہیت کے مرتبہ پر پہنچانا یہ ان کی تعظیم اور محبت نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی شان اور مرتبہ میں صریح گستاخی اور بے ادبی ہے جو صریح شرک اور کفر ہے۔

ع: اگر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

مسلمانوں اور اہل سنت والجماعت سے عیسائیوں اور رافضیوں کے جو اختلافات ہیں' ان سے عبرت حاصل کیجئے کہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رتبہ بشریت و رسالت سے بڑھا کر الوہیت تک لے جاتے ہیں اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعظیم و محبت کرتے ہیں اور دلائل حضرت کے معجزات اور علامات و دلائل نبوت سے لاتے ہیں۔ اب مسلمان ان کے خلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبدیت بیان کریں تو وہ ان کو بے ادب و گستاخ کہتے ہیں حالانکہ مسلمان دلائل شرعیہ کی رو سے سچے ہیں اور نصاریٰ جھوٹے ہیں۔ اسی طرح شیعہ' رافضی' اہل بیت حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شان میں غلو کرتے ہیں۔ اور ان کو خدائی مرتبہ تک پہنچاتے ہیں اور لوگوں کو اہل بیت کے مناقب سنا کر ان کی تعظیم اور محبت کا فریب دیتے ہیں اور اہل سنت کو اہل بیت کے حق میں بے ادب اور گستاخ کہہ کر خارجیوں میں شمار کرتے ہیں حالانکہ اہل سنت سچے ہیں۔ وہ اہل بیت کے مناقب ثابت و تسلیم کر کے ان کی تعظیم و محبت کرتے ہیں لیکن رافضیوں کی طرح غلو نہیں کرتے۔ اسی طرح اہل سنت اہل حدیث آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا واجبی رتبہ جو بروئے قرآن و احادیث صحیحہ سے ثابت ہے' اس کو مانتے ہیں اور آپ کی جائز تعظیم و محبت کرتے ہیں لیکن اہل بدعت فرقہ غالیہ و باغیہ کی طرح غلو نہیں کرتے کہ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عبدیت و بشریت کی جنس سے نکال کر اور رسالت و نبوت کے رتبہ سے اوپر بڑھا کر خدائی اوصاف میں شریک کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں ؎

ہمارا نبی تو بشر ہی نہیں
وہ تو خدا ہے تجھ کو خبر ہی نہیں
ہمارے نبی کا مقام عرش بریں ہے
جو خدا نہ کہے وہ کافر لعین ہے
وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر
اتر پڑا مدینے میں مصطفیٰ ہو کر

یہ مسلمانوں کا عقیدہ نہیں ہے بلکہ یہ کفر ہے۔ اب اگر یہ لوگ ایسے عقیدہ کو نہ ماننے سے ہم مسلمانوں کو بے ادب اور گستاخ اور نبی کی توہین کرنے والے کافر کہیں تو یہ عیسائیوں اور رافضیوں والا معاملہ ہے' سچے مسلمانوں کو ان ظاہری مدعیان اسلام عیسائیوں کے بھائیوں کی خرافات کو اونٹ کا پاد تصور کر کے صبر کرنا چاہیے۔

بچا مارا ہے یکسر کیا عرب کیا عجم سب کو
خدا غارت کرے اس اختلاف دین و مذہب کو

پہلے مجھے ضرور پڑھیے ⇐ حضرات! قرآن کریم نے تمام انسانوں کو دو قسموں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ایک اہل رحم' دوم اہل اختلاف۔ چنانچہ ارشاد ہے: ولا یزالون مختلفین الا من رحم ربک یعنی لوگ ہمیشہ مختلف رہیں گے مگر جن پر آپ کے پروردگار نے رحم فرما دیا ہے (وہ مرض اختلاف سے محفوظ رہیں گے)

اس سے ثابت ہوا کہ اہل اختلاف اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نیچے آ چکے ہیں' ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے لیکن اس سے اختلاف یسیر جو دشمن اتفاق ہے' مراد نہیں ہے۔ جس کو معمولی فروعی اختلاف کہتے وہ کالعدم ہے۔ اس اختلاف سے مراد وہ مذموم اختلاف ہے جس سے ملت اسلامیہ کی ہیئت اجتماعیہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔ اور ان میں اس اختلافیہ کے باعث ایسی پارٹیاں بن جائیں کہ ان میں محبت و ہمدردی باقی نہ رہے۔ اور تعاون و تناصر بالکل مفقود ہو جائے اور اخوت اسلامی کا رشتہ ٹوٹ جائے اور وہ ایک دوسرے کے دشمن نظر آئیں جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گروہ اہل حق اور خوارج اہل باطل کا اختلاف تھا کہ دونوں گروہ (باہم دشمن ہو کر لڑتے رہے اور سینوں اور

شیعہ رافضیوں کا اختلاف ہے کہ ان دونوں گروہوں کا ہمیشہ جھگڑا اور فساد رہتا ہے اور باہم مخالف ہیں- اسی طرح اہل حدیث اور گروہ اہل بدعت کا اختلاف ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے دشمن ہیں اور ہمیشہ برسرپیکار رہتے ہیں- سو یہ اختلاف مذموم اس وقت رونما ہوتا ہے جب ان کے درمیان اصول اور کلیات عقائد اور فروعات میں اختلاف پیدا ہو کر بالکل تضاد ہو جائے اور جس سے علیحدہ علیحدہ فرقہ اور پارٹی بن جائے اور باہم تنازع اور تخاصم ظاہر ہونے لگے اور وہ یہ کہنے لگیں۔

زندگی خاک ہو جب فہم میں آتا ہو خلاف
ہم اجل کہتے ہیں آپ جس کو احیا کہتے ہیں

جیسے دو ملتوں کا اختلاف باعث بغض و عداوت ہے' ایسا ہی ایک ملت میں لوگوں کا عقائد اور اصول میں مختلف ہو جانا وہی انجام ظاہر کرتا ہے۔

کند جاری اقوال نادانی در کتب ہائے ایمانی
چوں کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی!

اس لیے ارشاد ہوا کہ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ یعنی جب مل کر دین اسلام کو قائم کر لو اور اس میں افتراق نہ پھیلاؤ- لیکن اہل اسلام نے اس حکم کی نافرمانی کی اور وہ باہم اختلاف پیدا کر کے متفرق ہو گئے- اور ان کے جدا جدا مذہب اور علیحدہ علیحدہ فرقے بن گئے- اب ان کے عقائد جدا' احکام جدا' مسائل جدا' اصول جدا' فروع جدا' ان کی کتابیں جدا بلکہ مصلیٰ اور مسجدیں جدا ہو گئیں ہیں- تو دریں حالات معلوم کرنا ضروری ہے کہ ان میں اہل حق کون ہیں؟ اور اہل باطل کون ہیں؟ جو ان میں اہل حق ہیں وہی مرحومین ہیں جو اختلاف کی لعنت سے محفوظ ہیں- ایسے انقلاب مذہبی میں حق کا معلوم کرنا فرض اور اس کا قبول کرنا عین واجب ہے' فتذکروا-

سب سے بڑا عالم ⇐ تمام لوگوں میں بڑا عالم وہی متصور ہو گا جو اختلافی امور میں ابصر بالحق ہو گا- چنانچہ طبرانی ص-۱۲۹ میں حدیث وارد ہے جو طویل ہے' اس میں یہ مسئلہ بھی ہے کہ آنحضور ﷺ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا اتدری ای الناس اعلم یعنی کیا تم جانتے ہو کہ سب سے زیادہ علمدار کون ہے؟ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ

میں نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں کہ کون زیادہ عالم ہے۔ تب آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ ابصرهم بالحق اذا اختلف الناس وان کان مقصرا عن عمله ----- وان کان یزحف علٰی استه زحفا (الحدیث) یعنی جو لوگوں میں اختلاف ظاہر ہونے کے وقت ان میں سے حق کو خوب جانتا اور دیکھتا ہے۔ اگرچہ وہ عمل میں قاصر ہو اور سرینوں کے بل تھوڑا تھوڑا چلتا ہو' وہ بڑا عالم ہے۔ پس اختلافی امور میں تحقیق کر کے حق بات معلوم کرنا ازبس ضروری ہے اور عین علم ہے اور اس سے یہ ظاہر ہوا کہ بغیر تحقیق کے کسی کی تقلید سے کسی بات کو مانتے رہنا یہ جہالت اور نادانی ہے۔ علم نہیں ہے۔ صراط مستقیم صحیح حدیث میں جو حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے ہے' یہ وارد ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک سیدھا خط اور اس کے دائیں بائیں کئی خطوط کھینچے اور فرمایا کہ یہ سیدھا خط صراط مستقیم ہے۔ جو اللہ کا راستہ ہے' باقی تمام شیطان کے راستے ہیں۔ پھر آنحضور ﷺ نے یہ آیت پڑھی ان هذا صراطی مستقیما فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیله یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ میرا راستہ ہے جو صاف سیدھا اور مضبوط ہے تم اس کی پیروی کرو اور دیگر راستوں کی پیروی نہ کرو ورنہ یہ تم کو سیدھے رستہ سے علیحدہ کر دے گی۔ (ابن ماجہ وغیرہ) آپ کے اس فرمان واجب الاذعان کی تعمیل ہر مسلمان پر فرض ہے اور اس پر یہ واجب ہے کہ جب دین میں کئی رستے اور کئی فرقے بن گئے ہوں اور ان میں حق گروہ کو معلوم کرنا اور باقی کو شیطانی رستے جان کر ان سے بچنا ضروری ہے۔

معیار حق ⇦ اب اس کا معیار معلوم کرنا چاہیے کہ جب اختلاف اور افتراق ہو اور تمام مختلف گروہوں میں سے اہل حق کو معلوم کرنے کا معیار کیا ہے۔ سو یہ بھی حدیث شریف سے ثابت ہے۔ چنانچہ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ ما انا علیه واصحابی یعنی اہل حق وہ گروہ ہے جو اس چیز پر قائم ہے جس پر میں اور میرے صحابہ کرام اس وقت قائم ہیں۔ (ترمذی وغیرہ) یعنی یہ یقینی بات ہے کہ ایسی چیز جس پر خود رسول اللہ ﷺ اور آپ کے جملہ صحابہ قائم تھے۔ وہ سوائے قرآن مجید اور حدیث نبوی کے اور کچھ نہ تھی۔ پس جس گروہ نے ان دو چیزوں میں سے کوئی چیز کم کی یا ان کے ساتھ تیسری چیز کو بڑھایا اور اس پر عقیدہ و عمل ٹھہرایا' وہ گروہ ناجیہ سے خارج ہے۔ وہ اس

حدیث کا مصداق نہیں ہے۔ اس لیے محدثین و ائمہ دین و علماء معتبرین نے یہ تصریح کر دی ہے کہ وہ جماعت اہل حدیث ہے جو قرآن کو کافی اور اس کی شرح اور توضیح کے لیے حدیث کو وافی جانتی ہے۔ ماسوا اس گروہ کے سب اہل بدعت ہیں۔ غنیہ و فتح الباری و تحفة الاحوذی شرح ترمذی وغیرہ ملاحظہ کریں۔ اہل بدعت فرقوں کے عقائد و اعمال میں بدعات اور امور محدثہ داخل ہو گئے ہیں اور ان کی اعتقادی و عملی ہیئت بدل گئی ہے۔ پس گروہ ناجیہ کی علامتیں بھی مختلف احادیث میں موجود ہیں جو سب اس جماعت میں پائی جاتی ہیں اور کسی میں نہیں ہیں۔

چنانچہ ان میں سے ایک یہ ہے کہ قوم قليل في ناس سوء كثير من يعصيهم اكثر ممن يطيعهم (مسند احمد) یعنی وہ لوگ بہت تھوڑے ہوں گے اور میرے لوگ ان کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہوں گے۔ اب اہل حدیث قلیل ہیں اور اہل بدعت ان کے مقابلہ میں کثیر ہیں۔ اور ان کے مسائل سے انکار کرنے والے اور ان کی نافرمانی اور مخالفت کرنے والے لوگ ان کی اطاعت کرنے والوں اور ماننے والوں سے زیادہ ہوں گے۔ اب اہل حدیث قلیل ہیں اور اہل بدعت ان کے مقابلہ میں کثیر ہیں اور ان کے مسائل سے انکار کرنے والے لوگ ماننے والوں سے زیادہ ہیں۔ دوسری علامت یہ ہے کہ الذين يصلحون ما افسد الناس دوسری روایت ہے الذين يصلحون ما افسد الناس من سنتي یعنی وہ لوگ ہیں جو میری سنت کی اصلاح کریں گے جبکہ لوگوں نے ان سنتوں کو بدعات میں ملا کر بگاڑ رکھا ہو گا۔ سو یہ علامت بھی اہل حدیث جماعت میں پائی جاتی ہے۔ وہ ہمیشہ گمراہ فرقوں کی اصلاح اور ان کے عقائد باطلہ اور مسائل فاسدہ کی اصلاح میں لگے ہوئے ہیں۔

چنانچہ یہ رسالہ ہدایت مقالہ بھی اسی سلسلہ میں لکھا گیا ہے اور بروئے قرآن مجید و احادیث صحیحہ مسلمانوں کا یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ تمام مخلوقات میں انسان اشرف و اکرم ہے' واحسن تقویم میں ہے اور تمام انسانوں میں انبیاء علیہم السلام اشرف و افضل ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک جس قدر انبیاء ہوئے ہیں' وہ سب انسان تھے' نہ نوری تھے اور نہ ناری تھے بلکہ بشر خاکی تھی۔ لیکن اس کے برعکس اہل بدعت کے فرقہ غالیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ انبیاء بشر نہ تھے بلکہ نوری

تھے۔ خصوصاً جناب نبی کریم ﷺ نوری تھے بشر نہ تھے۔ بلکہ وہ تو اللہ کے نور سے اور سب اشیاء سے پہلے پیدا ہوئے کہتے ہیں اور باقی تمام مخلوق آسمان' زمین وما بینهما نبی کے نور سے پیدا ہوئی بتاتے ہیں۔ بریلوی حنفیہ کا یہی عقیدہ ہے اور دیوبندی حنفی انبیاء کرام اور سیدالانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو بشر تو مانتے ہیں لیکن آنحضور ﷺ کے نور ہونے اور اس نور سے تمام مخلوق کے پیدا ہونے کا یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں۔

چنانچہ ہمارے اس مضمون میں ان ہردو فرقوں کی بروئے قرآن و حدیث تردید کی گئی ہے کیونکہ ہردو گروہوں کے یہ عقیدے باطل ہیں اور ان کی اصلاح کرتے ہوئے اس مضمون میں کتاب و سنت کی روشنی میں یہ بتایا گیا ہے کہ سب سے اول پانی پیدا ہوا ہے اور پھر عرش بنایا گیا ہے اور آنحضور ﷺ بشر تھے اور آپ حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے پیدا ہوئے ہیں اور جن روایات کاذبہ سے یہ فرقے استدلال کرتے ہیں' وہ موضوع اور خلاف قرآن و "حدیث صحیح" ہیں۔ جن کا کتب متداولہ معتبرہ مقبولہ میں کوئی ذکر نہیں ہے اور ایسے طبقوں سے ماخوذ ہیں جو ناقابل اعتماد ہیں اور ان پر عقیدہ کا دارومدار نہیں رکھا جا سکتا ہے کیونکہ ان کا متن غریب اور سلسلہ اسناد غیر صحیح ہے۔

تا حدیث از لب آں ماہ لقا مے گویم
سخن از سلسلہ حدثنا مے گویم

سوالات

- سب سے پہلے کیا چیز پیدا ہوئی؟
- سورج پہلے آسمان پر ہے یا چوتھے پر؟

(۱) کیا فرماتے ہیں علماء اسلام اس مسئلہ میں کہ سب سے پہلے کون سی چیز پیدا ہوئی ہے۔ مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی حنفی اور ان کے ہم مشرب اور تمام بریلوی حنفیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ تمام اشیاء سے پہلے باولیت حقیقیہ جناب رسول اللہ ﷺ کا نور پیدا ہوا ہے اور نور سیر کرتا رہا اس وقت لوح' قلم وغیرہ کچھ نہ تھا۔ پھر اس نور کے چار حصے کئے گئے۔ ایک حصے سے قلم' دوسرے سے لوح محفوظ' تیسرے سے عرش اور

چہارم سے دیگر مخلوق پیدا کی گئی۔

بعض کہتے ہیں کہ سب سے اول قلم کو پیدا کیا گیا ہے' جس سے تمام علم تقدیر اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے پھر مخلوق پیدا کرنے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ سب سے پہلے عقل پیدا ہوئی ہے۔ پس استفسار یہ ہے کہ ان سب باتوں میں سے کون سی بات حق اور صحیح ہے؟ آج کل یہ مسئلہ عقائد میں شمار کیا جا رہا ہے۔ لہٰذا تحقیق سے جواب دیں۔

(۲) سورج پہلے آسمان پر ہے یا چوتھے پر ہے؟ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ سورج چوتھے آسمان پر ہے لیکن اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ اس لیے عرض ہے کہ اس مسئلہ کا بھی تحقیق سے جواب دیا جائے' آپ کی تحقیق ہم کو بہت پسند ہے۔ آپ کے مضامین میں ہر مسئلہ کتاب و سنت کی روشنی میں نہایت محققانہ ہوتا ہے۔ جس سے پڑھنے والے کو پورا اطمینان ہو جاتا ہے۔ اس لیے جواب کی تکلیف دی گئی ہے؟

السائل بندہ تابعدار

عبدالغفار دوکاندار ساکن پنج کوسی ضلع بہاولنگر اسٹیٹ بہاولپور)

جوابات

واضح ہو کہ صحیح اور تحقیقی بات یہ ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے پانی کو پیدا کیا ہے اور پھر اس پر اپنے عرش کو بنایا ہے۔ قرآن پارہ۔۱۲ کے شروع میں ہے وھو الذی خلق السموت والارض فی ستة ایام وکان عرشه علی المآء یعنی اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے چھ دن میں آسمانوں و زمین کو پیدا کیا' دراں حالیکہ اس کا عرش پانی پر تھا۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ عرش اور پانی دیگر تمام مخلوقات سے پہلے پیدا کیے گئے ہیں۔ آسمان و زمین کی پیدائش بیان کرتے ہوئے جملہ وکان عرشه علی المآء ذکر کرنے سے دو فائدے ظاہر ہوئے۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کی یہ کمال قدرت ہے کہ اس نے پانی کو اپنے حکم سے روک کر اس پر عرش کو قائم کیا جو بہت بڑا اور عظیم ہے اور وہ تمام مخلوق کو محیط ہے۔ اور دوسرا یہ کہ تمام مخلوقات آسمان و زمین فما بینهما سے پہلے اللہ تعالیٰ نے پانی اور عرش کو بنایا ہے اور جب دیگر مخلوقات بنائی

شروع کی ہے تو اس وقت پانی اور عرش موجود تھے۔ حدیث شریف سے بھی یہی بات ثابت ہے۔

چنانچہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کچھ لوگ یمن کے آئے اور انہوں نے یہ کہا کہ ہم دین سیکھنے آئے ہیں اور ہم آپ سے یہ پوچھتے ہیں کہ اس جہاں میں سب سے پہلے کیا چیز تھی؟ تب آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تھا اور اس سے پہلے کوئی شے نہ تھی' تخت اس کا پانی پر تھا پھر اس نے آسمان و زمین کو بنایا اور لوح محفوظ میں اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو لکھ لیا (رواہ البخاری و ترمذی) دیگر حدیث میں ہے کہ رزین عقیلی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ ہمارا رب خلقت پیدا کرنے سے پہلے کہاں تھا؟ تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تھا اور اس کے ساتھ کچھ نہ تھا نہ اوپر اور نہ نیچے پھر اس نے پانی پر تخت بنایا۔ یہ حدیث ترمذی میں ہے۔ ان دونوں احادیث سے یہ صاف ثابت ہوا کہ دیگر تمام مخلوقات سے پہلے عرش اور پانی تھے۔

مولانا احمد علی صاحب حنفی سہارنپوری رحمہ اللہ بخاری شریف کے حاشیہ ص۔۴۵۳' ج۔۱ میں صاف فرماتے ہیں کہ فیه دلالة علی انه لم یکن شئی غیره لا الماء ولا العرش ولا غیرهما لان کل ذالک غیر اللّٰه ویکون قوله وکان عرشه علی الماء معناه انه خلق الماء سابقا ثم خلق العرش علی الماء یعنی حدیث عمران رضی اللہ عنہ میں اس امر پر دلالت ہے کہ اللہ تعالیٰ تھا اور کوئی شے اللہ کے سوا موجود نہ تھی نہ پانی تھا اور نہ عرش تھا اور کان عرشه علی الماء کا یہ معنی ہے کہ اس نے پانی کو پہلے پیدا کیا پھر عرش کو اس پانی پر پیدا کیا۔ مشکوۃ کے باب الایمان بالقدر کی فصل اول میں بروایت مسلم حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث وارد ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ آسمان اور زمین پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کی تقدیریں لکھی ہیں' وکان عرشه علی الماء اور اس وقت اللہ کا عرش پانی پر تھا۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ تمام کائنات لوح محفوظ' قلم' آسمان' زمین وما بینھما سے پہلے پانی اور عرش موجود تھے۔ اور پانی عرش سے بھی پہلے پیدا ہوا ہے۔

چنانچہ حدیث رزین میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ پس ان صحیح احادیث سے دیگر تمام اشیاء نور نبوی' عقل' قلم وغیرہ کا عدم ابتدا ثابت ہوا۔ فتح الباری ج۔۳' ص۔۱۸۶ میں

ہے روایۃ الباب اصرح فی العدم یعنی حدیث باب جو عمران سے مروی ہے یہ دیگر اشیاء کے عدم پر بہت صریح ہے۔ نیز لکھا ہے وکان عرشہ علی الماء کا معنی یہ ہے کہ پہلے پانی پیدا کیا ہے اور پھر پانی پر عرش کو پیدا کیا ہے۔ نیز فتح الباری میں ہے کہ حدیث عمران کے الفاظ لم یکن شیئی غیرہ میں اس بات پر دلالت ہے کہ اللہ تعالیٰ تھا اور اس سے پہلے کوئی چیز نہ تھی۔ نہ پانی' نہ عرش اور نہ کوئی اور چیز۔ پھر اس نے پانی پیدا کیا اور اس پر عرش کو بنایا۔ پس غیر اللہ کے وجود کی ابتداء میں نفی کر کے سائلین کے اول الامر سوال پر پانی اور عرش کا ذکر کرنا صاف ثابت کرتا ہے کہ نور محمدی اور عقل پہلے پیدا نہیں ہوئے ہیں اور جو روایات نور محمدی کے ابتدا پیدائش کے ثبوت میں ذکر کی جاتی ہیں وہ سب باطل اور مردود ہیں۔

احادیث صحیحہ طبقہ اولیٰ و ثانیہ سے پانی اور عرش کی ابتداء پیدائش باولیت حقیقیہ ثابت ہے۔ مقلد حنفی خواہ چودہ علمی ہو' اس کو علم حدیث کی معرفت اور تفقہ حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر علماء حنفیہ جن میں دیوبند کے حکیم الامتہ مولوی اشرف علی صاحب بھی داخل ہیں' اس مسئلہ میں صریح دھوکہ کھائے ہوئے ہیں۔ حالانکہ یہ مسئلہ صاف روشن ہے۔ فتح الباری میں ہے: وقد وقع فی قصۃ نافع بن زید الحمیری کان عرشہ علی الماء ثم خلق القلم فقال اکتب ماھو کائن ثم خلق السموت والارض وما فیھن واستوی علی عرشہ فصرح بترتیب المخلوقات بعد الماء والعرش۔ یعنی نافع بن زید حمیری کے قصہ میں یہ وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا' پھر اس نے قلم کو پیدا کیا اور اس کو حکم دیا کہ جو کچھ پیدا ہونے والا ہے' سب لکھ دے۔ پھر اس نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو مخلوق ان میں ہے سب کو پیدا کیا۔ اور پھر اپنے عرش پر بلند ہوا۔ پس اس میں پانی اور عرش کے بعد تمام مخلوقات کی ترتیب پیدائش صریح طور پر بیان کر دی ہے۔

فتح الباری میں علامہ طیبی سے منقول ہے: اشار بقولہ وکان عرشہ علی الماء الی ان الماء والعرش کانا مبداء ھذا العالم۔ یعنی ارشاد نبوی وکان عرشہ علی الماء میں صاف اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ پانی اور عرش اس جہان کا مبداء ہیں۔ یعنی ان سے پہلے کوئی چیز ماسوا خالق موجود نہ تھی۔ نیز فتح الباری میں یہ لکھا ہے: وقد

روی احمد والترمذی وصححه من حدیث ابی رزین العقیلی مرفوعاً ان الماء خلق قبل العرش یعنی امام احمد اور ترمذی نے حدیث ابورزین عقیلی سے مرفوعاً روایت کی ہے' جس کو امام ترمذی نے صحیح قرار دیا ہے۔ اس میں یہ ذکر ہے کہ پانی عرش سے پہلے پیدا ہوا ہے۔ پھر کہا ہے: روی السدی باسانید متعددۃ ان اللہ لم یخلق شیئا مما خلق قبل الماء (فتح الباری) یعنی امام سدی نے متعدد سندوں سے اس امر کو روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پانی سے پہلے اپنی مخلوق میں سے کوئی چیز پیدا نہیں کی۔

مشکوۃ میں قلم کی بابت یہ روایت وارد ہے کہ اول ما خلق اللہ القلم یعنی آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سب مخلوق سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا۔ اس کی بابت فتح الباری میں یہ لکھا ہے کہ واما ما رواہ احمد والترمذی وصححہ من حدیث عبادۃ بن الصامت مرفوعاً اول ما خلق اللہ القلم ثم قال اکتب فجری بما ھو کائن الی یوم القیمۃ فیجمع بینہ وبین ماقبلہ بان اولیۃ القلم بالنسبۃ الی ماعدا الماء والعرش او بالنسبۃ ما صدر من الکتابۃ یعنی عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے جو حدیث مروی ہے' جس کو امام احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے۔ جس میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ سب مخلوق سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا پھر اس کو حکم دیا کہ قیامت تک ہونے والی اشیاء کو لکھ' تب قلم نے سب کچھ لکھ دیا۔

اس حدیث کی پہلی احادیث سے مطابقت یوں کی جائے گی کہ قلم کی اولیت پانی اور عرش کے علاوہ دیگر مخلوق کی نسبت ہے یا قلم سے جو لکھنے میں صادر ہوا ہے اس کی نسبت اولیت ہے۔ الغرض یہ اولیت اضافیہ ہے' حقیقتاً نہیں ہے۔ حقیقی اولیت پانی اور عرش کو حاصل ہے جن کے متعلق نصوص قطعیہ وارد ہو چکے ہیں۔ پھر فتح الباری میں حدیث اول ما خلق اللہ العقل کے متعلق یہ لکھا ہے کہ واما حدیث اول ما خلق العقل فلیس لہ طریق ثبت وعلی تقدیر ثبوبۃ فھذا التقدیر الاخیار ھو تاویلہ' الخ۔ یعنی یہ حدیث کہ سب سے پہلے عقل پیدا کی گئی ہے' اس کی کوئی سند صحیح ثابت نہیں ہے۔ اگر اس کا ثبوت فرض کیا جائے تو اس کی وہی تاویل کی ہے کہ یہ اولیت

حقیقیہ نہیں ہے' اضافیہ ہے۔ یعنی پانی اور عرش کے بعد اس کو پیدا کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حدیث لما خلق اللّٰہ العقل مشکوۃ کے باب الانذر والتانی میں ہے' اس پر لکھا ہے کہ وقد تکلم فیه بعض العلماء یعنی اس حدیث پر بعض علماء نے جرح کی ہے۔ مشکوۃ کے حاشیہ پر مرقاۃ سے منقول ہے: قال السخاوی فی المقاصد انه کذب موضوع اتفاقا" یعنی امام سخاوی نے مقاصد میں کہا ہے کہ یہ حدیث بالاتفاق جھوٹ اور بناوٹی ہے۔ موضوعات ملا علی قاری کے ص-۲۵ میں ہے: قال ابن تیمیه وتبعه غیره انه کذب موضوع بالاتفاق کذا فی المقاصد یعنی امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ شیخ الاسلام اور ان کے متبعین علماء نے اس حدیث کو جھوٹی اور موضوع قرار دیا ہے۔ قال العراقی اخرجه الطبرانی فی الکبیر والاوسط ابونعیم باسنادین ضعیفین یعنی عراقی نے کہا ہے کہ اس روایت کو طبرانی نے کبیر اور اوسط میں دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور وہ دونوں سندیں ضعیف ہیں۔ ابو نعیم نے بھی روایت کیا ہے پھر ص-۲۷ پر مولانا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ والوارد فی اول ماخلق اللّٰہ حدیث اول ماخلق اللّٰہ القلم وھو اثبت من حدیث العقل یعنی اول مخلوق کے بارہ میں حدیث اول ماخلق اللّٰہ القلم وارد ہے جو "حدیث عقل" سے زیادہ ثابت ہے۔ بہرحال یہ حدیث عقل کمزور ہے' جو احادیث صحیحہ کا معارضہ نہیں کر سکتی پھر عقل کوئی مجسمہ چیز نہیں ہے۔ یہ تو معنوی چیز ہے جو اہل عقل کے متعلق ہے۔ جب وہ پیدا ہوئے تب ان میں عقل بھی پیدا ہوئی' اس کو الگ مستقل مخلوق کی صورت میں پیدا کرنا ثابت نہیں' فتفکر۔

موضوعات ملا علی قاری میں متعدد جگہ اس حدیث کا ذکر ہے۔ لیکن آخری فیصلہ یہ ہے کہ لا یصح فی العقل حدیث یعنی عقل کی پیدائش کے متعلق کوئی حدیث صحیح ثابت نہیں ہے۔ اسی طرح "نور محمدی" کے متعلق چند روایات پیش کرتے ہیں' جن کی بنا پر ان کا عقیدہ ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا نور پیدا کیا ہے اور پھر نور کے چار حصے کئے۔ ایک سے قلم' دوسرے سے لوح محفوظ' تیسرے سے عرش اور چوتھے سے دیگر مخلوق آسمان' زمین' ارواح' ملائکہ وغیرہ پیدا کئے۔ چنانچہ مولوی اشرف علی صاحب حکیم الامت حنفیہ نے نشر الطیب فی ذکر النبی

الحبیب کے ص–۵ سے ص–۳۲ تک ان روایات کو جو موضوعات اور ضعیفات کا ایک انبار ہے' نقل کیا ہے۔ اور یہ کہا ہے کہ ان سے نور محمدی کا اول الخلق ہونا باولیت حقیقیہ ثابت ہوا۔ حالانکہ یہ سراسر باطل اور مردود ہے۔ کیونکہ روایات منقولہ بالکل ساقط الاعتبار اور ناقابل قبول ہیں اور احادیث صحیحہ طبقہ اولی اور ثانیہ کے سراسر خلاف ہیں۔ اور خلاف تصریحات سلف صالحین اور علماء محققین ہیں۔ ایسی خرافات اور موضوع روایات قصص الانبیاء اور نور نامہ اور دیگر کتب سیرت میں مذکور ہیں جن پر اس عقیدۂ مردود کا دارومدار ہے۔

مولوی اشرف صاحب کے نام سے ایک کتاب دو حصہ میں بوادر النوادر نامی شائع ہوئی ہے جو ان کی آخری تصنیفات سے بتلائی جاتی ہے۔ اس کے نادرہ صفحہ–۱۳ میں کسی نے سوال کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا بول و براز خصوصاً ہمارے رسول اکرم ﷺ کے فضلات پاک تھے کیونکہ آپ سراپا نور تھے اور انبیاء علیہم السلام کے بول و براز کو زمین فوراً ہضم کر جاتی ہے۔ یہ روایات صحیح ہیں یا غلط؟ ایک واعظ یہاں تشریف لائے تھے' انہوں نے بیان کیں تھی۔ اس کے جواب میں مولوی اشرف علی صاحب فرماتے ہیں کہ خواہ مخواہ انہوں نے ایسی باتیں بیان کر کے مسلمانوں کو پریشان کیا جو نہ عقائد ضروریہ میں سے ہیں نہ احکام میں سے۔ بیان کرنے کی چیز عقائد و احکام ہیں' نہ کہ ایسی روایات جن پر دوسری اقوام بھی ہنسیں۔ ایسی روایات بعض غیر معتبر(۱۔) کتابوں میں آئی ہیں۔ جن کی نہ تصدیق واجب ہے کیونکہ سند صحیح نہیں اور نہ تکذیب واجب ہے۔ اس لیے کہ فی نفسہ ممکن ہے ایسے واعظوں کا وعظ ہی کیوں سنا جاتا ہے۔ اور ان سے مطالبہ سند کا کیوں نہ کیا گیا۔ اسی جلسہ میں حقیقت کھل جاتی۔ (ص–۳۹۳' ج–۲)

(۱۔) یہاں لفظ "غیر" کاتب سے رہ گیا۔ معلوم ہوتا ہے اصل میں غیر معتبر الفاظ ہیں۔

سائل کے پاس جب یہ جواب بصورت فتویٰ پہنچا تو اس کو تسکین نہ ہوئی کیونکہ یہی روایات مردودہ مولوی اشرف علی نے خود نشرالطیب میں نشر کر رکھی تھیں۔ جس سے وہ آیت کبر مقتا عنداللّٰہ ان تقولوا مالا تفعلون کے مصداق بن گئے تھے۔ اس لیے سائل نے دوبارہ یہ سوال کیا کہ جواب سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ روایات مذکورہ

ضعیف ہیں اور ان کی کوئی سند نہیں۔ ایک صاحب کو نشرالطیب میں انہیں روایات کو دیکھنے کا اتفاق ہوا' انہوں نے نشرالطیب کے ص-۱۳۵ و ص-۱۳۶ مجھ کو دکھلائے۔ اب وہ فتویٰ اور یہ تحریر معلوم ہوتی ہیں' الخ۔ جواب جلد عطا فرمایئے تاکہ تسکین ہو۔ اب اس تعارض کے رفع کرنے کے لیے مولوی اشرف علی عدالت کے کمزور وکیل کی طرح ناجائز کوشش کرتے ہیں' جو قابل دید و شنید ہے۔ ص-۳۹۲ پر فرماتے ہیں ضعیف بلاسند نہیں ہوتی بلکہ سند ضعیف ہوتی ہے جو عقائد میں حجت نہیں' فضائل میں کھپ جاتی ہے۔ میں نے تحریر سابق میں یہی لکھا ہے کہ سند صحیح نہیں تو ان دو تحریروں میں تضاد نہیں۔ کیونکہ ضعیف کی نفی نہیں کی اور اس ضعف سند ہی سے ایسی کتابوں کو غیر معتبر بتلایا تھا کیونکہ معتبر صحیح کو کہتے ہیں' ضعیف کو نہیں کہتے۔ باقی یہ کہ پھر کتاب میں کیوں لکھا۔ سو کتاب تو فضائل میں ہے عقائد و احکام میں نہیں ...... بخلاف وعظ کے وہ عقائد و احکام کی تعلیم کے لیے ہوتا ہے' اس میں ایسے مضامین نہیں کھپتے۔ دوسرے وعظ سننے والے اکثر کم فہم ہوتے ہیں۔ اور کتاب پڑھنے والے اکثر فہیم۔(اھ)

اب ذرا نشرالطیب کی عبارت بھی ملاحظہ کرلیں جس کا سائل نے حوالہ دیا ہے۔ کتاب مذکورہ کے ص-۱۴۹ پر ہے کہ مروی ہے کہ جب آپ بیت الخلا میں جاتے تو زمین پھٹ جاتی اور آپ کے بول و براز کو نگل جاتی اور اس جگہ نہایت پاکیزہ خوشبو آتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسی طرح روایت کیا ہے اور اسی لیے علماء آپ کے بول و براز کے طاہر ہونے کے قائل ہوئے ہیں۔

مولوی محمد اشرف علی کی علمیت کا مظاہرہ ⇐ اب مولانا اشرف علی صاحب کی علمیت ملاحظہ فرمایئے کہ زمین کا آنحضور ﷺ کے پاخانہ کو ہضم کر جانا جس حدیث میں مذکور ہے وہ موضوع ہے۔ لیکن مولوی اشرف علی صاحب اس کو ضعیف قرار دے رہے ہیں۔ سیرۃ النبی ج-۳' ص-۷۷۵ میں یہ روایت ہے کہ "آپ قضا حاجت سے واپس آتے تھے تو وہاں کوئی نجاست باقی نہیں رہتی تھی' یہ سرتاپا موضوع ہے" اس کی تفصیل زرقانی شرح مواہب لدنیہ کی پانچویں جلد میں ہے' جہاں ایسی روایات کو مع تنقید جمع کیا گیا ہے۔ جب یہ روایت موضوع ہے تب مولوی اشرف علی صاحب کا مندرجہ ذیل فیصلہ مدنظر رکھنا ضروری ہے جو بوادر النوادر ج-۱' ص-۱۵۴ میں درج ہے

کہ موضوع کی اشاعت و روایت نصاً" اور اجماعاً" حرام بلکہ بعض محدثین کے نزدیک کفر ہے۔

نیز یہ بھی لکھتے ہیں کہ شرع میں حکم ہے کہ جو بات ہو خوب تحقیق کے بعد اس کو معتبر سمجھو" اب اس فیصلہ کی رو سے یہ بات جان لیں کہ مولوی اشرف علی اور بعض واعظوں کا "بول و براز نبوی" کو پاک قرار دینا اور زمین کا اس کو نگل جانا اور وہاں سے خوشبو کا آنا بالکل جھوٹ ہے اور اس بارہ میں جو روایت ہے وہ موضوع ہے۔ اور مولوی اشرف علی کا اس روایت موضوع اور دیگر روایات موضوعہ جو نشرالطیب میں درج ہیں' اشاعت کرنا حرام اور کفر ہوا جس کا ارتکاب مولوی اشرف علی نے کیا اور لوگوں کو پریشانی میں ڈالا ہے۔ اور پھر مولوی اشرف علی کی دیانت داری ملاحظہ کریں کہ اگر کسی واعظ نے ان روایات کو بیان کر دیا تو وہ قابل مضحکہ اقوام اور موجب پریشانی مسلماناں ہوا۔ اور سند کے مطالبہ سے ان واعظوں کی حقیقت کھل جانے کی خبر دی اور اگر خود یہ فعل کیا تو نہ قابل مضحکہ ہوا ورنہ پریشانی کا سبب بنا بلکہ اس کا جواز نکل لیا کہ میری کتاب فضائل میں ہے۔ اس میں ایسی روایات کی کھپت ہو جاتی ہے۔ حالانکہ خود بھی اس سے یہ استدلال ظاہر کر رہے ہیں کہ اسی لیے علماء آپ کے بول و براز کے طاہر ہونے کے قائل ہیں۔ یہ عقیدہ ہے یا حکم ہے یا فضیلت؟

میں کہتا ہوں کہ خواہ کچھ بھی ہو بہرحال اس روایت کا ذکر کرنا اور اس سے استدلال کرنا باطل ہے۔ جیسے واعظ کے لیے ناجائز تھا۔ ایسے ہی آپ کے لیے بھی ناجائز تھا' اپنے لیے اس کو جائز کرنا اور واعظ کے لیے ناجائز بتانا اور ایک ہی روایت کے مضمون کو عقیدہ بھی اور حکم بھی قرار دینا اور اسی کو فضیلت بھی بتا دینا صریح دیانت کے خلاف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت موضوع ہے۔ اور بغیر خوب تحقیق کے شرع کا اس پر حکم بیان کرنا جرات و نادانی ہے' فتدبر

بس اسی طرح یہ سمجھ لیں کہ "نور محمدی" کے متعلق جتنی روایات مولوی اشرف علی نے نقل و ذکر کی ہیں' وہ سب موضوع اور جھوٹی ہیں۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ آپ نے نشرالطیب کے ص-۵ کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ "روایات هذا الفصل کلها من المواهب" یعنی اس فصل میں جو روایتیں نقل کی گئی ہیں یہ سب مواہب لدنیہ کی

ہیں۔ مواہب لدنیہ کوئی حدیث کی مستند کتاب نہیں ہے بلکہ یہ سیرت کی کتاب ہے جس میں ضعیف اور موضوع روایتیں بکثرت بھری ہوئی ہیں۔ چنانچہ مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم رحمۃ اللہ علیہ نے سیرۃ النبی جو علامہ شبلی کی طرف سے شائع کی ہے وہ ہر دو فاضلوں کی مسلمہ ہے۔ اور تمام علماء کے نزدیک بڑی مستند سمجھی گئی ہے۔ اس کی جلد اول میں سیرت کی کتابوں کا تجزیہ کرتے ہوئے مواہب لدنیہ کے متعلق یہ لکھا ہے کہ "یہ کتاب اگرچہ نہایت مفصل ہے لیکن ہزاروں موضوع اور غلط روایتیں بھی موجود ہیں۔ (حصہ اول ص۔۳۷)

پس صحاح ستہ کو جو احادیث نبویہ کا مستند ذخیرہ ہے' چھوڑ کر ایک غیر مستند کتاب جس میں ہزاروں موضوع اور غلط روایتیں ہیں' پیش کرنا صریح غلطی ہے۔ جب اس کتاب کا یہ حال ہے تو اس کی روایات قابل قبول نہیں ہیں جب تک کہ ان روایات کا اصل ماخذ کوئی مستند کتاب پیش نہ کی جائے یا ان کی سندوں کے جملہ راویوں کی ثقاہت ثابت نہ کی جائے' کما لا یخفٰی علٰی اهل العلم بالحدیث۔

مولوی اشرف علی کی نقل کردہ جملہ روایات متعلقہ نور محمدی بالکل غلط اور موضوع ہیں اور ان کی اشاعت کرنا جرم عظیم ہے۔ چنانچہ مولانا شبلی نعمانی مرحوم رحمۃ اللہ علیہ رئیس الحنفیہ سیرۃ النبی کی ج۔۳' ص۔۷۳۷ پر ان روایات کے متعلق ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اول ما خلق الله نوری یعنی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور پیدا کیا۔" کی روایت عام طور پر زبانوں پر جاری ہے۔ مگر اس روایت کا پتہ احادیث کے دفتر میں مجھے نہیں ملا' (اھ)۔

میں کہتا ہوں کہ یہ روایت اور اس کی مثل دیگر روایات سب بناوٹی ہیں۔ مولانا عبدالحی صاحب حنفی لکھنوی اپنی کتاب آثار مرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ ص۔۴۳۔۲۷ پر فرماتے ہیں کہ کل ذالک کذب مفتری باتفاق اهل العلم بحدیثه یعنی یہ تمام روایتیں جھوٹی ہیں جو باتفاق اہل علم گھڑی گئی ہیں۔ پھر مولانا ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں البتہ ایک روایت مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ یاجابر اول ما خلق الله نور نبیک من نوره' الخ۔ زرقانی نے اس روایت کو نقل کیا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اس کی سند نہیں لکھی۔ ہندوستان میں مصنف عبدالرزاق کی گو دوسری جلد ملتی ہے مگر پہلی نہیں ملتی۔

دوسری جلد دیکھ لی گئی' اس میں یہ حدیث مذکور نہیں۔ اس لیے اس روایت کی تنقید نہ ہو سکی اور چونکہ کتاب مذکور میں صحیح احادیث کے ساتھ موضوع احادیث تک موجود ہیں اور فضائل اور مناقب میں اس کی روایتوں کا اعتبار کم پایا جاتا ہے' اس لیے اصولی حیثیت سے اس روایت کے تسلیم کرنے میں پس و پیش ہے۔ اس تردد کو قوت اس سے اور بھی زیادہ ہوتی ہے کہ صحیح احادیث میں مخلوقات الٰہی سب سے پہلے قلم تقدیر کی پیدائش کا تصریحی بیان ہے کہ "اول ما خلق اللہ القلم" (ج-۳' ص-۷۳۷)

مولانا ندوی رحمہ اللہ نے اصولی حیثیت سے حق بات تو کہہ دی جزاہ اللہ تعالیٰ خیرا"۔ لیکن کچھ حنفی بھائیوں کی رعایت ملحوظ رکھی ہے ورنہ یہ روایت صاف مردود ہے۔ اس کے مردود اور باطل ہونے کی مندرجہ ذیل وجوہ ہیں۔

اول یہ کہ یہ روایت طبقہ اولیٰ موطا امام مالک' صحیح بخاری' صحیح مسلم جو اصح الکتب ہیں' کے مخالف ہے بلکہ قرآن کے بھی خلاف ہے۔ قرآن اور احادیث صحیحہ سے اول الخلق پانی اور عرش ثابت ہیں' کما ذکرنا سابقا۔ دوم یہ روایت کتب سیرت میں بے سند ہے اور روایت بے سند مردود ہے۔ سوم اس روایت کا ماخذ مصنف عبدالرزاق ہے اور وہ طبقہ ثالثہ کی کتاب ہے جس کے متعلق جناب شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے عجالہ نافعہ میں یہ لکھا ہے کہ اس طبقہ کے مصنفین نے احادیث کی صحت کا التزام نہیں کیا ہے۔ ان میں صحیح' حسن' ضعیف' موضوع سب قسم کی روایات پائی جاتی ہیں۔ اور ان کے راوی مستورالحال اور مجہول ہیں۔ پھر لکھتے ہیں اکثر احادیث معمول بہ نزد فقہاء شدہ اند بلکہ اجماع بخلاف آنہا منعقد گشتہ۔ یعنی ان کتابوں کی اکثر روایتیں فقہاء المحدثین کے نزدیک قابل عمل نہیں ہیں۔ بلکہ اجماع ان کے خلاف منعقد ہے۔

چہارم خود عبدالرزاق کے متعلق دو عیب ہیں۔ ایک یہ کہ وہ شیعہ ہیں۔ اس لیے مناقب و فضائل میں اس کی روایت کا اعتبار کم ہے۔ دوسرا یہ کہ آخر عمر میں ان کی بصارت جاتی رہی تھی۔ اس لیے اس زمانہ کی احادیث ناقابل سند ہیں۔ (سیرۃ النبی ج-۱' ص-۳۳) پنجم مصنف عبدالرزاق میں اس روایت کا موجود ہونا بھی مخدوش ہے۔ ششم یہ روایت طبقہ ثانیہ کے' جس میں سنن اربعہ ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ اور ترمذی

داخل ہیں' بھی خلاف ہے۔ کیونکہ ان سے پانی' عرش اور قلم کی اولیت ثابت ہو چکی ہے۔ بوقت تعارض احادیث طبقہ ثانیہ طبقہ سوم کی روایات سے مقدم ہیں۔ خصوصاً جب طبقہ اولیٰ اور ثانیہ کے خلاف ہو تو وہ روایت بالکل ہی مردود ہے۔ اصول حدیث میں یہ مسئلہ خوب واضح طور پر موجود ہے۔

ہفتم یہ مسئلہ عقائد سے ہے' نہ کہ احکام اور فضائل سے۔ اس لیے اہل یمن نے تفقہ فی الدین حاصل کرنے کے لیے اول الاشیاء سے سوال کیا تھا۔ جس کا جواب آنحضور ﷺ نے یہ دیا کہ اول اللہ تھا اور اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی۔ پھر تخت اس کا پانی پر تھا جبکہ اس نے آسمان زمین وما بینھما بنائے ہیں۔ اب جو روایت اس عقیدہ کے خلاف دوسرا عقیدہ ظاہر کرے' وہ قطعی الصحت ہونی ضروری ہے۔ ظنی الثبوت اور مخدوش ناقابل قبول ہو گی۔ چنانچہ مولانا اشرف علی صاحب بوادر النوادر کی گذشتہ عبارت میں کچھ تصریح کر چکے ہیں اور ج-۲' ص-۷۴۳ میں مزید لکھتے ہیں کہ اصول موضوع (۱) عقائد قطعیہ کے لیے ضرورت ہے دلیل قطعی کی جو ثبوتاً" بھی قطعی ہو اور دلالتاً" بھی قطعی ہو۔ (۲) عقائد ظنیہ کے لیے ظنی دلیل کافی ہے۔ بشرطیکہ اپنے مافوق کے ساتھ معارض نہ ہو' ورنہ دلیل مافوق ماخوذ ہو گی اور یہ دلیل متروک ہو گی۔ پس اس اصول موضوعہ کی رو سے بھی ہمارے دلائل قطعیہ کو فوقیت اور تقدم حاصل ہے اور مولوی اشرف علی کے دلائل کمزور ہیں۔ کیونکہ اول تو وہ سرے سے ہی مخدوش ہیں۔ دوم علی وجہ التسلیم یہ روایت ظنیہ ہیں جو اپنے مافوق قطعی الصحت کے معارض ہیں۔ لہٰذا متروک ہیں۔ ہشتم ان روایتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا کیا۔ اس سے ذات نبی کا ذات الٰہی کا جز ہونا لازم آتا ہے۔ اور یہ عقیدہ کفر ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے کہ وجعلوا له من عباده جزء" ان الانسان لکفور مبین۝ یعنی کفار اللہ کے بندوں کو اللہ کے جزء قرار دیتے ہیں۔ تحقیق انسان ایسے عقیدہ والے صاف کافر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہل بدعت مشرکین یہ شعر پڑھتے ہیں۔

وہی جو مستوی تھا عرش پر خدا ہو کر
اتر پڑا مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر

اور انہی مشرکوں نے یہ حدیث گھڑ کر آنحضور ﷺ کی طرف نسبت کی کہ انا عرب بلا عین وانا احمد بلا میم یعنی میں عرب بلا عین ہوں (یعنی رب ہوں) اور میں احمد بلا میم ہوں۔ (یعنی احد ہوں) اور احد اللہ کا نام ہے جیسے فرمایا قل ھو اللہ احد۔ درصل یہ عقیدہ بنیاد ہے ہمہ اوست والے عقیدہ کی جو وجودی فرقہ کا مشہور عقیدہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے نبی کا نور پیدا کیا اور پھر اس نور کے چار حصے کر کے تمام کائنات اسی سے بنائی ہے۔ چنانچہ اہل بدعت اسی حدیث سے سند پکڑ کر اپنی کتابوں میں ایسے فاسد عقائد شائع کرتے ہیں۔ رسالہ بشر نامہ ص-۲ پر ایک بدعتی مسمی جلال الدین لکھتا ہے۔ حدیث قدسی انا من نور اللّٰہ وکل شئی من نوری یعنی میں اللہ کے نور سے ہوں اور مجھ سے کل شی اٹھارہ ہزار عالم۔" پھر کہتا ہے گویا کل مخلوقات ایک پوشیدہ گنج بیج میں تھی جس طرح کل درخت بیج میں ہوتا ہے۔"

نیز ص-۳ میں ہے۔

کپڑے اندروں پچھانی برف اندر سب پانی
لہراں بحراں دے وچ دریا دیر غیر نہ جانی

نیز ص-۴ میں ہے۔

کیا نور احمدی کا چمن میں ظہور ہے
ہر گل میں ہر شجر میں محمد کا نور ہے
نشان و بے نشاں اندر محمد ہی محمد ہے
مکان و لا مکاں اندر محمد ہی محمد ہے

پھر ص-۹ پر لکھتا ہے:

"اے طالب صادق دیکھا! پہلے خدا اور رسول قرآن پاک اور احادیث سے ایک ثابت کر کے دکھائے جس میں کوئی شک و شبہ نہیں رہا جو شک کرے وہ مشرک ہے۔"

پھر ص-۲۵ پر لکھتا ہے۔

سن جوتی سن کپڑے ٹوپی سنے خدا

جھڑا اس وچ شک کرے اسنوں مرض سودا

نیز ص-۷ پر یہ کہتا ہے:

"کہ حضرت آدم کو قرآن میں صفی اللہ' نوح کو نجی اللہ' ابراہیم کو خلیل اللہ' اسماعیل کو ذبیح اللہ' داؤد کو خلیفتہ اللہ' موسیٰ کو کلیم اللہ' عیسیٰ کو روح اللہ اور محمد رسول اللہ ﷺ کو حبیب اللہ فرمایا- یہاں اب ذرا سوچنے کی بات ہے کہ لفظ حبیب ہم جنس پر بولا جاتا ہے- اب بتاؤ کیا فرق رہ گیا؟" (اھ)

نیز ص-۱۸ پر ہے-

اندر باہر نے روشنیاں اکو جان تجلی
منہ میرا پر زیب نہیں دیندا ہیگا سارا اللہ

خلاصہ ان عبارات کا یہ ہے کہ حدیث موضوع نور نبیک من نورہ کو حدیث قدسی معتبر صحیح قرار دے کر تمام کائنات اس نور سے پیدا شدہ قرار دی ہے- اور تمام چیزوں کو ایک ذات الٰہی ٹھہرا دیا ہے- اللہ کی صفت ہے لیس کمثلہ شئی کہ اللہ تعالٰی کی مثل کوئی شے نہیں ہے- لیکن بشرنامہ کا مصنف لکھتا ہے کہ چونکہ سب چیزیں اسی کے نور سے ہیں' اس لیے یہ بھی سب بے مثل ہیں- ذرا سوچ کر دیکھو تو سہی- ہر ایک جانور کیا' حیوان کیا' انسان کیا' چرند کیا' پرند کا کھوج کسی دوسرے کے ساتھ ہرگز ہرگز نہیں ملتا- بلکہ یہاں تک تو سب جانتے ہیں کہ ایک انسان کا انگوٹھا کسی دوسرے انسان سے نہیں ملتا- ص-۲۱ پر ع "ہر ایک چیز بے مثل ہے سنیں توں یار پیارے"

پھر ص-۵ پر ایک روایت گھڑ کر لکھی ہے کہ حدیث "خلق صورۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کصورتہ" یعنی اللہ نے محمد ﷺ کی صورت اپنی صورت کی مثل پیدا کی-" الغرض اس کتاب اور اس جیسی دیگر کتب فرقہ بریلویہ میں اسی طرح مشرکانہ بکواس و خرافات ہیں اور وہ انہی موضوع روایتوں سے یہ عقائد فاسدہ پیدا کر کے عوام میں شائع کر رہے ہیں' جن کو مولوی اشرف علی نے جمع کیا ہے- پس دیوبندی اور بریلوی دونوں فرقے حنفی بھائی بھائی ہیں' جو مل کر کے موضوع روایتوں سے گمراہی پھیلا رہے ہیں- مولوی اشرف علی نے بریلوی مشرکوں سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے

ایک اور چال چلائی ہے۔

چنانچہ اس موضوع روایت پر کہ اللہ سے نبی کا نور اور اس نور سے تمام اشیاء بنی ہیں' حاشیہ پر یہ لکھا ہے کہ ظاہرا" نور محمدی سے روح محمدی عبارت ہے اور حقیقت روح کی اکثر محققین کے قول پر مادہ سے مجرد ہے اور مجرد کا مادیات کے لیے مادہ ہونا ضروری نہیں۔ پس ظاہرا" اسی نور کے فیض سے کوئی مادہ بنایا گیا ہے کہ اس مادہ کے چار حصے کئے گئے' الخ۔ اور اس مادہ سے پھر کسی مجرد کا بننا اس طرح ممکن ہے کہ وہ مادہ اس چیز کا جزو نہ ہو بلکہ کسی طریق سے محض اس کا سبب خارج عن الذات ہو۔ (حاشیہ ص-۵)

ناظرین اہل علم! ذرا انصاف سے غور فرمائیں کہ ایک موضوع روایت کے جال میں پھنس کر مولوی اشرف علی نے کتنی ہیرا پھیریاں بے جا تاویلیں جو صریح اسرائیلی خرافات اور مروجہ انجیلی بکواسات ہیں۔ نشرالطیب کے متن اور حاشیہ میں درج کی ہیں۔ متن میں نور محمدی کو تسلیم کر کے اس سے تمام کائنات پیدا شدہ لکھی ہے۔ پھر حاشیہ میں اس نور سے مراد روح لیا ہے۔ پھر روح مجرد سے مادیات کا پیدا ہونا غیر مناسب جان کر اس فیض سے کوئی اور مادہ مخلوق مانا ہے۔ جب اس سے ارواح اور ملائکہ وغیرہ مجردات کا پیدا ہونا قبیح معلوم ہوا تو اس کو جزو نہ مانتے ہوئے کوئی دیگر مجہول سبب خارج عن الذات تصور کر لیا۔

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا ے رود دیوار کج

حقیقت یہ ہے کہ سب سے اول نور محمدی کا پیدا ہونا اور پھر اس سے تمام مخلوق کا پیدا ہونا ہی باطل ہے۔ اور جس روایت پر ان خیالات اور توہمات کی تعمیر کی گئی ہے وہ جھوٹی کسی کی گھڑی ہوئی ہے۔ اس لیے قرون اولیٰ میں اس طرح کے خیالات نہیں پائے گئے اور نہ محدثین اور مجتہدین نے یہ کہیں بیان کئے ہیں۔ یہ مقلدین متاخرین اور مؤرخین غالین کی ایجادات ہیں۔ مسلمانوں کو ایسے خیالات فاسدہ سے بچنا ضروری ہے۔ اور گروہ غالیہ کے حکیم الامت جس حکمت کے پردہ میں ضلالت پھیلا رہے ہیں' اس سے دور رہنا واجب ہے۔

نہم اس روایت نور کے باطل ہونے کی یہ وجہ ہے کہ متقدمین سابقین میں سے یہ کسی کا مذہب نہیں ہے کہ سب سے پہلے نور محمدی پیدا ہوا ہے اور پھر اس نور سے تمام کائنات پیدا کی گئی ہے بلکہ اس کے برعکس لکھا ہے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل عبارات سے یہ امر بخوبی واضح ہے۔ فتح الباری جز۔۱۳' ص۔۱۸۶ میں ابوالعلاء ہمدانی بیان کرتے ہیں کہ اس بات میں اختلاف ہے کہ عرش پہلے پیدا ہوا ہے۔ ابن جریر اور ان کے تابعداروں نے دوسرا قول اختیار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قلم پہلے پیدا ہوا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ پانچ سو برس کی مسافت میں اللہ نے لوح محفوظ پیدا کی پھر قلم کو باقی مخلوق پیدا کرنے سے پہلے یہ حکم دیا "لکھ" اس حال میں خدا کا عرش پانی پر تھا۔ قلم نے کہا کہ کیا لکھوں؟ فرمایا قیامت تک میرا علم میری مخلوق میں لکھ یعنی علم تقدیر۔ اس سے عرش کا علم سے پہلے پیدا ہونا ظاہر ہے اور کتاب الاسماء والصفات بیہقی میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا پھر اس کو فرمایا "لکھ" کہا اے رب میرے کیا لکھوں؟ فرمایا تقدیر۔ پس قلم نے جو کچھ قیامت تک ہونے والا تھا سب لکھ دیا۔ اور مجاہد سے روایت ہے کہ ابتداء مخلوق کی عرش پانی اور ہوا سے ہے۔ اور زمین پانی سے پیدا کی گئی۔ ان روایتوں میں موافقت صاف ظاہر ہے۔

ابن کثیر ج۔۵' ص۔۴۳۸ اور کتاب الاسماء والصفات ص۔۲۷۱ میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ وکان عرشہ علی الماء پانی کس شے پر تھا۔ تو انہوں نے فرمایا ہوا پر۔ کتاب الاسماء ص۔۲۹۴ میں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ **قال اجری النار علی الماء فبخر البحر فصعد فی الھواء فجعل السموت منہ** یعنی اللہ تعالیٰ نے پانی پر آگ جاری کی تو دریا میں بخارات پیدا ہو کر ہوا میں چڑھے' اس سے اللہ تعالیٰ نے آسمان پیدا کئے۔ تفسیر کبیر ج۔۵' ص۔۴۹ و تفسیر خازن ج۔۲' ص۔۳۴۹ میں ہے کہ کعب نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے سبز رنگ کا یاقوت پیدا کیا پھر اس کی طرف ہیبت سے دیکھا تو وہ کانپتا ہوا پانی ہو گیا۔ پھر ہوا پیدا کی اور پانی کو ہوا کی پیٹھ پر کر دیا پھر عرش کو پانی کی پیٹھ پر رکھا۔

ابن کثیر ج۔۵' ص۔۴۳۸ میں ہے سعد طائی کہتے ہیں کہ عرش سرخ یاقوت سے ہے۔" کتاب الاسماء والصفات ص۔۲۷۲ میں ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر

صحابہ سے آیت هوالذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا کی تفسیر میں یہ مروی ہے کہ اللہ کا عرش پانی پر تھا اور پانی سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کوئی شے پیدا نہیں کی۔ جب مخلوق کے پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو پانی سے دھواں نکلا' وہ اوپر کو گیا اور چھا گیا اسی کا نام آسمان رکھا۔ پھر پانی کو خشک کیا اس کی زمین بنائی۔ پھر اس کو پھاڑ کر سات زمینیں کر دیں۔ تفسیر کبیر ج۔۲' ص۔۳۴۱ میں ہے کہ اہل نقل نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عرش آسمان و زمین سے پہلے پانی پر تھا۔ اس پانی میں اللہ تعالیٰ نے حرارت پیدا کی۔ اس سے جھاگ بنے اور دھواں بلند ہوا' جھاگ پانی پر رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے خشکی اور اس خشکی سے زمین پیدا کی اور دھواں اونچا چلا گیا۔ اس سے اللہ تعالیٰ نے آسمان بنائے۔

تفسیر خازن ص۔۸۷ میں یہ "دخان" جس سے آسمان بنائے پانی کا بخار تھا۔ عرش پہلے پانی پر تھا' جب اللہ تعالیٰ نے آسمان زمین کی پیدائش کا ارادہ کیا تو ہوا کو حکم دیا' اس نے پانی کو تھپیڑے مارے' جس سے دھوئیں کی طرح بخار اٹھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس سے آسمان کو پیدا کیا پھر پانی کو خشک کیا اور اس سے زمین پیدا کی۔ پھر پھاڑ کر سات زمینیں کر دیں۔ اور مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے نور سے پیدا ہوئے اور جان جنوں کا باپ آگ سے پیدا ہوا اور آدم جیسے تم کو بیان کیا گیا مٹی سے پیدا ہوا ہے۔

ان کا خلاصہ یہ ہے کہ سب سے اول پانی ہے جو یاقوت سرخ سے پیدا کیا۔ پھر ہوا ہے جس پر پانی رکھا پھر عرش پیدا کیا جس کو پانی پر رکھا پھر قلم پیدا کی جس سے تقدیر لکھی اور پھر پانی پر آگ پیدا کر کے اس سے بخار اٹھایا اور جھاگ اٹھائے پھر بخار سے آسمان اور جھاگ کو خشک کر کے اس سے سات زمینیں بنا دیں اور فرشتے نور سے اور جن آگ سے اور انسان کو مٹی سے پیدا کیا۔ پس آنحضور ﷺ کا نور الٰہی سے ہونا اور اس نور کے حصوں سے مخلوقات پیدا کرنے کا قصہ ہی غلط ہے' جس کا کوئی ثبوت قرآن و احادیث و آثار سلف میں نہیں ہے' فتذکر۔

دہم' مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر میں حدیث ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جب پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے آدم کو تو ہاتھ پھیرا اس کی پیٹھ پر فسقط من ظهره كل نسمة هو

خالقها من ذریته الٰی یوم القیٰمة وجعل بین عینی کل انسان وبیصا" من نور (الحدیث) یعنی پس نکلے پیٹھ آدم سے ہر جان والے کہ ان کو اللہ تعالیٰ پیدا کرنے والا تھا' ان کی اولاد میں سے قیامت تک اور مقرر کی درمیان دو آنکھوں ہر انسان کے چمک نور سے۔ یہ حدیث صحیح یا حسن ہے جس کو ترمذی وغیرہ محدثین نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث میں اس بات پر صریح دلالت ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام سے ان کی تمام اولاد تاقیامت کے ارواح پیدا کئے ہیں۔ حدیث میں لفظ کل ہے جو ہر بشر کو شامل ہے جو اولاد آدم سے ہیں۔ پس آنحضرت ﷺ بھی اس میں داخل ہیں کیونکہ آپ بھی اولاد آدم سے ہیں جس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔

چنانچہ مشکوۃ میں بروایت ترمذی یہ حدیث حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ **کان بشرا من البشر** یعنی آنحضور ﷺ بشر تھے جو بشر سے پیدا ہوئے اور بشر ہی کی طرح فوت ہو گئے۔ چنانچہ مسند دارمی میں ہے کہ حضرت ابوبکر ؓ نے صحابہ کے سامنے خطبہ دیا' **ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قد مات وانه بشر' الخ**۔ یعنی بیشک رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے اور وہ بشر تھے۔ (دارمی ص-۲۳) اور قرآن میں بھی یہ جملہ کئی جگہ وارد ہے۔ **انما انا بشر مثلکم** یعنی میں تمہارے جیسا بشر ہوں۔

پس ان **لولاہ** صحیحہ کے ہوتے ہوئے موضوع روایتوں کا ذکر کر کے یہ کہنا کہ آنحضور ﷺ اللہ کے نور سے پیدا ہوئے اور آپ کے نور سے تمام خلقت بنائی گئی' سراسر باطل ہے۔ **تلک عشرة کاملة** یہ دس وجوہ ہیں جن کی بنا پر ان روایات کا بطلان ظاہر ہے۔ موضوعات ملا علی قاری ص-۲۴ پر حدیث **انا من اللّٰه والمؤمنون منی** کو جھوٹ اور موضوع لکھا اور علامہ محمد طاہر ہندی نے تذکرۃ الموضوعات ص-۸۶ میں **انا من نور اللّٰه والمؤمنون منی** کی بابت امام حجر ؒ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا **لا اعرفه** میں اس حدیث کو پہچانتا ہی نہیں۔ اسی طرح اور روایتوں میں ہے کہ یہ نور پہلے ہزاروں برس سجدہ میں پڑا رہا پھر حضرت آدم علیہ السلام کے تیرہ و تار جسم چراغ بنا پھر آدم علیہ السلام نے مرتے وقت شیث کو اپنا وصی بنا کر یہ نور ان کے سپرد کیا' اسی طرح یہ درجہ بدرجہ ایک سے دوسرے پیغمبر کو سپرد ہوتا ہوا حضرت عبداللہ

کے سپرد ہوا اور حضرت عبداللہ سے حضرت آمنہ کو منتقل ہوا۔ نور کا سجدہ میں پڑا رہنا اور اس کا وجود ہونا بالکل موضوع ہے۔ (سیرت النبی ج-۳' ص-۷۳۸)

اسی طرح نور کے متعلق جملہ روایات کو سیرت النبی میں موضوع یا ضعیف از قسم مردود قرار دیا گیا ہے' جن پر عقائد اور مسائل کا دارومدار نہیں رکھا جا سکتا۔ پھر یہ قرآن اور احادیث صحیحہ قطعی الصحت کے بھی خلاف ہیں۔ کما ذکرنا سابقاً۔

مولوی اشرف علی تھانوی نے نشرالطیب میں نور محمدی کی اولیت پر ایک یہ بھی روایت پیش کی ہے کہ حضرت عرباض بن ساریہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بیشک میں حق تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین ہو چکا تھا اور آدم علیہ السلام ہنوز اپنے خمیر ہی میں پڑے تھے۔ (ص-۵) پھر اس پر خود ہی حاشیہ میں شبہ اور اس کا جواب لکھتے ہیں کہ اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ شاید مراد یہ ہے کہ میرا خاتم النبیین ہونا مقدر ہو چکا تھا' سو اس سے آپ کے وجود کا تقدم ثابت نہ ہوا۔

جواب یہ ہے کہ اگر یہ مراد ہوتی تو آپ کی تخصیص کیا تھی۔ تقدیر کا تمام اشیاء مخلوقہ کی ان کے وجود سے متقدم ہے۔ پس یہ تخصیص خود دلیل ہے اس کی کہ مقدر ہونا مراد نہیں بلکہ اس صفت کا ثبوت مراد ہے" (حاشیہ ص-۵)

(ثبوت وجود کو مستلزم نہیں کیونکہ ایسا امر حتمی قضاء میں مقدر ہو چکا تھا اور ضرور واقع ہونے والا تھا۔ اس کو بطور واقع شدہ کے بیان کر دیا ہے جیسے قول عیسیٰ انی عبد اللہ اتانی الکتاب وجعلنی نبیا' فذکر)

میں کہتا ہوں کہ مولوی اشرف علی کا یہ جواب بالکل مردود ہے اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو علم حدیث کی معرفت حاصل نہیں ہے۔ کیونکہ اس حدیث کے دوسرے طریق میں صاف تصریح ہے کہ اس سے علم الٰہی میں مقدر ہونا اور لوح محفوظ میں لکھا جانا مراد ہے۔

(تفسیر خازن ج-۳' ص-۲۲۰ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بابت نقل کیا ہے کہ اتانی الکتاب وجعلنی نبیا وھذا اخبارھا کتب له فی اللوح المحفوظ کما قیل النبی صلی اللہ علیہ وسلم متی کنت نبیا" قال کنت نبیا" وآدم بین الروح والجسد۔ اس سے مراد ظاہر ہو گی۔)

چنانچہ ترجمان السنہ ج-۱' ص-۳۸۲ پر عرباض بن ساریہ ؓ سے یہ حدیث منقول

ہے، جس میں یہ الفاظ ہیں انی عند اللّٰہ مکتوب خاتم النبیین وان ادم لمنجدل فی طینه وفی لفظ لهذا الحدیث عند ابن سعد فی ام الکتاب النبیین۔ یعنی آدم ہنوز گارے میں پڑے تھے کہ میں لوح محفوظ میں خاتم النبیین لکھا جا چکا تھا۔ اب اس سے مولوی اشرف علی کی نقل کردہ روایت کی تشریح ہو گئی اور اس سے لوح محفوظ میں مقدر ہونا مراد ہے، پیدا ہونا مراد نہیں۔ مولوی اشرف علی نے اس کو محض شبہ تجویز کیا ہے حالانکہ یہ مراد حقیقی ہے اور مولوی اشرف علی کی مراد کہ اس سے وجود کا تقدم ثابت ہوا، سراسر باطل ہے اور مواہب میں مقادیر خلق کی حدیث میں یہ الفاظ وارد ہیں وکتب فی الذکر ان محمدا خاتم النبیین یعنی لوح محفوظ میں یہ لکھ دیا کہ محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ ان روایتوں نے مولوی اشرف علی کا قلم توڑ کر رکھ دیا جس نے یہ لکھا تھا کہ اس سے مقدر ہونا مراد نہیں۔ مشکوۃ عربی کے حاشیہ منقولہ از مرقاۃ میں بھی یہ لکھا ہے کہ ای کنت خاتم النبیین فی الحال التی آدم مطروح (ص-۵۱۳) سیرۃ النبی جلد سوم ص-۸۵۱ پر یہ حدیث لکھی ہے، اس میں بھی یہ لکھا ہے کہ یہ منصب خاص صرف آپ کی ذات پاک کے لیے روز ازل سے مقدر ہو چکا تھا۔ آپ نے فرمایا انا خاتم النبیین وآدم منجدل فی طینة میں پیغمبر تھا اور آدم ابھی آب و گل میں پڑے ہوئے تھے۔

اب رہا مولوی اشرف علی کا یہ نفسانی وسوسہ کہ اگر یہ مراد ہے تو اس میں آپ کی کیا تخصیص ہے۔ اس میں تو دیگر تمام اشیاء مخلوقہ بھی آپ کے ساتھ شامل ہیں۔ ان کو بھی تقدیر میں آدم پر تقدم حاصل ہے تو اس کا دفعیہ یوں ہے کہ صفت خاتم النبیین سے موصوف ہونے میں آپ کی تخصیص ہے جس کو وجود آدم پر تقدم حاصل ہے۔ پس اس میں آپ کے ساتھ کوئی بھی شریک نہیں ہے۔ فاندفع ما اورد فللّٰه الحمد پھر مولوی اشرف علی نے علم کلام کے چکر میں آکر ایک اور جست لگائی ہے کہ کسی صفت کا ثبوت فرع ہے، مثبت لہ کے ثبوت کی۔ پس اس سے آپ کے وجود کا تقدم ثابت ہو گیا۔ (حاشیہ ص-۶)

مولوی اشرف علی صاحب علم معقول میں بڑے ماہر بتلائے جاتے ہیں مگر علم الٰہی اور علم منقول کے مقابلہ میں ان کی یہ معقول دلیل مجہول کا حکم رکھتی ہے۔ ان کو اتنا

بھی علم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کے حالات و اوصاف ان کے وجود سے پہلے ہی ثابت کر دیئے تھے۔ حضرت انسان کو پیدا نہیں کیا اور صفت خلافت سے اس کو پہلے موصوف کر دیا کہ **انی جاعل فی الارض خلیفہ** پھر روز ازل کی صفات مخلوق جو علم اور کلام الٰہی میں ثابت ہیں' مثبت لہ سے پہلے کیسے ثابت ہو گئیں۔ **ماھوا جوابکم فھو جوابنا**۔

الغرض مولوی اشرف علی کی روایت اور درائت بالکل مردود ہیں۔ باقی کو بھی اسی پر قیاس کر لیں۔ اس مختصر مضمون میں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ باقی یہ عرض کرنی ضروری ہے کہ مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی نے اور مولانا سید سلیمان ندوی نے جناب نبی کریم ﷺ کا اول النبیین فی الخلق ہونا تسلیم کیا ہے اور مولانا بدر عالم نے ترجمان السنہ میں اس مسئلہ پر کئی روایات پیش کی ہیں لیکن جہاں تک میں نے ان پر غور کیا ہے تو وہ سب کتب طبقہ ثالثہ یا رابعہ کی ہیں۔ کوئی صحیح (روایت طبقہ اولیٰ یا ثانیہ کی نہیں ہے۔ بندہ خادم العلم کتب طبقہ ثالثہ و رابعہ کے نام یہاں لکھ دیتا ہے۔ ناظرین ان کو ہر مسئلہ نادرہ میں مدنظر رکھا کریں۔

(سیرۃ النبی ج-۳' ص-۷۲۲' میں کتب حدیث کے طبقات اور ان کے احکام درج ہیں۔)

کتب حدیث کے طبقات ⇦ طبقہ اولیٰ (صحاح ستہ سے مراد بعض نے موطا امام مالک' صحیح بخاری' صحیح مسلم' ابوداؤد' ترمذی' نسائی مراد لی ہے۔ شاہ عبدالعزیز نے اسی کو درست ٹھہرایا ہے۔ بعض نے ابن ماجہ کو شامل کیا ہے اور موطا کو خارج کیا ہے اور بعض نے مسند احمد کو شامل کیا ہے۔ ابن ماجہ کو خارج کیا ہے۔) صحاح ستہ میں بخاری و مسلم طبقہ اولیٰ کی کتابیں ہیں جن کی صحت قطعی ہے اور ان سے مطلقاً انکار کرنے والا قطعی کافر ہے۔

طبقہ ثانیہ میں ابوداؤد' نسائی' ترمذی وغیرہ سنن اربعہ ہیں۔ جن سے مطلقاً انکار کرنے والا کافر اور بالخصوص کسی ظنی الثبوت روایت سے عناداً انکار کرنے والا ظنی کافر ہے۔

طبقہ ثالثہ کی کتابیں یہ ہیں: مسند شافعی' مسند دارمی' مصنف عبدالرزاق' مصنف ابن ابی شیبہ' مسند ابوداؤد طیالسی' مسند ابویعلیٰ' مسند عبد بن حمید' سنن دار قطنی' صحیح ابن حبان' مستدرک حاکم' کتب بیہقی' کتب طحاوی' تصانیف طبرانی' معجم صغیر کبیر' سنن

سعید بن منصور، مسند حارث، سنن مسلم، مسند بزار، معجم ابن قانع، مسند امام اعظم۔

اس تیسرے طبقے کے متعلق عجالہ نافعہ میں میر شاہ عبدالعزیز مرحوم نے لکھا ہے کہ فقہا کے نزدیک اس طبقہ کی روایتیں اکثر معمول بہا نہیں ہیں اور اجماع ان کے خلاف قائم ہے۔ پس جو روایت ان کتابوں کی ہو اس کی سند اور متن کو صحیح ثابت کرنا ضروری ہے۔ ورنہ اگر وہ قرآن، احادیث صحیحہ یا اصول مسلمہ شرعیہ کے خلاف ہو گی تو رد کر دی جائے گی۔

چوتھے طبقہ کی کتابیں یہ ہیں: کتاب الضعفاء للابن حبان، کتاب الضعفاء العقیلی، تصانیف حاکم، کتاب الکامل لابن عدی، تصانیف ابن مردویہ، تصانیف خطیب، تصانیف لابن شاہین، تفسیر ابن جریر، تصانیف ذہبی، تصانیف ابن نعیم، تصانیف زرقانی، تصانیف ابن عساکر، تصانیف ابوالشیخ، تصانیف ابن نجار۔

تاریخ الحدیث ص۔۱۴۰ میں ان کتابوں کے نام لکھ کر پھر یہ لکھا ہے۔

اور بہت سی کتابیں جو اسی طبقہ میں شامل ہیں۔ مثلاً طبقات کبریٰ واقدی، تاریخ طبری، سیرت شامی، ابوالفداء، سعودی، مواہب لدنیہ، زرقانی شرح مواہب، تاریخ الخمیس، خصائص الکبریٰ، دلائل نبوت، روضۃ الاحباب، مدارج النبوت، نزہۃ المجالس، مسامرۃ اخبار، سیرت حلبیہ، تاریخ کامل، شواہد نبوت، معارج النبوت، دلائل ابونعیم، ابن خلدون، ابن خلکان، شرح اربعین۔

طبقہ چہارم کے متعلق شاہ صاحب نے فرمایا ہے کہ قرون سابقہ میں ان کتابوں کی روایتوں کا نام و نشان نہیں ہے۔ متاخرین نے ان کو ذکر کیا ہے۔ پھر لکھتے ہیں: "علی کل تقدیر ایں احادیث قابل اعتماد نیستند در اثبات عقیدہ یا مجملے بآنہا تمسک کردہ نمود" (بہرحال یہ قابل اعتماد نہیں ہیں)

تاریخ الحدیث ص۔۱۴۶ میں ہے، مسلمانوں کے دو گروہوں کی پشت و پناہ یہی کتابیں ہیں۔ ایک گروہ مروجہ بدعت و رسومات پر انہی سے استدلال کرتا ہے۔ اسی کی طرف شاہ صاحب نے اشارہ کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اسی گروہ سے ہمارا خطاب ہے جو انبیاء اور اولیاء کے مناقب و اوصاف میں یا کسی بدعت و رسم کے احداث میں انہی کتابوں سے دلائل لاتے ہیں۔

پس جب تک وہ ان کتابوں کی روایتوں کی صحت ثابت نہ کریں' ان کی پیش کردہ کوئی روایت ہرگز قبول نہ کی جائے' یہ اصول قابل یادداشت ہے جو ہر مسئلہ کی تحقیق پر ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

مولوی اشرف علی کی روایات غیر معتبر ہیں ⇦ اب مولانا اشرف علی صاحب نے نشرالطیب میں آنحضور ﷺ کے نور کی پیدائش اور اس کی اولیت حقیقیہ کے دعوئی پر جو روایات پیش کی ہیں ان کو اس اصول مذکور سے جانچا جائے تو وہ طبقہ سوم یا چہارم کی ہیں۔ اگر کوئی روایت طبقہ دوم سے ہے تو وہ ہمارے خلاف نہیں اور نہ وہ دعوئی پر دال ہے۔ بہرکیف جن کتابوں سے مولوی اشرف علی یا ان کے ہم خیال اہل بدعت نے روایات نقل کی ہیں' ان کے نام یہ ہیں:

مصنف عبدالرزاق بحوالہ مواہب لدنیہ' بیہقی' حاکم' ابونعیم' ابن سعد' طبرانی' بزار' زرقانی' ابن عساکر' حرائلی وغیرہ۔ یہ سب ثالثہ یا رابعہ طبقوں کی ہیں' کوئی ان میں سے طبقہ اولیٰ یا ثانیہ میں داخل نہیں۔ لہٰذا سب مردود ہیں۔ اسی طرح ترجمان السنہ جلد اول میں خصائص کبریٰ' مستدرک حاکم' مواہب لدنیہ' ابن حبان' بیہقی' ابن ابی شیبہ' دیلمی' ابن عساکر وغیرہ سے جو روایات نقل کی گئی ہیں' وہ سب ناقابل اعتماد ہیں اور ان سے اول النبیین فی الخلق ہونا آنحضور ﷺ کے لیے ثابت کرنا بالکل غلط ہے۔ ہاں بشرط صحت روایات اول النبیین فی الخلق ہونا' اس طرح قابل تسلیم ہو سکتا ہے کہ پشت آدم پر جب اللہ تعالیٰ نے ہاتھ پھیرا تو سب سے پہلے آنحضور ﷺ کی روح پیدا ہوئی' اس مراد سے تمام نصوص باہم متفق بھی ہو سکتے ہیں اور آنحضور ﷺ آدم علیہ السلام کی ذریت میں بھی داخل رہ سکتے ہیں اور آپ کی جملہ انبیاء وما سوا آدم کیونکہ وہ تو آنحضور ﷺ اور دیگر انبیاء کے باپ ہیں) سے پیدائش روحی اول ثابت ہو سکتی ہے۔ یہ بھی فضیلت کافی ہے اور اگر ان روایات غیر معتبرہ کو اصل ٹھہرا کر روایات صحیحہ پر راجح قرار دیا جائے اور اولیت سے اولیت حقیقیہ مراد لی جائے تو اس میں اصولی مخالفت کے علاوہ روایتوں کا باہم تخالف و تصادم بھی لازم آئے گا کیونکہ احادیث صحیحہ سے پانی' عرش' قلم وغیرہ کی اولیت ثابت ہے اور اس سے اصول شرعی کی بھی مخالفت لازم آئے گی جو علماء کے نزدیک بالاتفاق مسلم ہے کہ آنحضرت ﷺ دیگر بشروں کی طرح

ایک بشر ہیں۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ دیگر انسانوں کی طرح جسم اور روح کے لحاظ سے حضرت جد اعلیٰ آدم کی اولاد سے ہیں۔ اگر آپ کی روح کو نور سے پیدا شدہ تسلیم کیا جائے اور سب سے اول مانا جائے خصوصاً اللہ تعالیٰ کے نور سے قرار دیا جائے تو آیات اور احادیث میں جو جملہ "انا بشر مثلکم" وارد ہے اس کا اطلاق صحیح نہ ہو گا۔ آپ صرف جسمانی لحاظ سے تو آدم کی اولاد ہوں گے لیکن روحی لحاظ سے نوری ہوں گے۔ یہ سراسر باطل ہے اور اس کا سلف صالحین میں کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ یہ صرف اہل بدعت غالی گروہ کا عقیدہ فاسدہ ہے اور صحیح عقیدہ یہ ہے کہ آپ بشر ہیں اور بشر کی اولاد میں سے ہیں اور نفس بشریت میں آپ دیگر بشروں کی طرح ہیں۔ لفظ بشر جسم مع الروح کا نام ہے اور بشر ظاہر جسم والے صاحب عقل و ادراک کو کہتے ہیں۔ سو یہ تعریف تمام انبیاء اور ہمارے نبی کریم ﷺ پر پوری طرح صادق ہے اور یہی تعریف دیگر تمام خاص و عام الی یوم القیام انسانوں پر صادق آتی ہے۔ بس یہی مثلیت صحیح ہے جو مسلم کامل ہے لیکن روح نبوی کو نور سے پیدا شدہ اول الخلق مان کر دیگر بشروں کی مثل کہنا صحیح نہ ہو گا۔ لہٰذا یا تو ہماری تطبیق صحیح ہو گی جس سے کوئی فساد لازم نہیں یا وہ تمام روایات مردود ہوں گی جو قرآن اور احادیث طبقہ اولیٰ اور اصول مسلمہ شرعیہ کے خلاف ہیں۔ فتذکر ولا تکن من المعاندین

علامہ شبلی صاحب سیرۃ النبی جلد اول ص-۸۴ میں تنقید حدیث کے قواعد و اصول کا خلاصہ نکالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کتب سیرت محتاج تنقیح ہیں اور ان کی روایات (اسناد کی تنقید لازم ہے۔ دوم یہ کہ سیرت کی روایتیں کتب حدیث کی روایتوں سے کم درجہ ہیں اور بصورت اختلافات احادیث کی روایات کو ترجیح ہے۔ سوم یہ کہ جو روایت عام عقلی وجوہ مشاہد عام اصول مسلمہ' قرائن حال کے خلاف ہو گی وہ لائق حجت نہ ہو گی۔ پس اس بنا پر نور محمدی کی جملہ روایات پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں جو مولوی اشرف علی نے نقل کی ہیں۔ یہ کتب حدیث میں نہیں ہیں' کتب سیرت میں ہیں اور احادیث کے خلاف ہیں۔ اصول مسلمہ اور مشاہدہ عام کے بھی خلاف ہیں۔ مولوی اشرف علی کی مایہ ناز کتاب مواہب لدنیہ ہے' جس سے علامہ شبلی نے اور مولانا سید سلیمان ندوی نے موضوعات کے بہت نمونے پیش کئے ہیں۔ جلد-۱' ص-۵۴ پر ایک نمونہ پیش کر کے

حاشیہ پر لکھتے ہیں "مواہب لدنیہ میں یہ روایت نقل کی ہے' اس میں بے انتہا مبالغہ آمیز باتیں ہیں۔ افسوس ہے کہ ان مبالغہ آمیز باتوں پر مولانا اشرف علی نے اپنی حکمت کا ملمع کر کے ان کو عقائد میں داخل کر کے ان کو عقائد میں داخل کر دیا ہے۔ جن پر ہر حنفی کو ایمان لانا واجب ہو گیا ہے۔" تدبر؟

قاعدہ کلیہ ⇦ جب سیرت و قصص و تاریخ کی کتابوں میں سے رطب و یابس بھرا ہوا دیکھا گیا اور ان میں نہایت لغو روایتیں معلوم ہوئیں اور اس انبار میں جواہرات کے خزانہ میں خزف ریزوں کا بھی ڈھیر ملا ہوا جانا گیا تو ملا علی قاری حنفی نے اپنی کتاب موضوعات کے ص-۸۷ پر ایک قاعدہ کلیہ لکھ دیا جو فی الواقع صحیح ہے اور ہم اس سے اتفاق کرتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں **قلت و من القواعد الكلية ان نقل الاحاديث النبوية والمسائل الفقهية والتفاسير القرانيه لايجوز الا من الكتب المتداولة لعدم الاعتماد علٰى غيرها من وضع الزنادقة والحاق الملاحدة بخلاف كتب المحفوظة فان نسخها يكون صحيحة متعددة۔**

یعنی میں کہتا ہوں کہ قواعد کلیہ سے یہ قاعدہ ہے کہ احادیث نبویہ کے نقل کرنے اور مسائل فقہیہ بیان کرنے اور قرآن کی تفسیر میں لکھنے میں سوائے اس بات کے کوئی امر جائز نہیں ہے اور ان تمام چیزوں کا ماخذ کتب متداولہ ہونی چاہیے اور کتب متداولہ کے سوا دیگر کتابوں پر اعتمد نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ان میں زندیق اور بد دین لوگوں کی گھڑی ہوئی اور بنائی ہوئی باتیں ملی ہوئی ہیں اور کتب متداولہ کی حفاظت کی گئی ہے۔ ان کے متعدد نسخے صحیح طریق سے ملکوں میں شائع ہیں۔ ان میں اختراعی باتوں کے خلط ملط ہونے کی گنجائش نہیں رہی۔

کتب متداولہ کون سی ہیں؟ ⇦ کتب متداولہ سے کون سی کتابیں مراد ہیں؟ اس چیز کا معلوم کرنا بھی ازبس ضروری ہے تاکہ ان پر دینی عقائد اور مسائل کا دارومدار رکھ کر گمراہی سے بچا جائے اور غیر معتبر کتابوں کے مسائل سے احتراز رکھا جائے۔ سو واضح ہو کہ علامہ طحاوی نے طحاوی جلد-۴' ص-۱۵۴ میں اور شیخ محمد طاہر حنفی نے مجمع البحار ص-۳۵۶' جلد اول میں یہ صراحت کر دی ہے کہ اگر صراط مستقیم معلوم کرنا ہو تو ثقات محدثین کی جمع کردہ احادیث نبویہ سے جو کتب حدیث مشہورہ صحاح ستہ بخاری و

مسلم' ابوداؤد' نسائی' ترمذی وغیرہ میں ہے' جن پر تمام اہل مشرق اور اہل مغرب نے اتفاق کر لیا ہے کہ یہ صحیح ہیں' ان سے تمسک کریں۔ ان سے احوال و اقوال و افعال نبوی اور صحابہ خوب واضح ہیں۔ صیانۃ الانسان ص-۵۰۸ میں بعض فاضل علماء مذہب حنبلی سے بھی یہ منقول ہے کہ ہم کتاب اللہ کو سمجھنے کے لیے کتب متداولہ تفاسیر قرآن' ابن کثیر' خازن' بیضاوی' جلالین' بغوی وغیرہ پر اعتماد رکھتے ہیں اور احادیث نبویہ کو سمجھنے کے لیے کتب احادیث صحاح ستہ اور ان کی شروح فتح الباری' قسطلانی' نووی' سناوی وغیرہ سے استعانت حاصل کرتے ہیں۔ ان تصریح سے یہ معلوم ہوا کہ تفاسیر میں ابن کثیر وغیرہ کتب متداولہ سے ہیں اور کتب حدیث میں صحاح ستہ کتب متداوالہ میں سے ہیں۔ جو تمام عرب و عجم کی درس گاہوں میں مروج ہیں۔ پس جو کتابیں ان کے خلاف ہوں گی' وہ سب غیر معتبر متصور ہوں گی۔ چنانچہ اول الخلق کے متعلق قرآن' تفسیر ابن کثیر اور کتب حدیث بخاری' مسلم' ترمذی' ابوداؤد وغیرہ صحاح ستہ سے یہ ثابت ہے کہ اول پانی اور عرش اور قلم اور لوح محفوظ ہیں اور رسول اللہ ﷺ بشر ہیں اور بشر کی اولاد ہیں اور وہ روحی اور جسمی حیثیت سے آدم علیہ السلام سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان کتابوں کے علاوہ جن کتابوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ کا نور سب سے اول پیدا ہوا درآں حالیکہ آدم ہنوز آب و گل میں پڑے تھے اور پھر اس نور سے سب مخلوق پیدا ہوئی' سراسر باطل ہے۔

مولوی اشرف علی کی چودہ ہزاری روایت پر تبصرہ ⇦ مولوی اشرف علی تھانوئی نے نشر الطیب میں رسول اللہ ﷺ کے اول الخلق ہونے پر ایک یہ روایت پیش کی ہے کہ احکام ابن القطان میں منجملہ ان روایات کے جو ابن مرزوق سے ذکر کی ہیں' حضرت علی بن حسین سے روایت ہے۔ وہ اپنے باپ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور وہ ان کے جد امجد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے سے چودہ ہزار برس پہلے اپنے پروردگار کے حضور میں نور تھا (ص-٦) یہی روایت تفسیر روح البیان ج-٦' ص-۳۷۰ میں لفظ روی سے منقول ہے۔

روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال کنت نوراً بین ابی قبل خلق

آدم باربعة عشر الف عام وكان يسبح ذالك النور وتسبح الملائكة بتسبيحه فلما خلق الله آدم القٰی ذالک النور فی صلبه یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں آدم کی پیدائش سے چودہ ہزار برس پہلے ایک نور تھا اور وہ نور تسبیح پڑھتا تھا اور اس کی تسبیح کے ساتھ ملائکہ بھی تسبیح پڑھتے تھے پھر جب اللہ نے آدم کو پیدا کیا تو اس نور کو اس کی پشت میں ڈال دیا۔ یہ روایت کئی وجوہ سے باطل اور مردود ہے۔ اول یہ کہ یہ بے سند ہے اور غیر متداول کتاب احکام ابن القطان سے منقول ہے۔ جب تک اس کی تمام اسناد سامنے نہ ہو قابل قبول نہیں ہے۔ لولا الاسناد لقال من شاء ماشاء۔

دوم یہ کہ ابن مرزوق کی روایات سے یہ روایت ہے اور ابن مرزوق ضعیف راوی ہے۔ جب تک ثقہ راوی اس کی تائید نہ کرے اس کی روایت معتبر نہیں ہے۔ امام ذہبی نے میزان میں لکھا ہے کہ امام نسائی اور عثمان بن سعید نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے اور یہ شیعہ مشہور ہے اور امام حاکم نے کہا ہے کہ یہ راوی شرط صحیح کے خلاف ہے اور امام مسلم سے یہ عیب ہوا کہ انہوں نے اس سے ایک روایت ذکر کر دی (اس روایت کی تائید کسی ثقہ راوی نے کی ہو گی) اور امام ابن حبان نے کہا کہ یہ منکر الحدیث ہے اور ثقہ راویوں سے غلط روایتیں نقل کرتا ہے اور عطیہ سے موضوع روایتیں نقل کرتا ہے (موضوع روایتیں نقل کرنے والا احد الکاذبین ہوتا ہے۔ اور ابن عدی نے کہا کہ اگر ثقہ راویوں کے موافق کوئی روایت کرے تو اس میں وہ حجت ہے اور امام ابن معین نے اس کو ضعیف کہا ہے اور ابو حاتم نے کہا کہ کثیر الوہم ہے۔ اس سے حجت نہیں پکڑی جا سکتی۔ راجح یہ بات ہے کہ جب تک اس کی کوئی ثقہ راوی موافقت نہ کرے' اس کی روایت قابل سماعت نہیں ہے۔ یہ اکیلا حجت نہیں ہے۔ اس روایت میں ابن مرزوق کا کوئی ثقہ راوی موافق نہیں ہے۔ لہٰذا اس کی روایت مردود ہے۔ فتامل ولا تکن من المعاندین۔

سوم یہ کہ کتاب الاسماء والصفات ص-۲۷۲ سے یہ روایت گذر چکی ہے کہ عن ابن مسعود وعن ناس من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فى قوله عزوجل هوالذى خلق لكم مافى الارض جميعا الاية قال ان الله تبارك وتعالٰى كان عرشه على الماء ولم يخلق شيئا قبل الماء فلما اراد ان يخلق الخلق اخرج

من السماء دخانا- (الحدیث) اس سے ثابت ہے کہ سب سے اول پانی ہے اور پانی سے پہلے کوئی شے پیدا نہیں کی- پس مولوی اشرف علی کی روایت منقولہ اس روایت سے مردود ہو گئی-

چہارم یہ کہ یہ مسلم بین العلماء ہے- حضرت آدم آسمان و زمین و بینہما کے بعد بروز جمعہ پیدا کئے گئے اور مسلم شریف کی حدیث جو پہلے تحریر کر دی ہے- جس سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آسمان و زمین اور اس کی درمیانی مخلوق سے پچاس ہزار برس پہلے اللہ نے قلم کو پیدا کیا جس نے تقدیر لکھی- پس مولوی اشرف علی صاحب کی روایت چودہ ہزاری اور ہماری پچاس ہزاری حدیث ملانے سے یہ نتیجہ صاف ہے کہ نور نبوی سے چھتیس ہزار برس پہلے قلم اور لوح محفوظ پیدا ہوئے کیونکہ نور محمدی آدم سے چودہ ہزار سال پہلے پیدا ہوا بنتا ہے اور پانی اور عرش کا اندازہ قلم اور لوح محفوظ سے بھی زیادہ بنتا ہے کیونکہ پانی اور عرش قلم اور لوح سے بھی پہلے پیدا ہو چکے تھے- پس اس روایت چودہ ہزاری سے بھی نور محمدی کا اول الخلق ہونا ثابت نہ ہوا-

پنجم یہ کہ روایت چودہ ہزاری یہ ظاہر کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ آدم سے پہلے پیدا ہوئے تو وہ نور احمدی صلب آدم میں رکھا گیا- پس اس سے مولوی اشرف علی کا سارا تانا بانا ہی خراب ہو کر ضائع ہو گیا- کیونکہ انہوں نے سب سے پہلے چند موضوع روایتوں کی بنا پر یہ لکھا تھا کہ سب سے پہلے نور محمدی پیدا ہوا اور اس کے کئی حصے کر کے پھر اس سے عرش، قلم، لوح، آسمان، زمین، سورج، چاند وغیرہ پیدا کئے گئے- اس روایت سے نہ نور کی اولیت پانی، عرش، قلم وغیرہ پر ثابت ہوتی ہے اور نہ اس سے کسی چیز کا پیدا ہونا ظاہر ہوتا ہے بلکہ صلب آدم میں ڈالا جانا ظاہر ہوتا ہے- پس یہ روایت مولوی اشرف علی کی روایات کے بھی خلاف ہے-

ششم یہ کہ نور سے مراد مولوی اشرف علی نے روح لیا ہے- جب روح نبوی کو آدم کے جسم میں ڈالا گیا پھر وہ فوت ہو گئے تو پھر نوح کے جسم میں ڈالا گیا پھر وہ فوت ہو گئے تو وہ دیگر پشتوں میں ہوتا ہوا عبداللہ کے جسم میں حلول کر گئی- اسی طرح آمنہ کے شکم میں آکر جسم نبوی میں داخل ہوئی تو اس سے ہندوؤں کے عقیدہ کے مطابق مسئلہ تناسخ ثابت ہو گیا جو اہل اسلام کو مسلم نہیں ہے- لہٰذا یہ روایت کذب اور یہ

سلسلہ باطل ہے۔

ہفتم یہ بات کہ آدم سے چودہ ہزار برس پہلے نور محمدی پیدا ہوا۔ یہ عقیدہ سے تعلق رکھتا ہے اور عقیدہ کے لیے قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت دلیل مطلوب ہے۔ ایسی لایعنی روایات عقائد میں کار آمد نہیں ہیں۔ تنقیح الرواۃ تخریج احادیث مشکوۃ ربع ثانی ص-۲۷ میں ہے کہ ولا یخفی ان المسائل الا عتقادیة لاتثبت الا بالادلة القطعیة۔ فتاوی نذیریہ ج-۱' ص-۲۸ میں ہے لان الاعتقاد ولا یحصل مع الظن بخلاف الاعمال کذا ذکرہ العلامة المولوی عبد العلی الکھنوی فی شرح تحریر الاصول لابن الھمام' الخ' خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ مسائل اعتقادیہ میں قطعی دلائل کی ضرورت ہے۔ ظنی دلائل ان میں کار آمد نہیں ہو سکتے۔ مولانا اشرف علی صاحب نے نور محمدی کی اولیت کے ثبوت میں چوتھی روایت امام شعبی تا.جی سے نقل کی ہے جو مرسل ہے اور مرسل حجت نہیں۔ وہ ضعیف کی ایک قسم ہے۔ دوم یہ کہ اس روایت کی سند میں جابر جعفی وارد ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ اس کو ابن سعد نے جابر جعفی کی روایت سے روایت کیا ہے۔ جابر جعفی کی بابت امام ابوحنیفہ جن کو مولوی اشرف علی اور دیگر حنفی دنیا' امام اعظم تصور کر کے ان کی تقلید کرتے ہیں۔ یہ فرماتے ہیں ولا لقیت فیمن لقیت اکذب من جابر الجعفی ما اتیتہ بشئی من رای قط الاجاء فیہ بحدیث (تخریج زیلعی ص-۲۴۸) یعنی جن لوگوں سے میں ن ـملاقات کی' ان میں جابر جعفی سے زیادہ جھوٹا میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ جب میں نے اس کو کوئی بات اپنی رائے سے کہی تو اس نے اس کے موافق کوئی حدیث (جھوٹی) لا کر دے دی یعنی وضاع حدیث تھا۔ میں کہتا ہوں کہ حنفی مذہب کی فقہی کتابوں اور فتاووں میں جو جھوٹی روایات پائی جاتی ہیں جن کی بنیاد پر حنفی مذہب کی تعمیر کی گئی ہے وہ سب جابر جعفی ایسے کذابوں کی مہربانی ہے۔ اس لیے امام احمد اور دیگر محدثین اہل عراق خصوصاً اہل کوفہ کی احادیث کا اعتبار نہیں کرتے۔ تذکرۃ الموضوعات مؤلفہ علامہ محمد طاہر حنفی ص-۲۴۶ میں ہے وعن وکیع لولا جابر الجعفی لکان اہل الکوفة بغیر حدیث یعنی امام وکیع فرماتے ہیں کہ اگر جابر جعفی نہ ہوتا تو کوفہ والے بغیر حدیث کے رہ جاتے نیز لکھا ہے: ضعفوہ ترکہ یحیٰ وغیرہ .... جابر الجعفی کذاب یعنی

محدثین نے جابر جعفی کو ضعیف قرار دیا ہے اور امام یحییٰ وغیرہ نے اس کو چھوڑ دیا ہے اور وہ بڑا کذاب ہے۔ علامہ سندھی حنفی نے حاشیہ ابن ماجہ پر کتاب الزوائد سے نقل کیا ہے کہ جابر جعفی کذاب ہے۔ جب اتنا بڑا جھوٹا ہے تو حنفی مذہب کا اس سے روایتیں لینا اور اس کی احادیث پر حنفی مذہب کے عقائد و اعمال کی بنیاد رکھنا خود حنفی مذہب کے جھوٹا ہونے کی دلیل ہے۔ سچے مذہب والے ایسے کذابوں کی روایتوں پر اپنے عقائد و اعمال کا دارومدار نہیں رکھا کرتے۔ مولوی اشرف علی نے اس کذاب کی روایت لی ہے کہ آدم ہنوز روح اور جسد کے درمیان میں تھے کہ مجھ سے نبوت کا عہد لیا گیا۔ اس روایت کو آیت کریمہ **واذ اخذنا من النبیین میثاقھم ومنک ومن نوح** الایۃ کی تفسیر ٹھہرایا ہے' جو غلط ہے اور یہ روایت جھوٹے راوی کی ہے' جو جھوٹ ہے۔ پھر یہ روایت ابن سعد کی ہے جو چوتھے طبقے کی کتاب ہے اور سیرت کے فن میں ہے۔ یہ کتب حدیث متداولہ کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ پھر ابن سعد اکثر واقدی اور کلبی سے روایات لاتا ہے جو مشہور دروغ گو ہیں۔ طبقات ابن سعد میں کئی موضوع روایات پائی جاتی ہیں۔ پس جب تک کسی روایت کی سند پیش کر کے اس کے راویوں کی توثیق و عدالت ثابت نہ کی جائے اور اس کا متن تمام علتوں سے پاک نہ ہو جائے تب تک وہ قابل سماعت نہیں ہے۔ مولوی اشرف علی کی نقل کردہ روایات مواہب لدنیہ سے ہیں جس کی بابت علامہ سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں' حافظ قسطلانی نے انہی روایات کو تمیز اور نقد کے بغیر مواہب لدنیہ میں داخل کیا اور معین فراہی نے ان کو معارج النبوۃ میں فارسی زبان میں اس آب و رنگ سے بیان کیا کہ یہ روایتیں گھر گھر پھیل گئیں اور عوام نے اس شیفتگی اور وارفتگی کے ساتھ ان کو قبول کیا کہ اصلی اور صحیح معجزات اور آیات بھی اس پردہ میں چھپ کر رہ گئے پھر جن کتابوں سے مواہب اور معارج کی روایات ماخوذ ہیں' ان کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ انہوں نے ہر قسم کے راویوں سے ہر قسم کی روایتیں نقد اور تمیز کے بغیر اخذ کیں اور ان کو کتابوں کے اوراق میں مدون کر دیا اور عام لوگوں نے ان مصنفین کی عظمت اور جلالت کو دیکھ کر ان روایتوں کو قبول کر لیا حالانکہ ان میں نہ صرف ضعیف اور کمزور بلکہ موضوع احادیث تک موجود ہیں اور ان کے سلسلہ روایت میں ایسے راوی آئے ہیں جن کو

محدثین کے دربار میں صف نعال میں بھی جگہ نہیں مل سکتی۔ (سیرۃ النبی ج۔۳' ص۔۲۴۷) پس مولوی اشرف علی کی منقولہ روایات کا یہ حال ہے جو بیان ہوا۔ اب ان کے مریدین و مسترشدین اپنے گمان میں ان کی عظمت و جلالت کو دیکھ کر اور ان کی شہرت اور حکیم الامت کے لقب سے متاثر ہو کر ان ضعیف اور موضوع روایتوں پر اعتماد کر رہے ہیں۔ حالانکہ موضوع روایتیں لانے والا اور ان سے استدلال کرنے والا احد الکاذبین ہوتا ہے۔ پس اس لحاظ سے حکیم امت حنفیہ کو محدثین کے دربار میں صف نعال میں بھی جگہ نہیں مل سکتی۔ مولوی اشرف علی اور ان کے ہم خیال یہ کہتے ہیں کہ مناقب اور فضائل میں ایسی روایتوں سے استدلال کرنا جائز ہے' حالانکہ یہ غلط ہے۔

اس غلط اصول کی تردید ⇦ مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم رئیس الحنفیہ سیرۃ النبی ج۔۳' ص۔۲۸۷ پر اس کی تردید فرماتے ہیں: کیا یہ اصول صحیح ہے اور من کذب علی متعمدا" کی تہدید سے خالی ہے؟ معجزات ہوں یا فضائل ضرور ہے کہ آپ کی طرف جس چیز کی نسبت بھی کی جائے وہ شک و شبہ سے پاک ہو جیسا کہ امام نووی' حافظ عسقلانی' ابن جماعۃ وطی' بلقینی اور علامہ عراقی نے اپنی اپنی تصنیفات میں اس کی تصریح کی ہے۔

(اس مضمون کی صرف چار قسطیں دستیاب ہوئی ہیں۔ کوشش بسیار کے باوجود بقیہ قسطیں نہیں مل سکیں۔(ابراہیم خلیل)

کتبہ عبدالقادر عارف الحصاری

الارشاد جدید کراچی بمطابق جون' جولائی' اگست' ستمبر سنہ۔۱۹۶۷ء

آنحضرت ﷺ کے نور کا مسئلہ

"اول ما خلق اللہ" نوری کی شرح

محترم مولانا! مجھے آپ سے چند سوالات کی تحقیق کرنا ہے ازراہ کرم تفصیلی جواب ارقام فرمایئے۔ پہلا سوال یہ ہے:

سوال کیا آنحضرت ﷺ کا نور حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے پیدا کیا گیا تھا یا بعد؟ اور کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے نور سے پیدا کیا تھا؟ (سائل عبدالغفور کمپونڈر)

الجواب (حدیث نمبر-۱) سنن ابوداؤد جو صحاح ستہ میں سے ایک معتبر کتاب ہے' اس میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث وارد ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا کہ اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اسے فرمایا لکھ؟ قلم نے عرض کیا اے میرے رب! کیا لکھوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قیام قیامت تک جو چیز ہو گی ہر ایک کی مقادیر تحریر کر اور یہ بھی سنا کہ جو شخص اس کے سوا کسی دوسرے عقیدہ پر مرا (یعنی دوسرا ایسا عقیدہ جس سے تقدیر کا انکار لازم آئے تو وہ امت محمدی سے خارج ہے) وہ میری امت سے نہیں ہے۔

(حدیث نمبر-۲) اور صحیح مسلم جو کتب صحاح ستہ میں سے طبقہ اولیٰ کی ایک بڑی مقبول کتاب ہے' اس میں یہ حدیث ہے کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے مخلوقات کی مقادیر کو لکھا اور اس وقت عرش پانی پر تھا۔

(حدیث نمبر-۳) صحیح بخاری جو سب کتابوں سے اصح کتاب ہے' اس میں حدیث وارد ہے کہ قال اللّٰہ تعالٰی کان اللّٰہ ولم یکن شئی غیرہ وکان عرشہ علی الماء وکتب فی الذکر کل شئی وخلق السموت والارض۔ یعنی اللہ تھا اس کے ساتھ کوئی شے نہ تھی اور اللہ کا عرش پانی پر تھا اور اس نے لوح محفوظ میں ہر چیز لکھی اور آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا۔

(حدیث نمبر-۴) ترمذی اور ابن ماجہ جو صحاح ستہ کی معتبر کتابوں میں سے ہیں۔

ان میں حدیث ہے کہ ان اللّٰہ کان فی عماء ما تحۃ ھواء وما فوقہ ھواء ثم خلق العرش بعد ذلک۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی محض خلو تھا پھر اس نے عرش کو پیدا کیا۔

قرآن مجید پارہ-۲۱ سورہ سجدہ میں ہے کہ بداء خلق الانسان من طین ثم جعل نسلہ من سلالۃ من ماء مھین۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مٹی سے پیدا کرنا شروع کیا پھر انسان کی نسل کو ذلیل پانی کے خلاصہ (نچوڑ) سے بنایا۔

(حدیث نمبر-۵) مشکوۃ میں بروایت صحیح مسلم حدیث مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے نور سے پیدا کئے گئے اور جن آگ کے شعلہ سے اور آدم اس چیز سے جو تمہارے لیے قرآن میں بیان کر دی گئی ہے یعنی مٹی سے اور پھر منی سے۔

(حدیث نمبر-۶) ترمذی کی حدیث میں ہے کہ سب چیزوں سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اس کو حکم دیا کہ لکھ! قلم نے عرض کیا کہ میں کیا لکھوں؟ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تقدیر کو لکھ' تو قلم نے جو کچھ ہوا اور جو ہمیشہ تک ہونا تھا' سب لکھ دیا۔ قرآن میں وارد ہے وکان عرشہ علی الماء۔ اس کی تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یوں کی ہے کہ جب ان سے دریافت کیا گیا کہ پانی اس وقت کس چیز پر تھا تو انہوں نے فرمایا علی متن الریح کہ ہوا کی پشت پر تھا۔

ترمذی کی شرح تحفۃ الاحوذی ج-۳' ص-۲۰۳ میں ہے کہ عن ابن عباس سئل عن قولہ تعالیٰ وکان عرشہ علی الماء علی ای شئی کان الماء قال علی متن الریح۔ (رواہ البیہقی)

احادیث مذکورہ پر بحث ⇦ حدیث نمبر-۳ سے یہ ظاہر ہے کہ اول ذات الٰہی تھی اور کچھ بھی نہ تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے پانی پر عرش کو پیدا کیا۔ چنانچہ حدیث نمبر-۴ سے ثابت ہے اور ترمذی کے الفاظ یہ ہیں وخلق عرشہ علی الماء کہ اپنے تخت کو پانی پر پیدا کیا۔ اسی طرح مسند احمد میں ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ عرش کی پیدائش سے پہلے پانی کی پیدائش ہے۔ (اس واسطے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا وجعلنا من الماء کل شئی حیا کہ ہم نے پانی سے ہر چیز کو زندگی بخشی ہے)

امام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری شرح بخاری میں لکھا ہے جو تحفۃ الاحوذی

شرح ترمذی ج-۴' ص-۷۴ میں ہے وروی السدی باسانید متعددة ان اللہ لم یخلق شیئا مما خلق قبل الماء یعنی امام سدی نے متعدد سندوں سے یہ روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پانی سے پہلے کوئی چیز پیدا نہیں کی پھر عرش کو پانی پر پیدا کیا اور حدیث نمبر-۱ میں اول قلم کو پیدا کرنے کا ذکر ہے- سو یہ اولیت زمین آسمان کے لحاظ سے ہے- چنانچہ حدیث نمبر-۶ میں تصریح ہے کہ جب قلم کو لکھنے کا حکم ہوا تو اس نے جو ہو چکا اس کو بھی لکھا' جس سے ظاہر ہے کہ قلم سے پہلے بھی کئی چیزوں کا ظہور ہو چکا تھا اور وہ پانی اور عرش ہے- اور بخاری کی حدیث نمبر-۳ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کیونکہ اس میں آنحضور ﷺ نے قلم کے لکھنے کا ذکر کرنے سے پہلے عرش کے پانی پر ہونے کا ذکر کیا ہے اور پھر لکھنے کا ذکر کیا ہے اور لکھنے والا قلم ہے- اس سے ظاہر ہے کہ قلم عرش اور پانی کے بعد پیدا ہوا اور پیدا ہو کر اس نے لکھا-

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کی سند کا کچھ علم نہیں ہے کہ وہ صحیح ہے یا ضعیف ہے- لہذا ہم اس پر یقین نہیں کر سکتے- البتہ ان روایتوں سے یہ یقینی ثابت ہو گیا کہ سب سے پہلے پانی اور پھر عرش اور پھر قلم اور پھر لوح محفوظ پیدا ہوئے- قلم نے لوح محفوظ پر لکھا- حدیث بخاری میں ذکر سے مراد لوح محفوظ ہے- پس قلم کے بعد اس کا پیدا ہونا بھی ظاہر ہو گیا-

قرآن مجید کی آیت اور حدیث نمبر-۵ انسان کا (آدم کا) مٹی اور اس کی نسل کا منی سے پیدا ہونا ثابت ہو گیا- ان کے مقابلہ میں کوئی قطعی دلیل موجود نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ آنحضرت ﷺ کا نور سب سے پہلے پیدا ہوا اور نور کے پہلے پیدا ہونے کے بارہ میں جس قدر روایات لوگ پیش کرتے ہیں وہ سب بے بنیاد اور غیر ثابت شدہ ہیں' جن پر یقین اور اعتقاد نہیں رکھا جا سکتا- چنانچہ علماء حنفیہ میں سے مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم بڑے مؤرخ تھے' جو حال ہی میں رحلت فرما گئے ہیں- انہوں نے سیرت نبوی ایک عمدہ کتاب تالیف فرمائی ہے جو آنحضرت ﷺ کے حالات و کمالات کے بیانات میں نہایت جامع ہے- اس میں انہوں نے نور محمدی کی تخلیق کا تذکرہ کیا ہے اور اس پر روایتی حیثیت سے بحث فرمائی ہے اور کہا ہے کہ یہ سب موضوع اور منکر اور ضعیف روایات کا انبار ہے-

اور یہ حدیث جو عوام میں مشہور ہے کہ "اول ما خلق اللہ نوری" یعنی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور پیدا کیا ہے۔ اس کا ثبوت دفتر کتب حدیث میں نہیں ہے۔ اسی طرح جس قدر میلاد کی محفلوں میں بڑے ذوق شوق سے جھوم جھوم کر نور محمدی کے بارہ میں بے اصل روایتوں کی بنا پر آنحضور ﷺ کے فضائل اور مناقب بیان کئے جاتے ہیں' وہ سب اختراعی ہیں' جو سراسر خرافات ہیں۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرا درجہ عیسائیوں کی طرح حد سے نہ بڑھاؤ' جس طرح انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بڑھایا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ جو میرے ذمہ جھوٹی باتیں لگائے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں سمجھ لے۔ پس آنحضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا شدہ قرار دینا اور اس نور سے جملہ مخلوقات کا پیدا ہونا بیان کرنا اور آپ کے نور کا سب سے اول پیدا ہونا ذکر کرنا سراسر باطل ہے۔

البتہ یہ حدیث درست ہے کہ آدم علیہ السلام ہنوز روح اور جسد کے درمیان ہی تھے کہ میں نبی ہو چکا تھا۔ جیسا کہ ترمذی میں حدیث ہے کہ لوگوں نے آپ سے پوچھا متی وجبت لک النبوۃ قال وآدم بین الروح والجسد۔ یعنی آدم علیہ السلام روح اور جسم کے مابین تھے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ آنحضور ﷺ کی نبوت خصوصیت سے ظاہر اور مشہور کر دی گئی تھی (یعنی عالم ملکوت میں) جبکہ حضرت جد اعظم آدم کی تخلیق مکمل نہیں ہوئی تھی۔

اسی طرح یہ حدیث بھی جھوٹی اور بناوٹی ہے لولاک لما خلقت الافلاک کہ اے نبی اگر میں تجھے پیدا نہ کرتا تو افلاک ہی کو پیدا نہ کرتا۔ علما محققین نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔ کسی غیر معروف کتاب سے ایک یہ حدیث بھی پیش کی جاتی ہے کنت اول النبیین فی الخلق وآخرھم فی البعث کہ میں پیدائش میں سب نبیوں سے پہلے ہوں اور مبعوث ہونے میں آخر ہوں۔ اس حدیث کی سند نامعلوم اور نامعلوم کی صحت نامعلوم۔ لہٰذا صحاح کے مقابلہ میں قابل تسلیم نہیں پھر بشرط صحت یہ اولیت حقیقت نہیں۔ اس سے وہ اولیت مراد ہے جو ارواح بنی آدم کی پیدائش میں ہوئی اور جب اللہ تعالیٰ نے آدم سے اور بنی آدم سے عہد میثاق لیا تھا تو سب ارواح پیدا کر کے ان کو اپنے روبرو پیش کیا تھا تو اس وقت سب سے پہلے آنحضور ﷺ کا روح پیدا

کیا۔ پس اس طرح آپ آدم کی اولاد کے تمام انبیاء سے اول ہو گئے۔

بہرکیف نورنامہ اور دیگر کتب مقلدین وغیرہ میں جو یہ لکھا ہے کہ سب اشیاء سے پہلے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کا نور اپنے نور سے پیدا کیا پھر وہ نور سیر کرتا رہا اور پھر اس نور کے چار حصے کئے اور پھر اس سے قلم' لوح محفوظ' عرش وغیرہ بنائے' یہ سراسر باطل ہے۔ مجھے زیادہ تعجب مولوی اشرف علی صاحب تھانوی پر ہے جو مجدد ملت مشہور ہیں اور حکیم الامت کہے جاتے ہیں کہ انہوں نے اپنی کتاب نشر الطیب میں ان بے بنیاد اور کمزور روایتوں کا تذکرہ کر کے ان پر اعتماد کر لیا ہے جو ان کے علمی مقام سے بہت بعید ہے۔ حالانکہ انہی کے مرید حضرت مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم نے ان روایات کا قلع قمع کر دیا ہے۔ لہذا صحیح بات وہی ہے جو قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ فقط والسلام

عبدالقادر عارف حصاری

اہل حدیث سوہدرہ جلد۔۔۔۔' شمارہ۔۔۔۔' مورخہ

بشریت رسول ﷺ

تمام بشریہ فخر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اس کو علم بخش کر نورانی فرشتوں سے سجدہ کرایا ہے۔ اس کے لیے تمام کائنات اور اس کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ بشراور رسالت کا مرتبہ بخش کر اس پر اپنی کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے ہیں اور بشر ہی سے اللہ تعالیٰ نے واسطہ اور بلاواسطہ خطاب کیا ہے' نبوت اور رسالت کا بلند منصب بشر ہی سے شروع فرما کر بشر ہی پر ختم فرمایا ـــــ جس قدر انبیاء و رسل ہو چکے ہیں سب بشر ہی تھے اور وہ بشر اول الانبیاء حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کی اولاد تھے۔ چنانچہ ہمارے نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ خاتم الانبیاء جو سید البشر ہیں' وہ بھی حضرت آدم ہی کی اولاد سے ہیں۔ یہ عقیدہ تمام اہل اسلام میں مسلم ہے۔ ملائکہ' جن' انسان' ابرار بلکہ کفار کا اس پر اجماع ہے کہ جو انبیاء کہلاتے رہے وہ بشر ہی تھے۔ صرف کفار اہل اسلام کے خلاف بشر کے رسول اور نبی ہونے سے انکار کرتے رہے کہ جو نبی اور رسول کہلاتے ہیں' یہ تو بشر ہیں اور بشر نبی اور رسول ہو نہیں سکتے۔ لیکن تمام پیغمبر انہیں یہ جواب دیتے ـــــ کہ ان نحن الا بشر مثلکم ولکن اللّٰہ یمن علیٰ من یشاء من عبادہ (القرآن) یعنی ہم تمام رسول بشر تو ہیں' لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جنہیں چاہتا ہے رسالت کا مرتبہ بخش کر ان پر احسان کر دیتا ہے' یعنی رسالت بشریت کے منافی نہیں ہے۔

بس یہ عقیدہ انبیاء اور کفار کے مابین زیر بحث رہا کہ انبیاء بشر کا رسول ہونا ثابت کرتے رہے اور کفار اس کا انکار کرتے رہے۔ اب ہماری بدقسمتی سے اہل اسلام میں ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں جو رسولوں اور نبیوں کے لیے بشریت کا انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ بشر سے رسالت کا انکار اور رسالت سے بشریت کا انکار دونوں کا مآل ایک ہے' اور دونوں عقیدے کفر ہیں۔ اس لیے مقالہ ہذا میں انبیاء اور رسولوں کی بشریت ثابت کی گئی ہے۔ جس طرح کفار کے سامنے بشر کے لیے رسالت ثابت کرنا ضروری تھی' اس طرح منکرین بشریت کے سامنے اب اہل اسلام کو انبیاء اور رسل کے لیے بشریت

ثابت کرنی ضروری ہو گئی ہے۔ کیونکہ دونوں طرف سے انکار یکساں ہے۔ ہمارا ارادہ سوا اصلاح کے اور کچھ نہیں ہے۔ ان ارید الا الاصلاح وما توفیقی الا باللّٰہ

حضور ﷺ نوری تھے یا بشر خاکی؟ ⇐ اس دور ضلالت میں بعض لوگوں نے دیگر عقائد باطلہ اور مسائل مبتدعہ کی طرح ایک یہ عقیدہ باطل پیدا کر کے اسلام میں تفرقہ ڈال دیا ہے کہ جناب محمد مصطفیٰ ﷺ بشر نہ تھے' بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا ہو کر مجسم نور تھے۔ یہ عقیدہ بدیہی طور پر باطل اور صاف قرآن و حدیث و اجماع امت کے خلاف ہے جس پر کوئی قطعی الثبوت اور ظنی الدلالت دلیل ناطق نہیں ہے۔ محض غلو فی الدین کی بناء پر عقیدہ اختراع کر لیا گیا ہے جیسے اہل کتاب کے علماء نے اپنے انبیاء کی بابت غلو کرتے ہوئے یہ عقیدہ اختراع کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے تھے' جس کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا کہ. لا تغلوا فی دینکم "دین میں غلو نہ کرو" غلو شرع میں اس زیادتی کا نام ہے جس کو لوگ اپنی خوش عقیدگی سے اپنے پیشوا نبی یا ولی کے اوصاف بیان کرتے وقت بیان کریں' جس کا شرع میں کوئی ثبوت نہ ہو' بلکہ اصولی طور پر شرع کے مخالف ہو جیسے کوئی یہ کہے کہ ابن مریم یا عزیر اللہ کے بیٹے ہیں' یہ غلو ہے جو باطل ہے۔

پس اسی طرح یہ کہنا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بشر نہ تھے' اللہ کے نور سے پیدا ہوئے اور اللہ تعالیٰ ہی محمد ﷺ کی شکل میں متشکل ہو کر مدینہ میں نور میں وارد ہوا تھا۔ چنانچہ ایسے لوگوں کا یہ شعر شائع ہو چکا ہے۔ ؎

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر
اتر پڑا مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر

پھر اس پر یہ حدیث جو قطعی موضوع اور جعلی ہے' پیش کی گئی ہے کہ انا عرب بلاعین واحمد بلا میم یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں عرب بغیر عین کے اور احمد بغیر میم کے ہوں یعنی میں رب اور احد ہوں' اناللہ!

پس یہ صریح غلو ہے جو خلاف قرآن و حدیث ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ مجھ کو حد سے نہ بڑھانا جس طرح عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حد سے بڑھایا' میں تو اللہ کا بندہ اور رسول ہوں' پس تم یہ کہو کہ محمد اللہ کے بندے ہیں اور

رسول ہیں۔ (مسند احمد و شمائل ترمذی)

چونکہ زمانہ حاضرہ میں یہ مسئلہ متنازعہ فیہا ہو کر مسلمانوں میں باعث تفرقہ بن رہا ہے۔ اس لیے اس کو کتاب و سنت کی روشنی میں صریح واضح طور پر حل کر دیا جاتا ہے۔ مقالہ کے دو حصے ہوں گے۔ حصہ اول میں وہ دلائل قطعیہ بیان ہوں گے جن سے انبیاء خصوصاً حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بشریت کا ثبوت ہو گا اور دوسرے حصہ میں ان دلائل مذعومہ کا ذکر اور ان کا جواب ہو گا جنہیں منکر بشریت گروہ پیش کر کے لوگوں کو مغالطہ میں ڈالتا ہے۔

ناظرین کرام کو تعصب اور عناد سے بالاتر ہو کر اس مضمون کو غور سے پڑھنا چاہیے' انشاء اللہ تمام مضمون دیانت داری سے پڑھنے کے بعد شرح صدر ہو کر ضرور نور ہدایت نصیب ہو گا۔

اب رسول اللہ ﷺ کے بشر' رجل' انسان ہونے پر دلائل دیکھئے۔

پہلی دلیل ⇦ بشر لغت میں انسان کو کہتے ہیں' بشر کی تعریف یہ ہے کہ ظاہر جسم والا' ذی عقل و صاحب ادراک ہستی قرآن پارہ ۱۴۔ موضح القرآن میں یہ لکھا ہے:

"بشر وہ جو بدن رکھے کہ ہاتھ سے پکڑا جائے اور روح رکھے' ہوشیار' اگلی مخلوقات یا حیوان تھے جن کو ہوش نہیں یا فرشتے یا جن تھے جن کا بدن نہ پکڑا جائے۔"

لفظ بشر بشرہ سے ہے کہ ظاہر چمڑہ کو کہتے ہیں۔ مفردات راغب میں ہے ـــــ وعبر عن الانسان بالبشر اعتبارا بظهور جلده بخلاف الحيوانات' یعنی انسان کو اس اعتبار سے بشر کہا جاتا ہے کہ بہ نسبت حیوانات کے اس کا چمڑہ بالوں سے ننگا ہے۔

قاموس (لغت کی کتاب) میں ہے' البشر محركة الانسان ذكر او انثى یعنی "بشر انسان کو کہتے ہیں' خواہ مرد ہو یا عورت" یہ تعریف تمام انبیاء پر صادق آتی ہے جس سے ثابت ہوا کہ وہ بشر تھے۔ اس لیے سورہ ابراہیم پارہ ۱۳ میں تمام انبیاء کا یہ اقرار نامہ ہے کہ قالت لهم رسلهم ان نحن الا بشر مثلكم "ان کے پیغمبروں نے ان لوگوں کو یہ کہا کہ ہم تمہاری طرح کے بشر ہی ہیں۔

دوسری دلیل ⇦ دو نوع ہیں مرد' اور عورت' انبیاء مرد تھے' عورت نہیں تھے۔ سورہ انبیاء میں ہے' وما ارسلنا قبلك الا رجالا نوحي اليهم یعنی "ہم نے آپ سے

پہلے جس قدر پیغمبر بھیجے ہیں وہ سب مرد ہی تھے۔ ہم ان کی طرف وحی بھیجتے رہے ہیں۔"

اسی طرح سورہ یوسف میں ہے۔ "آنحضرت ﷺ بھی نوع انسانی میں سے مرد ہی تھے۔"

سورہ یونس میں ہے —— اکان للناس عجبا ان اوحینا الی رجل منهم ان انذر الناس یعنی "کیا لوگوں کو اس بات پر تعجب ہوا کہ ہم نے انہی میں سے ایک مرد پر وحی اتاری کہ آپ لوگوں کو ڈرائیں۔"

جب آنحضرت ﷺ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مکہ سے مدینہ کو ہجرت کر کے جا رہے تھے تو راستہ میں ایک شخص ملا' اس نے پوچھا تم کون ہو؟ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا نام بتایا' اس نے کہا کہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رجل یهدینی ایک مرد ہے جو میری راہنمائی کرتا جا رہا ہے۔

منکر نکیر میت کا جب حساب لیں گے تو یہ کہیں گے کہ ماکنت تقول فی هذا الرجل لمحمد صلی الله علیه وسلم (مشکوۃ) یعنی "اے شخص تو اس مرد کے بارہ میں کیا کہتا ہے جس کا نام محمد ﷺ ہے۔

شمائل ترمذی میں ہے' حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کان رسول الله صلی الله علیه وسلم رجلا مزد بعید مابین المنکبین یعنی "رسول اللہ ﷺ مرد درمیانہ قد تھے' آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان بہت فاصلہ تھا' یعنی آپ کا سینہ چوڑا تھا۔ رجل یعنی مرد کا سایہ ہوتا ہے تو آپ کا بھی سایہ تھا۔ آپ نے ظہر کا آخری وقت بتایا تو ارشاد فرمایا' کان ظل الرجل کطوله یعنی مرد کا سایہ اس کے قد کے برابر ہونے تک ظہر کا وقت رہتا ہے۔ فتفکرو یا اولی الالباب!

دوسری روایت میں یہ لفظ ہیں' صار ظل کل شیئی مثله یعنی "ہر شے کا سایہ اس کی مثل ہو جائے۔" حضور ﷺ بھی کل شیئی میں داخل ہو کر صاحب ظل ہیں' جب تک کوئی قوی دلیل اس سے آپ کو مستثنیٰ نہ کرے' بغیر سائے کے آپ کا تسلیم کرنا عقل اور علم کے خلاف ہی ہو گا —— ان دلائل سے ثابت ہوا کہ تمام انبیاء کرام مرد تھے اور آنحضرت ﷺ بھی مرد تھے' مرد بہ نسبت عورت کے بشر کامل ہوتا ہے۔

اس لیے حضور ﷺ بھی بشر کامل و اکمل تھے اور یہ بھی پتہ چل گیا کہ ملائکہ اور صحابہ کرام آپ کو مرد کہتے اور سمجھتے رہے۔

بشریت پر تیسری دلیل ⇦ سورہ کہف میں ہے قل انما انا بشر مثلکم (الآیہ) یعنی "اے میرے نبی! آپ اعلان کر دیں کہ میں تمہاری طرح بشر ہوں" مفردات راغب زیر لفظ بشر میں لکھا ہے کہ قال انما انا بشر مثلکم تنبیھا علی الناس یساوون فی البشریة و انما یتفاضلون بما یختصون به من المعارف الجلیلة والاعمال الجمیلة ولذالک قال بعده یوحی الی تنبیھا — فی بذالک تمیزت عنکم یعنی "آنحضور ﷺ نے اپنی بابت فرمایا سوائے اس کے نہیں کہ میں تمہاری طرح ایک بشر ہوں' یہ اس بات کو واضح کرنے کے لیے فرمایا کہ تمام لوگ نفس بشریت میں مساوی ہیں اور فضیلت ان کی معارف جلیلہ اور اعمال صالحہ کی بنا پر ہے۔ اس لیے اس کے بعد یوحی الی فرمایا کہ میری طرف اللہ کی وحی آتی ہے' اس کی وجہ سے میں تم سب سے ممتاز ہوں۔

قاضی عیاض نے اپنی کتاب شفاء جلد-۲' ص-۲۴۵ مطبوعہ مکتبہ نعیمیہ لاہور میں لکھا ہے کہ:

قد قدمنا انه صلی الله علیه وسلم وسائر الانبیاء والرسل من البشر وان جسمه وظاهره خالص للبشر یجوز علیه من الافات والتغییرات والالام والا سقام و تجرع کاس الحمام یجوز علی البشر وھذا کله لیس بنقیضة۔

یعنی پہلے ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اور تمام انبیاء اور رسول بشر تھے ان کے اجسام اور ظاہری اعضا سب خالص بشریہ تھے اور جیسے دیگر بشروں پر انقلابات اور آفات اور بیماریاں اور درد زخم تکلیفیں وغیرہ وارد ہوتی ہیں' انبیاء پر بھی وارد ہوتی رہی ہیں اور جو عوارض بشر پر آتے ہیں' ان پر بھی آئے سو یہ کوئی نقص کی باتیں نہیں ہیں۔

پھر قاضی صاحب نے ص-۲۴۸ میں دو روائتیں نقل فرمائی ہیں جو درج ذیل ہیں۔

چوتھی دلیل ⇦ تابیر نخل کے سلسلہ میں آنحضور ﷺ نے فرمایا: انما انا بشر انا

امرتکم بشئی من دینکم فخذوا به واذا امرتکم بشئی من رائی فانما انا بشر۔
یعنی میں تو بشر ہی ہوں' جب تم کو بحیثیت نبی ہونے کے دین کا ــــــ حکم کروں تو تم اس کو مضبوط پکڑو' اور جب تم کو کسی چیز کی بابت اپنی رائے سے حکم کروں تو پھر میں بشر ہی ہوں۔ دوسری روایت قصہ الخرص میں یوں وارد ہے:

انما انا بشر فما حدثتکم عن اللّٰہ فھو حق عن وما قلت فیہ من قبل نفسی فانا بشر اخطی واصیب۔ یعنی میں تو ایک بشر ہوں جو حکم میں تم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کروں تو وہ دین ہے' اس کو قبول کرو اور جو بات اپنی رائے سے کہوں' تو میں بشر ہوں' میری رائے اور بات میں خطا اور صواب کا امکان ہے' جس کے قبول کرنے اور نہ کرنے کا تم کو اختیار ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ آپ حقیقت میں بشر تھے' اس لیے آپ کی ذاتی رائے میں خطا کا امکان بھی ظاہر ہوا۔ تفسیر تنویر المقیاس میں قرآن کی تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' سورہ کہف ص۔۱۸۶ میں یہ لکھا ہے:

قل یامحمد انما انا بشر مثلکم آدمی مثلکم یعنی اے محمد ﷺ آپ اعلان کر دیں کہ میں تمہاری طرح کا آدمی ہوں' یہ اقرار بشریت قرآن میں کئی جگہ آپ کی زبان حقیقت ترجمان سے کرایا گیا ہے۔

پانچویں دلیل ⇦ تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ ص۔۲۷۲ میں ہے:

وباسنادہ عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہ فی قول الباری جل ذکرہ یٰسین یقول یاانسان بلغۃ السریاینۃ یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے لفظ یٰسین کی تفسیر میں فرمایا کہ سریانی زبان میں اس کا معنی یہ ہے' اے انسان! قاضی عیاض نے شفاء میں فصل رابع فی قسمہ تعالی بعظیم قدرہ یہ نقل کیا ہے کہ یٰسن یا انسانا اراد محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم یعنی یٰسین کا معنی ہے' اے انسان! مراد محمد ﷺ ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ آپ انسان تھے۔ اب انسان کی پیدائش قرآن سے معلوم کریں تو یہ درج ہے' سورہ سجدہ میں ہے: وبدا خلق الانسان من طین' یعنی انسان کی ابتدائی پیدائش مٹی سے ہے کہ اول بشر آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے۔ چنانچہ ملائکہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ انی خالق بشرا من طین' یعنی میں گیلی مٹی سے

بشر کو پیدا کرنے والا ہوں۔ آنحضرت ﷺ بھی آدم کی اولاد سے ہیں۔ جب آپ کو معراج ہوا تو آپ کی ملاقات حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی۔ اس وقت جرائیل علیہ السلام نے آپ کو تعارف کرایا کہ هذا ابوک آدم فسلم علیه' یہ آپ کے باپ آدم علیہ السلام ہیں' ان کو سلام کیجئے۔ تب آپ نے سلام کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے جواب دیتے ہوئے یہ فرمایا کہ: مرحبا بالابن الصالح والنبی الصالح' یعنی صالح بیٹے کو مرحبا ہو اور نبی صالح کو مرحبا۔ جب آپ آدم علیہ السلام کی اولاد ہوئے اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے تو آپ بھی خاکی ہوئے۔ چنانچہ مشکوۃ کی ایک حدیث میں ہے: الناس کلهم بنو آدم وآدم من تراب' یعنی سب لوگ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوا ہے' تو اس شکل کا نتیجہ یہ ہے: الناس کلهم من تراب' یعنی سب لوگ مٹی سے پیدا ہوئے۔

اسی طرح یہ کہا جائے گا کہ محمد من آدم و آدم من تراب' اس کا بھی یہی نتیجہ ہو گا کہ محمد من تراب' یعنی حضرت محمد ﷺ مٹی سے پیدا ہوئے۔ پس جسم اور روح کے اعتبار سے آپ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ جسمانی ثبوت تو ہو چکا' مزید یہ ہے کہ مشکوۃ میں حدیث ہے کہ:

فقال النبی صلی الله علیه وسلم علی المنبر فقال من انا فقالوا انت رسول الله صلی الله علیه وسلم قال انا محمد بن عبدالله بن عبدالمطلب (الحدیث)

یعنی آپ نے منبر پر قیام فرما کر یہ کہا کہ بتاؤ میں کون ہوں؟ صحابہ حاضرین رضی اللہ عنہم نے کہا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں' آپ نے فرمایا کہ میں محمد ﷺ بیٹا عبداللہ کا ہوں اور وہ عبدالمطلب کی اولاد سے ہیں۔ اسی طرح آپ کا نسب نامہ ابراہیم علیہ السلام تک اور ابراہیم علیہ السلام سے آدم علیہ السلام تک چلا جاتا ہے۔ جیسا کہ کتب السیر میں مکمل درج ہے۔ علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ الخشوع فی الصلوۃ کے ص-۱۰ میں یہ روایت نقل فرمائی کہ: وکان بین یدیه رجل یوم الفتح فارتعد فقال له هون علیک انی لست بملک وانما انا ابن امراۃ من قریش کانت تاکل القدید' یعنی فتح مکہ کے دن ایک مرد آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش ہوا' تو وہ کانپنے لگا' آپ نے فرمایا کہ تم تسلی کرو' کوئی خطرہ نہیں ہے' میں کوئی ملکی

بادشاہ نہیں ہوں۔ میں تو قوم قریش کی اس عورت کا بیٹا ہوں جو گوشت خشک کر کے کھایا کرتی تھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ بشر خاکی تھے اور خاکی بشروں کی اولاد تھے۔ اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ کان بشرا من البشر (مشکوٰۃ) کہ آنحضرت ﷺ بشر تھے' اور بشر سے پیدا ہوئے۔ اس سے جسمانی طور پر آپ کا بشر اور بشر کی اولاد ہونا ثابت ہوا۔

روحانی طور پر یہ ثبوت ہے کہ مشکوٰۃ ایمان بالقدر میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لما خلق اللّٰہ آدم مسح ظهره فسقط عن ظهره كل نسمة هو خالقها من ذريته الى يوم القيامة (الحديث) یعنی جب آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا' تو اس کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو اس سے ہر روح جو اس کی اولاد سے قیامت تک پیدا ہونے والی تھی' سب برآمد ہوئی۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ کا روح بھی دیگر ارواح کی طرح حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ہے' کیونکہ الفاظ كل نسمة هو خالقها من ذريته الى يوم القيامة عام ہیں' جو آپ کے روح کو بھی شامل ہیں اور وہ جو بعض روایتوں میں یہ آیا ہے کہ كنت اول الانبياء خلقا یعنی میں سب انبیاء سے پیدائش کے اعتبار سے اول ہوں' تو اس سے مراد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہاتھ پیرا تو اول آپ کا روح پیدا ہوا' پھر باقی انبیاء کے روح پیدا ہوئے۔

امام زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں: انه صلى اللّٰه عليه وسلم قد خص باستخراجه من ظهر آدم قبل نفخ الروح فيه فان محمدا صلى اللّٰه عليه وسلم هو المقصود من خلق النوع الانسانى' یعنی اول پیدائش محمدی ﷺ سے مراد یہ ہے کہ آپ کا استخراج پشت آدم علیہ السلام سے مخصوص طور پر آدم میں روح پھونکنے سے پہلے ہوا' کیونکہ نوع انسانی کی پیدائش میں محمد ﷺ اصل مقصود تھے۔ جب جسمانی اور روحانی طور سے آپ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں تو آپ کا بشر خاکی ہونا ثابت ہوا' جو لوگ آپ کو نورانی مخلوق قرار دیتے ہیں وہ آپ کو نوع انسانی سے خارج کرتے ہیں جو سراسر باطل ہے' اور یہ آپ کی توہین ہے جو کسی طرح جائز نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے بشر خاکی ہونے کی چھٹی دلیل ⇦ مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی جو ایک فرقہ کے مسلم مفتی اور پیشوا ہیں' وہ اپنے فتاویٰ افریقیہ مطبوعہ

رضوی پریس ۱۳۳۶ھ میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ما من مولود یذر فی سرته من تربته التی خلق منها حتی یدفن فیها وانا وابوبکر و عمر خلقنا من تربة واحدة فیها ندفن ہر بچے کی ناف میں اس مٹی کا حصہ ہوتا ہے جس سے وہ بنایا گیا ہے' یہاں تک کہ مرنے کے بعد اسی (مٹی) میں دفن کیا جائے گا اور میں' ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہم ایک ہی مٹی سے بنے ہیں' اس میں دفن ہوں گے۔

میں کہتا ہوں کہ اس روایت کا ماخذ خان صاحب نے نہیں بتایا' میں نے تذکرۃ الموضوعات مولفہ علامہ محمد طاہر حنفی کا مطالعہ کیا تو اس کے ص۔۲۹۳ پر یہ روایت درج ہے۔ اس کے آخر میں یہ لکھا ہے کہ فیه مجاهیل اس روایت میں کئی مجہول راوی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ:

قلت له طریق ثان عنه و اورده عن ابی هریرة وله شاهد عنه موقوفا بلفظ' ویاخذ یعنی الملک التراب الذی یدفن فی لصعته ویعجن به نطفته یعنی اس روایت کا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے دوسرا طریق بھی ہے اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہ روایت وارد ہوئی ہے اور اس کا ایک شاہد موقوف روایت سے جس کے یہ لفظ ہیں کہ فرشتہ اس جگہ سے مٹی لیتا ہے جہاں اس نے دفن ہونا ہوتا ہے' پھر اس مٹی کو والدین کے نطفہ میں ملا کر گوندھ لیتا ہے۔

لیکن علامہ محمد طاہر نے بھی اس روایت کا ماخذ نہیں لکھا کہ کون سی کتاب کی روایت ہے۔ ہاں میں یہ کہتا ہوں کہ اس روایت کی تائید قرآن سے ہوتی ہے اور وہ یہ آیت ہے جو سورہ طہٰ میں وارد ہے:

منها خلقناکم وفیها نعیدکم ومنها نخرجکم تارة اخری' چنانچہ امام احمد و حاکم نے ابوامامہ سے روایت کیا ہے کہ جب بنت رسول ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو قبر میں رکھا گیا تو حضور ﷺ نے آیت مذکورہ پڑھی اور دوسری روایت میں یہ تفصیل ہے کہ آپ نے تین بار مٹی ڈالی' پہلی بار ڈالی تو فرمایا' منها خلقناکم' دوسری بار ڈالی تو یہ پڑھا' وفیها نعیدکم' تیسری بار ڈالی تو یہ پڑھا' ومنها نخرجکم تارة اخری۔

جامع البیان ص۔۲۷ میں ہے کہ: منها من الارض خلقناکم فان اب الکل

منها وعن بعض الملک یاخذ من تراب الارض الذی قدر ان یدفن فیها فیذره علی النطفة فیخلق منها وفیها نعیدکم بالموت ومنها نخرجکم یوم البعث تارة اخری۔

یعنی فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ ہم نے تم سب کو زمین سے پیدا کیا' یعنی یا بایں طور کہ آدم سب کا باپ ہے اور وہ مٹی سے پیدا ہوا' یا بایں طور کہ بعض نے روایت کیا کہ فرشتہ اس زمین سے مٹی لیتا ہے جہاں اس کا دفن ہونا مقدر ہوتا ہے پھر اس مٹی کو نطفہ پر ڈال کر اس کو بناتا ہے اور ہم موت کے بعد تم کو ایسی زمین میں لوٹا دیں گے' جس سے پیدا کیا تھا اور بروز حشر اسی سے تم کو دوبارہ نکال لیں گے۔

آنحضرت ﷺ بھی زمین سے بذریعہ آدم علیہ السلام یا قبر کی جگہ کی مٹی کی رو سے پیدا ہوئے اور اسی زمین میں دفن ہوئے جس سے آپ کا بشر خاکی ہونا صاف ثابت ہے' جس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور اس دلیل کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مواہب اور زرقانی میں ہے کہ:

قال لما اراد اللہ ان یخلق محمدا صلی اللہ علیہ وسلم امر جبریل ان یاتیہ بالطینة التی ھی قلب الارض وبھاؤھا ھو الحسن کما فی القاموس ونرھا فھبط جبریل فی ملائکة الفردوس وملائکة الرفیع الاعلیٰ (السماء السابعة) فقبض قبضة رسول اللہ من موضع قبرہ الشریف وھی بیضاء منبرة فعجنت بماء التسنیم (وھو ارفع شراب الجنة) حتی صارت کالدرة البیضا لھا شعاع عظیم وقد قال ابن عباس رضی اللہ عنہ اصل طینة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سرة الارض بمکة۔

یعنی جب اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کے پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو جبرائیل علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ اس جگہ سے مٹی لا کر حاضر کر جو تمام زمین کا دل ہے اور وہ بہت اچھی ہے۔ تو جبرائیل ملائکہ فردوس اور ساتویں آسمان کے فرشتوں سے گزرتا ہوا اس جگہ اترا جہاں آپ کی قبر شریف ہے' وہاں سے ایک مشت مٹی لی' وہ سفید اور روشن تھی' اس کو جنت کے اعلیٰ چشمہ کے پانی میں ڈال کر گوندھا تو وہ موتی کی طرح چمکنے لگی جس میں بڑی شعاع تھی اور ابن عباس ؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی مٹی کا اصل مکہ

سے ہے جو زمین کی بلغ ہے۔
اس سے یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ زمین اور ملائکہ کے بعد پیدا ہوئے اور یہ ثابت ہوا کہ آپ کا اصل مٹی ہے' گو اس کو جنت کے پانی سے گوندھیں یا کسی طرح صاف مصفیٰ کریں۔ بہرحال وہ خاک تھی اور اللہ کا نور ہرگز نہ تھا' پس یہ کہنا کہ آپ اللہ کے نور سے پیدا ہو کر مجسم نور تھے' باطل ہے۔

ساتویں دلیل ⇦ سورہ فرقان میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ھوالذی خلق من الماء بشراً فجعله نسبًا وصهراً۔ یعنی اللہ وہ ذات ہے جس نے بشر کو پانی سے پیدا کیا اور اس کو صاحب نسب و دامادی بنایا۔
اس کی تفسیر اور پانی کی بابت تفسیر جامع البیان میں یہ لکھا ہے' النطفة یعنی نطفہ سے پیدا کیا' پھر لکھا ہے' ذوی نسب ای ذکورا ینسب الیهم فیقال فلان ابن فلان و فلانه بنت فلان' یعنی بشر کو نسب والا بنایا' کہ جب اس کا شجرہ نسب بیان کیا جاتا ہے تو یہ کہا جاتا ہے فلاں بیٹا فلاں کا ہے اور فلاں عورت فلاں شخص کی لڑکی ہے' پھر لکھا ہے' صهرا ذوات صهرا ناثا یصاهر بهن' یعنی بشر کو دامادی والا کیا کہ عورتوں سے اس کا نکاح ہوا تو وہ ان کے سبب سے لوگوں کا داماد ہوا۔ تنویر المقیاس تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ص-۲۲۷ میں ہے: خلق من الماء من ماء الذکر والانثیٰ (بشراً) یعنی مرد عورت کے پانی سے بشر کو بنایا۔
میں کہتا ہوں سورہ دہر میں بھی یہ ہے کہ انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج یعنی ہم نے انسان کو مرد عورت کے ملے جلے نطفہ سے پیدا کیا ہے۔ جس کی تفصیل سورہ طارق میں ہے کہ فلینظر الانسان مما خلق خلق من ماء دافق یخرج من بین الصلب والترائب' یعنی انسان کو غور کرنا چاہیے کہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے' وہ اس اچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو مرد کی پشت سے اور عورت کی چھاتیوں سے نکلتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر میں ہے' صلب الرجل وترائب المراة۔
پس اس دلیل کی رو سے بھی آنحضرت ﷺ بشر ثابت ہیں۔ کیونکہ یہ تعریف اور حقیقت بشر کی جو بیان ہو گئی ہے آپ پر صادق ہے۔ آپ انسان ہیں' آپ کے والدین ہیں جن سے آپ پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان ہے' آپ نے اپنا نسب نامہ خود بیان کیا

اور اپنے آپ کو بنی ہاشم سے بتایا اور آپ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما وغیرہما کے داماد ہیں اور حضرت عثمان و علی رضی اللہ عنہما آپ کے داماد ہیں' نور مجسم نہ کسی کا داماد ہوتا ہے اور نہ اس کا کوئی داماد ہوتا ہے اور نہ اس کے والدین ہوتے ہیں اور نہ کنبہ اور خاندان ہوتا ہے۔ لہٰذا آپ نور نہ تھے۔

آٹھویں دلیل ⇦ مشکوۃ باب علامات النبوۃ میں یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ جبرائیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے آپ کو پکڑ کر لٹایا اور سینہ چاک کیا' فشق عن قلبه فاستخرج منه علقة فقال هذا حظ الشيطان منک' یعنی آپ کا دل شق کر کے اس سے خون غلیظ نکل دیا' اور فرمایا یہ شیطانی حصہ ہے جو آپ سے خارج کر دیا گیا ہے۔

اس سے بھی ثابت ہوا کہ آپ بشر تھے کہ سینہ چاک کیا' دل نکلا' اس سے خون نکلا' جو بشریت میں شیطانی اثر تھا' یہ چیزیں مجسم نور میں مفقود ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سوئی کا نشان آپ کے سینہ میں' میں نے دیکھا تھا۔ اسی طرح معراج کی حدیث میں ہے کہ آپ کا سینہ چاک کیا گیا ہے فاستخرج قلبی کہ میرا دل فرشتہ نے نکالا جس کو زمزم کے پانی سے دھویا گیا' یہ چیر پھاڑ بشریت پر دال ہے' باقی ایسا کیوں کیا گیا؟ یہ نبوت و رسالت کے لیے صفائی تھی۔ ایسی بات تو جاہل ہی نہیں' جاہلوں کا باوا ہی کہہ سکتا ہے۔ چنانچہ خود حضرت امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "میں نے اپنی صحیح میں صرف وہ احادیث جمع کی ہیں جو میری صحیح بخاری کے اغراض و مقاصد کے حسب حال تھیں۔" چنانچہ خود حضرت امام اللاولین والاخرین فی الحدیث بخاری کی عبارت یہ ہے' خرجت كتاب الصحيح من زهاء ست مائة الف حديث فی ست عشرة سنة وما وضعت فيه حديثا الا اغتسلت وصليت ركعتين الخ' ترجمہ: "میں نے چھ لاکھ احادیث سے اپنے مطلب کی احادیث (خرجت) سولہ برسوں میں اپنی صحیح بخاری میں جمع کر دی ہیں اور ہر حدیث کے لیے وضو کر کے دو رکعت پڑھ لیا کرتا تھا۔"

اے مسلمانو! اے پرویزیو!! دیکھو حضرت امام بخاری رحمہ اللہ خود فرما رہے ہیں اور پرویز کیا کہہ رہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے بشر ہونے کی نویں دلیل ⇦ مشکوٰۃ باب بدء الوحی میں ہے کہ آپ غار حرا میں تھے کہ جبرائیل علیہ السلام آپ کے پاس آیا اور کہا کہ اقراء پڑھ' تو آپ نے فرمایا میں پڑھنا نہیں جانتا۔ تو فرشتہ نے تین بار آپ کو بھینچا' پھر سورہ اقراء کی آیات پڑھیں' اس حدیث میں ہے کہ یرجف قلبه آپ مکہ کی طرف چلے تو دل کانپتا تھا' آپ نے فرمایا مجھے کپڑا اڑھاؤ' تو کپڑا اوڑھایا گیا' پھر فرمایا' لقد خشیت علی نفسی' مجھے اپنی جان کا خطرہ ہوا۔

اس سے بھی ثابت ہوا کہ آپ بشر تھے کہ یہ بشری خواص ظاہر ہوئے ورنہ نور سے نور نہیں ڈرتا' خصوصاً وہ نور جو بقول فرقہ غالیہ اللہ کے نور سے بنا ہے اور وہ نور جس سے تمام کائنات فرشتے وغیرہ پیدا ہوئے ہیں' وہ اپنے ہم جنس سے کیسے ڈر سکتا ہے' لیکن حدیث سے ثابت ہوا کہ آپ ڈر گئے اور دہشت زدہ ہو گئے' بلکہ دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے دوبارہ کرسی پر فرشتہ کو دیکھا تو فرمایا: فجئثت منه رعبا حتی هویت علی الارض فجئت اهلی فقلت زملونی زملونی زملونی' یعنی میں اس فرشتہ سے ڈر گیا اور اس قدر ڈرا کہ زمین پر گر پڑا۔ میں اپنے گھر والوں کے پاس آیا اور کہا کہ مجھے کپڑا اڑھاؤ۔ انہوں نے کپڑا اوڑھا دیا۔ یہ سب حالت بشریت پر دلیل ہے۔ اسی طرح وحی کی کیفیت آپ نے بیان فرمائی کہ جو وحی مانند آواز گھڑیال ہوتی ہے وہ سخت ترین وحی ہے' حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا مشاہدہ ہے کہ وحی کے دنوں میں آپ پر وحی آتی تو آپ کی پیشانی پسینہ سے بہنے لگتی' یہ سب بشریت کا تقاضا ہے' ورنہ نور مجسم کبھی اس طرح نہیں ہو سکتا۔

دسویں دلیل ⇦ کفار کا یہ خیال تھا کہ بشر رسول نہیں ہو سکتا۔ چاہیے تھا کہ رسول کوئی نورانی مخلوق وغیرہ آتا۔ اس لیے وہ کہتے تھے کہ ابشر یهدوننا' کیا بشر ہمیں ہدایت کرتے ہیں' اور آنحضرت ﷺ کی بابت کہتے تھے کہ مالهذالرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق' یعنی یہ کیسا رسول کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے' تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں یہ فرمایا کہ' وما ارسلنا قبلک من المرسلین الا انهم لیاکلون الطعام ویمشون فی الاسواق' یعنی ہم نے آپ سے پہلے جس قدر پیغمبر بھیجے ہیں وہ سب ہی کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے

تھے۔

اس سے ثابت ہوا کہ کھانا کھانا اور بازار میں پھرنا یہ بشری خواص و لوازم سے ہے۔ اگر نور ہوتے تو آپ کھانا نہ کھاتے' چنانچہ ملائیکہ انسانی شکل میں متشکل ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے اور آپ نے بچھڑے کا گوشت ان مہمانوں کے سامنے رکھا' تو انہوں نے نہ کھایا کہ وہ نورانی تھے' اگر کھا لیتے تو ان کو پیشاب پاخانہ وغیرہ کی حاجت ہو جاتی' نور مجسم ان حاجتوں سے پاک ہوتے ہیں' لیکن آپ کو یہ حاجات تھیں تو اس سے ثابت ہوا کہ آپ بشر تھے' نور مجسم نہ تھے۔ اگر نور ہوتے تو اللہ تعالیٰ یہ جواب نازل کرتے کہ یہ بشر نہیں نور ہے۔

گیارہویں دلیل ⇦ مشکوۃ میں حدیث ہے کہ جنگ احد میں آپ کے دانت شہید ہوئے اور زخمی ہوا' فجعل يسلت الدم عنه آپ اپنا خون پونچھتے تھے' یہ بھی بشریت کی دلیل ہے' اگر نور مجسم ہوتے تو سر سے خون نہ نکلتا' بلکہ نور نکلتا۔ اسی طرح آپ نے سینگی لگوائی تو اندر سے خون نکلا۔

بارہویں دلیل ⇦ مشکوۃ شریف باب وفاۃ النبی ﷺ میں حدیث ہے کہ حضرت ابوسعید خدری ؓ فرماتے ہیں' خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم فى مرضه الذى مات فيه ونحن فى المسجد عاصبا راسه بخرقة آنحضرت ﷺ اپنی اس بیماری کی حالت میں کہ جس میں وفات پا گئے تھے' ہماری طرف تشریف لائے' اس حال میں کہ آپ نے اپنا سر شدت تکلیف سے باندھا ہوا تھا۔ ہم اس وقت مسجد میں بیٹھے تھے ـــــ اس حدیث سے آپ کا بیمار ہونا اور تکلیف سے سر باندھنا ثابت ہوا۔ آپ کو سخت بخار ہونا اور آپ کا غشی میں آجانا اور بے چین ہونا بھی ثابت ہے۔ اور آپ کو زہر دیا جانا اور اس زہر کی تکلیف محسوس کرنا' جیسے فرمایا' ياعائشة مازال اجدا لم الطعام الذى اكلت بخيبر' اے عائشہ! رضی اللہ عنہا میں ہمیشہ اس زہریلے کھانے کی تکلیف محسوس کرتا رہا ہوں' جو میں نے خیبر میں کھایا تھا۔ اسی طرح آپ پر جادو ہو جانا اور اس سے حالت کا بگڑ جانا وغیرہ امور عارضہ سے ثابت ہوا ہے کہ آپ بشر تھے ورنہ نور مجسم میں یہ عوارض انسانیہ نہیں ہوا کرتے اور نہ نور پر زہر اور جادو اثر کر سکتا ہے۔

تیرہویں دلیل ⇦ مسلم شریف جلد-۲' ص-۷۴ میں حدیث وارد ہے کہ فقال انما انا بشر وانه یاتینی الخصم فلعل بعضهم ان یکون ابلغ من بعض فاحسب انه صادق فاقضی له فمن قضیت له بحق مسلم فانما هی قطعة من النار فلیحملها او یذرها" یعنی سوائے اس کے نہیں کہ میں تو ایک بشر ہوں' میرے پاس فریقین مقدمہ لاتے ہیں تو ان میں بعض بڑے چرب زبان ہوتے ہیں' میں ان کے بیان کی بنا پر ان کو سچا خیال کرتا ہوں اور ان کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہوں' پس جس شخص کے حق میں کسی مسلمان کے حق کا فیصلہ دے دوں تو وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے خواہ اس کو اٹھا لے یا چھوڑ دے- یہ حدیث بعبارۃ النص اور بشری اقتضاء کے لحاظ سے صاف دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت ﷺ بشر تھے اور بالکل غیب دان نہ تھے- اس سے دعویٰ نور و غیب کلی دونوں باطل ہوئے-

بشریت کی چودھویں دلیل ⇦ مسلم جلد-۲' ص-۳۲۴ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا' انما انا بشر وانی اشترطت علٰی ربی ای عبد من المسلمین سببته ان یکون له زکٰوة واجرا" یعنی میں بشر ہی ہوں' میں نے اپنے رب سے دعا کر کے یہ عہد لے لیا ہے کہ مسلمانوں میں سے جس کسی شخص کو میں نے برا بھلا کہا ہے' وہ اس کے گناہوں کی صفائی اور اجر کا موجب ہو جائے-

اس حدیث سے جملہ اسمیہ خبریہ کے ساتھ آپ کی بشریت ثابت ہے' جو شخص یہ کہتا ہے کہ آپ بشر نہ تھے' وہ اس جملہ انا بشر کی تکذیب کرتا ہے' جو موجب کفر ہے اور جو حقیقت میں بشر نہ ہو' بظاہر بشر ہو وہ کبھی یہ اعلان نہیں کر سکتا کہ میں بشر ہوں بلکہ یہ کہے گا کہ میں متمثل ببشر ہوں-

بشریت کی پندرھویں دلیل ⇦ ابوداؤد اور مسند احمد میں یہ حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بھول کر جنابت کی حالت میں نماز پڑھانی شروع کر دی' پھر یاد آیا تو آپ غسل کرنے چلے گئے' پھر غسل کر کے نماز پڑھائی اور بعد میں یہ فرمایا کہ' انما انا بشر مثلکم وانی کنت جنبا" یعنی جز ایں نیست کہ میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں' میں جنبی تھا' (بھول گیا تھا' اس لیے غسل کر کے آیا ہوں) اس حدیث سے آپ کی بشریت اور بشری عوارض خوب ثابت ہیں نیز یہ کہ آپ غیب دان نہ تھے-

بشریت کی سولھویں دلیل ⇦ مسلم جلد-۲' ص-۳۲۴ میں ہے' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ یہ دعا فرما رہے تھے کہ' اللّٰھم انما محمد بشر یغضب کما یغضب البشر وانی قد اتخذت عندک عھدا (الحدیث) یعنی اے اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہے' غصہ میں آجاتا ہے جس طرح بشر غصہ میں آجاتے ہیں' میں آپ سے عہد لیتا ہوں کہ جس کو میں نے تکلیف دی یا گالی دی ہے' اس کو اس کے لیے گناہوں کا کفارہ کر دے اور قربت کا موجب بنا دے۔ اس حدیث صریح سے بعبارۃ النص آپ کی بشریت ثابت ہے۔

سترھویں دلیل ⇦ مشکوٰۃ میں حدیث ہے کہ ایک بار آپ نماز میں بھول گئے' جب آپ کو آگاہ کیا گیا تو آپ نے نماز پوری کر کے پھر سجدہ سہو کیا اور بعد فراغت یہ فرمایا کہ انما انا بشر مثلکم انسیٰ کما تنسون فاذا نسیت فذکرونی' یعنی میں تمہاری طرح ایک انسان ہوں' جیسے تم انسان ہونے کی وجہ سے کبھی بھول جاتے ہو' میں بھی ایسے ہی بھول جاتا ہوں' جب میں بھولا کروں تو مجھے یاد دلایا کرو۔ (سبحان اللہ کہہ دیا کرو) یہ حدیث بشریت رسول پر صریح دلیل ہے اور اس سے یہ ثابت ہوا کہ نسیان جو انسان کا خاصہ ہے' انبیاء پر بھی وارد ہوتا رہا ہے' کیونکہ وہ بشر تھے۔ حدیث میں ہے' نسی آدم فنسیت ذریتہ' یعنی حضرت آدم علیہ السلام نبی اللہ علیہ السلام بھول گئے' ان کی اولاد بھی بھول جاتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بھی لفظ انشاء اللہ بھول گئے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام بھول گئے تو معذرت کی کہ لا تؤاخذنی بما نسیت آپ مواخذہ نہ کریں میں بھول گیا ہوں۔ ہمارے پیغمبر سورت پڑھتے ہوئے ایک آیت بھول گئے تو بعد نماز کے ایک شخص نے آگاہ کیا تو آپ نے اس کو فرمایا کہ فھلا ذکرتینھا تو نے مجھے یاد کیوں نہ دلایا' لقمہ دینا چاہیے تھا ــــــــ اس نے کہا کہ مجھے یہ خیال رہا کہ آیت اس لیے چھوڑ دی ہو گی کہ منسوخ ہو گئی۔ (رواہ ابوداؤد و ابن حبان)

امام نووی وغیرہ علماء نے لکھا ہے کہ نسیان انبیاء پر وارد ہو سکتا ہے' مگر وہ اس بھول پر ٹھہرائے نہیں جاتے۔ ان کو اعلام کر دیا جاتا ہے۔ یہ جو بعض کہتے ہیں کہ آپ

پر نسیان اس لیے وارد کیا جاتا تھا کہ وہ نسیان امت کے لیے تعلیم مسائل کا باعث ہو یہ سراسر غلط ہے۔ حدیث میں آپ کا فرمان یہ ہے کہ:

اذکر کما تذکرون وانسیٰ کما تنسون' یعنی میں بھی یاد گیری رکھتا ہوں' جیسے تم رکھتے ہو اور بھول جاتا ہوں' جیسے تم بھول جاتے ہو۔

اس سے سب تاویل باطل ہوئی اور مئوطا کی روایت جو اس بارہ میں پیش کی جاتی ہے وہ ثابت نہیں ہے' فتفکروا۔ عقیدہ کلی غیب کا بھی باطل ہوا کہ غیب دان بھولتا نہیں ہے' وما کان ربک نسیًا۔

اٹھارھویں دلیل ⇦ قرآن کریم سورہ شوریٰ میں ہے: وما کان لبشر ان یکلمه الله الا وحیا اومن وراء حجاب او یرسل رسولا (الآیه) یعنی اللہ تعالیٰ کسی بشر سے کلام نہیں کرتا' مگر تین طریقوں سے' اول بذریعہ الہام' دوم غیب سے پس پردہ آواز دے کر' سوم بذریعہ فرشتہ کے پیغام بھیج کر۔

اس آیت سے صاف ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ اور دیگر تمام انبیاء جن سے ہرسہ طریقوں سے کلام کیا گیا بشر تھے۔ اسی لیے فرقہ منکرین بشریت کے علماء نے عقائد کی کتابوں میں یہ تسلیم کر لیا ہے کہ انبیاء بشر تھے۔

رسول اللہ ﷺ کے بشر ہونے پر انیسویں دلیل ⇦ قرآن کریم میں ہے: انک میت وانهم میتون' آپ مرنے والے ہیں' اور وہ آپ کے مخالفین بھی مرنے والے ہیں (سورہ زمر) حضرت ابن عباس ؓ نے اس کی یوں تفسیر کی ہے کہ انک یامحمد ستموت وانهم یعنی کفار مکة سیموتون' یعنی اے محمد ﷺ آپ بھی عنقریب رحلت فرمائیں گے اور کفار مکہ بھی عنقریب فوت ہو جائیں گے۔

اس سے یہ ثابت ہوا کہ جس طرح بشر کو موت آتی ہے اسی طرح آپ کو بھی موت آئے گی۔ سورہ انبیاء میں ہے کہ وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد افان مت فهم الخالدون' اس آیت کی بابت حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں: ـــ هذہ الایة فی قولهم ننتظر محمداً صلی الله علیه وسلم حتّٰی یموت فنستریح' یعنی یہ آیت کفار کے اس قول کے جواب میں نازل ہوئی ہے کہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہم محمد ﷺ کی موت کے منتظر ہیں' کب وہ مرے تو ہم اس سے راحت حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ نے

جواب دیا کہ ہم نے کسی بشر کو دنیا میں ہمیشہ رہنے کے لیے پیدا نہیں کیا۔ کیا اگر آپ فوت ہو گئے تو یہ دنیا میں ہمیشہ رہیں گے؟ ہرگز نہیں آخر ایک دن آپ بھی میت ہوں گے۔ یہ بھی میت ہوں گے۔ اسی بناء پر آپ نے یہ فرمایا کہ الا ایها الناس انما انا بشر یوشک ان یاتینی رسول ربی فاجیب۔ (الحدیث' مشکوۃ ص-۵۵۳) یعنی اے لوگو! سن رکھو میں ایک بشر ہوں' قریب ہے کہ میرے پاس اللہ کا فرشتہ ملک الموت آئے اور میں اس کی بات قبول کروں۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آپ نے بھی اپنی موت کی بنا بشریت پر رکھی ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی یہی فرمایا ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔ آخرکار بحکم کل نفس ذائقة الموت' آپ کو موت آنا شروع ہوئی تو آپ پر موت کے سکرات آنے لگے' تب آپ نے یہ دعا فرمائی' اللهم اعنی علی سکرات الموت' کہ موت کی سختیوں پر اے اللہ! میری مدد فرما۔ اور یہ فرمایا کہ ان للموت سکرات' کہ موت کے لیے سختیاں ہیں' چونکہ ان سختیوں کی وجہ سے آپ پانی میں ہاتھ ڈال کر اپنے چہرہ مبارک پر لگاتے تھے۔ آپ کی آواز میں سختی' خشونت' اور بھاری ہو رہی تھی۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں' قد غلب علیه الوجع' کہ آپ پر درد اور مرض غالب ہو رہا تھا' اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا جن کی گود میں رسول اللہ ﷺ کا روح قبض ہوا' یہ فرماتی ہیں: مارایت احدا اشد علیه الوجع من رسول صلی الله علیه وسلم' میں نے جس قدر سختی آنحضرت ﷺ پر دیکھی ہے اس قدر کسی پر نہیں دیکھی' آخرکار آپ کا روح قبض ہوا' صاف الفاظ ہیں کہ حتی قبض روح رسول الله صلی الله علیه وسلم حتیٰ کہ آپ میت ہوئے۔

مشکوۃ میں ہے کہ' ان ابابکر قبل النبی صلی الله علیه وسلم وهو میت' یعنی ابوبکرؓ نے نبی ﷺ کا بوسہ لیا' درآں حالیکہ آپ میت تھے۔

حضرت عمرؓ کو شبہ موت میں ہوا تو حضرت صدیقؓ نے خطبہ دیا' جس میں موت کا ثبوت دے کر یہ فرمایا: من کان یعبد محمداً فان محمداً قدمات ومن کان یعبد الله فان الله حیی لایموت' یعنی جو شخص محمد ﷺ کا پوجاری ہے اس کو جان لینا چاہیے کہ آپ فوت ہو گئے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کا پرستار ہے وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ زندہ رہے گا اور کبھی فوت نہ ہو گا۔ بعد ازاں آپ کی موت پر اجماع ہوا' پھر دیگر

مسائل پر اختلاف ہو کر کچھ آپ کے دفن میں دیر ہو گئی تو حضرت ابن عباس ﷺ نے فرمایا: ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قدمات وانہ بشر وانہ یاسن کما یاسن البشر ای قوم فادفنوا صاحبکم' اے قوم فادفنوا صاحبکم ----- اے قوم فادفنوا صاحبکم' (دارمی باب وفات النبی ﷺ) یعنی رسول اللہ ﷺ بشر تھے' وہ فوت ہو چکے ہیں' آپ کی لاش مبارک اسی طرح پڑی رہی تو بگڑ جائے گی' جیسے کہ بشر کی لاش بگڑ جاتی ہے' اے قوم اپنے سردار اور قائداعظم کو جلدی دفن کر دو۔ (تین بار فرمایا) پھر غسل کیا گیا' جنازہ پڑھایا گیا اور آپ کو حجرہ میں دفن کیا گیا۔ جیسا کہ بشر میت دفن کیا جاتا ہے' اب بشریت میں کیا شبہ رہا؟ کیا کسی نور مجسم کے بھی یہ حالات ہیں' ہرگز نہیں اور نہ کوئی نظیر موجود ہے' تو ثابت ہوا کہ آپ نوع انسانی میں داخل ہیں۔

ازالہ شبہ ⇦ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ تو ٹھیک ہے کہ آپ بظاہر بشر تھے' لیکن یہ بشریت حقیقی نہ تھی بلکہ بشر کا متمثل تھا' جیسے جن یا فرشتہ' کسی وقت بشر بن جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتہ کا تمثل تو ثابت ہے' مگر آنحضرت ﷺ کا تمثل ثابت نہیں ہے' بلکہ آپ کا والدین کے گھر میں پیدائشی بشر ہونا ثابت ہے' تمثل وقتی اور میعادی ہوتا ہے۔ آپ پیدائش سے موت تک بشر رہے' بشر سے پیدا ہوئے' جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث مشکوۃ میں ہے کہ کان بشراً من البشر' آپ بشر تھے اور بشر ہی سے پیدا ہوئے۔

پھر آپ کا کھانا' پینا' پیشاب پاخانہ' نکاح' جماع' جنبی ہونا' اولاد ہونا' بیمار ہونا' مرنا' زخمی ہونا' خون نکلنا وغیرہ مجموعہ خواص و لوازم بشریہ ایسے ثابت ہیں جو نہ مجسم نور میں پائے جاتے ہیں اور نہ کسی متمثل میں اس کی نظیر موجود ہے۔ لہذا یہ تاویل باطل ہے اور ہمارے انیس دلائل بعبارۃ النص ناطق ہیں کہ آپ بشر تھے۔

بعض یہ کہہ دیتے ہیں کہ آپ بے مثل بشر تھے' یہ بھی قرآن کے خلاف ہے' قرآن میں بشر مثلکم وارد ہے' ہاں مجموعہ فضائل اور مناقب میں آپ بے نظیر تھے۔ یہ بیس دلائل بیس تراویح کے عاشقوں کو اس عدد کی مناسبت سے نذرانہ پیش کئے گئے ہیں۔ اگر ضد اور تعصب دور کر کے غور کریں گے تو قبول فرمانے میں تامل نہیں ہو گا۔

چار بریلوی علماء کا اقرار بشریت ⇦ مفتی نعیم الدین صاحب مراد آبادی کو صدر الافاضل کہا جاتا ہے' وہ کتاب العقائد ص-۶ میں لکھتے ہیں:

"انبیاء وہ بشر ہیں جن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے۔"

مولوی ابوالعلی محمد امجد علی صاحب اعظمی مفتی سردار محمد صاحب لائل پوری کے استاد ہیں' انہوں نے ایک کتاب "بہار شریعت" کئی حصوں میں لکھی ہے' جو اس مذہب کے بانی کی مصدقہ ہے' اس کے صفحہ دس حصہ اول میں ہے (عقیدہ) "انبیاء سب بشر تھے اور مرد' نہ کوئی جن نبی ہوا' نہ عورت۔"

مفتی احمد یار صاحب گجراتی نے ایک کتاب "جاء الحق وزهق الباطل" لکھی ہے' جو پیر جماعت علی شاہ صاحب علی پوری کی مصدقہ ہے' متن کے پہلے باب ص-۱۴۳ میں ہے:

"نبی جنس بشر ہی میں آتے ہیں اور انسان ہی ہوتے ہیں' جن یا فرشتہ نہیں۔" پھر ص-۱۷۲ پر لکھتے ہیں کہ:

"لفظ بشر کفار بہ نیت اہانت کہتے تھے' اور رب تعالیٰ نے حضور ﷺ کو انسان یا عبد بطور تعلیم فرمایا' خلق الانسان علمه البيان اور اسرى بعبده ليلا لہٰذا یہ الفاظ (مسلمانوں کو) تعظیما" کہنا جائز ہے۔" پھر ص-۱۵۳ میں فرماتے ہیں:

"ہم بھی عقیدہ کے ذکر میں (صدق دل سے) کہتے ہیں کہ نبی بشر ہی ہوتے ہیں۔"

صدر مرکزی حزب الاحناف وجمعیت العلما کل پاکستان جناب ابوالحسنات محمد احمد صاحب خطیب مسجد وزیر خاں لاہور نے العقائد کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے' اس کے ص-۱۵' ۲۱ میں ہے کہ "نبی وہ بشر ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے اور احکام الٰہی اس پر بذریعہ وحی آتے ہوں جس قدر بھی انبیاء گزرے سب بشر ہی تھے۔"

ان علماء نے انبیاء کرام کو اس لیے مجبور ہو کر بشر کہا ہے کہ ان کی مسلمہ درسی کتاب "شرح عقائد نسفی میں یہ لکھا ہوا ہے جس کو یہ سب لوگ ہمیشہ پڑھتے ہیں کہ والرسول انسان بعثه الله تعالٰى الى الخلق لتبليغ الاحكام' یعنی رسول انسان ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ مخلوق انسانی کی طرف اپنے احکام پہنچانے کے لیے مبعوث

فرماتا ہے۔

ان مخالفین بشریت کی شہادت اور ان کے اقرار سے یہ ثابت ہوا کہ انبیاء بشر تھے اور ان کو بشر کہنا جائز ہے' مگر باوجود اس کے اس فرقہ کے ملا' مولوی اور پیر انبیاء علیہم السلام کو بشر نہیں جانتے' خصوصاً آنحضرت ﷺ کو بشر کہنا کفر قرار دیتے ہیں' چنانچہ مولوی محمد عمر صاحب اچھروی نے "مقیاس حنفیت" طبع اول ص-۸۷ میں لکھا ہے۔ "احناف کے نزدیک نبی ﷺ کو بشر کہہ کر پکارنا کفر ہے' کیونکہ یہ کفار بشر انبیاء علیہم السلام کو حقارتاً" کہا کرتے تھے۔ مسلمان حقارتاً" ہرگز نہ کہے گا' وہ حقیقت اور عقیدہ کی بناء پر کہے گا' جیسا کہ علماء مذکورین نے لکھا ہے اور تعظیماً" کہے گا کہ انبیاء کا بشر ہونا تمام بشروں کے لیے ایک فخر ہے' انما الاعمال بالنیات' اچھروی صاحب کے مضمون کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر حقارتاً" نہ پکارا جائے عقیدہ میں بشر جانا جائے اور دریافت پر بشر بتایا جائے تو یہ کفر نہ ہو گا' لیکن اصل بات یہ ہے کہ حقارت کا محض بہانہ ہے' یہ لوگ آپ کو بشر نہ جانتے ہیں' نہ کہتے ہیں' کہ نور مجسم از نور خدا عقیدہ رکھتے ہیں' ان کی خانہ ساز تکفیر کی بنا اسی پر ہے' چنانچہ مقیاس کے ص-۸۷' طبع اول میں ہے "وہابی نبی ﷺ کو اپنے مثل بشر کہتا ہے" اور "حنفی آپ کو بے مثل نور کہتا ہے" تم سوچو کہ تم کون ہو؟

اس مذہب کے قائد احمد رضا خاں صاحب ملفوظات حصہ اول ص-۲ میں لکھتے ہیں: "اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی ﷺ کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا" بس یہ اصل بنیادی اختلاف فریقین میں موجب تکفیر ہے۔

اولیاء اللہ کا عقیدہ بشریت ⇦ محبوب سبحانی پیر جیلانی رحمہ اللہ اپنا عقیدہ اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں یوں لکھتے ہیں: ویعتقد اھل الاسلام قاطبۃ ان محمداً بن عبد اللّٰہ بن عبد المطلب بن ھاشم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وسید المرسلین وخاتم النبیین ص-۱۴۹" یعنی تمام اہل اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ محمد ﷺ عبداللہ کے بیٹے اور وہ عبدالمطلب کے اور وہ ہاشم کے بیٹے ہیں اور اللہ کے رسول اور رسولوں کے سردار اور آپ خاتم النبیین ہیں۔ کسی کتاب میں پیر صاحب ممدوح کا عقیدہ نور مجسم کا نہیں پایا گیا۔

پیر صاحب کی تائید مجدد الف ثانی سرہندی ؒ نے کر دی ہے کہ "اے برادر محمد رسول اللہ ﷺ باں علو شان بشر بود۔" (مکتوبات جلد-۱' ص-۷۳)

علامہ امام ابن حزم ؒ جن کو پانچویں صدی کا مجدد الف قرار دیا گیا ہے' وہ اپنی بے نظیر کتاب محلی جلد-۱' ص-۱۰ میں فرماتے ہیں:

وان جميع النبيين وعيسٰى و محمداً عليهم السلام عبيد الله تعالٰى مخلوقون ناس كسائر الناس مولودون من ذكر او انثٰى الا آدم وعيسٰى فان ادم خلقه الله من تراب بيده لا من ذكر ولا من انثٰى وعيسٰى خلق فى بطن امه من غير ذكر قال الله عزوجل عن الرسل عليهم السلام انهم قالوا ان نحن الا بشر مثلكم ولٰكن الله يمن علٰى من يشاء من عباده وقال تعالٰى انا خلقنكم من ذكرا وانثٰى۔

یعنی تمام انبیاء ــــ عیسٰی و محمد علیہم السلام سب اللہ تعالٰی کے بندے ہیں' مخلوق اور انسان ہیں' جیسے دیگر تمام انسان ہیں اور وہ مرد اور عورت سے پیدا ہوئے' مگر حضرت آدم اور عیسٰی علیہم السلام کہ آدم علیہ السلام کو اللہ نے مٹی سے پیدا کیا اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کو بغیر باپ کے ماں کے پیٹ سے پیدا کیا' جیسے اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے کہ تمام پیغمبروں نے یہ کہا کہ ہم تمہارے جیسے بشر ہیں لیکن اللہ جس پر چاہتا ہے اپنا فضل و کرم کر دیتا ہے اور یہ فرمایا کہ تمہیں ایک مرد و عورت سے پیدا کیا ہے۔ خلاصہ بحث یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اور دیگر انبیاء حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے بشر تھے' یہی عقیدہ حق ہے۔

کتبہ عبدالقادر الحصاری

اہل حدیث سوہدرہ جلد-۱۳' شمارہ-۹' ۱۰' ۱۲' ۱۳' ۱۴' بمطابق یکم اپریل' ۱۵ مئی' یکم جون' ۱۵ جون' یکم جولائی ۱۹۶۱ء

کیا بشریت کے تقاضے شان نبوت کے منافی ہیں؟

سوال : کیا آنحضرت ﷺ کے جسم مبارک یا کپڑوں میں کبھی جوئیں پڑ جاتی تھیں یا نہیں؟ اس سوال کی ضرورت تو نہ تھی لیکن بعض لوگ منقبت و تعریف نبوی میں غلو کرتے ہیں تو یہ کہا کرتے ہیں کہ آپ مجسم نور تھے' اس لیے آپ کے جسم اور کپڑوں میں جوئیں نہیں پڑتی تھیں۔ آپ کا مطالعہ وسیع ہے اگر کوئی ثبوت ہو تو تحریر کر دیں' مہربانی ہو گی۔ والسلام (السائل ولی محمد مستری سکنہ پنج کوسی ضلع بہلول گڑ)

جواب : الحمد للہ رب العالمین امابعد! عموماً بریلوی حضرات بلکہ دیوبندی بھی جناب نبی کریم ﷺ کی مدح و توصیف میں بہت غلو کرتے ہیں اور مرزائی' نیچری' چکڑالوی' پرویزی گمراہ فرقے توہین اور تنقیص کرتے ہیں۔ ہمارا مسلک اہلحدیث راہ اعتدال پر ہے۔ کتاب و سنت سے جو آپ کے اوصاف نبوت و مناقب و فضائل ثابت ہیں ان کو تسلیم کر کے ان پر ایمان رکھتے ہیں اور جو چیز دلائل شرعیہ سے ثابت نہ ہو اس کو نہیں مانتے' مثلاً یہ کہ سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کا نور پیدا ہوا اور اس نور سے سب مخلوق پیدا ہوئی' جیسے بریلویہ کہتے ہیں۔ یہ باطل ہے یا یہ کہ آپ کے نور کے فیض سے سب اشیاء ارض و سماء پیدا ہوئیں۔ جیسا کہ دیوبندیوں کا عقیدہ ہے' یہ بھی غلط ہے۔ اس لیے کہ اس پر قرآن و حدیث سے کوئی دلیل نہیں' محض موضوعات سے کام لے کر یہ اعتقاد عوام میں جما دیا ہے یا ضعاف ناقابل احتجاج روایات سے اس باطل عقیدہ کو اپنایا گیا ہے۔ بخلاف اس کے کتاب و سنت کی قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ایک ہی دلیل کافی ہے اور وہ یہ ہے۔ انما انا بشر مثلکم کہ میں پیدائش کے لحاظ سے تمہارے جیسا بندہ ہی ہوں۔ بریلوی حضرات کے مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی اپنی کتاب "انباء المصطفیٰ" کے ص-۴ میں لکھتے ہیں۔ "عموم آیات قطعیہ قرآنیہ کی مخالفت میں اخبار احاد سے استناد کرنا ہرزہ سرائی ہے" پس آنحضرت ﷺ کے نور جسمانی ہونے پر کوئی دلیل قطعی موجود نہیں ہے۔ لہٰذا روایات موضوعہ و ضعیفہ پیش کرنا بے کار محض ہے۔ سورہ مائدہ کی آیت "نور و کتاب مبین" بھی محتمل ہے کہ لفظ نور سے مراد یہاں اسلام اور قرآن بھی ہو سکتے ہیں۔ تفاسیر کا مطالعہ

کر کے دیکھیں۔ آیت سورہ تغابن میں فآمنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا وارد ہے اس میں صاف بلاشبہ قرآن کو نور کہا گیا ہے اور آیت سورہ ابراہیم کی۔ لتخرج الناس من الظلمات الی النور میں نور سے مراد بلاشبہ اسلام ہے جب نور کا اطلاق قرآن اور اسلام پر ہوا تو اولاً" آیت سورہ مائدہ میں بھی وہ معنی مراد ہوں گے جو۔ دوسری آیات سے مطابقت رکھتے ہوں ـــــ ثانیاً" آپ کے بیان کردہ معنی کو زیادہ سے زیادہ ایک احتمال کی حیثیت دی جا سکتی ہے اور یہ مسلمہ ہے اذاجاء الاحتمال بطل الاستدلال یعنی جس دلیل میں دوسرا احتمال آجائے تو اس سے استدلال باطل ہو جاتا ہے۔ یہ اصول خان صاحب بریلوی کو بھی مسلم ہے' چنانچہ احکام شریعت حصہ اول کے ص-۴۹ میں یہ لکھا ہے۔ "بعض جہل بدست یا نیم ملا شہوت پرست یا جھوٹے صوفی بادہ بدست کہ احادیث صحاح مرفوعہ محکمہ کے مقابل بعض ضعیف قصے یا محتمل واقعے یا متشابہ پیش کرتے ہیں انہیں اتنی عقل نہیں یا قصداً" بے عقل بنتے ہیں کہ صحیح کے سامنے ضعیف' متعین کے آگے محتمل' محکم کے حضور متشابہہ واجب الترک ہے۔" قرآن میں قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت یہ آیت ہے جو سورہ یونس میں ہے۔ اکان للناس عجبا ان اوحینا الی رجل منھم یعنی "کیا یہ لوگوں کے لیے اچنبا ہو گیا ہے کہ ہم نے ان میں سے ایک مرد پر وحی اتار دی ہے" یہ نص قطعی ہے کوئی موضوع یا ضعیف یا محتمل دلیل اس نص قطعی کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ شرح فقہ اکبر کے ص-۶۸ میں ہے۔ فان الآحاد لا تفید الا عتماد فی الاعتقاد یعنی آحاد روایتیں اعتقاد میں اعتماد کے قابل نہیں ہیں اور فتح الباری جلد-۸' ص-۴۳۱ میں ہے' اما اذا کانت فی العقائد فلایکفی فیھا الا ما یفید القطع یعنی "عقائد میں وہ احادیث کام دے سکتی ہیں جو قطعی اور یقینی ہوں۔" بشریت انبیاء خصوصاً سیدالانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی بشریت پر دلائل قطعیہ موجود ہیں اور مجسم نور ہونے پر ظنی بلکہ وہمی اور خیالی استدلال ہیں' اس لیے یہ مردود ہیں اور بشریت نبی اکرم ﷺ کی مسلم ہے جس پر اجماع علماء اسلام ہے۔ جب آنحضرت ﷺ بشر ثابت ہوئے تو بشری اوصاف و خواص و عادات و عوارض بھی تسلیم کرنے پڑیں گے جن میں سے ایک جوئیں پڑنا۔ جوؤں کو پکڑنا' جوؤں کو دکھانا جو بشری حالات و عوارض سے ہیں ماننے پڑیں گے۔ جن کا ثبوت

احادیث سے ملتا ہے۔ چنانچہ شمائل ترمذی مترجم کے ص۔۲۴۳ میں ہے: عن عمرة قالت سئلت عائشة ماذا كان يعمل رسول الله صلى الله عليه وسلم فى بيته قالت كان بشرا من البشر يفلى ثوبه ويحلب شاته ويخدم بنفسه اس کا ترجمہ مولانا زکریا صاحب دیوبندی نے یہ کیا ہے' "عمرہ کہتی ہیں کہ کسی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضور اقدس ﷺ اپنے دولت کدہ پر کیا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا حضور آدمیوں میں سے ایک آدمی تھے' اپنے کپڑوں میں سے خود ہی جوں تلاش کر لیتے تھے اور خود ہی بکری کا دودھ نکال لیتے تھے اور اپنے کام خود ہی کر لیتے تھے۔"

میں کہتا ہوں کہ علماء کا یہ مسلمہ قانون ہے کہ النصوص تحمل على ظاهرها کہ نصوص شرعیہ اپنے ظاہری معنوں پر محمول ہوتی ہیں اور ان سے وہی مراد لی جاتی ہے جو ترجمہ سے متبادر الی الذہن ہو۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کے کپڑوں میں جوئیں پڑ جاتی تھیں جن کو آپ خود دیکھ کر کپڑوں سے نکال لیتے تھے' لیکن افسوس کہ صاحب موصوف نے اس صاف ترجمہ کے بعد جو تشریح فرمائی ہے وہ توجیہ باطل کے درجے میں آتی ہے' ملاحظہ ہو۔

(ف) "آدمیوں سے ایک آدمی تھے کا مطلب یہ ہے کہ عام آدمیوں کی طرح اپنے گھر کا اکثر و بیشتر کام خود کر لیا کرتے تھے اپنی ضروریات اور گھر کے کاروبار کرنے میں حضور ﷺ کو کچھ گرانی یا تکبر مانع نہ ہوتا تھا۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو کام اور لوگ اپنے گھروں میں کرتے ہیں وہ حضور ﷺ بھی کر لیا کرتے تھے۔ بعض روایات میں مثال کے طور پر کچھ کام بھی گنوا دیئے' جیسا کہ اس روایت میں گزرا ہے اسی طرح دوسری روایات میں ہے کہ اپنا کپڑا سی لیا کرتے تھے' اپنے جوتے کا پیوند خود ہی لگا لیا کرتے تھے' اپنے کپڑے کو پیوند لگا لیا کرتے تھے وغیرہ وغیرہ۔ حدیث بالا میں جوں تلاش کرنے کا بھی ذکر ہے اور علماء کی تحقیق یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے بدن یا کپڑوں میں جوئیں نہیں پڑتی تھیں۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ جوں بدن کے میل سے ہوتی ہے اور پسینہ سے بڑھتی ہے اور حضور اقدس ﷺ سراسر نور تھے وہاں میل کچیل کہاں تھا۔ اسی طرح آپ کا پسینہ سراسر گلاب تھا جو خوشبو میں استعمال کیا جاتا ہے۔ بھلا عرق

گلاب میں جوں کا کہاں گزر ہو سکتا ہے۔ اس لیے تلاش کرنے کا یہ مطلب ہے کہ اس احتمال سے کہ شاید کسی دوسرے کی جوں چڑھ گئی ہو۔ تلاش فرماتے تھے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ تلاش کرنا دوسروں کی تعلیم کے لیے تھا کہ جب حضور ﷺ کو اس کا اہتمام کرتے دیکھیں گے تو زیادہ اہتمام کریں گے۔" اھ۔ اور عربی حاشیہ میں یہ بھی ایک احتمال لکھا ہے۔" وقیل انه کان فی ثوبه لایوزیه وانما کان یلتقط تقذرا یعنی یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کے کپڑے میں جوں ہوتی تھی لیکن تکلیف نہ دیتی تھی اور آپ اس کو گندی چیز سمجھ کر نفرت سے نکال کر ڈال دیتے تھے۔" ایسی ہی باطل تاویل ایک دوسرے دیوبندی مولانا اشرف علی تھانوی نے کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ "اپنے کپڑوں میں جوئیں دیکھ لیتے تھے' شاید کسی کی چڑھ گئی ہوں' کیونکہ آپ اس سے پاک تھے۔ المورد الفرخی ص-۱۳۱ "لیکن یہ سب احتمالات باطل ہیں' کیونکہ ان پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ صحیح یہ ہے کہ آپ کے کپڑوں اور جسم میں جوئیں ہو جاتی تھیں جیسے کہ دیگر انسانوں کے جوئیں پڑ جاتی ہیں' کیونکہ آپ بشر تھے' نور نہ تھے۔ جس نے جوئیں نہ پڑنے کی وجہ نور ہونا بیان کی ہے اس کا قول سراسر باطل اور عقیدہ فاسد ہے۔

دوسری حدیث ⇦ صحیح مسلم جلد-۲' ص-۱۳۱ میں یہ حدیث ہے' کانت ام حرام تحت عبادة بن الصامت فدخل علیها رسول الله صلی الله علیه وسلم ثم استیقظ الحدیث' یعنی "ام حرام حضرت عبادہ بن صامت ﷜ کے نکاح میں تھیں۔ ایک دن آنحضرت نبی کریم ﷺ اس کے گھر تشریف لے گئے۔ ام حرام نے آپ کو کھانا کھلایا' پھر بیٹھ گئیں اور جناب نبی کریم ﷺ کے سر مبارک سے جوئیں تلاش کرنے لگیں' پس آنحضرت ﷺ سو گئے پھر جاگے۔" اس حدیث پر امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ سر سے جوئیں نکال کر مارنا درست ہے۔ خواہ آنحضرت ﷺ ہوں یا کوئی غیر ہو۔" میں کہتا ہوں کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے سر مبارک میں جوئیں تھیں جن کو بعض عورتیں سر سے نکال کر مارتی تھیں۔ رہی یہ بات کہ جوئیں آپ کو ایذا دیتی تھیں' اس لیے ان کو نکلواتے یا بطور نظافت کے یہ بحث ضروری نہیں ہے۔ ہاں یہ بات ہے کہ موذی چیز آپ کو ایذا دے سکتی تھی چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ آپ کو ایک بچھو نے کاٹ لیا' آپ نے فرمایا یہ بڑا موذی

ہے نہ نبی کو چھوڑتا ہے نہ غیر نبی کو۔ امام نووی شرح مسلم جلد ۲' ص ۳۲۲ میں لکھتے ہیں۔ لیس هو معصوما من الامراض والاسقام العارضة الاجسام ونحوها لا نقص فیه یعنی آنحضرت ﷺ امراض اور جسمانی تکلیفوں سے محفوظ نہ تھے۔ یہ بشری عوارض آپ کے جسم مبارک کو لاحق ہو جاتے تھے' اس سے آپ کے مرتبہ میں کوئی نقص لازم نہیں آتا۔" بنابریں آنحضرت ﷺ کے جسم مبارک میں جوئیں پڑ جانے کو آپ کی شان کے خلاف سمجھنا قول مردود ہے' کیونکہ جوؤں کا ہونا اور پکڑنا حدیث سے ثابت ہے اور جو چیز آپ کے متعلق حدیث میں ہو اس کا ذکر کرنا توہین نہیں ہے بلکہ یہ کہنا آپ جوؤں سے پاک تھے غلو ہے' کیونکہ جوؤں کا ہونا ثابت ہے۔

تیسری حدیث ⇦ مسند احمد بمع شرح فتح الربانی جزء ۱۵' ص ۱۳۶ میں یہ حدیث ہے۔ کلثوم رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں' انہوں نے کہا "كانت زينب تفلي رسول الله صلى الله عليه وسلم وعنده امراة عثمان بن مظعون من المهاجرات يشتكين منازلهن وانهن يخرجن منه ويضيق عليهن فيه فتكلمت زينب وتركت راس رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم انك لست تكلمين بعينك تكلمي واعملي عملك (الحدیث) یعنی حضرت زینب رسول اللہ ﷺ کے سر میں جوئیں دیکھتی تھیں' دیگر عورتیں مہاجرات اور عثمان بن مظعون ؓ کی عورت بھی بیٹھی تھیں جو اپنے گھروں کی بابت شکایت کر رہی تھیں کہ خاوند فوت ہونے پر ان کو دیگر وارث گھروں سے نکل دیتے ہیں' زینب رضی اللہ عنہا نے آنحضور ﷺ کا سر چھوڑ دیا اور کلام کرنے لگی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو آنکھ سے کلام نہیں کرتی زبان سے کلام کر اور اپنا کام جوں پکڑنے کا جاری رکھ۔ ان احادیث سے ثابت ہوا کہ آپ نور نہ تھے بشر تھے' آپ کو عوارض بشریہ لاحق ہو جاتے تھے۔

مولوی محمد عمر اور مسئلہ بشریت

فرقہ بریلویہ ایک غالی گروہ ہے جس کے عوام بالخصوص ان کے ملا' مولوی' پیر مشائخ ہر قسم کے شرک و بدعات میں پیش پیش ہوتے ہیں اور بہتان بازی و حیلہ سازی اور فریب کاری و دھوکہ دہی میں یدطولیٰ رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے عقائد کی ایسی گھناؤنی تصویر تیار کی ہے کہ اس کی پوری کیفیت اس مختصر مضمون میں ظاہر کرنا دشوار ہے۔

کیفیت ناکافی کی ایسی ہے اس تصویر میں
کہ اتر سکتی نہیں ہے آئینہ تحریر میں

ان کے عقائد اور اقوال' مذہبی کردار اور اخلاقی معاملات اتنے بگڑ چکے ہیں کہ ان کے ہدایت یاب ہونے کی کوئی امید باقی نہیں رہی۔ حق کو حق اور باطل کو باطل کہنے کی بجائے باطل خیالات کو عین حق و صواب اور مسائل حقہ منصوصہ کو عین باطل قرار دے رہے ہیں' سوائے کسی عالمگیر قوت کے ان مبتدعین کی اصلاح ناممکن نظر آتی ہے۔ ان کی فطرت اتنی مسخ ہو چکی ہے کہ وہ اپنے باڑہ کی کالی بھیڑ کو تو سفید قرار دیتے ہیں اور دوسرے باڑہ کی سفید بھیڑ کو کالی بھیڑ کہتے ہیں۔ بالخصوص اس فرقہ باطلہ کا ہائی کمانڈر آج کل مولوی محمد عمر اچھروی بنا ہوا ہے جو اپنی مذہبی سیاہ کاریوں میں بڑا مشہور ہے۔ اس نے ایک کتاب بنام مقیاس حنفیت شائع کی ہے جو بتمامہا وکمالہا کفریات و شرکیات و بدعات سے لبریز ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حق اور اہل حق کے خلاف اس کا سینہ تعصب و کینہ سے بھرپور ہے۔ اہلحدیث چونکہ اس کی گمراہیوں کے کامل رازدان اور اس کی متعصبانہ نفسیات اور ذلیل کردار کے رمز شناس ہیں' اس لیے اس نے اپنی کتاب میں اہلحدیث پر بہتان بازی اور ان کے عقائد حقہ میں افتراء پردازی حد سے زیادہ کی ہے' جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ پورا ضال و مضل ہے۔ قرآن و حدیث کی صاف سیدھی بات کو الجھا کر عوام الناس کو طلب حق کی فطری راہ سے ہٹانے اور ان کو شکوک و شبہات کے خار زاروں میں ڈال دینے کی مہارت تامہ رکھتا

ہے۔ کتاب و سنت کی عبارتوں کو توڑ مروڑ کر ان کو غلط معانی پہنانے میں اس کو بڑی دسترس ہے۔ علماء اہلحدیث کی تکذیب کر کے ان پر بدترین قسم کے الزامات لگانے میں بڑا ماہر ہے۔ ان کی ہر وقت تکفیر و تضلیل کرنا اس کا پیشہ ہے۔ ہر جگہ تقریروں و تحریروں کے ذریعہ علماء اہلحدیث کے خلاف عوام کو بھڑکانے میں ہمیشہ مصروف رہتا ہے اور اسی صلہ میں وہ اپنے گروہ سے معاش حاصل کر رہا ہے اور آیت قرآنی "ان کثیرا من الاحبار والرھبان لیاکلون اموال الناس بالباطل" کا پورا مصداق ہے' اور وہ ایسا ظالم ہے کہ آیات قرآنی اور احادیث رسول ربانی ﷺ کے معانی کو الٹ پلٹ کر بیان کرنے میں ذرا جھجک اور خوف الٰہی نہیں کرتا' صاف سیدھے معانی کو اپنی تاویل نفسانی یا شیطانی سے جھٹلا دیتا ہے اور اس پر اس کو بڑا ناز ہے۔

مسئلہ بشریت ⇦ مسئلہ بشریت رسول جو قرآن کی آیات بینات سے بعبارۃ النص کالشمس فی نصف النھار ثابت ہے اور اس پر تمام اہل حق کا ازقرن اول تا ایں دم اجماع ہے' فرقہ بریلویہ عموماً اور محمد عمر اچھروی خصوصاً اس کا منکر ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے' "قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الی" یعنی اے میرے رسول! آپ لوگوں میں یہ اعلان کر دیں کہ میں نفس بشریت میں تمہارے ساتھ برابر ہوں صرف منصب رسالت میں سے ممتاز ہوں کہ میری طرف اللہ کی جانب سے وحی کی جاتی ہے۔

یہ آیت آنحضرت ﷺ کی بشریت پر نص قاطع اور برہان ساطع ہے' جس کے مقابلہ میں کوئی قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت آیت قرآن یا حدیث صحیح عدم بشریت پر وارد نہیں ہے۔ کمالا یخفیٰ علی العلماء الصادقین' لیکن فرقہ بریلویہ کا یہ عالم مقیاس حنفیت طبع اول صفحہ-۷۸ میں گمراہی کا تھرمامیٹر لگا کر یوں لکھتا ہے کہ "وہابی رسول ﷺ کو اپنے مثل بشر کہتا ہے اور حنفی آپ کو بے مثل نور کہتا ہے تم سوچو کہ تم کون ہو" ہم نے سوچ لیا کہ ہم بفضلہ تعالیٰ مسلمان اہلحدیث' اہل سنت ہیں اور ہمارا وہی عقیدہ ہے جس پر قرآن ناطق ہے اور اپنے نبی ﷺ کی عزت کا خیال ان کے بھیجنے والے اللہ کو ہم سے بڑھ کر ہے جس نے یہ اعلان کر دیا ہے کہ وہ بلاشبہ تمہاری طرح بشر ہیں فرق صرف منصب رسالت کا ہے جس پر تمام درجات و مراتب مرتب ہوتے

ہیں اور وہ اسی وجہ سے ہم سے ممتاز ہیں' اب اس کی تشریح بریلویوں کے ایک نمائندہ خواجہ جلال الدین قادری سے سنیئے جو اللہ اور رسول کو ایک بنا کر پھر آیت ---- بشریت کو نقل کرتا ہوا جواب دیتا ہے۔ "اب رہا سوال یہ کہ پارہ ۱۶' سورہ کہف کے اخیر پر قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی' کہ تحقیق میں بشر ہوں تمہارے جیسا لیکن مجھ پر وحی آتی ہے' اب ذرا سوچو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے نبی تو کہہ دے میں ---- (تمہارے) جیسا بشر ہوں' آپ نے خود نہیں فرمایا' بلکہ حکم الٰہی نے کہلوایا' جیسا کہ ایک ڈپٹی یا افسریا راجہ اپنی برادری میں بیٹھا کہہ دیتا ہے میں بھی (تمہارے) جیسا ہوں' لیکن ان لوگوں میں اور اس میں لاکھوں کوسوں کا فرق ہوتا ہے" (بشرنامہ صفحہ ۹)
اس بریلوی نے ترجمہ صحیح لکھ کر پھر جواب ایسا دیا ہے کہ قائلین بشریت رسول ﷺ کی خوب تائید کر دی ہے کہ ایک ڈپٹی' افسر' راجہ اپنی برادری میں جیسے یہ کہتا ہے کہ میں تمہارے جیسا ہوں' ایسے ہی رسول اللہ ﷺ کا انا بشر مثلکم کہنا ہے۔ اب ہر عقلمند یہ سمجھ سکتا ہے کہ ڈپٹی' راجہ جو اپنی برادری کو میں تمہارے جیسا ہوں کہہ رہا ہے وہ فی الواقع انسان ہے اور نفس انسانیت میں ان کے برابر ہے اور ایسا ہی سب برادری کے لوگوں کا حال ہے کہ وہ ذات بشریت میں ایک دوسرے کے مساوی ہیں اور دیگر اوصاف میں ایک دوسرے سے تفاوت رکھتے ہیں۔ ایسے ہی ڈپٹی اور راجہ صرف منصب حکومت میں فائق ہیں ورنہ ان کی بشریت اور برادری کی ہم جنسیت سے کون انکار کر سکتا ہے۔ الا من سفه نفسه من المبتدعين' یہ مولا' مولوی' پیر' مشائخ بھی نفس بشریت میں عوام جہلا کے مساوی ہیں اور درجہ علم سے ان پر فوقیت رکھتے ہیں' اس سے کسی کو انکار نہیں ہے اور اس بشریت کے اقرار کا یہ فائدہ ہے کہ مبتدعین ان برگزیدہ شخصیتوں کی طرف الوہیت کی صفات منسوب نہ کریں۔ چنانچہ مولوی محمد عمر نے آنحضرت ﷺ کو بے مثل نور قرار دیا ہے اور بریلوی حنفیت کا یہ عقیدہ ٹھہرایا ہے جو سراسر جھوٹ ہے اور شرک ہے' نہ آنحضرت ﷺ مجسم نور ہیں نہ بے مثل نور ہیں بلکہ ہماری طرح بشر ہیں اور مثلکم' اللہ اور رسول کا اعلان واجب الاذعان ہے قرآن و حدیث میں کہیں یہ ذکر نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی طرف کوئی مجسم نور رہنمائی اور ہدایت کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہو بلکہ سب انسانوں کی جنس سے ہی پیغمبر

ہو کر آتے رہے ہیں' چنانچہ ارشاد ہے یابنی آدم اما یاتینکم رسل منکم یعنی اے بنی آدم! تمہارے پاس رسول تمہاری نسل سے آئیں گے' اور ارشاد ہے کہ قالت لهم رسلهم ان نحن الا بشر مثلکم یعنی رسولوں نے اپنی اقوام کو کہا کہ ہم تمہاری طرح بشر ہیں اور خاص آنحضرت ﷺ کی بابت ارشاد وارد ہے کہ لقد جاءکم رسول من انفسکم یعنی تمہارے پاس رسول تمہاری نسل میں سے آیا ہے' یہ سب آیات بعبارۃ النص ناطق ہیں کہ آنحضرت ﷺ اور دیگر انبیاء بشر تھے بے مثل نور نہ تھے' بے مثل نور اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ مسلم شریف میں حضرت ابوذر ؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے؟ تو آنحضرت ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ نور انی اراہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات نور ہے' میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں؟ اللہ تعالیٰ تو نور کے پردوں میں ہے' چنانچہ مشکوۃ میں حدیث ہے' حجابه النور لو کشفه لا حرقت سبحات وجهه ما انتهیٰ الیه بصره من خلقه (رواہ مسلم) یعنی پردہ اس کا نور ہے اگر وہ اس کو کھول دے تو اس کی ذات کی تجلی تمام مخلوق کو جلا دے' چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رب ارنی انظر الیک کہا کہ اے پروردگار میں آپ کی زیارت کرنا چاہتا ہوں تو ارشاد ہوا لن ترانی تم مجھے دیکھ نہیں سکتے' ہاں تم کوہ طور کا امتحان کر لو اگر وہ میرے جلوہ سے اپنی جگہ ٹھہرا رہا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے ورنہ نہیں جب کوہ طور پر اللہ تعالیٰ نے اپنا جلوہ ڈالا تو وہ اڑ گیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ ترمذی میں حضرت ابن عباس ؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ ایک خنصر بھر نور الٰہی ظاہر ہوا تھا اور کوہ طور اڑ گیا' تاب نہ لا سکا۔ اس لیے قرآن مجید میں ہے لا تدرکه الابصار کہ اللہ کی ذات کا آنکھیں ادراک نہیں کر سکتیں۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات کا نور ہونا ثابت ہوا اور آیت لیس کمثله شیئ سے بے مثل ہونا ثابت ہوا' پس بے مثل نور ذات الٰہی ہے۔ اب جو شخص آنحضرت ﷺ کو بے مثل نور کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے۔ یہ عقیدہ باطل ہے اور مشرکانہ ہے۔

اصل حنفیت میں تو یہ مسلم ہے کہ رسول بشر ہوتا ہے' چنانچہ شرح عقائد نسفی مطبوعہ قیومی پریس صفحہ ۱۳ میں ہے' والرسول انسان بعثه الله تعالیٰ الی الخلق

لتبلیغ الاحکام اس کا ترجمہ بریلویت کے نمائندہ صدر حزب الاحناف و جمعیت العلماء پاکستان سید ابو الحسنات خلف مولوی دیدار علی الوری نے یوں کیا ہے' نبی وہ بشر ہے جو اللہ کی طرف سے آئے اور احکام الٰہی اس پر بذریعہ وحی آتے ہوں جس قدر انبیاء گزرے ہیں سب بشر ہی تھے۔ (العقائد صفحہ-۱۵' ۱۴ شائع کردہ حزب الاحناف) اب مولوی محمد عمر کو سوچنا چاہیے کہ عقائد نسفی وہابیوں کی ہے یا حنفیوں کی؟ اور حزب الاحناف اور اس کے صدر اور جمعیتہ العلماء سب حنفی ہیں یا وہابی؟ مگر یہ سن لو کہ ؎

وہابی کا معنی ہے رحمان والا
کچھ اور ہی سمجھتا ہے شیطان والا

اس شیطانی القاء سے جو گمراہی کا تھرمامیٹر لگایا تب مولوی محمد عمر کو یہ نظر آیا کہ ہماری خانہ ساز حنفیت میں جناب نبی کریم ﷺ بشر نہیں بے مثل نور ہیں لیکن آیت انما انا بشر مثلکم اس تھرمامیٹر شیطانی کو توڑتی تھی تب اس نے آیت کو توڑنا شروع کیا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو تواضع کے واسطے انما انا بشر مثلکم سکھلایا یہ تاویل نفسانی بالہام شیطانی ہے جو سراسر باطل ہے۔ آیت کے الفاظ اس کی موافقت نہیں کرتے اور یہ اعلان بحکم الٰہی ہوا ہے جس پر عقیدہ رکھنا فرض ہے۔ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ حقیقت میں رسول اللہ ﷺ بشر نہ تھے یہ اعلان صرف انکساری اور تواضع سے کرایا گیا ہے تو اس سے اللہ اور رسول دونوں کی ہتک لازم آتی ہے اور یہ ہتک دو وجہ سے لازم آتی ہے۔ ایک یہ کہ نور بے مثل کو بشر کہہ دینا موجب ہتک ہے جیسا کہ بریلویہ کا عقیدہ ہے۔ دوم جھوٹ کی وجہ سے اللہ اور رسول دونوں کی ہتک ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ بے مثل نور تھے بشر نہ تھے' ان کو بشر کہا گیا اور بشر بھی ایسا کہ اس وقت کے لوگوں جیسا "جن میں کفار قریش بھی شامل تھے' کیا یہ تواضع ہے یا توہین رسول؟ اور سچ ہے یا جھوٹ؟

اب اس جھوٹ پر دوسرا جھوٹ سنیئے مقیاس حنفیت طبع اول صفحہ-۷۹ میں مصنف لکھتا ہے "آدم علیہ السلام کا کئی برس تک یہ وظیفہ رہا' ربنا ظلمنا الخ' آدم علیہ السلام نے اس دعا میں اپنی ذات کو ظلم و خسارہ کی طرف منسوب کیا ہے لیکن اگر ہم آدم علیہ السلام کی ذات کی طرف ظلم و خسارہ منسوب کریں تو ایمان جاتا ہے ایسے

ہی یونس علیہ السلام نے لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین پڑھ کر اپنی طرف ظلم منسوب کیا۔ اگر ہم ان کو ظالم کہہ دیں تو کفر ہے۔ یہ مثالیں سراسر جہالت اور دماغی حماقت پر مبنی ہیں کیونکہ ممثل لہ سے کچھ بھی تعلق نہیں رکھتیں' اس پر کہا جاتا ہے ؎

کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا'
بھان متی نے کنبہ جوڑا'

سب خواص اہل علم بلکہ عوام بھی یہ جانتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت یونس علیہ السلام سے فی الواقع لغزش اور خطا ہوئی تھی اور ان دعاؤں میں انہوں نے اپنی ان غلطیوں کا تصور رکھتے ہوئے اعتراف کیا ہے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا ہے' ان سے خطا سرزد ہونے کا واقعہ بھی صحیح ہے اور اعتراف بھی صحیح ہے اور اللہ تعالیٰ کا معاف کر دینا بھی صحیح ہے۔ اب ہم ان کی لغزش کو بطور عبرت ذکر کر کے اس کے انجام کو اور ان کی دعا کو اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت کو بیان کر سکتے ہیں نہ ان کا ظلم اور خسارہ باقی رہا نہ ہم اب ان کو ظالم و خاسر کہیں' برخلاف اس کے مسئلہ بشریت اور اس کا ذکر بزبان رسول و اعلان الٰہی اس قبیل سے نہیں ہے۔ نہ ہمارے نبی کریم ﷺ سے اقرار بشریت کے وقت کوئی خطا اور لغزش ہوئی اور نہ آپ نے اس کا اقرار کیا اور نہ کوئی دعا کی اور نہ مغفرت کا ذکر ہوا۔ بلکہ یہ تو اعتقادی مسئلہ کے متعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے خود یہ اعلان کروا رہا ہے کہ سابقہ امتوں کی طرح ہمارے اس نبی کو کوئی گمراہ الٰہ یا الٰہ کا بیٹا تصور نہ کر لے۔ اس لیے بزبان رسول اپنی کتاب میں یہ اقرار شائع کرا دوں کہ میں نہ معبود ہوں' نہ معبود کا بیٹا ہوں اور نہ فرشتہ ہوں نہ جن ہوں بلکہ تمہارے جیسا بشر ہوں اور اولاد آدم سے ہوں' صرف اللہ کا رسول ہوں اور رسول ہونے کی وجہ سے میری طرف وحی آتی ہے اور مجھے معجزات و علامات نبوت و درجات رسالت حاصل ہیں جو تم کو حاصل نہیں ہیں۔ یہ مطلب ہے انا بشر مثلکم یوحی الیّ نہ وہ مطلب جو ربنا ظلمنا سے اور انی کنت من الظالمین سے مستفاد ہے اور خطا اور لغزش پر مبنی ہے' پس اوصاف و فضائل رسالت میں تو آنحضرت ﷺ بے مثل ہیں کہ ہماری طرح نہیں ہیں اور نفس

بشریت اور اولاد آدم ہونے میں ہماری طرح ہیں یہی قرآن سے ثابت ہے۔ اب اس اقرار بشریت اور اعلان الٰہی کو آدم اور یونس علیہم السلام کے اقرار خطا پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے جو شیطانی قیاس کی مثل ہے۔ اس کو قیاس مردود کہتے ہیں۔ کیا بریلوی ملا' مولوی' پیر مشائخ یہ بتلا سکتے ہیں کہ جناب محمد مصطفیٰ ﷺ سے کون سا جرم یا خطا سرزد ہوئی تھی کہ جس کی پاداش میں آنحضرت ﷺ کو انا بشر مثلکم کہنا پڑا' اور پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ تواضع اور انکساری ظاہر کی کہ میں انسانوں کی طرح ایک انسان ہوں' مجھ سے بشریت کی وجہ سے خطا ہو گئی ہے' بلا خطا لوگوں میں یہ اعلان کرنے کا کیا مطلب ہوا کہ میں تمہاری طرح کا آدمی ہوں میری طرف وحی آتی ہے۔

بشر کہنے سے آنحضور ﷺ کی ہتک ظاہر کرنے والے شان محمدی میں یہ سراسر بے ادبی اور گستاخی کر رہے ہیں کہ آپ کے اقرار بشریت کو جو بحکم الٰہی ہوا مثل اقرار ان انبیاء کے ٹھہرایا جن سے خطا سرزد ہوئی ہے اور وہ اس خطا سے بروز حشر شرمسار ہوں کہ شفاعت کرنے پر جرات نہ کر سکیں گے۔

یہ مولوی محمد عمر کی جہالت کا ایک نمونہ ہے' اسی طرح یہ کتاب ان جہالتوں اور حماقتوں کا مظہر ہے جو مولوی محمد عمر میں بھری ہوئی ہیں ورنہ مسئلہ بشریت رسول تو صاف ظاہر اور منصوص ہے جو متفقہ ہے جس میں کسی عالم کو اختلاف نہیں ہے اور پانچویں صدی تک مسلم رہا ہے۔ علامہ ابن حزم جو امام اہل الظاہر اور محققین اہل سنت سے ہیں اور المتوفی ۴۵۶ھ ہیں وہ محلی جلد-۱' ص-۱۰ میں فرماتے ہیں (مسئلہ نمبر-۴۳) وان جمیع النبیین وعیسیٰ و محمداً علیهم السلام عبیداللّٰه تعالیٰ مخلوقون ناس کسائر الناس مولودون من ذکر او انثیٰ' یعنی تمام انبیاء اور حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور مثل انسانوں کے انسان مخلوق ہیں اور وہ ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا ہوئے ہیں۔ اسی طرح عقائد نسفی حنفیہ میں ہے' وقدارسل اللّٰه تعالیٰ رسلا من البشر الی البشر مبشرین ومنذرین الخ' یعنی اللہ تعالیٰ نے بشروں میں سے بشروں کی طرف رسول بھیجے ہیں جو خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے ہیں' پس تمام علماء محدثین اور فقہا حنفیہ کا یہ مذہب ہے کہ انبیاء بشری جنس سے بشر تھے" یہی حق اور صواب ہے' والسلام۔ کتبہ عبدالقادر حصاری اہل حدیث سوہدرہ جلد-۸' شمارہ-۲۷' بمطابق ۱۶ر جولائی ۱۹۵۶ء

مسئلہ بشریت

جناب رسول اللہ ﷺ نوع انسان میں سے ایک انسان اور بشر تھے۔ نور مجسم نہ تھے۔ حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ میرے باپ ابراہیم نے جو دعا مانگی تھی' اس کا مصداق میں ہوں اور دعا قرآن میں مذکور ہے۔ جو یہ ہے: ربنا وابعث فیهم رسولا منهم (الآیہ) یعنی اے رب ہمارے بھیج بیچ ان کے (مکہ والوں کے) رسول انہی کی جنس سے۔ اللہ تعالیٰ نے دعا منظور فرمائی اور ان کی جنس سے رسول بھیج دیا گیا۔ چنانچہ ارشاد ہے: هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم (الآیۃ) یعنی اللہ وہ ذات ہے کہ جس نے بھیجا بیچ ان پڑھوں کے رسول' انہیں (مکہ والوں) کی

جنس سے۔

سورہ توبہ میں ارشاد ہے لقد جاءکم رسول من انفسکم یعنی بیشک آیا تمہارے پاس رسول تمہاری جانوں میں سے۔ ان آیتوں سے ثابت ہوا کہ حضور نبی کریم ﷺ انسان تھے اور بشر تھے اور انسانوں ہی سے پیدا ہوئے۔ چنانچہ مشکوۃ میں حدیث ہے' آپ کی زوجہ مطہرہ ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ کان بشرا من البشر یعنی رسول اللہ ﷺ بشر تھے جو بشر سے پیدا ہوئے۔ مشکوۃ مناقب اہل بیت میں ہے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یاایھا الناس انما انا بشر یعنی فرمایا نبی کریم ﷺ نے خبردار اے لوگو! سوائے اس کے نہیں کہ میں بشر ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے خود بھی اپنے نبی کی زبانی اعلان کروایا قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الھکم الہ واحد یعنی کہہ (اے محمد ﷺ) سوائے اس کے نہیں کہ میں مثل تمہاری بشر ہوں۔ حدیث سہو نماز میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نماز میں بھول گئے تھے۔ تب آپ نے فرمایا انما انا بشر مثلکم انسی کما تنسون فاذا نسیت فذکرونی یعنی سوائے اس کے نہیں کہ میں تمہاری طرح آدمی ہوں' میں بھی بھول جاتا ہوں۔ جیسے کہ تم بھول جاتے ہو۔ جب بھول جاؤں تو مجھے یاد کرا دیا کرو۔ ان دلائل سے ثابت ہوا کہ آنحضور ﷺ بشر تھے' بشر انسان اور آدمی کو کہتے ہیں۔ حضرت جدنا آدم علیہ السلام بھی بشر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو کہا انی خالق بشرا من صلصال من حماء مسنون یعنی میں مٹی سے بشر کو پیدا کرنے والا ہوں۔ جب پیدا کیا تو فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ تب ابلیس نے کہا لم اکن لا سجد بشر خلقتہ من صلصال من حماء مسنون یعنی میں بشر کو سجدہ نہیں کرتا جس کو تو نے سڑے ہوئے کیچڑ سے پیدا کیا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام تمام انسانوں کے باپ ہیں اور تمام انبیاء آدم کی اولاد سے ہیں اور وہ سب بشر تھے۔

چنانچہ قرآن میں ہے کہ قالت رسلھم ان نحن الا بشر مثلکم یعنی تمام پیغمبروں نے کہا کہ نہیں ہیں ہم مگر تمہاری طرح کے آدمی۔ چنانچہ کفار نے انبیاء کی نبوت سے اس لیے انکار کیا کہ بشر نبی کیوں ہوئے؟ قرآن میں ہے کہ وما منع الناس ان یؤمنوا اذ جاءھم الھدی الا ان قالوا ابعث اللہ بشرا رسولا۔ یعنی نہیں منع کیا کافر لوگوں کو

یہ کہ ایمان لائیں' جس وقت آئی ان کے پاس ہدایت' مگر یہ کہ کہا انہوں نے کیا بھیجا اللہ نے بشر کو پیغام پہنچانے والا؟

ہمارے نبی محمد ﷺ بھی حضرت آدم کی اولاد میں سے تھے۔ چنانچہ جب آپ کو معراج ہوا اور آپ عالم بالا کو تشریف لے گئے تو وہاں آپ کی ملاقات حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے تعارف کرایا هذا ابوک آدم فسلم علیه۔ کہ یہ آپ کے باپ حضرت آدم علیہ السلام ہیں' ان کو سلام کیجئے۔ آنحضرت ﷺ نے سلام کیا تو حضرت آدم علیہ السلام نے جواب دے کر فرمایا مرحبا بالابن الصالح والنبی الصالح۔ یعنی نیک بیٹے آفرین باد۔ آدم علیہ السلام سے نیچے آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پشت سے ہیں۔ اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو یہی سلام و جواب ہوا اور ان سے تعارف کرایا گیا کہ هذا ابوک ابراهیم۔ کہ یہ آپ کے باپ حضرت ابراہیم ہیں۔ انہوں نے بھی یہ فرمایا کہ مرحبا بالابن الصالح۔ یعنی بیٹے صالح کو مرحبا ہے۔ آنحضور ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حلیہ مبارک پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا انا اشبه ولده به۔ یعنی میں ان کی اولاد میں سے ان کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھتا ہوں۔ جب حضرت آدمؑ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بشر ہونا مسلم ہے اور آپ ان کی نسل سے ہیں' آپ کو بشر تسلیم کرنا لابدی امر تھا۔ اس لیے آپ کا نسب نامہ آپ کے باپ عبداللہ سے لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان سے لے کر حضرت آدم علیہ السلام تک کتب سیرت میں بیان کیا گیا ہے۔ جو جملہ اہل اسلام میں مسلم ہے۔ اس لیے آپ کی بشریت بھی اہل حق اور اہل انصاف کے نزدیک مسلم ہے۔ ومن رغب عنه الا من سفه نفسه۔

جنگ حنین میں آنحضرت ﷺ نے بڑے فخر سے فرمایا تھا انا النبی لا کذب انا ابن المطلب یعنی اے لشکر کفار! میں نبی ہوں' اس میں کوئی جھوٹ نہیں' میں عبدالمطلب کا بیٹا (پوتا) ہوں۔ آنحضور ﷺ نے ایک بار ممبر پر خطبہ دیا تو فرمایا من آنا فقالوا انت رسول الله قال آنا محمد بن عبدالله بن عبدالمطلب۔ یعنی بتاؤ میں کون ہوں؟ تو لوگوں نے کہا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں' آپ نے فرمایا کہ میں محمد بیٹا

رعبداللہ کا ہوں اور عبداللہ بیٹا عبدالمطلب کا ہے۔ اسی طرح کتب حدیث میں جو احادیث آپ سے مروی ہیں، ان میں آپ کی پیدائش، پرورش، طفولیت، شباب، پیری، رشتہ داری، تندرستی، بیماری، خوشی، غمی، کاروبار، اخلاق، کھانا پینا، بھوکا رہنا، پیشاب، پاخانہ، بیاہ کرنا، جماع کرنا، جنبی ہونا، غسل کرنا، اولاد ہونا، بھولنا، ہنسنا، روکنا، کلام کرنا، معاملات کرنا، چلنا، پھرنا وغیرہ کا تفصیلی ذکر موجود ہے۔ یہ سب اوصاف و خواص بشریت پر دلالت کرتے ہیں۔ جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ تو آپ کے بشر اور انسان ہونے میں کیا شک رہا۔ اب جو آپ کو بشر نہیں کہتے، وہ ان تمام دلائل قطعیہ کے مکذب اور بداہت اور واقعی امر کا انکار کرنے والے ہیں جن کو بے وقوف اور احمق کہا جا سکتا ہے۔ ایسے احمق لوگ بعض ان اقوال و افعال و عادات و صفات و احکام کا ذکر کر کے لوگوں کو مغالطہ دیتے ہیں جو عام بشروں کے خلاف ہیں کہ آپ کی آنکھیں سوتی تھیں۔ دل جاگتا تھا۔ خواب میں زمین آسمان کے حالات کھل جاتے تھے۔ آپ کو پیچھے سے نظر آنا، معراج پر جانا، انگلیوں سے پانی نکلنا، جنت دوزخ کو دنیا میں دیکھنا، سینہ نور حکمت سے بھرا جانا کئی دن تک بھوکا رہ سکنا، غیبی خبریں دینا وغیرہ آپ میں صفات تھیں جو خلاف بشریت ہیں۔ سو یہ سراسر مغالطہ ہے اور ان کے احمق پن اور سفاہت پر دوسری دلیل ہے۔ کیونکہ یہ سب باتیں معجزات یا علامات اور براہین نبوت و رسالت ہیں۔ جو آپ کو رسول و نبی ہونے کی حیثیت سے حاصل ہیں۔ ان سے آپ بشریت سے خارج نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح تمام انبیاء کرام کو معجزات اور خلاف عادات عامہ کئی امور اور اوصاف حاصل تھے۔ بلکہ بعض امور اولیاء اور بزرگان دین کو بھی بطور کرامات حاصل تھے۔ ان سے بھی ان کی بشریت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بشریت سے زائد چیزیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوئیں جو منصب سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس لیے آپ کو بشر رسول کہا جاتا ہے۔ پس آپ کی دو حیثیتیں ہوئیں۔ ایک بشریت کی دوم رسالت کی۔ پہلی میں جنس بشر اور عام اوصاف بشر میں آپ ہماری طرح تھے اور دوسری حیثیت سے آپ تمام کائنات سے افضل اور اشرف تھے۔ اس حیثیت سے ہم یہ کہتے ہیں کہ "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" اور اس سے زیادہ شان درجہ بڑھانا ہم کو منع ہے۔ فرمایا آنحضرت ﷺ نے لا تطرونی کما اطرت النصاری ابن مریم فانما انا عبدہ فقولوا

عبدالله ورسولہ یعنی تم میری تعریف حد سے زیادہ نہ کرو۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف میں نصاریٰ نے غلو کیا سوائے اس کے نہیں میں اس کا بندہ ہوں۔

تم یوں کہو "اللہ کا بندہ اور اللہ کا رسول" اس سے زائد ہم کچھ نہیں کہہ سکتے' کیونکہ مامور نہیں ہیں۔ بس غالی لوگ جو آپ کو نور حسی اور جسمی کہتے ہیں' یہ سراسر باطل اور دلائل قطعیہ کے خلاف ہے۔ اس بارہ میں کوئی قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت دلیل شرعی موجود نہیں ہے۔ احادیث جو اس بارہ میں پیش کی جاتی ہیں' وہ تیسرے یا چوتھے طبقہ کی کتب حدیث کی روایات ہیں۔ سو اول تو یہ طبقہ ہی غیر معتبر ہے۔ جیسا کہ عجالہ نافعہ میں شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے تصریح فرمائی ہے۔ دوم یہ روایات خود موضوع یا ضعیف ہیں جو بالکل ناقابل استدلال ہیں اور عقائد میں حجت نہیں ہیں۔ باقی قرآن میں آپ کو سراج منیر ضرور فرمایا گیا ہے لیکن یہ وصفی اور روحانی لحاظ سے ہے جیسے قرآن اور اسلام اور ایمان کو قرآن و حدیث میں نور کہا گیا ہے۔ آپ میں نور ہدایت نور نبوت تھا جس سے کسی مسلمان کو انکار نہیں ہے۔ اب اگر ایک دو مجمل لفظوں سے ذاتی اور حسی نور مراد لیا جائے تو تمام نصوص بینہ قطعیہ کی تکذیب لازم آئے گی اور کلام الٰہی اور کلام رسول میں تضاد پیدا ہو جائے گا۔ کیونکہ ہمارے پیش کردہ دلائل سے آپ کی بشریت و انسانیت اور اس کے خواص و اوصاف ثابت ہو چکے ہیں جو نور حسی اور جسمی کے سراسر خلاف ہیں۔ اگر غالی فرقہ کے مزعومہ دلائل سے نور حسی اور جسمی تسلیم کیا جائے تو ان دلائل کا بطلان ہو گا۔ حالانکہ نور مجسم ہونا واقع کے بھی خلاف ہے کیونکہ مجسم نور میں نہ کھانے کی حاجت' نہ پینے کی' نہ نکاح کی اور نہ جماع کی' نہ بیمار ہونے کی اور نہ مرنے کی صفت ہے' جیسے عام بشروں میں ہے۔ انک میت وانھم میتون یعنی تو بھی مرنے والا ہے اور یہ لوگ بھی مرنے والے ہیں۔ فرشتے نور سے ہیں' ان میں یہ کوئی صفت بھی نہیں ہے۔ سورج' چاند نور سے ہیں' ان میں بھی یہ اوصاف نہیں ہیں۔ ہاں فنا تو ہوں گے مگر بیماری اور موت انسانوں کی طرح ان میں نہیں پائی جائے گی۔ بہرحال نور حسی کے اوصاف حسی آپ میں نہ تھے' بشری اوصاف سب پائے جاتے تھے۔ لہذا بشر ہونا آپ کا صحیح اور ثابت ہے جس پر تمام اہل حق کا اجماع ہے۔ حررہ ابوالشکور عبدالقادر حصاری کان اللہ لہ

اہل حدیث سوہدرہ جلد۔۶' شمارہ۔۲۳' ۲۴ مورخہ ۲۱ و ۲۸ جون سنہ۔۱۹۵۴ء

کیا آنحضرت ﷺ غیب جانتے تھے؟

ایک فرقہ کا یہ عقیدہ ہے کہ جناب رسول اللہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو علم غیب کلی اور علم جمیع ماکان وما یکون کا حاصل ہے۔ چونکہ اسی مسئلہ بنیادی پر ان کے نزاعی مسائل یعنی درود ندائیہ' استمداد' استغاثہ اور اختیارات کلیہ رکھنا وغیرہ موقوف ہیں۔ اس لیے اس کا تصفیہ اور قطعی فیصلہ ہونا ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں چند سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) جناب رسول اللہ ﷺ کو علم غیب کلی کب حاصل ہوا تھا؟ روز ازل سے یا عالم دنیا میں پیدا ہونے کے بعد—؟ اگر صورت دوسری ہے تو قبل از ظہور نبوت چالیس سالہ عمر میں؟ یا بعد از ظہور نبوت تئیس سالہ عمر مبارک میں؟ اگر بعد نبوت کے ہے تو مکی زندگی میں حاصل ہوا تھا یا مدنی زندگی میں؟ اگر مدنی میں شروع سال ہجرت میں یا درمیان میں؟ یا عندالموت—؟ بہرحال اس علم کے حاصل ہونے کا کوئی سال' مہینہ یا دن کسی بنا پر یا کسی معتبر و مسلم تاریخی کتاب سے بتائیں— کیونکہ!

بعض بریلوی علماء یہ کہتے ہیں کہ علم غیب کلی آپ کو اس وقت حاصل ہوا جب آپ کو روز اول میں پیدا کر کے نبوت دی گئی اور پھر آپ کے سامنے تمام کائنات پیدا کی گئی۔ آپ اول الخلق ہیں اور ہر چیز آپ کے سامنے تیار ہوئی ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ جب آپ کو دنیا میں نبوت ملی ہے اس وقت علم کلی بھی عطا ہو گیا تھا۔

بعض کہتے ہیں کہ مدنی زندگی میں آپ کو یہ علم غیب کلی ملا ہے جب آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر تمام وما کان وما یکون کو بیان کیا ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ ہجرت کے دس برس بعد قبل از موت یہ علم حاصل ہوا ہے۔

غرضیکہ جب اس دعویٰ کلی کے منافی کوئی آیت یا حدیث یا واقعہ پیش کیا جاتا ہے تو اس دلیل کے جواب سے عاجز ہو کر جان چھوڑانے کے لیے آخری حربہ یہ ہے کہ اس وقت آنحضرت ﷺ کو علم کلی عطا نہ ہوا تھا۔

اس لیے یہ سوال ہے کہ بریلوی فرقہ کا کوئی ذمہ دار عالم جو اس فرقہ کے نزدیک مسلمہ کل ہو' ہمیں علم غیب کے حصول کی کوئی صحیح تاریخ پیش کریں اور اس کی تعیین بتائیں کہ ہم اس کے خلاف کوئی جزئیہ اس تاریخ کے بعد کا پیش کریں۔ اگر تاریخ کی تعیین نہ کر سکیں تو اس سے صاف انکار شائع کریں پھر ہمارا سوال مندرجہ ذیل ہو گا۔

(۲) بعض نصوص میں علم غیب الرسول کی نفی مطلق ہے جیسے فرمایا **ولا اعلم الغیب** اور بعض میں علم بعض اشیاء کا اثبات ہے اور بعض میں کل اشیاء کا اور بعض میں بعض چیزوں کا عدم علم مذکور ہے جیسے قیامت کا علم آپ سے مخفی رکھا گیا تو ان دلائل میں جس مذہب کے نزدیک مطلق مقید پر محمول ہے' وہ تو علم غیب کلی کی نفی کریں گے اور جزئی کا اثبات' اور جن کے نزدیک مطلق مقید پر محمول نہیں ہے' ان کے نزدیک اس تعارض سے رہائی کی کیا صورت ہے؟

اگر یہ کہا جائے کہ نفی مطلق میں علم غیب ذاتی کی نفی مراد ہے اور جن نصوص میں علم ہونے کا ذکر ہے' ان سے علم غیب عطائی مراد ہے تو اس میں نقص یہ ہے کہ بعض نصوص میں بعض اشیاء کا عدم صاف مذکور ہے' پھر ان کا کیا جواب ہے؟

مثلاً یہ کہ مندرجہ ذیل نصوص میں بعض اشیاء کا علم نہ ہونا صاف مذکور ہے اور ان کا علم ہو جانا کسی نص سے ثابت نہیں۔ اگر ثابت ہے تو وہ نص پیش کریں۔

اول یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے --- **وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ** یعنی ہم نے اپنے رسول کو شعر کہنا نہیں سکھایا کیونکہ اس کی شان کے لائق نہ تھا۔

آنحضور ﷺ شاعر نہ تھے۔ شعر بنانے اور نظم پڑھنے کا آپ کو علم نہ تھا اور شعر آپ کی شان کے لائق نہ تھا۔ اس آیت میں شعر کی صاف نفی مذکور ہے۔ اس سے کلی علم غیب کا بطلان لازم آگیا۔

دوم' ارشاد الٰہی ہے کہ **ولقد ارسلنا رسلا من قبلک منھم من قصصنا علیک ومنھم لم نقصص علیک** یعنی ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے ہیں' ان میں سے بعض وہ ہیں جن کو ہم نے آپ سے بیان کر دیا ہے اور بعض وہ ہیں جن کو ہم نے بیان نہیں کیا۔

اس آیت سے آنحضرت ﷺ کو بعض رسولوں کے اسماء اور ان کے حالات کا عدم علم ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نہیں بتایا۔ اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے نہیں بتایا' آنحضرت ﷺ نے خود جان لیا تھا اور آپ کو علم ہے' تو پھر یہ علم ذاتی ہو جائے گا۔ حالانکہ دعویٰ عطائی کا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ مراد آیت سے یہ ہے کہ قرآن میں ذکر نہیں کیا' ویسے آپ کو بتا دیا تھا' تو یہ تین طرح سے باطل ہے۔ (۱) یہ کہ قرآن سے خود اس فرقہ کے لوگ یہ ثابت کرتے ہیں کہ تبیانا" لکل شئی یعنی قرآن میں ہر چیز کا بیان ہے اور تفصیلا" کل شئی کو کلی علم غیب پر دلیل لاتے ہیں کہ اس میں ہر چیز کی تفصیل ہے اور بذریعہ قرآن آپ کو ہر چیز کی تفصیل کا پتہ ہے۔ جب قرآن میں جملہ انبیاء کے نام اور ان کے حالات مذکور نہیں تو ظاہر ہے کہ قرآن میں ہر چیز کے بیان ہونے سے ان کا مطلب خیروشر اور جائز و ناجائز وغیرہ کو بطور کلیات بقدر مایحتاج الیه فی الدین کے بیان کیا ہے۔ (۲) یہ کہ اگر آپ کو علاوہ قرآن کے بیرونی طور پر علم ہوتا تو ضرور آپ بیان فرما دیتے' کیونکہ قرآن میں ہے' وما هو علی الغیب بضنین کہ نبی غیب پر بخیل نہیں ہے۔ جب بخیل نہیں تو آپ نے سب بتا دیا ہو گا۔ لیکن بعض صحابہ کا یہ کہنا کہ اس چیز کا علم آنحضرت ﷺ کو نہ تھا۔ اس کے خلاف ہو گا۔ چنانچہ حضرت علی ؓ فرماتے ہیں' بعث الله عبدا حبشیا فهو من لم یقص علی محمد صلی الله علیه وسلم یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک حبشی بندہ کو نبی بنا کر بھیجا ہے اور وہ ان میں سے ہے جن کا قصہ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو نہیں فرمایا ہے۔

یہ فرمان حضرت علی ؓ اور جملہ آیات کا تخالف و تضاد تب ہی دور ہو سکتا ہے کہ کلی علم غیب کی نفی کر کے بعض علم غیب ہونے کا دعویٰ کیا جائے۔ اگر کلی علم غیب کا دعویٰ صحیح ہے تو ان نصوص کے تعارض کو رفع کریں۔ (۳) یہ کہ مستدرک حاکم میں ہے کہ عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ما ادری تبع نبیا ام لا وما ادری ذا القرنین نبیا ام لا یعنی فرمایا آنحضرت ﷺ نے کہ میں نہیں جانتا تبع نبی تھا یا نہیں اور نہ یہ جانتا ہوں کہ ذوالقرنین نبی تھا یا نہیں۔ (جلد-۱' ص-۳۶)

تیسری نص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا' یوم یجمع اللہ الرسل فیقول ماذا اجبتم قالوا لا علم لنا انک انت علام الغیوب یعنی جب بروز قیامت اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو جمع کرے گا تو ان سے ارشاد فرمائے گا کہ تم کو کیا جواب ملا تھا' تو وہ عرض کریں گے کہ ہم کو کوئی علم نہیں ہے۔ غیب کا پورا علم جاننے والے آپ ہی ہیں۔

اس کی تفسیر خازن جلد۔۲' ص۔۸۹ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یوں کی ہے:

لا علم لنا کعلمک فیھم لانک تعلم ما اضمروا وما اظھروا ونحن لا نعلم الا ما اظھروا یعنی انبیاء علیہم السلام کے اس جواب کا کہ ہم کو کوئی علم نہیں ہے' یہ مطلب ہے کہ اے اللہ ان کے بارہ میں ہم کو آپ کا سا علم نہیں ہے' کیونکہ آپ تو اس کو بھی جانتے ہیں جو انہوں نے زبان سے ظاہر کیا اور اس کو بھی جو دل میں ہے اور ہم کو صرف ظاہری حال کا علم ہے۔

اس آیت میں تمام انبیاء علیہم السلام کا متفقہ اجماعی بیان ہے کہ ہم کو کلی علم غیب نہیں ہے۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ عالم الغیب جس کو علم غیب کلی ہو وہ بھول جاتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں بھولتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اور وہ کبھی نہیں بھولتا وما کان ربک نسیا یعنی تیرا رب بھولنے والا نہیں ہے۔ تو پھر ہم یہ کہتے ہیں کہ تب حضور ﷺ عالم الغیب نہ تھے' کیونکہ آپ پر سہو اور نسیان واقعہ ہو جاتا تھا۔ لیکن احکام شرع کی تبلیغ میں نہیں' بلکہ اپنے افعال و عادات میں نسیان ہو جاتا تھا' مگر پھر اس پر استقرار نہیں رہتا تھا۔ اس کی اصلاح ہو جاتی تھی۔ ہاں بعض چیزوں پر استقرار بھی رہ جاتا تھا' چنانچہ ان امور کا ثبوت ملاحظہ ہو:

(ا) حضور ﷺ نماز میں بھول گئے تھے۔ بجائے ظہر کی چار رکعت پڑھنے کے پانچ پڑھ لی تھیں۔

(ب) ایک بار عصر کی چار رکعت کی جگہ دو ہی پڑھ لی تھیں۔

ایک بار عصر کی چار کے بجائے تین ہی پڑھ لی تھیں۔

پھر نماز پوری کر کے سجدہ سہو کرتے رہے۔ ان سجود و سہو میں بعض وقت آپ نے یہ فرمایا "کلا مافعلت" خبردار! میں نے ایسا نہیں کیا۔ بعض روایت میں یہ ہے "کل ذالک لم یکن" کوئی بات نہیں ہوئی' نہ میں بھولا اور نہ نماز ہی کم ہوئی ہے۔ اس پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ کے مقتدی یہ کہتے رہے کہ جناب آپ بھول گئے ہیں۔ تب آپ کو علم ہوا اور آپ نے سجدہ سہو کیا۔

امام نووی رحمہ اللہ ان احادیث پر فرماتے ہیں "فیه دلیل علی جواز النسیان علیه صلی الله علیه وسلم" یعنی ان احادیث سے ظاہر ہوا کہ نبی پر سہو واقعہ ہونا جائز ہے اور یہ لکھا ہے' "فجوزه الجمهور" جمہور علماء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نسیان کو جائز رکھتے ہیں۔ اور پھر لکھا ہے' "واما جواز السهو فی امور الدنیا فغیر ممتنع" یعنی دنیا کے امور میں آپ سے بھول ہو جانا ممتنع نہیں ہے۔

اس سہو کے کئی فائدے ظاہر ہوئے۔ ایک احکام شرع کا تقرر اور دوم یہ کہ غالی لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وصف بشریت سے نکل کر الوہیت کے درجہ میں نہ پہنچا دیں۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بھولنے کی وجہ' علت' سبب بشریت کو بیان فرمایا ہے۔ حدیث میں ہے' "قال انما انا بشر مثلکم انسیٰ کما اتنسون" اور یہ فرمایا' "انما انا بشر مثلکما اذکر کما تذکرون وانسیٰ کما تنسون" اور ایک روایت میں یہ بھی ہے' "فاذا نسیت فذکرونی" حاصل اس کا یہ ہے "میں بشریت کے اعتبار سے تمہاری طرح ہوں۔ جیسے تم باتیں یاد رکھتے ہو' میں بھی یاد رکھتا ہوں۔ جیسے تم بھول جاتے ہو' میں بھی بھول جاتا ہوں۔ جب بھول جایا کروں تو تم مجھے یاد دلایا کرو۔"

اس سے ظاہر ہے کہ آپ انسان تھے اور انسان کی جبلی عادت بھولنا ہے۔ اور بھولنے والا عالم الغیب ا لکلی نہیں ہو سکتا۔

باقی رہا بعض علماء کا یہ کہنا کہ آپ سے بھول صادر نہیں ہوتی تھی۔ یہ جو بعض امور میں آپ سے بھول صادر ہوئی ہے یہ ضرورت تشریع کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کرائی گئی ہے۔ چنانچہ مؤطا کی ایک روایت میں وارد ہے کہ "انی لا انسیٰ ولکن انسیٰ لاسن" اس کی بابت علامہ شوکانی نے یہ فرمایا ہے کہ "قال الحافظ فی الفتح

ان هذا الحديث لا اصل له فانه من بلاغات مالک التی لم توجد موصولة بعد البحث الشديد۔ یعنی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اس پیش کردہ حدیث پر یہ تعاقب کیا ہے کہ حدیث انسیٰ کا بالکل کوئی اصل نہیں ہے اور یہ امام مالک رحمہ اللہ کی ان منقطع روایتوں میں سے ہے جو باوجود بحث شدید کے ان کا موصول ہونا ثابت نہیں ہوا۔ پس یہ روایت مردود ہے اور آپ کا بعض چیزوں کو بھولنا قرآن سے ثابت ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے "ما ننسخ من آية اوننسها نات بخير منها اومثلها۔" یعنی جو منسوخ کرتے ہیں ہم کوئی آیت یا بھلا دیتے ہیں تو لاتے ہیں ہم بہتر اس سے۔ معالم میں ہے۔ "ومنها ان يرفع اصلا عن المصحف ومن القلوب كما روى عن ابى امامة۔" یعنی قرآن میں سے بعض وہ آیات ہیں جو مصحف اور دلوں سے بالکل اٹھالی گئی ہیں۔ جیسا کہ ابوامامہ سے مروی ہے۔ نیز قرآن میں ہے' "سنقرئك فلا تنسىٰ الا ماشاء الله۔" یعنی ہم تجھے پڑھائیں گے اور تم نہ بھولو گے مگر جس قدر کہ اللہ چاہیے۔ غنیۃ الطالبین مترجم کے ص-۲۸۱ میں ہے' "یہ بھی درست ہے کہ رمضان المبارک کے مہینے میں جتنا قرآن مجید رسول اللہ ﷺ پر اترا ہوتا۔ اسے دہرایا کرتے تھے' اور جس قدر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تھا' اسی قدر ہی آپ کو یاد رہتا تھا اور باقی بھول جاتے تھے۔"

اس تصریح سے صاف روشن ہوا کہ آنحضور ﷺ کو علم غیب کلی نہ تھا' کیونکہ جس کو ماکان وما یکون کا علم ہر وقت ہو' وہ کبھی بھول نہیں سکتا۔ نیز صحابہ کرام آپ پر بھول واقع ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے۔ ایک صحابی فرماتے ہیں کہ آنحضور ﷺ نے صبح کی نماز میں اذا زلزلت الارض دونوں رکعتوں میں پڑھی تھی۔ "فلا ادری انسیٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم ام قراء عمداً۔ (رواہ ابوداؤد) میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ ﷺ نے بھول کر ایسا کیا یا جان بوجھ کر۔ یہ سورہ دوبارہ پڑھی تھی۔ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ ولی بھی غیب نہیں جانتا۔ چنانچہ نبی کا ہر صحابی ولی ہے جس کے بعد کے تمام اولیاء اس کے برابر نہیں ہو سکتے ہیں اور یہ بھی صاف نمایاں ہے کہ نبی بھی غیب کلی نہیں رکھتا اور صحابہ کا بھی یہی مذہب تھا۔ اسی بنا پر انہوں نے بھول کا احتمال ظاہر کیا' ورنہ ایک ہی احتمال ہوتا۔ نیل الاوطار میں

ہے' "فیہ دلیل لمذھب الجمھور القائلین بجواز النسیان علیہ وقد صرح بذالک حدیث انما انا بشر انسٰی کما تنسون۔ (جلد-۲' ص-۲۳۰) یعنی اس حدیث میں مذہب جمہور کی دلیل ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ آنحضور ﷺ پر نسیان کا واقعہ ہونا جائز ہے اور اس کی تصریح اس حدیث میں بھی ہے کہ آپ نے بھولنے کے بعد یہ فرمایا تھا کہ میں بشر ہوں۔ (بشر کی جبلت میں بھولنا ہے) بھول جاتا ہوں' جیسے تم بھول جاتے ہو۔

آنحضرت ﷺ کو جمعہ کی ساعت اور لیلتہ القدر اللہ تعالیٰ نے بالتعیین بتلا دی تھی' پھر آپ بھول گئے' چنانچہ حدیث ابوسعید ؓ میں ہے کہ سالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عنھا فقال قد علمتھا ثم انسیتھا کما انسیت لیلة القدر۔ اخرجہ احمد و ابن خزیمة والحاکم وقال العراقی ورجالہ رجال الصحیح (نیل الاوطار جلد-۳' ص-۲۴۷) یعنی ابوسعید ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے سوال کیا کہ جمعہ کی وہ ساعت کون سی ہے جس میں دعا قبول ہوتی ہے؟ تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اس کا علم تو تھا لیکن پھر میں بھلا دیا گیا۔ جس طرح لیلتہ القدر کی تعیین بھلا دیا گیا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ لیلتہ القدر اور ساعتہ الجمعہ میں احادیث اور اقوال مختلف مروی ہیں۔ کیونکہ آپ کو تردد رہا کہ فلاں ساعت ہے' پھر کہا فلاں ساعت ہے' تعیین پختہ نہ رہی۔ اس میں بھی حکمت الٰہی تھی۔

یاد رہے کہ ایک بھولنا جرم بھی ہے اور وہ کسی غفلت اور اعراض سے ہوتا ہے' اس کے جمہور قائل ہیں۔

(۴) موضوعات ملا علی قاری ص-۸۰ میں علامہ علی قاری حنفی المذہب فرماتے ہیں' "قلت وقد ثبت انہ علیہ الصلوة والسلام قال لا ادری عزیر النبی ام لا۔ وفی التنزیل لا ادری مایفعل بی ولابکم الآیہ۔" یعنی میں یہ کہتا ہوں کہ حدیث سے یہ ثابت ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا ہوں کہ عزیر نبی تھا یا نہیں اور قرآن میں بھی یہ وارد ہے کہ میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔

(۵) مسلم جلد-۲ ص-۲۸۵ میں حدیث ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ

عنہا نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' "انی لا علم اذا کنت عنی راضیة واذا کنت علی غضبان قالت فقلت ومن این تعرف ذالک؟ یعنی جب تو مجھ سے راضی ہوتی ہے' تب بھی میں جان لیتا ہوں اور جب ناراض ہوتی ہے تب بھی جان لیتا ہوں۔ میں نے کہا کہ آپ یہ کہاں سے معلوم کر لیتے ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تو ناراض ہوتی ہے تو یہ کہتی ہے' "قسم ہے معبود ابراہیم کی" اور جب تو مجھ سے خوش ہوتی ہے تو یوں کہتی ہے" محمد ﷺ کے معبود کی قسم" حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضورا ﷺ بات تو اسی طرح ہے' میں رنج کی حالت میں آپ کا نام چھوڑ دیتی ہوں۔

بروئے اس حدیث نبوی سوال یہ ہے کہ اگر آنحضرت ﷺ کو کل غیب حاصل تھا تو آپ نے اس وقت یہ کیوں نہ فرمایا کہ مجھے علم غیب کلی حاصل ہے۔ اس لیے جان لیتا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے ایک امر عادی' تجربہ اور محاورہ کلام کیوں ذکر فرمایا؟ آپ صاف یوں فرماتے کہ "مجھے علم غیب کلی حاصل ہے' اس لیے مجھ سے کوئی بات مخفی نہیں رہ سکتی۔" جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے' واللّٰہ علیم بذات الصدور یعنی اللہ تعالیٰ سینہ کے تمام راز اور باتوں کو جانتا ہے۔ اور فرمایا' ان اللّٰہ لایخفٰی علیه شئی فی الارض ولا فی السماء یعنی بے شک اللہ وہ ذات ہے کہ زمین اور آسمان کی کوئی چیز اس سے مخفی نہیں ہے (وہ سب کو جانتا ہے) اور یہ بھی قرآن میں ہے کہ اللہ کا علم تمام چیزوں کو محیط ہے' اور یہ بھی صفت الٰہی ہے۔ وھو بکل شئی علیم کہ وہ ہر شے کو جاننے والاہے۔ آپ نے اس طرح نہ فرمایا' جس کا انجام یہ ہوا کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ فتویٰ ہے کہ "من حدثک انه یعلم الغیب فقد کذب یعنی جو شخص یہ کہے کہ نبی محمد مصطفیٰ ﷺ تمام غیب جانتے تھے' وہ جھوٹا ہے۔ (بخاری جلد-۲' ص-۱۰۹۸)

اور تفسیر سورہ نجم میں بخاری کے یہ الفاظ ہیں: من حدثک انه یعلم مافی غد فقد کذب کہ جو شخص یہ کہے کہ نبی کریم ﷺ کل کی باتوں اور واقعات کا علم رکھتے تھے' وہ جھوٹا ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ کا بھی یہ اقرار ہے کہ "لایعلم ما فی غد الا اللّٰہ" یعنی اللہ کے سوا کل کی بات کوئی نہیں جانتا۔ اور یہ اس وقت فرمایا تھا جب ایک

لڑکی نے گاتے ہوئے یہ کہا تھا کہ وفینا نبی یعلم ما فی غد (ابن ماجہ) یعنی ہم میں ایک نبی ہے جو کل کی باتیں جانتا ہے۔

پس ثابت ہوا کہ دعویٰ "کل غیب" کا محض غلط اور باطل ہے۔

(۶) حضور ﷺ کی طرف علم غیب کو منسوب کرنے والا گروہ کہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو آئندہ کی سب باتوں کا علم تھا حالانکہ حضور ﷺ فرماتے ہیں:

"لو استقبلت من امری ما استدبرت ما سقت الهدی ولحللت مع الناس حین حلوا" (بخاری جلد-۲' ص-۱۰۷۳) یعنی اگر میں پہلے اپنے کام کی سبقیت (اہمیت) جان لیتا جو بعد میں معلوم ہوئی تو قربانی ساتھ نہ لاتا اور جب لوگوں نے احرام کھولے تھے تو میں بھی ان کے ساتھ ہی کھول دیتا۔

اس سے ثابت ہے کہ آپ کو آئندہ کی خبر نہ تھی۔

اب سوال یہ ہے کہ آنحضور ﷺ کا فرمان صحیح ہے یا اس فرقہ کا عقیدہ؟ شق دوم کا اقرار اور شق اول کا انکار صریح کفر ہے اور شق اول کا اقرار اور شق دوم کا انکار صریح ایمان ہے۔

(۷) ایک رسالہ میں یہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا تو پھر ماننا پڑے گا کہ دنیا کی ہر چیز حضور علیہ السلام کے سامنے اور دیکھتے دیکھتے بنی (تا آخر) ہر مخلوق حضور ﷺ کے جب سامنے تیار ہوئی تو پھر یہ کہنا کہ حضور ﷺ کو کسی چیز کا علم نہیں تھا' ضلالت و گمراہی نہیں تو اور کیا ہے؟ اھ

اگر یہ بات صحیح ہے اور اس کے خلاف گمراہی ہے تو پھر آپ کو قلم و لوح محفوظ کے تمام مکتوبات کا بھی علم ہونا چاہیے۔ یہ تسلیم کرنے پر ہمارا سوال ہے کہ آیت:

"ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان" یعنی آپ یہ نہ جانتے تھے کہ قرآن کیا ہے اور ایمان کیا ہے؟ (جبرائیل علیہ السلام کے واسطہ سے بذریعہ وحی علم ہوا)

پس شروع سے غیب دان نہ رہے۔

جب جبرائیل علیہ السلام نے کہا "اقراء" آپ پڑھیے۔

تب آپ نے یہ فرمایا "ما انا بقاری" "میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں" اس سے

ظاہر ہے کہ آپ کو قرآن کا علم نہ تھا' حالانکہ بقول آپ کے حضور ﷺ کے سامنے لوح محفوظ میں درج ہو رہا تھا اور یہ بھی لکھا جا رہا تھا کہ:

"غار حرا میں جبرائیل نازل ہو گا اور آپ کو یہ کہے گا "اقراء" وہ کہیں گے "ما انا بقاری" پھر سورہ اقراء پڑھائے گا۔ سورہ اقرا بھی لکھ دی۔"

لیکن جب دنیا پر ظہور ہوا تو اب علم کی نفی کر دی۔ ما کنت تدری اور فرمایا "ماکنت تعلمها انت الآیه (پارہ-۱۲' ص-۴) کہ آپ کو اور آپ کی قوم کو غیب کی خبروں کا علم نہ تھا۔ اور فرمایا "وان کنت من قبله لمن الغافلین" آپ اس سے پہلے بے خبروں میں سے تھے۔ نیز ارشاد ہے کہ "وما ادری ما یفعل بی ولابکم" یعنی میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا ہو گا؟ اس طرح بہت سی آیات دعویٰ کے خلاف ہیں۔ اور کفار نے جب تین سوال کیے کہ روح کیا چیز ہے؟ اصحاب کہف کا قصہ کیا ہے؟ اور مشرق سے مغرب تک سیاحت کرنے والا کون تھا؟ تو آپ نے جواب کیوں نہ دیا اور پندرہ روز تک خاموش کیوں رہے؟ نیز شہد حرام کر کے عتاب الٰہی کیوں منظور کیا؟ الغرض یہ عقیدہ کتاب و سنت کے مطابق نہیں۔

(۸) علم الٰہی اور علم محمدی ﷺ ما کان وما یکون مساوی ہیں یا کم و بیش ہیں؟ اگر مساوی ہیں تو پھر یہ کفر کا عقیدہ ہے۔ چنانچہ ملا علی قاری "موضوعات کبیر" ص-۹۹ میں فرماتے ہیں: "ومن اعتقد تسوية علم الله ورسوله يكفر اجماعا كما لا يخفىٰ" یعنی جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ علم الٰہی اور علم رسول برابر ہیں' وہ بالاجماع کافر ہے جیسا کہ کسی اہل علم پر پوشیدہ نہیں ہے۔

بریلوی فرقہ کے بانی مولوی احمد رضا خاں صاحب اپنی کتاب الدولتہ المکیہ ص-۲۸اور خالص الاعتقاد ص-۳۳ پر یہ لکھتے ہیں کہ "ہم عطائے الٰہی سے بھی بعض علم ہی ملنا مانتے ہیں نہ کہ جمیع-" نیز الدولتہ المکیہ ص-۲۵ میں ہے کہ "ہم اس کے مدعی نہیں ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو تمام معلومات الٰہیہ کا علم حاصل تھا کیونکہ وہ تو مخلوق کے لیے حاصل ہونا محال ہے۔"

اس سے کلی علم غیب کی نفی ظاہر ہے اور اگر شق دوسری ہے کہ ہر دو کے علم میں کمی بیشی ہے تو علم غیب کلی کا دعویٰ باطل ہوا۔

(۹) یہ گروہ بیان کرتا ہے کہ حضرت حذیفہ ﷜ نے فرمایا کہ منبر پر کھڑے ہو کر حضور ﷺ نے از ابتداء تا انتہاء سب کچھ بتا دیا تھا اور ماکان ومایکون تمام بیان کر دیا تھا۔ جس کو یاد رہا یاد رہا' جو بھول گیا بھول گیا۔ اس سے کلی علم غیب ثابت کیا ہے۔

اس پر سوال یہ ہے کہ آنحضور ﷺ نے دین اسلام کے ضروری واقعات اور احکام کلیات بیان کیے تھے یا دین اسلام کے تمام کلیات و جزئیات بالتفصیل بیان کیے تھے؟

ظاہر ہے کہ شق اول ہے اور اس سے کلی علم غیب کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔ کما ھوالظاہر۔

(۱۰) یہ گروہ اپنے حنفی ہونے کا مدعی ہے لیکن ایسے عقیدہ کے لوگ جو حضور ﷺ کو عالم الغیب مانتے ہیں' ان کے متعلق "بحرالرائق" میں ہے: "لو تزوج بشھادۃ اللہ ورسولہ لا ینعقد ویکفر لا عتقاد ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب۔" یعنی اگر کسی نے اللہ اور رسول ﷺ کو گواہ قرار دے کر نکاح کیا تو نکاح منعقد نہ ہو گا (کیونکہ نکاح بغیر گواہوں کے ہوا ہے) اور ایسا کرنے والا کافر ہو جائے گا کیونکہ اس نے یہ اعتقاد ظاہر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ غیب جانتے ہیں۔

"درمختار" میں بھی اسی طرح ہے۔ اور کتاب مسائیرہ ابن ہمام میں ہے کہ "فقہاء حنفیہ نے اپنے فتاووں میں اس عقیدہ رکھنے والوں پر کہ رسول اللہ ﷺ کو علم غیب تھا صراحۃ" کفر کا حکم لگایا ہے۔ کیونکہ یہ عقیدہ صریح نص قرآنی کے معارض ہے' جو یہ ہے: "قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ" یعنی اے نبی آپ یہ اعلان کر دیں کہ آسمان اور زمین میں رہنے والوں میں سے کوئی بھی غیب کلی نہیں جانتا سوا اللہ کے۔

(۱۱) تفسیر بیضاوی اور مدارک میں علم غیب کی جو تعریف لکھی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے: "غیب وہ پوشیدہ چیز ہے جس کو نہ عقل پا سکے اور نہ حس معلوم کر سکے اور نہ کوئی دلیل اس پر دلالت کرے اور نہ کوئی مخلوق اس پر مطلع ہو۔"

اس سے یہ ظاہر ہوا کہ جو چیز کسی خبر یا تعلیم یا اعلام یا علامت یا حس یا عقل و

فراست یا علم جیسے نجوم و رمل وغیرہ سے معلوم ہو، وہ علم غیب نہیں ہے۔

فتاویٰ بزازیہ میں ہے کہ "لم یبق بعد الاعلام غیبا" پس مطلق یہ کہنا کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو علم غیب ہے اور یہ کہا جائے کہ وہ عالم الغیب ہیں، سراسر غلط ہے، کیونکہ اصطلاح میں عالم الغیب سے مراد یہ ہے کہ جمیع مغیبات کا کلیتاً" و جزئیاً" ازلاً" و ابداً" عالم ہو، سو ایسا کوئی بھی نہیں ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے۔

کتبہ عبدالقادر الحصاری غفرلہ الباری

الاعتصام لاہور جلد۔۸، شمارہ۔۱۹، ۲۱، ۲۷

بمطابق ۷ر دسمبر و ۲۱ر دسمبر ۱۹۵۶ء و یکم فروری ۱۹۵۷ء

مسئلہ علم غیب

مسئلہ غیب معلوم کرنے سے پہلے "علم غیب" کی تعریف جان لینا ضروری ہے۔ غیب وہ چیز ہے جو حواس ظاہریہ اور باطنیہ کے ادراک سے باہر ہو۔ ایسی چیز کے جاننے کا نام غیب ہے۔ تفسیر بیضاوی ص-۱۴ میں ہے: "والمراد به الخفی الذی لا یدرکه الحس ولا تقتضیه بداهة العقل" یہ علم غیب دو قسم کا ہے۔ ایک حقیقی' دوسرا اضافی۔ (ان دو قسموں کو ذاتی اور عطائی سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے) علم حقیقی وہ جو بلا ذریعہ اور واسطہ کے مستقل بلذات ہو۔ یہ خاصہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ دوم اضافی وہ ہے جو کسی کے ذریعہ اور واسطہ سے حاصل ہو۔ یہ انبیاء کو حاصل ہو سکتا ہے اس کو مجازاً" غیب کہتے ہیں' کیونکہ جب کسی کے ذریعہ علم ہو تو پھر اس کو حقیقت کے لحاظ سے علم غیب نہیں کہتے۔ تفسیر مدارک میں ہے:

"والغیب هو مالم یقم علیه دلیل ولا اطلع علیه المخلوق" یعنی غیب وہ چیز ہے جس پر نہ کوئی دلیل قائم ہو اور نہ کوئی مخلوق اس پر مطلع ہو۔

اس تعریف سے ظاہر ہے کہ جو چیز کسی کے معلوم کرانے سے معلوم ہو وہ غیب نہیں ہے۔ اس لئے فتاویٰ بزازیہ میں یہ لکھا ہے کہ "لم یبق بعد الا علام غیبا" یعنی معلوم کرانے کے بعد غیب نہیں رہتا۔ لیکن چونکہ وہ اعلام سے پہلے غیب تھا اور انبیاء کے سوا دیگر مخلوق کی رو سے وہ غیب ہے۔ اس لیے اس کو علم غیب اضافی کہتے ہیں۔ اب علم غیب مقدار کی جہت سے دو قسم ہے۔ ایک کلی' دوم جزوی۔ کلی علم غیب سے مراد تمام ماکان وما یکون کا علم ہے یعنی تمام مخلوقات کے احوال اور واقعات اور تمام کلیات و جزئیات و حادثات میں سے کسی فرشتہ یا انسان یا جن وغیرہ کو حاصل نہیں ہے۔ قرآن میں ہے "لایعلم الغیب الا الله" یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا غیب کوئی نہیں جانتا اور فرمایا 'وعنده مفاتح الغیب لا یعلمها الا هو" یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔ ان کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا' جو کچھ بیچ جنگل کے اور دریا کے ہے' اس کو وہی جانتا ہے۔ اور جو درخت کا پتا گرتا ہے اس کو بھی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو زمین کے اندھیروں میں دانہ گرتا ہے اس کو بھی اللہ تعالیٰ

کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو تروخشک چیز ہے اس کا علم بھی اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے علم قیامت کا اور وہی بارش کا علم رکھتا ہے اور ماؤں کے پیٹوں میں جو کچھ ہے اس کو بھی وہی جانتا ہے اور کسی کو علم نہیں کہ ہر نفس کل کو کیا کھائے گا' لیکن اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے اور ہر نفس جس زمین میں مرے گا وہی جانتا ہے اور اس کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ وہی علیم اور خبیر ہے۔ الغرض تمام کنجیاں غیب کی اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے "وما اوتیتم من العلم الا قلیلا" کہ تم علم میں سے کچھ نہیں دیئے گئے مگر حصہ تھوڑا۔ پس یہی علم جزوی ہے جو مخلوق کو حاصل ہے خصوصاً جو انبیاء اور ملائکہ کو ملا ہے فرشتوں نے کہا کہ "لا علم لنا الا ما علمتنا" یعنی ہم کو کوئی علم نہیں ہے' مگر جو تو نے ہم کو سکھایا۔ اور فرمایا "ولا یحیطون بشیئی من علمه الا بما شاء" یعنی نہیں گھیر سکتے اللہ کے علم میں سے کچھ بھی مگر جو کچھ اور جتنا چاہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی زبانی فرمایا "ولا اعلم الغیب" کہ میں غیب نہیں جانتا۔ اور ہمارے پیغمبر محمد ﷺ کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ذالک من انباء الغیب نوحیه الیک" یہ ہیں خبریں غیب کی جو ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں۔ اور ہمارے نبی ﷺ کی زبان سے کہلایا "ولا اعلم الغیب" کہ میں غیب نہیں جانتا۔ حدیث میں ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: "اے موسیٰ میں اللہ کے علم میں سے ایک ایسے علم کو جانتا ہوں' آپ اسے نہیں جانتے اور آپ ایسے علم پر ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھایا اسے میں نہیں جانتا۔ پھر دریا سے چڑیا نے ایک یا دو چونچ بھر پانی نوش کیا تو خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا اے موسیٰ! میرے علم اور آپ کے علم نے اللہ کے علم میں سے کوئی حصہ نہیں پایا مگر بقدر چونچ مارنے اس چڑیا کے دریا میں سے۔ (صحیح بخاری جلد۔۱' ص۔۲۳) اس سے ظاہر ہے کہ انبیاء کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مساوی نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کو علم غیب حقیقی اور ذاتی ہے اور کلی ہے اور انبیاء اور ملائکہ کا علم اضافی اور عطائی اور جزوی ہے۔ ہمارے نبی کریم ﷺ کی بابت قرآن میں ہے: "وما علمناه الشعر" کہ ہم نے اپنے نبی کو علم شعر کا نہیں سکھایا۔ اور صحیح حدیث میں خود آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ: "فی خمس لا یعلمهن الا اللّٰه" یعنی پانچ چیزوں کا علم

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (مستدرک حاکم جلد-۱' ص-۳۶ میں حدیث ہے' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "وما ادری تبع نبیا کان ام لا وما ادری ذوالقرنین نبیا کان ام لا وما ادری الحدود کفارات لا ھلھا ام لا" یعنی میں نہیں جانتا کہ تبع نبی تھا یا نہیں اور نہ مجھے یہ علم ہے کہ ذوالقرنین نبی تھا یا نہیں اور نہ یہ خبر ہے کہ حدود سے سزا یاب لوگوں کے گناہ دور ہو جاتے ہیں یا نہیں۔ اسی طرح آپ کو شب قدر بھلا دی گئی کہ وہ کون سی رات ہے۔ اسی طرح جمعہ کی گھڑی بھی معلوم کرا کر پھر بھلا دی گئی اور اسی طرح آپ کو نمازوں میں قرات پڑھتے ہوئے آیت کا بھولنا اور رکعتوں کا بھولنا احادیث سے ثابت ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کو علم غیب کلی نہ تھا اور آپ کا علم علم الٰہی کے برابر نہیں ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ چند لڑکیاں دف بجا کر ایک مرثیہ پڑھ رہی تھیں' اس میں ایک نے یہ مصرعہ بھی پڑھ دیا کہ: "وفینا نبی یعلم ما فی غد" یعنی ہم میں وہ نبی ہیں جو کل کی خبریں جانتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: "لا تقولی ھکذا" کہ اس طرح مت کہو۔ بیوی کو خاوند کا سب بھید ہوتا ہے۔ خصوصاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن کی بابت قرآن میں شہادت الٰہی ہے کہ: "وما ھو علی الغیب بضنین" کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غیب کی باتوں پر بخیل نہ تھے۔ پس آپ کی بیویوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت پورا علم ہونا چاہیے کہ آپ کو علم غیب نہ تھا یا نہیں تھا۔ جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے علم غیب کی نفی فرمائی ہے۔

کتبہ عبدالقادر الحصاری غفرلہ الباری۔

الحدیث سوہدرہ جلد ــــ' شمارہ ــــ' بمطابق ــــ

سوال دربارہ علم غیب و بشریت رسول ﷺ

جناب عبدالرحیم صاحب بٹ گوجرانوالہ نے آنحضور ﷺ کی عدم بشریت اور عالم الغیب ہونے کے متعلق آیت (۱) فقالوا ابشر یهدوننا فکفروا (۲) وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللّٰه علیک عظیما○ پیش کر کے ان کا ایمانداری سے صحیح جواب طلب کیا تھا اور مولانا محمد صادق صاحب سیالکوٹی و مولانا برق صاحب ہزاروی نے ان کا احسن اسلوب کے ساتھ جواب دیا تھا جو کہ صحیفہ کی گزشتہ دو اشاعتوں میں درج ہو چکا ہے۔ اشاعت حاضرہ میں مولانا حصاری صاحب کا تحریر شدہ جواب درج ذیل ہے۔ سائل اس پر ایمانداری سے غور کرے۔

(مدیر)

الجواب

بشریت رسول ﷺ پر غور کرنے سے پہلے بشر کی تعریف کرنا واجب ہے۔ سو واضح ہو کہ بشر اس ہستی کا نام ہے جو ظاہر جسم والی صاحب عقل و ادراک ہو۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور دیگر انبیاء ظاہر جسم والے صاحب عقل و ادراک تھے۔ اس لیے وہ بشر تھے۔

دوسری تعریف یہ ہے کہ بشر وہ ذات ہے جس کو اللہ نے مٹی یا پانی سے پیدا کیا اور اس کو صاحب نسب و صاحب دامادی ٹھہرایا۔ جیسے ارشاد الٰہی ہے کہ: "ھوالذی خلق من المآء بشراً فجعله نسبا وصهراً" یعنی اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے بشر کو پانی سے پیدا کیا اور اس کو صاحب نسب اور صاحب دامادی بنایا۔

اس تعریف سے بھی دیگر انبیاء کرام کا عموماً اور ہمارے رسول ﷺ کا خصوصاً بشر ہونا ثابت ہوا' کیونکہ سب انبیاء اولاد آدم ہیں۔ چنانچہ سورہ مریم پارہ-۱۶ میں ہے: "اولئک الذین انعم اللّٰه علیهم من النبیین من ذریة ادم" یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا انبیاء سے اولاد آدم میں سے۔

اور آدم بشر ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے: "اذ قال ربک للملئکۃ انی خالق بشرا من طین" یعنی جب تیرے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں مٹی سے ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں۔

جب حضرت آدم علیہ السلام بشر ہوئے تو ان کی تمام اولاد بھی بشر ہو گی۔ چنانچہ معراج میں جب آنحضرت ﷺ کی ملاقات حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی تو جرائیل علیہ السلام نے آپ سے فرمایا کہ: "ھذا ابوک ادم سلم علیہ" یعنی یہ آپ کے باپ حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔۔۔۔ ان کو سلام کیجئے۔

پھر آنحضرت ﷺ نے سلام کیا تو آدم علیہ السلام نے سلام کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ: "مرحبا بالابن الصالح والنبی الصالح" کہ مرحبا بیٹے صالح کو اور نبی صالح کو۔

حدیث شفاعت میں ہے کہ لوگ کہیں گے چلو آدم کے پاس چلیں پھر آکر کہیں گے: "انت ابوالبشر" آپ جنس بشر کے باپ ہیں۔

انسان کی طرح لفظ بشر بھی جنس ہے جو واحد اور جمع سب پر بولا جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ صاحب نسب اور صاحب دامادی تھے۔ چنانچہ ددھیال' ننھیال اور تعلق مصاہرت سب طرح کی رشتہ داریاں قائم تھیں۔ بیٹے اور بیٹیاں بھی آپ سے پیدا ہوئے۔ جیسے عموماً انسانوں کے ہوتے ہیں۔ تو آپ سب سلسلوں کے لحاظ سے بشر ثابت ہوئے۔ اس لیے بزبان قرآن آپ سے اعلان کرایا گیا کہ: "قل انما انا بشر مثلکم" کہ کہہ دو اے میرے نبی کہ میں تمہاری مثل بشر ہوں۔

تمام پیغمبروں کا یہ اقرار ہے کہ ہم بشر ہیں۔ چنانچہ سورہ ابراہیم میں ہے: "قالت لھم رسلھم ان نحن الا بشر مثلکم" یعنی ان کو پیغمبروں نے کہا کہ نہیں ہم مگر بشر مانند تمہارے۔

شیخ ابن ہمام حنفی جن کو مجتہدین کا درجہ دیا جاتا ہے' وہ اپنی کتاب "مسامرہ" جو انہوں نے عقائد کے متعلق لکھی ہے' اس کے ص-۲۰۰ پر لکھتے ہیں کہ: "والاصح جواز السھو فی الا فعال علیہ قال صلی اللّٰہ علیہ وسلم انما انا بشرا انسیٰ کما تنسون فاذا نسیت فذکرونی" یعنی زیادہ صحیح یہی بات ہے کہ افعال میں آنحضرت

ﷺ پر سہو کا وارد ہونا جائز ہے۔ جیسا کہ خود آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ سوائے اس کے نہیں کہ میں ایک بشر ہوں بھول جاتا ہوں جیسے کہ تم بھول جاتے ہو' سو جب میں بھول جاؤں تو تم مجھے یاد کرا دیا کرو۔

آنحضرت ﷺ کی رفیقہ حیات حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے: "کان بشرا من البشر" (مشکوۃ) کہ آپ بشر سے ایک بشر تھے' یعنی آپ بھی بشر اور آپ کا باپ بھی بشر تھا۔

قاضی عیاض جو آنحضرت ﷺ کے صفات اور معجزات اور تعریفات بیان کرنے میں رطب اللسان ہیں۔ اپنی کتاب "شفا" کے ص-۸۶ میں فرماتے ہیں: "فمحمد صلی اللہ علیه وسلم وسائر الانبیاء من البشر ارسلوا الی البشر" کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ اور تمام انبیاء بشر تھے اور جنس بشری کی طرف بھیجے گئے۔

پس آپ کا بشر ہونا قرآن و احادیث اور سب کتب دینیات میں مذکور ہے اور کوئی دلیل صحیح' صریح وارد نہیں ہوئی جس سے یہ ثابت ہو کہ آپ بشر نہ تھے بلکہ آپ کی بشریت زمین اور آسمان میں مسلم ہے اور اس پر سب کا اجماع ہے۔ جس سے سوائے اس طاغوتی اور غالی فرقہ کے جو آنحضرت ﷺ اور سلف صالحین کے صدیوں بعد پیدا ہوا ہے۔ انکار نہیں کر سکتا۔ اہلحدیث اور مذاہب اربعہ کا بھی اتفاقی مسئلہ ہے کہ آنحضرت ﷺ بشر تھے۔

اب پیش کردہ آیت کا مطلب سنئے' جس سے غالی فرقہ یہ استدلال کرتا ہے کہ آپ کو بشر نہ کہو' جو بشر کہے وہ کافر ہے۔ یہ آیت سورہ تغابن کی ہے۔ جو الفاظ محل استدلال ہیں وہ یہ ہیں: "فقالوا ابشر یهدوننا فکفروا" یعنی کفار نے یہ کہا کہ کیا ہم کو بشر ہدایت کرتے ہیں' پس وہ کافر ہو گئے۔

یہ آیت خاص آنحضرت ﷺ کے متعلق نہیں ہے بلکہ سب انبیاء کے متعلق ہے۔ چنانچہ پوری آیت مع پہلی آیت کے بغور ملاحظہ کی جائے تو اصل مطلب صاف اور واضح ہو جاتا ہے ـــــ فرمایا اللہ تعالیٰ نے: "الم یاتکم نبا الذین کفروا من قبل فذاقوا وبال امرهم ولهم عذاب الیم○ ذالک بانه کانت تاتیهم رسلهم بالبینات فقالوا ابشر یهدوننا فکفروا وتولوا واستغنی اللہ واللہ غنی حمید" یعنی

کیا تم کو ان لوگوں کی خبر نہیں آئی جو کافر ہوئے پہلے اس سے۔ پس چکھا انہوں نے وبال کام اپنے کا اور واسطے ان کے دردناک عذاب ہے' بوجہ اس بات کے کہ آتے تھے ان کے پاس رسول ان کے ساتھ دلائل ظاہرہ کے۔ پس کہا انہوں نے کہ کیا ہم کو بشر ہدایت کریں گے؟ پس منکر ہوئے اور منہ پھیر لیا۔ اور بے پرواہی کی اللہ نے۔ اور اللہ بے پرواہ ہے تعریف کیا گیا۔

اس آیت کا صاف مطلب یہ ہے کہ سب قوموں نے اپنے اپنے رسولوں کی رسالت کے ساتھ اس لیے کفر کیا کہ وہ اپنے جیسے بشر کے لیے رسالت کا منصب جائز نہیں جانتے تھے۔ چنانچہ فرعونیوں نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے متعلق یہ کہا: "انؤمن لبشرین مثلنا وقومهما لنا عابدون" (مومنون) یعنی کیا ہم ایمان لائیں' اپنی طرح کے دو بشروں پر حالانکہ قوم ان کی ہماری غلام ہے۔

کفار یہ کہتے تھے: "مآ انزل اللّٰه علٰی بشر من شئی" اللہ نے بشر پر کوئی شے نہیں اتاری۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا: "قل من انزل الکتاب الذی جآء به موسٰی" (انعام) کہہ تو اے نبی کہ کس نے اتاری وہ کتاب جس کو موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے۔

اب موسیٰ علیہ السلام کو بشر ماننا پڑے گا تو کفار کے اس بدعقیدہ کی تردید بنے گی۔ ورنہ ان کے اس انکار کا جواب یہ درست نہیں ہو سکتا۔ موسیٰ علیہ السلام کی بشریت ان مخالفوں کے نزدیک مسلم تھی۔ اور توریت کا کتاب الٰہی ہونا بھی مسلم تھا۔ اس لیے ان کو یہ الزامی جواب دیا گیا۔ جب کہ انہوں نے نفی عام کی۔ موسیٰ علیہ السلام پر کتاب کس نے اتاری ہے؟ اگر اللہ نے اتاری ہے تو تمہارا قول "ماانزل اللّٰه" باطل ہوا۔ اور اگر کسی اور نے اتاری ہے تو اس کا نام بتاؤ؟

الغرض قرآن میں کفار کے انکار کی وجہ یہ ہے کہ وہ بشر کو رسول نہ مانتے تھے۔ کہتے تھے کہ فرشتے آنے چاہییں تھے۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا ذکر ہے: "فقال الملاء الذین کفروا من قومه ما هذآ الا بشر مثلکم یرید ان یتفضل علیکم ولوشآء اللّٰه لا نزل ملائکة" یعنی قوم نوح علیہ السلام کے سرداروں نے جو

ان کی قوم میں سے کافر تھے۔ یہ کہا کہ نہیں ہے یہ مگر ایک بشر مثل تمہارے۔ جو تم پر فضیلت اور بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اگر اللہ چاہتا تو فرشتوں کو اتارتا۔

اسی طرح حضرت ہود علیہ السلام کی قوم نے کہا: ما ھذآ الا بشر مثلکم" یہ ہود (علیہ السلام) نہیں ہے، مگر بشر مثل تمہارے۔

پھر فرمایا: "لوشآء ربنا لا نزل ملائکۃ" اگر ہمارا رب چاہتا تو فرشتے اتارتا۔

اس تصریح سے صاف ثابت ہوا کہ کفار کا یہ مذہب تھا کہ بشر رسول ہو کر لوگوں کو ہدایت نہیں کر سکتا، کیونکہ وہ ہماری جنس کا ہے۔ ہم کو فرشتے آکر اللہ کی طرف سے ہدایت کریں، تب ہم تسلیم کریں گے۔ اس بنا پر وہ ان انبیاء سے منکر ہو کر منہ پھیر گئے اور کافر ہو گئے۔ قرآن اور تمام آسمانی کتابوں کا یہ بیان ہے اور جملہ انبیاء کا یہ فرمان ہے کہ انبیاء اور رسول بشر ہی آتے رہے ہیں، کیونکہ زمین پر آبادی بشر کی ہے اور بشر ہی بشر کو اس کی زبان میں سمجھا سکتا ہے اور ہر دینی کام میں بشر ہی رسول ہونے کی حیثیت سے بشر کے لیے نمونہ عمل بن سکتا ہے۔ اگر زمین پر فرشتے آباد ہوتے تب اللہ تعالیٰ فرشتوں کو رسول بنا کر بھیجتا۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے: "قل لو کان فی الارض ملائکۃ یمشون مطمئنین لنزلنا علیھم من السمآء ملکا رسولا" (بنی اسرائیل) کہہ اے نبی! ان سے کہہ دو کہ اگر زمین پر فرشتے اطمینان سے چلتے پھرتے اور آباد ہوتے تو ہم ان پر آسمان سے فرشتہ کو رسول بنا کر نازل کرتے۔

لیکن ایسا نہیں ہے، بلکہ انسان آباد ہیں تو انسان ہی رسول بنا کر بھیجے گئے۔ اس واسطے ہمارے رسول ﷺ سے یہ اعلان کروایا کہ: "قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا" یعنی اے رسول ان سے کہہ دو کہ میں سوائے بشر رسول کے کچھ بھی نہیں۔ (یعنی نورانی مخلوق فرشتہ وغیرہ نہیں)

تفسیر مدارک میں ہے: "فکفروا الرسالۃ للبشر" کہ کافروں نے بشر کے لیے رسالت کا انکار کیا۔

پس رسولوں اور نبیوں کو بشر کہنا اور بشر کے لیے رسالت کا انکار کرنا ہر دو علیحدہ علیحدہ عقیدے ہیں اور دونوں کے الگ الگ حکم ہیں۔ آیت پیش کردہ میں عقیدہ ثانیہ کا ذکر ہے جو کفار کا عقیدہ ہے۔ اور عقیدہ اول کا ذکر نہیں ہے، جو اسلام کا مسلمہ

عقیدہ ہے۔ قرآن و حدیث سے ثابت شدہ ہے۔ پس رسولوں کو بشر کہنا کفر نہیں' بلکہ رسولوں کی رسالت اور ان کی ہدایت سے اس وجہ سے انکار کرنا کہ یہ بشر ہیں' یہ کفر ہے۔ جس کا آیت مذکور میں ذکر ہے۔

ہاں یہ بات ہے کہ رسولوں کی بشریت سے انکار کرنا اور بشر کے لیے رسالت کا انکار کرنا' ایک ہی قسم کے کفر ہیں۔ اس لیے انبیاء کی بشریت سے انکار کرنے والے اسی طرح کافر ہیں جس طرح بشر کے لیے رسالت کا اور ہدایت کرنے کا انکار کرنے والے کافر ہیں۔ دونوں جہنم میں جائیں گے۔

باقی رہی یہ بات کہ انبیاء اور رسولوں کو ہماری طرح بشر کہنے کا مطلب کیا ہے اور اس سے بے ادبی لازم آتی ہے یا نہیں۔

سو اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء اور مرسلین کو نفس بشریت اور جنس بشر میں اپنی طرح اپنے جیسے کہنے سے تو بے ادبی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ تعلیم انہی لفظوں سے قرآن و حدیث میں موجود ہے اور منصب رسالت میں اور منصب نبوت میں ان کو اپنے جیسا کہنا ناجائز ہے اور اس سے ان کی بے ادبی لازم آتی ہے۔ اس لیے انبیاء میں دو قسم کے اوصاف تھے۔ ایک بشریت کے دوم رسالت کے۔ دونوں الگ الگ تھے اور الگ الگ ان کے احکام ہیں۔

مثلاً ہمارے نبی کریم ﷺ میں اوصاف اور لوازم بشریت یہ تھے۔ کھانا' پینا' پاخانہ' پیشاب کرنا' نکاح کرنا' جنبی ہونا' اولاد پیدا ہونا' سونا' جاگنا' بیمار ہونا' غمگین ہونا' ہنسنا' رونا' زخمی ہونا' خون نکلنا' بھولنا' داماد ہونا' خسر ہونا' باپ ہونا' بیٹا ہونا' بشر کی طرح پیدا ہونا' ظاہر جسم والا' صاحب ادراک و عقل ہونا' لباس پہننا' بچہ ہونا' جوان ہونا' بوڑھا ہونا' مرنا اور غسل کفن دینا' زمین میں دفن ہونا وغیرہ وغیرہ اوصاف خواص وہی ہیں جو عام بشروں میں موجود ہیں۔

اب اوصاف و صفات رسول ہونے کی حیثیت سے جو آپ میں تھے' وہ سنئے!

رسالت کا ملنا' فرشتوں سے ملاقات کرنا' اللہ تعالیٰ سے باتیں کرنا' معجزات کا حاصل ہونا' شرح صدر کر کے کدورت انسانیہ کو نکال کر نور و حکمت بھرنا' کئی دنوں تک بھوکا پیاسا رہنا' جنت و دوزخ دیکھنا' اللہ تعالیٰ سے علم پا کر خبریں بیان کرنا' جنوں سے ملنا اور

ان کو ہدایت کرنا' سوتے ہوئے دل جاگنا' غیبی چیزوں کا ان پر ظاہر ہونا' خلاف عادت امور ان سے ظاہر ہونا وغیرہ وغیرہ امور اظہار نبوت و اثبات رسالت کے لیے' ہوتے ہیں۔ جن میں عام بشران میں شریک نہیں ہوتے۔

پس اب نفس بشریت اور منصب رسالت دو الگ الگ چیزیں ہو گئیں اور اس سے بشریت کا مسئلہ خوب حل ہو گیا۔ بعض لوگ پہلے امور کو مان کر رسولوں کی رسالت کا انکار کرتے ہیں اور بعض لوگ دوسری قسم کے امور کو ذکر کر کے رسولوں کی بشریت کے منکر ہیں۔ ہمارا مذہب جو عین اسلام ہے' ان کے درمیان ہے کہ:

انبیاء ہماری جنس کے بشر تھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول تھے اور ان میں دونوں قسم کے اوصاف تھے۔ جن میں کوئی تضاد اور تخالف نہیں ہے۔ اپنی جگہ سب درست اور حق ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہمارے رسول ﷺ بشر تھے۔ عقائد نسفی میں ہے:

وقد ارسل اللّٰہ تعالٰی رسلا من البشر الی البشر (تاآخر) اول الانبیاء علیھم السلام ادم واخرھم محمد علیھما السلام ۔انتہٰی۔

اب جناب عبدالرحیم ایمان داری سے انصاف کر لیں۔

اول الذکر آیت کی تشریح سے پہلے علم غیب کی تعریف معلوم کر لینی ضروری ہے' تاکہ مسئلہ سمجھنے میں کبھی غلطی نہ ہو۔

"علم" کا معنی جاننا "غیب" معنی مغیب "پوشیدہ چیز"

پس علم غیب پوشیدہ شی کا وہ علم جو بغیر اسباب عادیہ (حس و عقل و علامات وغیرہ) اور کسی کے بتلانے سے حاصل ہو۔ (بتلانے والا وحی ہو یا غیر وحی) پس جو علم بذریعہ اسباب عادیہ اور کسی کے بتلانے سے ہو' وہ علم غیب مابہ النزاع نہیں ہے۔

پس اس تعریف کی بنا پر ہمارا مسلمانوں کا یہ دعویٰ ہے کہ تمام جزئیات کا علم کلی ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ ایسا علم غیب مخلوقات میں سے کسی کو بھی حاصل نہیں ہے۔ خواہ فرشتہ ہو یا جن' انسان ہو یا حیوان' انبیاء ہوں یا اولیاء' عوام ہوں یا خواص' کسی کو علم غیب نہیں ہے۔ بلکہ جو دعویٰ کرے کہ کسی نبی یا ولی یا فرشتہ کو علم غیب حاصل ہے وہ کافر ہے۔ چنانچہ شامی کتاب فقہ حنفی ص-۳۰۶ میں ہے کہ:

"دعوٰی علم الغیب معارضة لنص القرآن فیکفربها" یعنی سوائے اللہ کے کسی کے لیے علم غیب کا دعویٰ کرنا نص قرآن کے خلاف ہے۔ پس وہ اس دعویٰ سے کافر ہو جائے گا۔

اب اس نص قرآن کا معلوم کرنا ضروری ہے۔ جس کی مخالفت سے کفر لازم آیا ہے۔ بخاری و مسلم میں حدیث ہے۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ملکہ رحمت دو عالم آنحضرت ﷺ آپ کی رازداں ہونے کے علاوہ عالمہ و فاضلہ تھیں فرماتی ہیں: "من زعم انه یخبر الناس بما یکون غدا فقد اعظم علی اللّٰه الفریة طواللّٰه یقول قل لایعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللّٰه" یعنی جو شخص یہ خیال کرے کہ آنحضرت ﷺ لوگوں کو آئندہ کل کی تمام باتیں ہونے والی بتلا دیا کرتے تھے' تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان باندھا' کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن میں یہ فرماتا ہے کہ اے میرے پیارے نبی آپ یہ اعلان کر دیں کہ سوائے اللہ کے زمین و آسمان کے رہنے والے غیب نہیں جانتے۔

اس آیت اور حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ علم غیب نہیں رکھتے تھے۔ جو لوگ آپ کو کلی غیب دان کہتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھے اس سے بڑا ظالم کون ہے؟ اس واسطے "بحرالرائق" کتاب فقہ حنفی میں یہ لکھا ہے کہ: "لو تزوج بشهادة اللّٰه ورسوله لا ینعقد النکاح ویکفر لاعتقاده ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم یعلم الغیب" کہ اگر کسی شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور نکاح میں اللہ اور اس کے رسول کو گواہ بنایا تو نکاح منعقد نہ ہو گا اور وہ کافر ہو جائے گا' کیونکہ اس کا یہ اعتقاد ہوا کہ نبی کریم ﷺ غیب جانتے تھے۔

اس فقہ کے فتویٰ سے ظاہر ہوا کہ نبی ﷺ کو عالم الغیب کہنے والے کافر' خارج از اسلام ہیں' کیونکہ یہ عقیدہ قرآن و حدیث و اجماع امت کے خلاف ہے۔

اب پیش کردہ آیت کا جواب سنئے۔ یہ آیت قرآن پارہ-۵' سورہ نساء میں ہے ـــــ فرمایا اللہ تعالیٰ نے: "وانزل اللّٰه علیک الکتاب والحکمة وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللّٰه علیک عظیما" اللہ تعالیٰ نے تجھ پر (اے نبی) قرآن و حدیث کو نازل کیا اور تجھے وہ چیز سکھلائی جو تو نہیں جانتا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا تجھ پر فضل عظیم

ہے۔

اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ آنحضور ﷺ کو اللہ رب العالمین نے قرآن حدیث اتار کر دین اسلام اور اس کے جملہ احکام اور متعلقات اور آئندہ کے وہ امور جو شریعت الٰہیہ سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ مثلاً زمانہ کے فتنے' دجال' یاجوج ماجوج وغیرہ علامات قیامت اور عذاب قبر اور حشر اور حالات حشر اور دوزخ اور عذاب دوزخ اور جنت اور انعامات جنت وغیرہ جن پر ایمان لانا ضروری ہے۔ سب کچھ سکھلایا گیا اور اس سے پہلے آپ کچھ نہ جانتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وحی الٰہی سے پہلے آپ کچھ نہ جانتے تھے۔ یہی ہمارا مقصود ہے' واللہ اعلم۔

حررہ العبد العاجز عبدالقادر عارف الحصاری

صحیفہ اہل حدیث کراچی جلد۔۳۲' شمارہ۔۳'۴ مورخہ ۱۵ محرم ۱۳۱۷ھ و یکم صفر و ۱۵ صفر ۱۳۱۷ھ

عقیدہ شرکیہ ـــــ چھڑا لیس محمد ﷺ

اہل بدعت کی مجالس بدعیہ اور اجلاس شرکیہ عید میلاد النبی وغیرہ میں خصوصاً اور عام طور پر خرافاتی واعظوں اور بیہودہ نعت خوانوں کے جلسوں میں عموماً جہاں کئی ایک شرکیہ و بدعیہ اشعار گائے جاتے ہیں' وہاں یہ ایک شعر بھی پڑھا جاتا ہے جو زبان زد عام ہو رہا ہے کہ ؎

خدا جس نوں پکڑے چھوڑا لے محمدؐ
محمدؐ دے پکڑے چھوڑا کوئی نہیں سکدا

یعنی اگر اللہ تعالیٰ کسی کو پکڑے تو محمد ﷺ چھڑا سکتے ہیں' مگر جب محمد ﷺ کسی کو گرفتار کر لے تو ان کی گرفت سے چھڑانے کی کسی میں طاقت نہیں ہے۔ یہ شعر بڑے ولولہ سے جھوم جھام کر پڑھا جاتا ہے' اور سامعین مرحبا' جزاک اللہ' سبحان اللہ کے نعرے لگا رہے ہوتے ہیں' حالانکہ یہ شعر خلاف قرآن و حدیث ہے اور اس میں ذات الٰہی کی صاف طور پر توہین پائی جاتی ہے۔ ایسے ہی شاعروں کے متعلق قرآن عزیز نے یہ بتایا ہے کہ ان کے پیچھے گمراہ لوگ چلتے ہیں۔ اور وہی ان سے متاثر ہوتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے: "والشعرآء یتبعھم الغاوون○ الم ترانھم فی کل واد یھیمون" یعنی "شاعروں کی باتوں پر وہی چلتے ہیں جو گمراہ ہیں' تو نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر میدان میں سر مارتے پھرتے ہیں۔" ایسے شاعر شیطان ہوتے ہیں' جن پر شیطان کی طرف سے ایسے بدعی اور شرکی اشعار القاء ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ شرعی ہدایات و احکامات کو مد نظر نہیں رکھتے جو کچھ دل اور زبان پر آتا ہے بکتے رہتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کو حدیث میں شیطان کہا گیا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے۔ حضرت ابوسعید خدری ﷛ بیان کرتے ہیں کہ ہم آنحضور ﷺ کے ہمراہ مقام عرج میں چل رہے تھے (جو مدینہ سے ۷۸ میل پر واقع ہے) ایک شاعر شعر گانے لگا' تو آنجناب نے حکم دیا کہ "خذ والشیطٰن" یعنی "اس شیطان کو پکڑو۔" "لان یمتلی جوف الرجل قیحا خیرله من ان یمتلی شعرا" یعنی "آدمی کا پیٹ خالص پیپ سے بھر جائے تو اس سے بہتر ہے کہ وہ شعروں سے بھرا ہوا ہو۔ (رواہ مسلم) اس سے شرکیہ و بدعیہ و مبالغہ

آمیز اور خلاف شرع اشعار مراد ہیں۔ آنحضور ﷺ کی شان اور مدح میں اور دیگر بزرگان دین اور مشائخ کی تعریف میں اکثر غزلیں، نعتیں، قصیدے وغیرہ جو پڑھے جاتے ہیں، وہ اسی قبیل سے ہوتے ہیں، اس لیے آنحضرت ﷺ نے مدح کرنے والوں کو تنبیہہ فرمائی کہ "لا یستجرینکم الشیطان" (رواہ احمد، ابوداؤد) یعنی "تم کو شیطان ناجائز مدح کرنے پر دلیر نہ کر دے۔" آنحضرت ﷺ نے حد سے زیادہ اپنی مدح کرنے سے امت کو روک دیا ہے۔ فرمایا: "لا ترفعونی فوق حقی" (کنزالعمال) یعنی "مجھے میرے حق سے زیادہ نہ بڑھاؤ۔" لیکن غالی فرقہ اہل بدعت نے ہدایات نبوی ﷺ کا سراسر خلاف کیا ہے اور وہ آنحضرت ﷺ کو حد سے بڑھا کر گنہگار بن رہے ہیں۔ اور خلاف شریعت اشعار نعتیں بنا بنا کر وعظوں اور تقریروں میں گا رہے ہیں، جن میں سے ایک شعر مذکورہ بالا بھی ہے۔ جس کا خلاف شرع ہونا بالکل ظاہر ہے۔ چنانچہ ذیل میں اس کی تفصیل درج ہے:

۱۔ قرآن کریم میں ہے: "افمن حق علیه کلمة العذاب افانت تنقذ من فی النار لکن الذین اتقوا ربهم لهم غرف (الآیۃ۔ سورہ زمر) یعنی "بھلا جس پر ٹھیک صادر ہو چکا ہے حکم عذاب کا، تو اس آگ میں پڑے ہوئے کو نکال لے گا؟ لیکن جو ڈرتے رہے رب اپنے سے، ان کے لیے ایسے محلات ہیں جن پر مضبوط اور بلند بالا خانے ہوں گے، جن کے نیچے نہریں چلتی ہیں۔" اس سے ثابت ہوا کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے فرد جرم لگا کر مستقل طور پر ہمیشہ کی سزا کے لیے گرفتار کر لیا، اس کو آنحضرت ﷺ ہرگز نہیں چھڑا سکتے۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے اپنے اقرباء بنی ہاشم، بنی عبدالمطلب، بنی مرہ بن کعب کو عموماً اور حضرت فاطمہ اور حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو خصوصاً خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اپنی اپنی جانوں کو جہنم کی آگ سے بچا لو، میں اس روز کسی کو اللہ تعالیٰ سے نہیں بچا سکوں گا۔ (مسلم جلد۔۱، ص۔۱۱۴)

۲۔ فقہ اکبر میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ووالدا رسول الله صلی الله علیه وسلم ماتا علی الکفر وابوطالب عمه مات کافرا" (ص۔۱۵) یعنی "رسول اللہ ﷺ کے ماں باپ کفر پر مرے ہیں اور ابوطالب آپ کا چچا کافر مرا ہے۔ مسلم شریف جلد۔۱، ص۔۳۱۴ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی تو بہت روئے

اور اپنے پاس والے لوگوں کو بھی رلایا اور پھر فرمایا کہ: "استاذنت ربی فی ان استغفرلها فلم یؤذن لی واستاذنته فی ان ازور قبرها فاذن لی" یعنی "میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کو چھڑانے کا اذن مانگا تو مجھے اذن نہ دیا گیا' اور میں نے محض زیارت قبر کے لیے اذن مانگا تو مجھے اذن دے دیا گیا۔" اس سے صاف ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے پکڑے ہوئے کو ہرگز ہرگز نہیں چھڑا سکتے۔ ایک شخص نے اپنے باپ کے متعلق سوال کیا کہ وہ کہاں ہے؟ تو آنحضرت ﷺ نے صاف فرمایا کہ "ان ابی واباک فی النار" کہ "میرا باپ اور تیرا باپ دونوں جہنم میں ہیں۔ (مسلم شریف ص-۱۱۴) جب آپ اپنے والدین اور اقرباء اور پھوپھی اور حقیقی بیٹی کو چھڑانے سے عاجز ہو کر صاف انکار کر رہے ہیں تو پھر ان کافروں' مشرکوں' علی بدعتیوں کو کس طرح حوصلہ ہے کہ آنحضور ﷺ ـــــ ان کو چھڑا لیں گے۔ حالانکہ آپ فسحقا" فسحقا" کہہ کر ان سب کو مسترد کر دیں گے۔ اگر نجات حاصل کرنی ہے تو شرک و بدعت سے توبہ کر کے خالص توحید و سنت پر قائم ہو جائیں' ورنہ ہرگز نجات نہ ہو گی اور اللہ تعالیٰ ایسا پکڑ کرے گا کہ آنحضرت ﷺ ہرگز نہیں چھڑا سکیں گے۔

۳ـــ آنحضرت ﷺ نے ابوطالب کو کلمہ پڑھانے اور مومن بنانے کی آخری دم تک کوشش کی لیکن آپ کی تدبیر کارگر نہ ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو خطاب فرمایا کہ انک لا تهدی من احببت ولكن الله یهدی من یشاء یعنی جس کو آپ چاہیں کہ ہدایت کر دیں آپ اس کو ہدایت نہیں کر سکتے لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہے ہدایت کر سکتا ہے' پھر باوجود ابوطالب کے کافر مرنے کے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ام واللہ لاستغفرن لک مالم انه عنک یعنی بخدا میں آپ کے لیے ضرور بخشش کی دعا کرتا رہوں گا۔ تب اللہ تعالیٰ نے آیت ماکان للنبی والذین امنوا ان یستغفروا للمشرکین ولوکانوا اولی قربٰی من بعد ماتبین لهم انهم اصحاب الجحیم نازل فرمائی یعنی نبی اور مومنوں کے لیے یہ لائق نہیں ہے کہ وہ مشرکوں کے لیے بخشش مانگیں۔ اگرچہ وہ ان کے رشتہ دار ہوں جبکہ ان پر یہ ظاہر ہو چکا ہو کہ وہ دوزخی ہیں۔ اس سے بھی یہ ثابت ہوا کہ جس کو خدا تعالیٰ نے پکڑ لیا اور اس کو دوزخی بنا دیا۔ اب اس کو نبی یا کوئی امتی ولی یا شہید وغیرہ ہرگز نہیں چھوڑا سکتا بلکہ چھڑانے کے لیے

عدالت الٰہی میں درخواست دینے سے بھی منع کر دیا ہے پھر بھی اگر بالفرض کوئی نہ رکے اور سفارش کرے، تب بھی اللہ تعالیٰ ہرگز نہیں بخشے گا۔ ارشاد ہے کہ سواء علیھم استغفرت لھم ام لم تستغفر لھم لن یغفراللہ لھم یعنی اگر آپ ستر بار ان کے لیے بخشش مانگیں تب بھی ان کو اللہ تعالیٰ ہرگز نہ بخشے گا۔

ان آیات سے اس شعر کا جھوٹا ہونا صاف ثابت ہوا کہ جس کو خدا تعالیٰ نے پکڑ لیا اس کو نبی کریم ﷺ ہرگز نہیں چھڑا سکتے۔

(۴) عبداللہ بن ابی بن سلول کے جنازہ کا واقعہ مشہور ہے کہ وہ راس المنافقین تھا، جب فوت ہوا تو اس کا بیٹا عبداللہ آیا اور اس نے آنحضور ﷺ سے آپ کے بدن مبارک کی قمیص مانگی۔ چنانچہ آپ نے قمیص دے دی، جس میں اس کو کفن دیا گیا، پھر عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جنازہ کی درخواست کی تو آنحضرت ﷺ نے ابن ابی منافق کا جنازہ پڑھ دیا۔ تب آیت "ولا تصل علی احد منھم مات ابدا ولا تقم علی قبرہ" نازل ہوئی یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان منافقین میں سے کسی شخص کی بھی نماز جنازہ مت پڑھو اور نہ ان کی قبر پر دعا کے لیے کھڑے ہو۔ کیونکہ یہ کافر ہو کر مرے ہیں۔ جنازہ میں میت کے چھڑانے کی دعا کی جاتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے بھی اس راس المنافقین کے لیے دعا کی اور قمیص بھی دی لیکن کچھ اثر نہ ہوا اور اللہ تعالیٰ نے آنحضور ﷺ کو ایسے شخص کے حق میں دعا اور سفارش کرنے سے منع فرما دیا۔ پس قطعی طور پر یہ کہنا کہ جس کو خدا تعالیٰ پکڑے گا اس کو محمد ﷺ چھڑا لیں گے، سراسر غلط ہے۔

(۵) مسلم شریف جلد ثانی ص-۱۲۲ پر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک روز کھڑے ہو کر غنیمت کے مال میں خیانت کرنے کا مسئلہ بیان فرمایا اور اس کی سخت وعید بیان کی اور فرمایا کہ میں تم میں سے کسی کو ایسی حالت میں نہ پاؤں کہ وہ قیامت کو اس حال میں آئے کہ اس کی گردن پر اونٹ سوار ہو اور وہ آواز کر رہا ہو پھر وہ مجھے پکارے کہ یارسول اللہ اغثنی فاقول لا املک لک شیئا قد ابلغتک یعنی یارسول اللہ! آپ میری فریاد سنئے تو میں اس روز صاف جواب دے دوں گا کہ میں تیرے بارہ میں کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ میں نے تو تجھے حکم الٰہی پہنچا کر حجت پوری کر دی تھی۔ اسی طرح دوسرا آئے گا، اس کی گردن پر گھوڑا سوار ہو گا جو ہنہناتا

ہو گا اور وہ یہ کہے گا کہ یارسول اللہ! مجھے اس مصیبت سے بچائیے! تب میں صاف جواب دے دوں گا کہ مجھے اس کا کچھ اختیار نہیں ہے میں تو تجھے پیغام الٰہی پہنچا چکا ہوں پھر اور شخص آئے گا جس کی گردن پر بکری سوار ہو گی اور وہ آواز کر رہی ہو گی تب وہ کہے گا یارسول اللہ آپ مجھے بچائیں اور اس مصیبت سے چھڑائیں تو میں صاف جواب دے دوں گا کہ مجھے تیرے بارہ میں کوئی اختیار نہیں ہے۔ میں تو تبلیغ کر چکا ہوں۔ اسی طرح جس نے کوئی جانور مال غنیمت سے چرایا' وہی اس کی گردن پر سوار ہو کر آئے گا اور چیخ و پکار کرے گا۔ تب سب کو یہی جواب دیا جائے گا کہ "لا اصلک لک شیئا" سونا' چاندی خیانت سے اٹھایا ہو گا تو وہی گردن پر اٹھا کر حاضر ہو گا' اس کو بھی یہی جواب ملے گا کہ میں تیرے لیے چھڑانے کا کچھ اختیار نہیں رکھتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ کا کلی اختیار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پکڑ بڑی سخت ہے۔ بغیر اس کے اذن اور حکم کے کسی کو دم مارنے کی طاقت نہیں ہو گی۔ پس جو لوگ انبیاء اور اولیاء کے چھڑانے پر بہت پھول رہے ہیں اور شرک و کفر و بدعت و کبائر و حقوق عباد میں مظالم کے مرتکب ہیں اور آئین الٰہی اور حساب کتاب روز حشر کو بھول رہے ہیں اور مبالغہ آمیز شرکیہ و کفریہ اشعار و نعتیں پڑھ کر اور لوگوں کو سنا کر خوش ہو رہے ہیں اور خوش کر رہے ہیں۔ یہ سب شیطانی فریب کاری ہے۔ ہر ایک انسان مرد و عورت پر فرض ہے کہ عمل میں کوشش کرے اور خدائے تعالیٰ کو راضی کرنے کی سعی کرے کیونکہ ؂

اگر خدائے نبا شد زبندۂ خوشنود
شفاعت پیغمبراں ندارد سود!

اگر کوئی غالی اہل علم اپنے شاعر کو کفر کی زد سے بچانے اور جرم سے محفوظ رکھنے کے لیے اس شعر کی یہ تاویل کرے کہ اس سے شفاعت مراد ہے کہ خدا تعالیٰ نے جس کو پکڑ لیا اس کو رسول اللہ ﷺ شفاعت کر کے چھڑا لیں گے اور جس کو رسول اللہ ﷺ نے پکڑ لیا یعنی اس کے حق میں یہ گواہی دے دی کہ یہ میرا امتی نہیں ہے اس نے فلاں فلاں جرم کئے ہیں تو اس کو کوئی نہیں چھڑا سکے گا۔ تو یہ بھی تین طرح سے باطل ہے۔ اول یہ کہ شفاعت بلااذن ہے بغیر اذن کے شفاعت نہ ہو گی۔ قرآن مجید

میں ہے من ذالذی یشفع عندہ الا باذنہ یعنی بغیر اذن الٰہی کے درگاہ خدا میں کون سفارش کر سکتا ہے اور اذن اس شخص کے حق میں دیا جائے گا جس پر اللہ تعالیٰ خوشنود ہو گا۔ فرمایا ولا یشفعون الا لمن ارتضیٰ اور فرمایا لا تنفع شفاعتھم شیئا الا من بعد ان یاذن اللہ لمن یشاء ویرضیٰ یعنی کسی کی سفارش کام نہ آئے گی۔ مگر یہ کہ جس کے لیے اللہ راضی ہو اور چاہے اور یہ سفارش بھی ہر ایک کے لیے مطلق نہ ہو گی۔ جیسے شعر سے ظاہر ہے بلکہ مقید اور محدود ہو گی۔ حدیث میں ہے فاقول رب امتی امتی فیحد لی حدا فادخلھم الجنۃ یعنی میں امت کے لیے دعائے سفارش کروں گا تو میرے لیے ایک حد مقرر کی جائے گی۔ اس کے اندر اندر میں لوگوں کی سفارش کرا کر جنت میں داخل کروں گا۔ دوم یہ کہ جن کو قرآن نے محبوس کر دیا۔ اس کو آپ چھڑا نہیں سکیں گے۔ حتی مایبقی فی النار الا من قد حبسہ القرآن (مشکوٰۃ) یعنی میری شفاعت کے بعد باقی وہ لوگ دوزخ میں رہ جائیں گے جن کو قرآن نے روک رکھا ہے۔ سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا شفعت الملائکۃ وشفع النبیون وشفع المومنون ولم یبق الا ارحم الراحمین فیقبض قبضۃ من النار فیخرج منھا قوما (الحدیث) یعنی فرشتوں نے بھی سفارش کر لی اور نبیوں اور مومنوں نے بھی شفاعت کر لی۔ اب ارحم الراحمین باقی رہ گیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ جہنم سے ایک مٹھی بھرے گا اور اس سے ایک قوم کو نکالے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ شفاعت کا مسئلہ مطلق نہیں ہے کہ حضرت محمد ﷺ خدا تعالیٰ سے سب لوگوں کو چھڑا لیں گے بلکہ بعض لوگ ایسے بھی ہوں گے جن کو نبی کریم ﷺ اور دیگر کوئی شافع ہرگز ہرگز نہیں چھڑا سکے گا اور ان کو اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم اور رحم سے ہی چھوڑے گا اور ان کے ہاتھ میں کوئی سفارش کارگر نہ ہو گی اور وہ حدود شفاعت سے باہر ہوں گے۔ پس اس شعر کو علی الاطلاق گانا کہ ؎

خدا جس کو پکڑے چھڑا لے محمدؐ
محمدؐ کا پکڑا چھڑا کوئی نہیں سکتا

سراسر خلاف شرع اور گمراہی اور صاف فریب کاری ہے۔ دیگر یہ کہ حضرت محمد ﷺ کسی شخص کو بغیر حکم الٰہی ہرگز نہیں پکڑ سکیں گے اور نہ حساب لیں گے۔ حساب لینا

اور پکڑنا تو خدا تعالیٰ کا کام ہو گا' جس کی عدالت ہے۔ آنحضرت ﷺ کی وہاں نہ عدالت ہو گی اور نہ کوئی اس میں گرفتار ہو گا۔ پس آنحضور ﷺ کو پکڑنے والا قرار دینا بجائے خود باطل ہے۔ ھذا عندی واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ بندہ عاجز عبدالقادر عارف حصاری

اخبار اہل حدیث سوہدرہ جلد۔۲۵' شمارہ۔۶'۷' بمطابق یکم و ۸ جولائی سنہ۔۱۹۵۵ء

شرک فی التسمیہ

(عبدالرسول' غلام فرید جیسے نام رکھنا)

دور حاضر نہایت ضلالت و الحاد کا دور ہے جو اس قدر ترقی کر رہا ہے کہ توحید کی شکل میں شرک اور سنت کی صورت میں بدعت اور تعظیم رسول ﷺ کے نام سے توہین الہی پھیل رہی ہے۔ اور اس پر تعجب یہ ہے کہ اہل شرک و بدعت نے اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت کے نام سے مشہور کر رکھا ہے اور حقیقی اہل سنت والجماعۃ کو کافر مرتد قرار دے رہے ہیں۔ اس لیے بندہ عصر حاضر کے نام نہاد اہل سنت کے عقائد شرکیہ و اشعار کفریہ اور کلمات و کلام موجب تکفیر پر تبصرہ کرتا ہے تاکہ عوام کالانعام ان سے دھوکہ کھا کر گمراہی میں نہ پڑیں۔ یہ سلسلہ کئی قسطوں میں چلے گا' انشاء اللہ العزیز' جس میں بہت سے اعتقادی مسائل حل کیے جائیں گے' لیکن پیشتر ازیں اتمام حجت کے ارادہ اور دفع الزام کی نیت سے اس وسیع بحث کی تمہید رکھتا ہوں۔ جس کو میرے مضمون کا مقدمہ تصور کرنا چاہیے۔

واضح ہو کہ ایک شخص بہاولپوری ہے جو مفتی محمد غلام سرور قادری کے نام سے مشہور ہے۔ اپنی امتیازی شان ظاہر کرنے کے لیے یوں لکھتا ہے: "متخصص فقہ و قانون اسلامی ایم۔اے اسلامک جامعہ اسلامیہ محکمہ اوقاف بہاولپور۔"

مفتی صاحب بہاولپوری نے ایک کتابچہ لکھا ہے جس کے ٹائیٹل پر یہ نام درج ہے۔ "مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی کے تجدیدی کارناموں کا جائزہ" (یہ لقب غلط ہے' شاہ سیدوں کو کہتے ہیں۔ احمد رضا کو خان صاحب لکھا گیا ہے' جس سے ظاہر ہے کہ وہ سید نہیں' پٹھان ہیں) اس کے ص۔۳۰ پر یہ لکھا ہے' "خود اعلیٰ حضرت سے سنئے۔ ملفوظ شریف میں ہے (عرض) کسی مسلمان کو کافر کہہ دیا' اس کا کیا حکم ہے؟ (ارشاد) بطور سب و شتم کہا تو کافر نہ ہوا' اور اگر کافر جان کر کہا تو کافر ہو گیا۔ یہ حکم مسلمان کے کافر کہنے کا ہے اور جو شخص باوجود ادعائے ایمان و اسلام کلمات کفر بولے۔ ("اقوال کفر کرے اس کو کافر ہی کہا جائے گا' کیونکہ یہاں مسلمان کو کافر کہنا نہیں بلکہ کافر کو کافر کہنا ہے" (کذا فی الاصل

لیکن مناسب لفظ افعال ہے))

پھر اس کے بعد یہ عنوان درج ہے۔ "مسلمان ہونے کے بعد کفر سرزد ہو سکتا ہے۔" پھر لکھتے ہیں۔ "بعض لوگ کہتے ہیں کہ مسلمان ہونے کے بعد کسی سے کفر سرزد نہیں ہو سکتا۔ مگر قرآن و حدیث کی روشنی میں اسے دیکھا جائے تو یہ بات سراسر غلط ہو کر رہ جاتی ہے' بلکہ اس کے برعکس اس امر کا ثبوت موجود ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد بھی کفر سرزد ہو سکتا ہے۔ مثلاً سورت توبہ کی آیت نمبر۔۷۴ میں ہے: "یحلفون باللّٰہ ماقالوا ولقد قالوا کلمۃ الکفر بعد اسلامھم" (الآیۃ) یعنی وہ اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے نبی کی شان میں گستاخی کی بات نہیں کی اور بیشک انہوں نے مسلمان ہونے کے بعد کفر کا کلمہ کہا۔

قرآن مجید میں آیت کے الفاظ اس طرح ہیں: "ولقد قالو کلمۃ الکفر وکفروا بعد اسلامھم" مفتی بہاولپوری نے قرآنی آیت میں صریح تحریف کی ہے (جملہ)

اس آیت کی تفسیر میں امام ابن جریر' طبرانی' ابوالشیخ اور ابن مردویہ حضرت عبداللہ بن عباس ﷠ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک درخت کے سائے میں بیٹھے تھے کہ وہاں ایک شخص آیا' آپ نے اس سے فرمایا کہ تم نے اور تیرے ساتھیوں نے مسلمان ہو کر میری شان میں کیونکر گستاخی کی' وہ گیا اپنے ساتھیوں کو بلا لایا' سب نے قسمیں کھا کر کہا' کہ انہوں نے آپ کی شان میں گستاخی کا کلمہ بول کر کفر نہیں کیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی' اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ضرور یہ .... تیری شان میں بے ادبی کر کے مسلمان ہونے کے بعد کافر ہو گئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں بے ادبی کا کلمہ بولنا کفر ہے اور کہنے والا لاکھ ٹال مٹول کرے' قسمیں کھائے وہ کفر سے بچ نہیں سکتا۔" پھر ص۔۱۷۰ پر لکھتے ہیں' "اگر ایسا کفر بولنے والا خود ہی ۹۹ کفر کے پہلوؤں میں سے کسی ایک کے مراد لینے کی صراحت کر دے تو پھر مفتی پر واجب ہو گا کہ اس کی تکفیر کرے ورنہ اس کا اپنا ایمان بھی نہ رہے گا' اگر تاویل بھی کرے تو قابل سماعت نہیں ہو گی۔ جب تک اس سے توبہ نہ کرے۔"

مفتی غلام سرور صاحب کا یہ مضمون میرے مضمون کی تمہید ہے' مجھے ان سے

اس مضمون میں اتفاق ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ خواہ کوئی شخص مسلمان کہلائے جب اس سے قولاً" یا فعلاً" کفر سرزد ہو گا تو اس کو کافر کہا جائے گا' دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کرنا کفر ہے۔ تیسرا یہ کہ جب کسی کلمہ و کلام سے صریح کفر ظاہر ہو تو اس پر کفر کا حکم نافذ کرنا ضروری ہے اور اس کی تاویل قابل سماعت نہ ہو گی۔ چوتھا یہ کہ جب کسی کے کلام میں کفر ہو تو مفتی پر فرض ہے کہ اس کو ظاہر کرے ورنہ اس کے اپنے ایمان کا خطرہ ہے' کیونکہ کتمان حق کرنا موجب لعنت ہے۔ اسی وجہ سے راقم کلمات کفریہ کی تردید کا یہ سلسلہ شروع کر رہا ہے۔

شرک فی التسمیہ کی بحث ⇐ (کفر نمبر-۱) مفتی غلام سرور صاحب نے اپنے کتابچہ کے ص-۲۳ پر اپنے مرشد عبدالمصطفیٰ کا یہ کلام نقل کیا ہے:

"یوں تو عبداللہ تمام جہان ہے' مگر سچا عبداللہ وہ ہے جو عبد مصطفیٰ ہے ورنہ عبد شیطان ہے۔"

مخفی نہ رہے کہ فرقہ بریلویہ کے مجدد بدعات کا نام اس کتابچہ میں یوں لکھا ہے' "عبد مصطفیٰ محمد احمد رضا خاں" یہ نام غیر مشروع ہے' چنانچہ محققین نے اپنی تصنیفات میں یہ تصریح کی ہے کہ عبدالرسول' عبدالنبی وغیرہ جن میں عبدیت کی نسبت غیراللہ کی طرف تعظیماً" ہو شرک فی التسمیہ ہے۔ عبدالمصطفیٰ بھی اسی قبیل سے ہے کہ یہ شرک فی التسمیہ ہے' یعنی شرک کے کئی اقسام ہیں۔ شرک فی الذات' شرک فی الصفات' شرک فی العبادات وغیرہ۔ پس ان قسموں میں سے ایک قسم شرک فی التسمیہ ہے۔ تفسیر فتح القدیر جلد-۲' ص-۲۷۱ میں سورہ اعراف کی آیت "فلما اتاهما صالحا جعلاله شركاء فيما آتاهما" کے تحت لکھا ہے کہ جب مائی حواء نے اپنے بیٹے کا نام عبدالحارث رکھا تو یہ شرک تھا۔ "فكان هذا شركا فى التسمية" حنفیہ کی تفسیر مدارک جلد-۲' ص-۹۰ میں ہے کہ آدم اور حواء علیہم السلام دونوں شرک سے بری ہیں۔ یہ کفار کے مرد عورتوں کا ذکر ہے کہ انہوں نے عبدیت کی نسبت غیر اللہ کی طرف کی کہ عبداللہ و عبدالرحمٰن' عبدالرحیم کی بجائے عبدالعزیٰ و عبدمناف اور عبدالشمس وغیرہ نام رکھے' یعنی انہوں نے ذات الٰہی کی طرف اپنی اولاد

کی نسبت نہ کی جو خالق اولاد تھا' غیراللہ کی طرف تعظیما" کر دی جو مشرکانہ ذہنیت کا نتیجہ تھا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ عبد کو عبد کی طرف تعظیما" مضاف کرنا شرک فی التسمیہ ہے۔ علامہ نسفی نے یہ بھی لکھا ہے کہ عہد نبوی میں جو قریش تھے' ان میں ایک شخص قصی تھا اور اس کی زوجہ عربیہ قریشیہ تھی۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی حسب منشا اولاد عطا کی' تو انہوں نے ان کے یہ نام رکھے' عبدمناف' عبدالعزیٰ' عبدقصی' عبدالدار' پس انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ اولاد میں غیراللہ کو شریک کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں خاوند بیوی کا ذکر کر کے پھر یہ فرمایا: "فتعالی اللّٰه عما یشرکون" کہ یہ مشرک لوگ جو شرک کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور بہت بلند ہے۔ یہ جمع کا لفظ آخر آیت میں اس لیے فرمایا "ولا عقابهما الذين اقتدوا بهما فی الشرک" کہ ان کے بعد جو لوگ اپنی اور اپنی اولاد کی غیراللہ کی طرف نسبت کریں گے' وہ ان کی اقتداء کی وجہ سے شرک میں شامل ہوں گے۔ "ایشرکون مالا یخلق شیئا وھم یخلقون" کیا یہ مشرک لوگ ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کے خالق نہیں ہیں بلکہ خود اس اللہ تعالیٰ کی پیداوار ہیں۔

پس عبدالمصطفیٰ نام رکھنا بطور تعظیم کے شرک ثابت ہو گیا ہے' کیونکہ حضرت مصطفیٰ ﷺ کسی چیز کے خالق نہیں ہیں بلکہ مخلوق ہیں پہلی آیت اور دوسری آیت کے ملانے سے یہ اصول توحید ثابت ہوا کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کسی کے لیے پیدا کر کے عنایت کرے اس کو اسی کی طرف بطور تعظیم منسوب کرنا چاہیے۔ اگر غیراللہ کی طرف کرے گا جو خود اس خالق کی مخلوق ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کو ضائع کرنے والا اور بڑا بے ادب اور گستاخ اور مشرک متصور ہو گا۔

جناب قدوۃ الاتقیاء و رئیس الفقہاء شیخ العرب والعجم حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ ترجمہ کلام مجید مسمی بفتح الرحمٰن تحت آیت "فلما آتاھما صالحا جعلاله شرکآء" (الآیۃ) یہ فرماتے ہیں۔ "ایں تصویر است حال آدمی را کہ نزدیک ثقل حمل نیت درست کند وچوں فرزند بوجود آید آں را فراموش سازد ودر تسمیہ اشراک کند و از اینجا دانستہ شد کہ شرک در تسمیہ نوع است از شرک۔" چنانچہ اہل زمان ما غلام فلاں و عبد فلاں نام نہند۔ اھ یعنی "اس آیت میں آدمی کی حالت کی تصویر ہے کہ جب

حمل ظاہر ہوتا ہے تو اس کی نیت درست ہوتی ہے لیکن جب بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو اس کو فراموش کر دیتا ہے اور نام رکھنے میں شرک کرتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ نام رکھنے میں شرک کرنا بھی شرک کی ایک قسم ہے۔ چنانچہ ہمارے زمانہ میں یہ رواج عام ہے کہ لوگ غلام فلاں' عبد فلاں نام رکھتے ہیں۔" اسی طرح جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ اپنی تفسیر فتح العزیزی جلد-۱' ص-۱۵۸ میں زیر آیت "فلا تجعلوا للہ اندادا" شرک کے انواع کی صراحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں "وازاں جملہ اند کسانیکہ در نام نہادن خود را بندہ فلاں و عبد فلاں ے گویند و ایں شرک در تسمیہ است و ازاں جملہ آند کسا نیکہ در دفع بلاء دیگراں رامے خوانند" یعنی "شرک کی قسموں میں سے ایک قسم یہ ہے کہ بعض لوگ نام رکھنے میں اپنے آپ کو فلاں کا بندہ فلاں کا غلام کہلاتے ہیں' یہ نام رکھنے میں شرک ہے اور نیز ایسے لوگ بھی شرک میں مبتلا ہیں جو مصیبت دور کرانے کے لیے غیروں کو پکارتے ہیں۔"

ان تصریحات سے ثابت ہوا کہ عبدالمصطفیٰ نام رکھنا شرک فی التسمیہ ہے۔ اور یہی حکم غلام سرور نام رکھنے کا بھی ہے پھر یہ شعر تو سراسر شرک ہے۔ پس ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں۔ اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے۔ پس تاجور کی بندگی شرک ہے' قرآن صاف ناطق ہے "واعبدواللہ ولا تشرکوا بہ شیئا" نیز یہ ارشاد ہے "وقضیٰ ربک ان لا تعبدوا الا ایاہ" یعنی "خالص اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو اور اس کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرو۔" غور کرنا چاہیے کہ ایسے لوگ مجدد دین ہیں۔ یا مجدد شرکیات و بدعات! کتاب التوحید ص-۱۶۴ میں شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے: "قال ابن حزم اتفقوا علی تحریم کل اسم معبد لغیر اللہ کعبد عمر و عبدالکعبۃ وما اشبہ ذالک" یعنی "امام ابن حزم مجدد اندلسی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ علماء اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس نام میں غیراللہ کی عبودیت ہو وہ حرام ہے جیسے عبد عمر اور عبد کعبہ اور اس کے مشابہ نام ہیں۔" علاوہ ازیں آنحضور ﷺ خود عبداللہ ہیں جیسے قرآن میں ہے: "وانہ لما قام عبداللہ یدعوہ (الآیہ) کہ "جب اللہ تعالیٰ کا بندہ کھڑا ہوا اپنے اللہ کو پکارتا تھا۔" مستدرک حاکم میں یہ حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: لا ترفعونی فوق قدری فان اللہ

اتخذنی عبدا قبل ان یتخذنی نبیا" یعنی "تم میرے اصل مرتبہ اور درجہ سے آگے نہ بڑھاؤ پس تحقیق بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنانے سے پہلے اپنی عبدیت کا درجہ بخشا ہے کہ بندہ بنایا ہے۔" اور مشکوٰۃ ص-۴۰۹ میں یہ حدیث ہے کہ "تم میری تعریف میں غلو نہ کرو جس طرح نصاریٰ نے غلو کیا ہے میں تو اس کا بندہ ہوں پس تم یوں کہا کرو "عبداللّٰہ ورسولہ" کہ "ہمارا نبی اللہ کا بندہ ہے اور اس کا رسول ہے۔" اور مشکوٰۃ کے ص-۵۰۴ میں یہ حدیث ہے کہ آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر اپنا تعارف یوں کرایا: "انا محمد بن عبداللّٰہ بن عبدالمطلب" کہ "میں عبداللہ کا بیٹا محمد ہوں" پس آنحضرت ﷺ عبداللہ بن عبداللہ ہیں۔ پھر کسی مسلمان موحد کا کیا حق ہے کہ وہ عبدالرسول یا عبدالمصطفیٰ کہلائے پھر ایسا شخص مجدد بھی کہلائے؟ یا للعجب۔

قرآن مجید پارہ-۳' رکوع-۱۶ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں لائق ہے واسطے کسی بشر کے کہ جس کو دیوے اللہ تعالیٰ کتاب اور حکمت (فہم و علم) پھر وہ یہ کہے "کونوا عباد الی من دون اللّٰہ ولکن کونو اربانیین بما کنتم تعلمون الکتاب وبما کنتم تدرسون" کہ "ہو جاؤ تم بندے میرے واسطے سوائے اللہ کے لیکن وہ یہ کہے گا کہ ہو جاؤ تم اللہ والے اس لئے کہ تم پڑھتے ہو کتاب" اس آیت سے معلوم ہوا کہ علم آسمانی کتاب و سنت کی تعلیم و تعلم کرنے والا اور ان کو پڑھنے والا نہ کسی اور کا بندہ بنتا ہے اور نہ کسی اور کو اپنا بندہ بناتا ہے اور اگر ربانی نہ ہوا بلکہ کسی بندہ کا بندہ بن گیا تو وہ شرک سے گندہ ہو گیا۔ کجا کہ مجدد بن سکے۔ سورہ مریم پارہ-۱۶ میں ہے: "ان کل من فی السموات والارض الا آتی الرحمٰن عبدا" یعنی "نہیں ہے کوئی آسمانوں میں اور زمین میں مگر آنے والا ہے خدائے رحمان کے پاس بندہ ہو کر۔" لیکن خلاف اس اصول الٰہی کے بریلی کے یہ صاحب روز محشر کو عبدمصطفیٰ ہو کر پیش ہونا چاہتے ہیں اور عبدالٰہی ہونے سے شرم محسوس کرتے ہیں۔ نساء میں یہ آیت: لن یستنکف المسیح ان یکون عبد للّٰہ ولا الملائکۃ المقربون" یعنی "ہرگز نہیں عار جانتا مسیح اس بات سے کہ ہو وہ بندہ اللہ کا اور نہ ملائکہ مقربین عار جانتے ہیں۔" لیکن "مجدد" بریلوی عبداللہ ہونے سے عار جانتے ہیں اور وہ پہلے عبدالمصطفیٰ بننا واجب سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ عبدالمصطفیٰ سے خادم اور تابعدار ہونا مراد ہے' میں کہتا ہوں کہ پھر بھی

عبدالرسول یا عبدالمصطفیٰ کہلانا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے جو مسلم شریف جلد-۲ ص-۲۳۸ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے زر خرید غلاموں اور لونڈیوں کی بابت ان کے مالکوں کو فرمایا جن کی وہ غلام اور لونڈیاں خدمت کرتے تھے اور ان کی اطاعت کرتے تھے۔ "لا يقولن احدكم عبدی وامتی كلكم عبيدالله وكل نساء كم اماء الله" (الحدیث) یعنی "کوئی تم میں سے اپنے زر خرید تابعدار غلام کو عبدی "میرا بندہ" ہرگز نہ کہے اور لونڈی کو "میری بندی" ہرگز نہ کہے کیونکہ تم سب اللہ تعالیٰ کے بندے ہو اور تمہاری سب عورتیں اللہ کی بندیاں ہیں۔" امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث پر لکھتے ہیں: "لان حقيقة العبوديه انما يستحقها الله تعالٰى ولان فيها تعظيما بما لا يليق بالمخلوق استعماله لنفسه وقد بين النبی صلی الله عليه وسلم العلة فی ذالک فقال كلكم عبيد الله فنهٰى عن التطاول فی اللفظة كما ينهٰى عن النظاول فی الافعال" وغیرہ۔ یعنی "حقیقتہ عبودیت کی اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے، وہی اس کا مستحق ہے اور کسی کا عبد بننا اس کی تعظیم ہے، ایسی تعظیم اللہ تعالیٰ کے لیے لائق ہے، مخلوق کے لائق نہیں ہے، اس لیے اس کا استعمال اپنے نفس کے لیے جائز نہیں ہے کہ کسی بندہ خدا کو اپنا بندہ کہے۔" بعض آیات و احادیث میں زر خرید عبد کی نسبت اس کے مالک کی طرف کی گئی ہے لیکن یہ تعظیمی نہیں ہے ملکیت اور زر خرید ہونے کی وجہ سے ہے۔

انبیاء اور اولیاء نے نہ ان لوگوں کو خریدا ہے اور نہ وہ ان کے مالک ہیں۔ اس لیے اس بنا پر تو کوئی آزاد مرد یا آزاد عورت کسی نبی یا ولی کا غلام یا بندہ نہیں کہلا سکتا جبکہ یہ خلاف واقعہ ہونے کی وجہ سے باطل ہے، پس غلام رسول یا غلام فاطمہ، عبدالمصطفیٰ یا امتہ الرسول نام رکھنے اس وجہ سے ناجائز ہیں کہ یہ لوگ آزاد ہو کر غلام بنتے ہیں، لیکن اصل بات یہ ہے کہ نسبت یا اضافت تعظیمی، بطور تعظیم کے کی جاتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی طرف یہ نسبت و اضافت تعظیمی ہے کہ عبداللہ و عبدالرحمٰن، عبدالرحیم وغیرہ نام جو مشروع ہیں جیسے حدیث میں آیا ہے؟ مشکوۃ باب الاسامی میں ہے: "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم تسموا باسمآء الانبياء واحب الاسمآء الى الله عبدالله و عبدالرحمٰن" (الحدیث) یعنی "رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا کہ تم اپنے نام انبیاء کے ناموں پر رکھو (موسیٰ' عیسیٰ' ابراہیم وغیرہ) اور اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند نام یہ ہیں' عبداللہ و عبدالرحمٰن۔ "یعنی عبودیت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو وہ اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہیں کیونکہ وہ ہر انسان کا خالق اور حقیقی مالک ہے وہی بندگی کا مستحق ہے' کیونکہ وہ ہر انسان کا خالق اور حقیقی مالک ہے وہی بندگی کا مستحق ہے پس عبودیت کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنا غیر اللہ کو عبودیت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنا ہے پھر اس کے شرک ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ عبداللہ نام منصوص ہے اس لیے مشروع ہے اور عبدالمصطفیٰ نام غیر منصوص ہے اس لیے غیر مشروع ہے۔ پس ایسے نام کو ترک کرنا جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے اور نص شرعی سے ثابت ہے اور ایسے نام پر فخر کرنا جو اللہ کو محبوب نہیں اور نہ منصوص ہے جہالت اور ضلالت نہیں تو کیا ہے۔ یہ لوگ عوام کو مغالطہ دینے کے لیے یہ تاویل کرتے ہیں کہ مراد اس سے خادم رسول اور تابعدار ہے۔ اس وجہ سے یہ نسبت جائز ہے لیکن یہ تاویل دو وجہ سے مردود ہے اول یہ کہ کفار بھی غیر اللہ کی عبودیت میں دوسروں کو شریک کرتے تھے جس کی ممانعت قرآن میں آگئی تو پھر ایسے موہم شرک نام کیسے جائز ہو سکتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ کہ اہل شرک و بدعت اپنی عبودیت کی نسبت غیر اللہ کی طرف تعظیم خصوصی کے طور پر کرتے ہیں' چنانچہ مولوی حکیم نعیم الدین صاحب مراد آبادی نے اپنی کتاب الطیب البیان کے ص-۶۴ میں یہ لکھا ہے کہ "اگر کسی نے غلام محی الدین' غلام معین الدین یا عبدالنبی' عبدالرسول نام رکھ لیا اور یہ امید کی کہ ان مقبولان بارگاہ الٰہی کے ناموں کی برکت سے اللہ تعالیٰ کرم فرمائے گا اور بچوں کو بلاؤں' آسیوں سے محفوظ رکھے گا تو یہ بالکل آیات و احادیث کے مطابق ہے۔" اور ص-۶۵ پر یہ لکھا ہے: اب اگر کوئی نام ناجائز ہو گا تو فساد معنی کی وجہ سے یعنی اس کے معنے ایسے ہوں جو شرعاً" جائز نہیں تو یہ اچھی طرح ثابت ہو چکا کہ عبدالنبی' عبدالرسول' نبی بخش' غلام محی الدین وغیرہ ناموں میں کوئی نام ایسا نہیں جس کے معنے شرعاً" درست نہ ہوں' بزرگوں کا نفع پہنچانا' تندرستی دینا' شفا بخشنا' نعمتیں دینا' غنی کرنا وغیرہ خود قرآن و حدیث سے ثابت ہو چکا۔" اس صراحت سے صاف معلوم ہوا لفظ عبد کی نسبت بزرگوں کی طرف ان کے خادم اور تابعدار ہونے کی حیثیت سے

نہیں کی جاتی بلکہ اس کو مختار کل جان کر اپنے نام کی نسبت ان کے ناموں کی طرف کی جاتی ہے کہ یہ اولیاء انبیاء ہم کو بلاؤں سے محفوظ رکھیں گے اور نفع دیں گے' ضرر دفع کریں گے' تندرستی دیں گے اور بیماریوں سے شفاء بخشیں گے اور تنگ دستی میں غنی کریں گے اور نعمتیں دیں گے۔ پس غیر اللہ سے یہ امیدیں رکھ کر اپنے آپ کو ان کے ناموں کی طرف نسبت کر کے نام رکھنا شرک فی التسمیہ کے ضمن میں ہی آئے گا۔ اور یہ نام رکھنے کے مشرکانہ عقیدہ کا مظہر ہے اور یہ تاویل کہ ہماری مراد خادم اور تابعدار ہے سراسر باطل ہے اور یہودیانہ ہیر پھیر ہے۔ ہمارے علمائے محققین نے اسی وجہ سے ان ناموں کو شرک قرار دیا ہے۔ چنانچہ حضرۃ العلامہ مولانا نواب سید محمد صدیق حسن محدث قنوجی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الدین الخالص کے ص-۲۸۰' جلد-۱ میں فرماتے ہیں: "ومنهم من يصير فقيرا على اسم احد ومنهم من يسمى ولده نبى بخش او امام بخش او پير بخش او ستيلا بخش او گنگا بخش او عبد فلان كعبد الحسين او المسيح او غلام فلان كغلام محى الدين و غلام معين الدين ونحو ذالک ومرادهم بلفظ فى هذه الاسماء العبد دون الولد والعمل بالقيمة لا باللفظ (الى اخر قوله) لكن هؤلاء المشركين يصيرون بافعالهم هذه المطرودين مردودين من جنابه العلى وحضرته المقدسة" اھ یعنی "بعض وہ مشرک ہیں جو کسی بزرگ کے نام کے "فقیر" بنتے ہیں اور بعض وہ اہل شرک ہیں جو اپنی اولاد کے یہ نام رکھتے ہیں' نبی بخش' امام بخش' پیر بخش' یا ستیلا بخش یا گنگا بخش یا فلاں کے عبد جیسے عبدالحسین' عبدالمسیح یا فلاں کے غلام جیسے غلام محی الدین' غلام معین الدین ان جیسے اور نام ہیں اور ان کی مراد غلام سے عبد ہے' غلام لڑکے کے معنی میں نہیں ہے کہ عمل کا اعتبار نیت کے ساتھ ہے لفظ کے ساتھ نہیں ہے۔ پس یہ مشرک لوگ اپنے مشرکانہ افعال کی وجہ سے درگاہ الٰہی میں مطرود اور مردود ہیں۔"

اسی طرح علماء احناف اہل انصاف نے لکھا ہے۔

چنانچہ مولانا عبدالحی صاحب حنفی لکھنوی کے مجموعہ فتاویٰ کی کتاب المستفرقات جلد سوم ص-۲۶۳ میں ایک سوال و جواب یوں ہے:

سوال: عبدالرسول یا عبدالحسین وغیرہ نام رکھنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: ایسا نام رکھنا جس میں عبد کی اضافت غیر خدا کی طرف ہو درست نہیں ہے گو ایسے نام رکھنے سے حکم شرک کا نہ ہو اس احتمال کی وجہ سے کہ عبد سے خادم اور مطیع مراد ہے مگر پھر بھی ایسا نام رکھنا بوئے شرک سے خالی نہیں ہے۔ قرآن اور حدیث اس قسم کے نام رکھنے کی ممانعت پر دال ہیں اور علمائے امت محمدیہ نے بھی جابجا اس کی تصریح کی ہے۔ تفسیر جلالین میں ہے: "هوالذی خلقکم من نفس واحدة آدم" الخ ترجمہ لکھتا ہوں۔ "یعنی خدا وہ ہے جس نے تم سب کو ایک ہی ذات آدم سے پیدا کیا اور اس سے اس کے جوڑے یعنی حوا کو نکالا تاکہ اس کے ساتھ رہے جب وہ حاملہ ہوئیں اور لڑکے کے بڑے ہونے سے ان کی گرانی محسوس ہوئی تو دونوں ڈرے کہ کہیں جانور نہ ہو تو اللہ تعالیٰ سے انہوں نے دعا کی کہ اگر تو ہم کو اچھا نیک لڑکا دے تو ہم تیرے شکر گزار ہوں گے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ان کو نیک لڑکا دیا تو انہوں نے شرک کیا "اس طرح کہ اس کا نام عبدالحارث رکھا۔" حالانکہ کوئی اللہ کے سوا اور کسی کا بندہ نہیں ہو سکتا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس کے سوا عبودیت میں کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں بنایا کیونکہ وہ معصوم تھے اور ایک روایت میں ہے حضور سرور عالم ﷺ سے مروی ہے کہ جب حضرت حوا کے بچہ ہوا تو ان کے پاس شیطان آیا حضرت حوا کا کوئی لڑکا زندہ نہیں رہتا تھا' شیطان نے ان سے کہا اگر تم اس لڑکے کا نام عبدالحارث رکھو تو یہ لڑکا زندہ رہے گا۔ حضرت حوا علیہ السلام نے ایسا ہی کیا تو یہ شیطان کا حکم اور اس کی وحی تھی۔ اس کو حاکم نے روایت کر کے کہا ہے کہ صحیح ہے اور ترمذی نے روایت کر کے حسن غریب کہا ہے۔ اور جمل سے حواشی جلالین میں ہے۔ "ولیس الجعل المذکور باشراک اللّٰہ بل ھو شریک فی التسمیة وھذا لا یقتضی الکفر" "یہ نام رکھنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا نہیں ہے بلکہ اس نام میں شرک ہے جو مقتضی کفر نہیں ہے۔" اور شرعۃ الاسلام میں ہے: "ولا یسمیه حکیما ولا حکما ولا ابا عیسیٰ ولا عبد فلان" کہ لڑکوں کا نام حکیم' حکم' ابوعیسیٰ اور خدا کے سوا کسی اور کی طرف عبد کی اضافت کر کے نہ رکھے۔" اور ملا علی قاری کی شرح فقہ اکبر میں ہے: "وما اشتھر من التسمیة بعبد النبی فظاھرہ کفر الا ان اراد بالعبد المملوک" "عبدالنبی نام رکھنا بظاہر کفر ہے مگر یہ کہ عبد سے مملوک مراد

ہو۔" اور ملا علی قاری ﷫ کی شرح مشکوۃ میں ہے: "ولا یجوز نحو عبدالحارث ولا عبدالنبی ولا غیرہ بما شاع بین الناس" عبدالحارث' عبدالنبی وغیرہ جو نام لوگوں میں عام ہیں نہ رکھنا چاہیے۔" اور ابن حجر کی شرح منہاج میں ہے: "ویحرم ملک الاملاک لان مالک لیس لغیراللّٰہ وکذا عبدالنبی وعبد الکعبۃ او الدار او علی او الحسین لایہام الشرک" یعنی "ملک الاملاک نام رکھنا درست نہیں ہے' کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص وصف ہے ای طرح عبدالنبی' عبدا لکعبۃ' عبدالدار' عبدالعلی یا عبدالحسین نام رکھنا' کیونکہ اس میں ایہام شرک ہے۔ "انتہٰی ما فی فتاوٰی عبدالحی بلفظہ"

مخفی نہ رہے کہ مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی' حنفی مذہب کے بہت بڑے مشہور عالم اور مفتی تھے' جنہوں نے دین اسلام خصوصاً حنفی مذہب کی حد سے زیادہ خدمت کی ہے۔ "مجدد بدعات" بریلوی صاحب ان کے مقابلہ میں عشر عشیر بھی درجہ نہیں رکھتے۔ انہوں نے ایسے ناموں کو جن میں عبد کی اضافت غیراللہ کی طرف ہو' ممنوع اور حرام قرار دیا ہے اور علماء حنفیہ سے نقل کیا ہے کہ اس میں ایہام شرک ہے۔ لیکن مجدد البدعات کا "ارشاد" ہے کہ جب تک عبد ہی نہ ہو تو وہ عبدا لشیطان ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ بات برعکس ہے۔ کیونکہ یہ سبق شیطان نے دیا کہ غیراللہ کا عبد بنایا۔ پس جو شخص غیراللہ کی طرف عبد کی اضافت کرے گا وہ ابلیس کا بندہ ہے کہ اس کی تقلید کرتا ہے۔ اگر مصطفیٰ ﷺ کا تابعدار ہوتا تو عبداللہ یا عبدالرحمٰن نام مشہور کرتا۔ باقی یہ دلیل پیش کرتا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں عبادکم وامائکم فرمایا' یا رسول اللہ ﷺ نے "عبدہ" فرمایا۔ یہ سراسر باطل اور جاہلانہ استدلال ہے کیونکہ یہ زر خرید غلاموں کی بابت محاورہ ہے جو مجازی ملک ہے اور وہ مملوک ہیں۔ یہ اضافت تعظیمی نہیں ہے اور نہ ان کو مختار کل جان کر ان سے حاجات اور مشکلات حل کرانے کو ہے جیسے اہل بدعت و شرک کرتے ہیں۔ اسی طرح حضرت عمر﷜ کا عبدہ و خادمہ کہنا بطور خدمتگار کے ہے کہ وہ حیات نبوی میں خادم ہو کر رہے۔ یہ اضافت بھی تعظیمی نہیں ہے۔ پس نصوص شرعیہ کے مقابلہ میں یہ

دلیلیں ہوائے نفسانی پر مبنی ہیں۔ خلاصہ بحث یہ ہے کہ عبدالمصطفیٰ نام رکھنا مشرکوں جیسا ہے۔

کتبہ عبدالقادر عارف حصاری

الاعتصام لاہور جلد۔۲۵، شمارہ۔۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱۔ بمطابق ۷، ۱۴، ۲۱، ۲۸ فروری سنہ۔۱۹۷۵ء

ظلی خدا

آج اسلامی دنیا پر طائرانہ نظر کی جائے تو بعض مذاہب کی اکثریت نظر آتی ہے جس سے سطحی نظر رکھنے والے سادہ لوح لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اکثریت والا مذہب حق ہے اور یہ اکثریت اس کی دلیل صداقت ہے لیکن حقیقت بیں اور مذہبی صراف جب اہل مذہب کو صداقت کے اصل معیار پر جانچتے ہیں اور حقانیت کی کسوٹی پر ان کو گھس کر دیکھتے ہیں تو یہ کہتے ہیں ؎

بت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرہ خوں نہ نکلا

اکثر مذاہب گمراہ فرقوں کا مجموعہ ہیں۔ کئی تعزیہ پرست ہیں اور کئی قبر پرست ہیں اور کئی منکر حدیث۔ چنانچہ "قرآنی فیصلے" میں یہ ذکر ہے کہ کسی نے پرویز صاحب سے دریافت کیا کہ آپ نماز کس طرح پڑھتے ہیں؟ تو وہ جواب میں یہ لکھتے ہیں کہ "میں بھی اسی طرح نماز پڑھتا ہوں جس طرح جمہور مسلمان فقہ حنفی کے مطابق نماز پڑھتے ہیں۔" (ص-۳۱)

اسی طرح اس تقلیدی مذہب میں وہ لوگ بھی ہیں جو بت پرستی جائز قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ ایک مولوی صاحب نے "بشرنامہ" ایک کتاب لکھی ہے جس کے ص-۳۹ پر وہ یہ پنجابی اشعار لکھتے ہیں ؎

تے اوہ جھڑے کر دے ہیگے واہ وا بت پرستی
اوہی خاص مولائی بندے واہ اونہاں دی ہستی
بت پرستی اندر تینوں ملسی دلبر آکے
بتاں اندر راز الٰہی ڈٹھا میں آزما کے
بت پرستی منا وٹا مینوں نہیں کائی
یار میرا بت بنیا تے میں ہا بت پرست سودائی
جدوں قبلہ کعبہ دسے سوہنا مکھ دلبر دا

نہ دل حج کرن نوں چاہے نہ مسجد وچ وڑدا
سینے اپنے اندر میں اک رکھیا بت چھپا کے
دن تے رات گراں میں اس دی پوجا وچ وجا کے

یہ ایک مولوی قادری کا بیان ہے جس سے ظاہر ہے کہ وہ تصور شیخ اور اپنے پیر مرشد کو سجدہ کرنا جائز سمجھتا ہے اور اسے کوئی بت پرستی قرار دے تو وہ ایسی بت پرستی کو عبادت تصور کرتا ہے اور اسی کو تقرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتا ہے اور صاف یہ کہتا ہے کہ ؎

جس دے نال محبت تیری او ہا تیرا اللہ
ایہہ سخن نہ سمجھیں ایسا ویسا دل وچہ رکھ تسلا

نیز صفحہ ۴۰ پر لکھتا ہے ؎

ہوا ساری خدائی سے محمد مصطفیٰ پہلے
فرشتے تھے نہ آدم تھا نہ تھا ظاہر خدا پہلے

وہ یہ بھی کہتا ہے کہ ؎

نشان و بے نشاں اندر محمد ہی محمد ہے
مکان والا مکاں اندر محمد ہی محمد ہے
کیا نور احمدی کا چمن میں ظہور ہے
ہر گل میں ہر شجر میں محمدی کا نور ہے

ا ر ثبوت میں یہ حدیث بناوٹی پیش کرتا ہے کہ انشا من نور اللّٰہ وکل شئی من نو ی یعنی میں خدا کے نور سے پیدا ہوا اور ہر چیز میرے نور سے ہے۔ اسی طرح صہ ۔۵ پر ، موضوع روایت لکھتا ہے کہ خلق صورۃ محمد صلعم کصورتہ (پیدا کی صورت محمد ﷺ مثل صورت آپ کی)

اہل شرع کا تو یہ عقیدہ ہے کہ لیس کمثلہ شئی وھو السمیع البصیر○ یعنی اللہ تعالیٰ کے مثل کوئی نہیں ہے اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے لیکن یہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو انا ظلی خدا اعتقاد رکھتے ہیں جیسے مرزائی اپنے پیشوا مرزا کو ظلی نبی

تصور کرتے ہیں۔ اگر کسی غیر نبی کو ظلی نبی اعتقاد رکھنے سے کوئی کافر ہے تو رسول اللہ ﷺ کو جو اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں ظلی خدا کہنے والا کیوں کافر نہ ہو گا؟ لیکن آج اس دور آزادی میں کوئی شخص چاہے خدا بنے یا کسی کو خدا کہے' کوئی نبی بنے یا کوئی کسی غیر نبی کو نبی کہے' یا کوئی دین اسلام سے صاف مرتد ہو کر عیسائی یا یہودی بنے تو اس کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہے کہ تیرے منہ میں کتنے دانت ہیں ؎

کر لیں یہ گمراہ اپنی گمراہی میں خوب دھوم دھام
جب تلک مہدی کے لشکر کا پتا لگتا نہیں

اعلیٰ حضرت مدارج النبوۃ کے حوالہ سے یہ لکھتے ہیں کہ "انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام مظہر صفات الہیہ میں اور عامہ مخلوق مظہر اسماء الہیہ ہے۔ "وسید کل مظہر ذات حق است وظہور حق دروے بالذات است۔"

اگر پیر پرستوں کو یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ عرش معلی پر بلاکیف ہے تو آگ بگولہ ہو کر غصہ کے شعلے پھینکنے لگتے ہیں کہ دیکھو یہ لوگ مجسمہ ہیں کہ اللہ کے لیے جہت اور مکان بتاتے ہیں۔ عرش پر خدا ہوا تو وہ محدود ہوا' وغیرہ کہہ کر اس صفت نقلیہ کی تکذیب کرتے ہیں حالانکہ استواء الٰہی نصوص قطعیہ سے ثابت ہے اور اس پر تمام سلف و خلف اہل سنت کا اجماع ہے لیکن ذات الٰہی کو ذات محمد کے اندر محدود مان کر صاف غلط عقیدہ اختیار کرتے ہیں تو اس پر کسی کو چون و چرا کرنے کی گنجائش نہیں ہے اور صاف یہ کہتے ہیں ؎

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر
اتر پڑا مدینہ میں مصطفےٰ ہو کر
(الفقیہ امرتسر)

ہنود' کرشن صاحب' رام چندر صاحب وغیرہ اپنے بزرگوں کو اوتار مانتے ہیں اور یہ نام کے مسلمان انبیاء خصوصاً محمد مصطفیٰ ﷺ کو ظلی خدا سمجھتے ہیں۔ دونوں اس عقیدے میں یکساں ہیں الکفر ملة واحدة۔ قرآن ناطق ہے کہ قل انما انا بشر مثلکم یعنی اے میرے رسول! آپ اعلان کر دیں کہ میں تمہارے جیسا انسان ہوں اور

آنجناب نے خود اپنی امت کو یہ حکم دیا کہ فقولوا عبد اللّٰہ ورسولہ تم یہ کہو کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول نے یہ اعلان اسی غرض سے کروایا تھا کہ آئندہ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو محمد رسول اللہ ﷺ کو عین خدا یا خدا ظلی قرار دیں گے۔ ان کو یہ حقیقت پہنچا دی جائے کہ محمد نہ خدا ہیں اور نہ اس کے ظل ہیں بلکہ وہ انسانوں کی قسم سے کامل انسان ہیں اور منصب رسالت ملنے سے اللہ کے رسول ہیں بس۔ لیکن ان کا عقیدہ سنئے' رمزالوحدت کے مؤلف نے ص-۳۸ کے حاشیہ پر خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے ملفوظات کا حوالہ دے کر یہ لکھا ہے کہ "نور رسول اللہ صلعم خود نور خدا است" یعنی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا نور عین خدا کا نور ہے۔ پھر ص-۳۸ رمزالوحدت میں یہ لکھا ہے ؎

انا احمد بے میم حدیث
جو نہ مانے جان خبیث
ذات محمدؐ ذات خدا
از ہم ہرگز نہیں جدا
ایک ہی نور اور ایک ہی ذات
ایک ہی اسماء ایک ہی صفات

اسی طرح عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو عین خدا اور ابن خدا کہا اور یہودیوں نے حضرت عزیرؑ کو خدا ابن خدا کہا' تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کی اور مشرکین نے ملائیکہ کو خدا کی بیٹیاں کہا' تو اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کیا اور سب کو یہ کہا کہ وجعلوا لہ من عبادہ جزءا ان الانسان لکفور مبین○ یعنی ان کافروں نے میرے بندوں کو جو میری مخلوق ہیں اور حادث بلذات و حادث بالزمان ہیں میری ذات کی جو قدیم غیر مخلوق ہے جزو بنا دیا ہے بیشک ایسا انسان صاف کافر ہے۔ تو یہ لوگ جو محمد بن عبداللہ رسول اللہ ﷺ کو ذات خدا بنا رہے ہیں کیوں کافر نہیں ہیں۔

اور پھر اس پر مزید تعجب ہے کہ یہ لوگ خود کفریہ عقیدہ رکھ کر اور کفر بول کر اور کفر لکھ کر اہل توحید کو کافرانہ گالیاں دیتے ہیں۔ چنانچہ ایک صاحب لکھتے ہیں کہ

ہمارا نبی تو بشر ہی نہیں ہے
خدا ہے تجھے کیا خبر ہی نہیں ہے
مقام اس نبی کا عرش بریں ہے
خدا جو نہ کہے وہ کافر لعیں ہے

(اس پر کہا گیا ہے کہ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے)

بہرحال ہم اپنے ناظرین کرام اہل اسلام پر یہ واضح کر رہے ہیں کہ یہ پیر پرست جو اپنے آپ کو اہل سنت کہلاتے ہیں' یہ نبی کریم ﷺ کو اپنا ظلی خدا بلکہ عین خدا سمجھتے ہیں اور یہ جو ہمیشہ سے انہوں نے شور برپا کر رکھا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کو بشر نہ کہو' وہ بشر نہ تھے بلکہ نور تھے۔ یہ عقیدہ اس عقیدہ کا پیش خیمہ ہے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ ظلی خدا یا عین خدا تھے۔

پس یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے نبی کا نور پیدا کیا' یہی عقیدہ کا مظہر ہے کہ خدا نے اپنی ذات سے نبی کی ذات کو پیدا کر کے اپنا مثیل و شبیہ دنیا میں بھیجا۔ یہ اسلامی تعلیم میں صریح کفر ہے جس کو اس فرقہ نے مسلمانوں میں پھیلا دیا ہے۔ بعض لوگ جو اس سے انکار کرتے ہیں وہ اس ظاہر کفر سے ڈر کر تقیہ کرتے ہیں۔ اصلی عقیدہ سب کا یہی ہے۔ ایک اور صاحب کہتے ہیں ؎

شریعت کا ڈر ہے نہیں تو صاف کہہ دوں
رسول خدا خود خدا بن کے آیا

دوسرا کہتا ہے کہ تم ڈرتے رہو ہم تو نہیں ڈرتے اور صاف یہ کہتے ہیں ؎

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر
اتر پڑا مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر

چنانچہ بشرنامہ کے صفحہ۔۹ پر ہے کہ "خدا رسول ایک' عاشق معشوق ایک' عابد معبود ایک' ناظر منظور ایک وغیرہ جو شک کرے وہ مشرک ہے۔"

معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ علم منقول و معقول سے صاف ناواقف ہیں جو ایسی بے بنیاد باتیں لکھتے ہیں جن کا علمی و شرعی کتابوں میں نام و نشان بھی نہیں ہے' پھر اس

پر طرہ یہ کہ دوسروں کو کافر و مشرک کہہ دیتے ہیں تاکہ کوئی عالم بروئے شرع ان کو کچھ کہہ دے تو یہ اس کا بدلہ تصور ہو جائے۔

ماہ طیبہ کوٹلی لوہاراں کا واعظ جناب رسول اللہ ﷺ کو نور کہہ کر خود ابوالنور بننے والا اپنے رسالہ کے ص-۷-۳ مطبوعہ ماہ مئی سنہ-۵۷ھ میں یہ لکھتا ہے کہ حضور کا نور اللہ کے نور کی تجلی اور روشنی ہے اور اسی نور کا عکس و پرتو ہے..... ہمارا ایمان ہے کہ حضور ﷺ نہ خدا ہیں اور نہ خدا سے جدا ہیں جو خدا کہے وہ مشرک اور جدا کہے وہ بے ایمان۔"

سنئے! جو خدا تعالیٰ کی ذات میں نبی کی ذات ملا کر خدا کہتے ہیں وہ مشرک ہوئے اور نبی کو خدا کی طرح وحدہ لاشریک لہ کہنے والے کون ہوئے؟ رسالہ میلاد نمبر ماہ ربیع الاول سنہ-۷۶ھ کے ص-۱۳ پر یہ شعر ہے ؎

کون و مکاں میں آپ بھی اپنی نظیر آپ ہیں
وحدہ لاشریک ہے جیسے خدائے دو جہاں

یہ جھوٹ اور شرک ہے۔ خدائے تعالیٰ تو وحدہ لاشریک لہ ہے جیسے کلمہ میں منصوص ہے۔ لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ الخ۔ لیکن کسی کلمہ میں یا کسی نص میں آپ کو "وحدہ لاشریک" نہیں کہا گیا بلکہ یہ کہا گیا ہے۔ انمآ انا بشر مثلکم۔ اس سے شرکت اور مثلیت ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ کی بابت قرآن مجید ناطق ہے۔ لیس کمثلہ شئی اور فرمایا لم یلد ولم یولدO ولم یکن لہ کفوا احدO

نبی ﷺ کا کفو قریش عرب تھے جن میں شادیاں کیں اور کرائیں لیکن اللہ تعالیٰ کا کفو نہیں ہے۔ تو نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرح وحدہ لاشریک کہنا غلط عقیدہ ہے اور دراصل یہ اس طرف لوٹ رہا ہے کہ نبی خدا کے نور سے ہوئے تو خدا یا ظل خدا ہوئے' اس لیے وحدہ لاشریک ہوئے۔ تو یہ عقیدہ حلولیوں' وجودیوں اور اتحادیوں کا ہے جو سراسر کفر ہے' پھر لکھتے ہیں:

"آپ کہیں گے کہ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ نہ خدا ہیں اور نہ جدا ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہی گیس اور اس کی روشنی نہ خود گیس ہے اور نہ ہی گیس سے جدا۔"

آگے لکھا ہے کہ "حضور ﷺ نہ تو عین خدا ہیں اور نہ ہی اس سے جدا ہیں بلکہ جہاں خدا وہاں مصطفیٰ اور جہاں مصطفیٰ وہاں خدا ؎

تم ذات خدا سے نہ جدا ہو نہ خدا ہو
اللہ ہی کو معلوم ہے کیا جانتے ہو کیا ہو"

اس تحریر پر کوئی نص شرعی پیش نہیں کیا گیا ہے اور اس نے جو ایک بے بنیاد روایت پیش کی' اس میں بھی اس تقریر کی تردید موجود ہے۔ چنانچہ وہ یہ ہے:

"یاجابر ان اللّٰہ تعالٰی خلق قبل کل الاشیآء نور نبیک من نورہ۔
اے جابر! اللہ تعالٰی نے ہر شے سے پہلے تمہارے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا۔"

اس کے ساتھ دوسری صحیح حدیث کو ملا لو کہ کان اللّٰہ ولم یکن معہ شئی۔ یعنی اللہ تھا اور اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی' یعنی ایک زمانہ ماضی ایسا تھا کہ صرف ذات الٰہی تھی اور اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی' پھر سب سے پہلے اس مزعومہ حدیث کے اللہ تعالٰی نے نبی کا نور پیدا کیا تو اللہ خالق اور نبی مخلوق ہوئے اور اللہ قدیم اور نبی کا نور حادث بالذات و حادث بالزمان ہوا' تو گیس کی مثال مثل لہ کے مطابق نہ ہوئی بلکہ باطل ہوئی۔ دیگر یہ کہ گیس کی روشنی گیس کا ظل اور اس کا عکس ہے۔ اس سے نبی کا نور پیدا ہوا تو نبی ﷺ کا ظلی خدا ہونا ثابت ہو گیا۔ یہی عقیدہ خلاف اسلام ہے کیونکہ مشکوٰۃ میں حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے اپنا تعارف منبر پر کھڑے ہو کر کرایا تو یہ فرمایا:

"انا محمد بن عبداللّٰہ بن عبدالمطلب اور حدیث سہو میں ہے۔انما انا بشر مثلکم انسٰی کما تنسون یعنی میں تمہاری جنس بشر سے ہوں' عبداللہ کا بیٹا ہوں اور وہ عبدالمطلب کے بیٹے تھے جیسے تمہارے میں نسیان کا خاصہ بوجہ بشریت ہے مجھ میں بھی ہے۔

لیکن قرآن مجید ناطق ہے کہ اللہ تعالٰی ہرگز نہیں بھولتا اور نہ یہ اللہ تعالٰی کا خاصہ ہے۔ پھر اللہ تعالٰی کے نور سے کہہ کر نبی کو خدا کا مثیل بتانا صریح کفر ہے یا نہیں۔ پھر نبی ﷺ مکہ اور مدینہ میں تھے اور خدا تعالٰی عرش پر تھا' پھر جبرائیل" آکر آپ کو براق پر

لے گئے۔ انہوں نے خود یہ شعر میلاد نمبر کے صفحہ۔۱۳ پر لکھا ہے کہ ؎

جا کے خدا کو عرش پر آپ نے دیکھ بھی لیا
اور سنا گئے کلیم طور پر لن ترانیاں

اگرچہ حسب روایت حضرت صدیقہؓ دیکھنے کے عقیدے میں جھوٹے ہیں لیکن ان ہی سے یہ بات ثابت ہوئی کہ آپ عرش پر نہ تھے اور خداوند بالذات مکہ کے اندر نہ تھا۔ جبرائیلؑ لے گئے تو آپ نے وہاں جا کر دیکھا۔ پس یہ کتنا باطل ہوا کہ جہاں خدا وہاں مصطفیٰ اور جہاں مصطفیٰ وہاں خدا یعنی معیت ذاتیہ کسی کی نہیں ہے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ نے کتاب العلو میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان پر ہے زمین پر نہیں ہے۔ اس پر ایک شخص نے امام صاحب سے دریافت کیا کہ آیت "وھو معکم" کا کیا مطلب ہے؟ تو انہوں نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ جیسے کوئی کسی کو خط لکھے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ حالانکہ وہ اس سے دور ہوتا ہے یعنی اس سے نصرت و حمایت مراد ہے۔

اور شرح عقیدہ طحاویہ میں ہے' مطیع بلخی نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے سوال کیا کہ "لا اعرف ربی فی السمآء ام فی الارض فقال قد کفر لان اللّٰہ یقول الرحمٰن علی العرش استوی ٥ وعرشه فوق سبع سمٰوته قلت فان قال انه علی العرش ولکن یقول لا ادری العرش فی السمآء ام فی الارض قال ھو کافر لانه انکر انه فی السمآء فمن انکر انه فی السمآء فقد کفر۔" (ص۔۲۲۰)

یعنی میں اپنے رب کو نہیں پہچانتا کہ وہ آسمان پر ہے یا زمین پر ہے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ کافر ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ رحمان عرش پر مستوی ہے اور عرش ساتوں آسمانوں پر ہے۔ میں نے دریافت کیا کہ اگر اس نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے لیکن میں یہ نہیں جانتا ہوں کہ عرش آسمان پر ہے یا زمین پر ہے تو امام ممدوح نے جواب دیا کہ وہ شخص کافر ہے کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے آسمان پر ہونے سے انکار کیا ہے۔ پس جو شخص آسمانوں کے اوپر اللہ تعالیٰ کے ہونے سے منکر ہے وہ کافر ہے۔

اس صراحت سے ثابت ہوا کہ بعض نام نہاد مسلمان جو یہ کہتے ہیں کہ جہاں

مصطفیٰ ہے وہاں ہی خدا ہے اور وہ نبی سے جدا نہیں۔ وہ امام صاحب کے قول اور فتوے کی رو سے کون ٹھہرے؟ کیونکہ خدا آسمانوں کے اوپر عرش پر ہے اور محمد مصطفیٰ ﷺ مکہ و مدینہ میں عرصہ تک رہ کر پھر دنیا سے کوچ کر گئے۔

اب قاضی ابویوسف رحمہ اللہ کا فیصلہ سنئے! امام ذہبی رحمہ اللہ کتاب العلو میں نقل کرتے ہیں کہ بشر بن ولید کندی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد قاضی ابویوسف رحمہ اللہ کے پاس آئے اور یہ بیان کیا کہ مجھے تو آپ دینی مسائل میں علام کلام کی رو سے بحث کرنے سے منع فرماتے تھے لیکن بشر مریسی اور علی احول اور ایک دیگر شخص اس علم میں کلام کر رہے ہیں۔ قاضی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ کس موضوع پر بحث کر رہے ہیں؟ بشر کندی نے کہا کہ وہ یہ کہہ رہے ہیں' اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ ہے۔ قاضی صاحب رحمہ اللہ نے کہا ان کو میرے پاس بلا کر لاؤ۔ چنانچہ بشر گیا اور وہ ایک بوڑھے شخص اور علی احول کو لے کر آیا۔ قاضی صاحب رحمہ اللہ نے شیخ کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ تم ضعیف العمر ہو' تمہارا ادب مانع ہے ورنہ تم کو جو سزا دینی تھی' دیتا لیکن اب حکم یہ ہے کہ قیدخانہ میں جاؤ۔ چنانچہ قیدخانہ میں بھیج دیا گیا اور علی احول کو پٹوا کر شہر میں گشت کرایا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ بھی قاضی ابویوسف رحمہ اللہ کے آئین اسلامی کی رو سے قید کرنے یا درے مار کر شہروں میں گشت کرانے کے قابل ہیں جو اللہ تعالیٰ کے رسول کو ظلی خدا سمجھ کر زمین میں کہتے ہیں' کوئی ہر جگہ عرش اور فرش پر کہتا ہے۔

چنانچہ ایک مولانا صاحب جو جامع مسجد "بھائی پھیرو" میں خطیب تھے' جو ہمیشہ اہل حق کو برا کہتے' گالیاں دیتے اور نبی کریم ﷺ کو نورانی کہہ کر ظلی خدا بناتے تھے' آخر ایک دن کہ ؎

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنہ پاکاں برد

جمعہ کے دن سڑک کے پاس کے کھیت میں باجرہ کے اندر کسی نوعمر لڑکی سے زنا بالجبر کرتے پکڑے گئے۔ پہلے تو لوگوں نے ان کی خوب حجامت کی' پھر افسران پولیس نے زدوکوب کیا' پھر ان کا منہ سیاہ کر کے شہر میں گشت کرایا گیا کہ یہ واعظ ہے جو عشق

مجازی سے عشق حقیقی تلاش کر رہا تھا۔ چنانچہ دوسرے دن عدالت میں پیش کیا گیا تو اس کو چودہ برس کی قید کر کے قید خانہ میں بھجوا دیا گیا۔ اب وہاں عشق حقیقی حاصل کر رہا ہے اور خالص خدا تعالیٰ کو یاد کر رہا ہے۔

اسی طرح ان کے کئی ملا مولوی' پیر' مشائخ اور مجاور مسجدوں' حجروں' خانقاہوں اور جنگلوں میں عشق مجازی کے سمندر میں غرق ہوتے ہوئے حکومتوں نے پکڑے اور عشق حقیقی کے قید خانے میں قید کر دیئے۔ جیسے کہ آئے دن اخبارات میں یہ خبریں پڑھی جاتی ہیں اور ناظرین کے مشاہدہ میں آتا رہتا ہے۔

میں اپنے مقصد سے دور چلا گیا۔ مسئلہ زیر بحث یہ ہے کہ ان کا مجازی عاشق یہ کہتا ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نہ عین خدا اور نہ ان سے جدا جہاں خدا وہاں محمد مصطفیٰ ﷺ۔ میں یہ کہتا ہوں کہ یہ عقیدہ سراسر باطل اور کفر ہے۔ انہوں نے خدا تعالیٰ کی معرفت اور اس کا مرتبہ اور عظمت معلوم ہی نہیں کی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "خلق افعال العباد" میں حضرت عبداللہ بن مبارک سید التابعین رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے' وہ فرماتے ہیں:

"لا نقول کما قالت الجهمية انه فی الارض ههنا بل علی العرش استوی وقیل له کیف نعرف ربنا قال تعرفه بانه فوق سموته علیٰ عرشه بائن من خلقه۔ یعنی ہمارا عقیدہ فرقہ جہمیہ کی طرح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین پر ہے بلکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بلند ہے۔ آپ سے سوال کیا گیا کہ ہم اپنے رب کو کیونکر پہچانیں تو انہوں نے فرمایا تم اس طرح پہچانو کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق سے علیحدہ آسمانوں کے اوپر عرش پر بلند ہے۔"

امام ذہبی رحمہ اللہ نے کتاب العلو میں نقل کیا ہے کہ امام ابن خزیمہ محدث رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اس بات کا اقرار نہ کرے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے تو وہ کافر ہے۔ اس سے توبہ کرائی جائے اگر اس نے توبہ کر لی تو بہتر ہے ورنہ اس کی گردن مار دی جائے اور پھر اس کو کسی کوڑے' کچرے کی جگہ ڈال دیا جائے۔ (مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہو) تاکہ اس کی ہوا سے مسلمان ایذا نہ

پائیں۔

بے شک امام ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ بالکل صحیح ہے۔ اس لیے بندہ راقم الحروف منکرین استواء علی العرش کو اس کا مصداق سمجھتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ بعض اہلحدیث صلح کل گرو نانک صاحب والا مذہب رکھنے والے اول تو خود استواء علی العرش کے منکر ہیں ورنہ منکرین استواء کو اس کا مصداق نہیں جانتے اور عذر یہ کرتے ہیں کہ یہ لوگ مئوولین ہیں۔ نصوص کی تاویل کر کے انکاری ہیں۔ اس لیے اس کے مصداق نہیں ہیں۔

گویا ان زمانہ ساز اہلحدیثوں کے نزدیک خدا تعالیٰ کی ذات اور صفات اور تمام احکام کا تاویل سے انکار کر جائے تو وہ کافر نہیں ہوتا۔ صرف وہی کافر ہے جو یوں انکار کر دے کہ میں خدا کو نہیں مانتا' میں حدیث رسول کو نہیں مانتا' میں نماز نہیں پڑھتا اور جو شخص ان سب کو مان کر پھر تاویل اور ہیرپھیر سے انکار کرے تو وہ کافر نہیں۔ ایسے نام کے اہلحدیثوں نے اس عقیدہ کی بنا پر بہت سے گمراہ فرقوں کو جو حد کفر کو پہنچے ہوئے ہیں' اپنے میں ملا کر مذہب اہلحدیث کو بھی بدنام کر دیا ہے ورنہ مذہب اہلحدیث مثل دودھ کے خالص عمل کتاب و سنت کا نام ہے اور بس ؎

ما اہل حدیثم و دغارا نہ شناسیم
باقول نبی چون و چرا نہ کردیم

نصوص قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے یہ ظاہر بلکہ صاف ثابت ہے کہ آسمانوں کے اوپر عرش معلی پر خدا تعالیٰ بالذات مستوی ہے اور مشکوۃ کی احادیث سے یہ صاف ثابت ہے کہ "حجابہ النور کولشفہ لا حرقت سبحات وجھہ ما انتھیٰ الیہ بصرہ من خلقہ یعنی ذات الٰہی نور کے پردوں میں ہے اگر ان پردوں کو دور کر دے تو اس کی ذات کی تجلیاں تمام خلقت کو جلا کر راکھ بنا دیں۔

اب معلوم کرو کہ وہ نور کے پردے کتنے ہیں۔ دوسری حدیث مسجد کی فضیلت میں ہے کہ جناب جرائیلؑ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے جرائیلؑ سے مسئلہ دریافت کیا کہ زمین کا کون سا ٹکڑا افضل ہے؟ جرائیلؑ نے لاعلمی ظاہر کی اور یہ کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کے پاس جا کر پوچھ کر آتا ہوں۔ چنانچہ گئے اور واپس آئے

تو بیان کیا کہ آج میں خدا تعالیٰ کے اتنا قریب ہوا کہ اتنا قریب پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کتنے قریب ہوئے تو جبرائیلؑ نے فرمایا۔ "کان بینی وبینه سبعون الف حجاب من نور" یعنی میرے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے قریب ستر ہزار پردے نور کے رہ گئے تھے۔

اس سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات والاصفات اور مخلوقات کے درمیان لاتعداد پردے نور کے ہیں اور ذات ان کے وراء الوراء ہے۔

اب یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ ذات الٰہی اور ستر ہزار پردے نور کے جو مخلوقات سے حجاب کئے ہوئے ہیں وہ زمین پر ہیں یا عالم بالا میں فوق الفوق ہیں۔ اس کا ثبوت حدیث اسرافیلؑ سے معلوم کریں جو مشکوۃ کے ص-۵۱۰ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ان الله خلق اسرافیل منذ یوم خلقه صافا قدمیه لا یرفع بصره بینه وبین الرب تبارک وتعالٰی سبعون نورا مامنها من نور ید نومنه الا احترق۔ پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے اسرافیل کو اس حال میں کہ وہ صف باندھے ہوئے ہیں اپنے دونوں پاؤں کی اس دن سے کہ پیدا کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو۔ نہیں اٹھاتے وہ ازراہ ادب نظر اپنی اوپر کو' درمیان اسرافیل اور رب العالمین کے ستر (ہزار) پردے نور کے ہیں۔ نہیں ہے ان نور کے پردوں میں سے کوئی پردہ نور کا کہ اگر قریب ہوں اسرافیل اس کے مگر یہ کہ وہ جل جائیں۔" اس سے ظاہر ہوا کہ اسرافیل آسمانوں پر ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے اوپر ہے اور اسرافیل اور ذات الٰہی کے درمیان نور کے پردے ہیں جہاں تک کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ حدیث مذکور سے پہلے ایک حدیث مشکوۃ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جبرائیل سے دریافت کیا کہ کیا آپ نے کبھی خدا رب العالمین کو دیکھا ہے؟ تو جبرائیلؑ یہ سن کر کانپ گئے اور فرمایا۔ ان بینی وبینه سبعین حجابا من نور لودنوت من بعضها لاحترقت۔ یعنی میرے درمیان اور خدا تعالیٰ کے درمیان ستر (ہزار) پردے نور کے ہیں اگر نزدیک ہو جاؤں ان میں سے کسی کے ذرہ کے برابر تو فوراً جل جاؤں۔

اس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور ہیبت صاف نمایاں ہے کہ وہ کائنات کے اندر نہیں ہے بلکہ بائن و مبائن اور وراء الوراء ہے۔ اس کے اور مخلوقات کے مابین ستر

ہزار پردے نور کے ہیں۔ پس بڑے نادان ہیں وہ لوگ جو ہر جگہ ذات الٰہی کو کہتے ہیں' مسجد میں اور مندر میں' کعبہ میں اور بت خانے میں' کنجرخانہ اور شراب خانہ میں اور بعض ہر چیز میں ذات الٰہی کو بتاتے ہیں۔ انسان میں' حیوان میں' درندہ' چرندہ اور پرندہ میں بلکہ سور و کتے میں۔ معاذ اللّٰہ واستغفراللّٰہ۔ تعالی اللّٰہ عن ذالک علوا کبیرا۔ اصل بات یہ ہے' وما قدروا اللّٰہ حق قدرہ۔ ان لوگوں نے خدا کی قدر اور اس کی عظمت نہیں پہچانی۔

حدیث معراج میں ہے کہ آنحضرت ﷺ چھٹے آسمان پر گئے تو موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی' پھر حضور ﷺ آگے گزر گئے اور سدرۃ المنتھیٰ پر پہنچے جہاں جا کر خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے پھر پچاس نمازیں آپ کو عطا ہوئیں جن کو لے کر دربار الٰہی سے رخصت ہوئے تو چھٹے آسمان پر موسیٰؑ سے واپسی کے وقت پھر ملاقات ہوئی تو حضرت موسیٰؑ نے سوال کیا کہ کیا حکم لے کر واپس تشریف لائے ہو؟ تو آپ نے ۵۰ نمازوں کا ذکر کیا۔ حضرت کلیم اللّٰہؑ نے اپیل کرنے کا مشورہ دیا کہ میں نے لوگوں کا تجربہ کیا ہے اور علاج کیا ہے' وہ اتنی نمازیں نہیں پڑھ سکیں گے۔ یہ نمازیں زیادہ ہیں۔ تب آپ واپس ہوئے اور دربار الٰہی میں پہنچ کر اپیل کی۔ تو دس کم کر دی گئیں پھر چالیس لے کر واپس آئے تو موسیٰؑ نے پھر واپس کر دیا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں "فلم ازل ارجع بین ربی وبین موسیٰ" یعنی میں ہمیشہ آمدورفت کرتا رہا درمیان اپنے رب کے اور موسیٰؑ کے یہاں تک پانچ نمازوں کا قطعی فیصلہ ہوا۔

اس دلیل سے قطعی طور پر ثابت ہوا کہ اللّٰہ تعالیٰ فوق الفوق ہے۔ حضور ﷺ کو بار بار وہاں جانا پڑا۔ اگر ذات الٰہی ذات محمد ﷺ کے اندر ہی ہوتی تو وہیں اپیل کر کے بات چیت طے کر لی جاتی۔ اوپر جانے کی ضرورت نہ تھی اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ ذات محمد ﷺ ذات خدا سے جدا ہے کہ دونوں کی الگ الگ گفتگو ہوئی۔ ایک عابد تھا اور دوسرا معبود تھا۔ ایک آمر تھا اور دوسرا مامور تھا۔ ایک مالک تھا اور دوسرا عبد مملوک تھا۔ ایک ہمیشہ زندہ رہنے والا حی قیوم تھا اور دوسرا ایسا زندہ تھا کہ آخر۔ بمصداق "انک میت" وفات پا کر ملاء اعلیٰ میں پہنچے۔ پس ہر دو میں عینیت نہیں بالکل غیریت ہے۔ عینیت کا مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ دو مفہوموں کا مصداق ہر طرح سے ایک ہو کہ ان

میں کوئی فرق نہ ہو۔ جیسے انسان اور حیوان ناطق کا مصداق ایک ہے' کوئی تغایر ظاہر نہیں ہے اور غیریت یہ کہ دو چیزوں میں تغایر اور امتیاز ہو اور دو مفہوموں کا مصداق ایک چیز نہ ہو جیسے انسان اور جن بشر' اور فرشتہ باہم مغائر ہیں۔ عینیت اور غیریت کی یہی مراد شرعاً اور عرفاً ہے۔ پس اس بنا پر اللہ تعالیٰ اور محمد ﷺ دونوں غیر غیر ہیں اور ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ اللہ خالق اور قدیم ازلی بالزمان کل شئی ھالک کے مصداق ہیں۔ حضور ﷺ سو کر غافل ہو جاتے تھے کہ ایک دن صبح کی نماز قضا ہوئی لیکن اللہ تعالیٰ کی صفت یہ ہے کہ لا تاخذہ سنۃ ولا نوم۔ حضور ﷺ اپنی بیویوں سے جماع کرتے رہے اور اولاد ہوئی لیکن اللہ تعالیٰ کی صفت یہ ہے کہ ما اتخذ صاحبۃ ولا ولدا○ اسی طرح حضور ﷺ کھاتے پیتے تھے' پیشاب پاخانہ کرتے تھے مگر اللہ تعالیٰ ان سب خواص مخلوق سے پاک ہے۔ حضور ﷺ ۶۳ سال عمر گزار کر فوت ہوئے اور آپ کو بچپن' جوانی اور بڑھاپے میں سب نے دیکھا مگر اللہ تعالیٰ کے بارے میں قرآن کریم کا اعلان ہے کہ لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار - خدا تعالیٰ کو کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ ستر ہزار نور کے پردہ میں ہے دیکھنے کی تاب کون لا سکتا ہے' پھر حضور ﷺ "انک میت" اور "کل من علیھا فان" کے مصداق ہو کر زمین میں مدفون ہوئے اور اللہ تعالیٰ عرش معلیٰ پر مستوی ہے "الآن کما کان" وہ حوادث سے پاک ہے' پھر یہ کہنا کہ اللہ سے نبی جدا نہیں ہے' سراسر جھوٹ' جہالت' ضلالت اور صاف بے ایمانی ہے۔ ہم ان سے دریافت کرتے ہیں کہ حدیث میں ہے کہ جب کوئی انسان اپنی عورت سے جماع کرتا ہے اور قضائے حاجت کے لیے جاتا ہے تو فرشتے کراماً" کاتبین اس سے جدا ہو جاتے ہیں۔ جب حضور ﷺ جماع کرتے اور بیت الخلا جاتے تو فرشتے ازراہ ادب و حیا آپ سے جدا ہو جاتے تھے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو ثبوت درکار ہے۔ اگر اثبات میں ہے تو اللہ تعالیٰ کی ذات سب سے زیادہ حیا والی ہے۔ وہ پاس کس طرح ہو سکتی ہے؟ جب اتصال ذاتی نہیں تو انفصال سے تناقض ظاہر ہے کہ دونوں کا ایک محل میں جمع ہونا محال ہے یعنی عینیت باطل ہے اور غیریت ثابت ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ مخلوق پرستوں کا گروہ غلط عقائد سے بھرپور ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ لوگ حضور ﷺ کو ظلی خدا ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں جو سراسر باطل عقیدہ ہے۔ فقط

ابوعبدالشکور عبدالقادر عارف حصاری

صحیفہ اہلحدیث جلد ۳۰' شمارہ ۱۴ تا ۱۵' بمطابق ۱۶ جمادی الثانی تا ۱۴ رجب سنہ ۱۳۷۹ھ

نبی اکرم ﷺ کو "مختار کل" وغیرہ کہنے کا حکم

بعض لوگ جناب نبی اکرم ﷺ کا اسم گرامی تحریروں و تقریروں میں یوں لکھتے اور بولتے ہیں "سرکار دو عالم" "بادشاہ دو جہاں" "مختار کل" بعض کہتے ہیں ۔

گر خدا پکڑے تو چھڑائے محمدؐ

محمدؐ دے پکڑے نوں چھڑا کوئی نہیں سکدا

یہ کلمات ازروئے شریعت اسلامیہ درست نہیں' بعض میں شائبہ شرک پایا جاتا ہے۔ نیز صریح نصوص قرآن مجید کے خلاف ہیں۔ سورہ انفطار کے آخر میں ہے: "یوم لاتملک نفس لنفس شیئا والامر یومئذ للّٰہ" یعنی "قیامت کا دن ایسا سخت ہو گا کہ اس دن کوئی نفس کسی نفس کا کچھ بھی اختیار نہ رکھے گا اور حکومت اور اختیار اس دن صرف اللہ ہی کے قبضہ میں ہو گا۔" سورہ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ کی یہ صفت مذکور ہے: "ملک یوم الدین" کہ "اللہ عزوجل مالک ہے روز جزاء کا" روز جزاء کی تخصیص اس لیے ہے کہ دنیا میں ملکوں کے بادشاہ' عارضی طور پر مالک ہو جاتے ہیں۔ نواب' رئیس' خواص و عوام' زمینوں جائیدادوں اور دیگر کم و بیش چیزوں کے مالک بنے ہوئے ہیں جو اپنی مملوکہ چیزوں پر اختیار رکھتے ہیں۔ اگرچہ حقیقی مالک بروئے آیت: "بیدہ الملک" کہ "ملک اللہ کے قبضہ میں ہے" "للّٰہ ما فی السموات وما فی الارض" کہ "آسمانوں' زمینوں کی سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے ملک میں ہیں۔" لیکن ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو کچھ نہ کچھ دے کر مالک بنا رکھا ہے۔ جب قیامت کا دن ہو گا تو اس دن کوئی شخص بادشاہ ہو یا نبی' ولی ہو یا فرشتہ یا جن رائی برابر چیز کا مالک اور مختار نہ ہو گا' سب اختیار ظاہری و باطنی صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ اور قبضہ میں ہو گا۔ سورہ مریم میں ہے: "ان کل من فی السموات والارض الا آتی الرحمٰن عبدا" یعنی "نہیں ہے کوئی شخص بیچ آسمانوں کے اور زمین کے مگر آئے گا رحمٰن کے پاس خادم ہو کر۔" نیز فرمایا: "کلھم آتیہ یوم القیامۃ فردا" یعنی "قیامت کے دن سب آنے والے اللہ تعالیٰ کے سامنے اکیلے اکیلے پیش ہوں گے۔"

بہرحال قیامت کے دن صرف اللہ تعالیٰ کی حکومت اور اس کا اختیار ہو گا اور کسی کا ذرہ بھر بھی اختیار نہ ہو گا۔ قرآن ناطق ہے: "لمن الملک الیوم" پھر اس کا جواب خود ہی اللہ تعالیٰ نے یہ دیا ہے: "للّٰہ الواحد القھار" کہ "ملک اور سب چیز صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہو گی" پس کسی نبی اور ولی کو قیامت کے دن کا سرکار کہنا اور بادشاہ دو جہان کہنا یا مالک دو جہان کہنا یا مختار کل کہنا سخت گناہ بلکہ خدشہ شرک کا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے تمام خاندان کو مخاطب کر کے یہ اعلان فرمایا: "یابنی ھاشم انقذوا انفسکم من النار لا املک لکم من اللّٰہ شیئا" یعنی "اے اولاد ہاشم! آج دنیا میں تم اپنی جانوں کو نار جہنم سے بچانے کی عملی کوشش کر لو مجھ پر بھروسہ مت کرو کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے بچانے کا کوئی اختیار نہیں رکھتا۔" (ابن کثیر جلد۔۴، ص۔۳۸۳)

نیز صحیح مسلم جلد۔۲، ص۔۱۳۳ میں ایک طویل حدیث ہے جس میں خائنوں اور چوروں کا ذکر ہے کہ وہ مال یا جانور اپنی گردن پر اٹھا کر عدالت الٰہی کی طرف جا رہے ہوں گے اور ان میں سے ہر ایک نبی کریم ﷺ کے پاس سے گزرے گا تو یہ کہے گا: "یارسول اللّٰہ اغثنی فا قول لا املک لک شیئا قد ابلغتک" یعنی "اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ میری فریاد سنئے (اور اس نازک حالت میں میری مدد کیجئے) جناب رسول اللہ ﷺ ہر ایک کو یہ جواب دیں گے کہ میں تیری امداد کرنے کا کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ میں تو دنیا میں احکام الٰہی سنا کر تم پر اپنی تبلیغ سے حجت قائم کر چکا ہوں۔" یہ تو آخرت ہے جس دن کوئی ذرہ بھر بھی اختیار نہ رکھے گا، سب انبیاء، اولیاء خالی ہاتھ عاجزانہ صورت میں درگاہ الٰہی میں کھڑے ہوں گے۔ دنیا میں بھی آنحضرت ﷺ نے "غوث اعظم" ہونے سے انکار کر دیا تھا۔ چنانچہ حدیث میں ہے: "انہ کان فی زمن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم منافق یوذی المؤمنین قال بعضھم قوموا بنا لنستغیث برسول اللّٰہ من ھذا المنافق فقال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم انہ لا یستغاث بی انما یستغاث باللّٰہ" یعنی "نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں ایک منافق شخص تھا جو مومنوں کو بہت ستایا کرتا تھا" بعض مومنوں نے کہا کہ چلو ہم اس منافق موذی کے بارہ میں جناب رسول اللہ ﷺ سے استغاثہ کریں۔ چنانچہ وہ رسول

اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے استغاثہ کیا' تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے استغاثہ نہیں کرنا چاہیے۔ استغاثہ صرف اللہ تعالیٰ سے ہی کرنا چاہیے۔" ان دلائل سے ثابت ہوا کہ دنیا میں آپ غوث اعظم اور مختار کل نہ تھے تبھی تو آپ کے دانت مبارک شہید ہوئے اور آپ زخمی بھی ہوئے۔

بخاری شریف میں ہے کہ صفوان و سہیل وغیرہ جب کافر تھے تو آپ کو شدید تکلیف دیتے تھے تو آپ ان پر بددعاء کرتے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "لیس لک من الامر شئی او یتوب علیھم او یعذبھم فانھم ظالمون" یعنی "آپ کو اس امر میں مداخلت کرنے کا کوئی اختیار حاصل نہیں ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو توبہ کی توفیق دے دے یا عذاب کرے کہ وہ واقعی ظالم ہیں۔"

چونکہ آنحضرت ﷺ کو علم غیب نہ تھا اور اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے۔ آخر وہ لوگ صفوان و سہیل وغیرہ مسلمان ہو گئے تھے۔ اس سے اہل بدعت مشرکوں کے دو عقیدے باطل ہو گئے۔ ایک یہ کہ آنحضرت ﷺ عالم الغیب ہیں اور دوسرا یہ کہ آنحضرت ﷺ مختار کل ہیں' یہ دونوں عقیدے خلاف قرآن اور شرک ہیں۔ پس جب دنیا میں جہاں کہ ہر انسان کو اس کی حیثیت کے مطابق کچھ اختیارات حاصل ہیں' آنحضرت ﷺ کو جو افضل المخلوقات ہیں کلی اختیارات حاصل نہ ہوئے تو قیامت کے دن کیسے حاصل ہو جائیں گے' جس دن کہ سب کائنات میدان حشر میں بے اختیار ہو گی۔ خصوصاً جزا و سزا کے بارہ میں۔ چنانچہ سورہ زمر میں ہے: "افمن حق علیه کلمة العذاب افانت تنقذ من فی النار" یعنی "کیا پس جس شخص پر کسی گناہ کی پاداش میں فرد جرم لگ چکی اور وہ جہنم رسید ہوا تو کیا آپ اس کو جہنم سے نکالنے کا اختیار رکھتے ہیں؟" (ہرگز نہیں الا باذن اللہ)

ان دلائل واثقہ سے ان کلمات کفریہ مذکورہ کی بخوبی تردید ہو گئی ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان کو ایسے کلمات سے اجتناب کرنا واجب ہے۔

باقی رہا مسئلہ شفاعت نبوی ﷺ کا تو اس سے کسی مسلمان کو انکار نہیں ہے۔ وہ اپنے مقام پر حق اور صحیح ہے' بلکہ ہر کہ شک آرد کافر گردد' لیکن وہ شفاعت اپنے اختیار سے نہیں بلکہ باذن الٰہی ہو گی۔ چنانچہ آیۃ الکرسی میں ہے: "من ذا الذی

یشفع عندہ الا باذنہ" یعنی "کون شخص بارگاہ الٰہی میں سفارش کرنے کی جرات کر سکتا ہے' مگر اذن الٰہی سے۔" یہ سلسلہ بھی لوگوں کے حساب کتاب ہونے کے بعد سزا ملنے اور دوزخ میں جانے کے بعد ہو گا۔ ہاں شفاعت عامہ حساب سے پہلے باذن الٰہی ہو گی جس سے حساب خلائق کا شروع ہو جائے گا۔ قرآن سورہ نبا میں ہے: "لا یتکلمون الامن اذن لہ الرحمٰن وقال صوابا" یعنی "نہ کلام کریں گے اس دن کوئی بھی مگر جس کو اللہ تعالیٰ نے اذن دیا اور اس نے درست اور اچھی بات کہی۔" مشکوۃ کے باب الحساب میں یہ حدیث ہے کہ ایک دن حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا آگ دوزخ کو یاد کر کے رو رہی تھیں اور سخت خوف لاحق تھا۔ پس فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اے عائشہ کس سبب سے رو رہی ہے؟ فرمایا حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہ یاد کیا میں نے آگ دوزخ کو اور روئی اس کے عذاب کے خوف سے' پھر عرض کیا جناب! کیا آپ اپنے اہل و عیال کو دن قیامت کے یاد رکھیں گے؟ پس فرمایا رسول اللہ ﷺ نے قیامت کے دن تین مقام ایسے ہیں کہ نہیں یاد کرنے گا کوئی کسی کو۔ ایک عندالمیزان' دوم وقت دینے اعمال ناموں کے' تیسرا پل صراط کے وقت جب کہ رکھا جائے گا اوپر دوزخ کے۔"

پس ثابت ہوا کہ قیامت کو کسی شخص' نبی' ولی' بزرگ کو سرکار یا مالک بنا کر کلی اختیارات نہیں دیئے جائیں گے۔ اس کی مزید تائید مندرجہ ذیل حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ کنزالعمال جلد۔۷' ص۔۲۱۰ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً" روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ میری امت کا حساب قیامت کو میرے سپرد کر دیں تاکہ میری امت اپنے جرائم میں دیگر امتوں کے سامنے شرمسار اور بدنام نہ ہو' پس اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کا حساب تو میں خود ہی لوں گا' اگر ان کی کوئی لغزش ہو گی تو اس پر پردہ ڈال دوں گا' تجھے بھی آگاہ نہ کروں گا کہ تیری امت تیرے سامنے بھی شرمسار نہ ہو۔" نیز یہی حدیث منتخب کنزالعمال برحاشیہ مسند احمد جلد۔۵' ص۔۳۳۱ میں انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً" مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ اے میرے معبود اور آقا! میری امت کا حساب میرے اختیار میں دے دیجئے تاکہ ان کے گناہوں پر دوسرے لوگ آگاہ نہ ہوں۔ اللہ

تعالیٰ نے فرمایا اے محمد! ﷺ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا' کیونکہ وہ میرے بندے ہیں' تیرے نہیں ہیں۔ میں تجھے ان کے گناہوں سے آگاہ کرنا نہیں چاہتا۔"

محدثانہ اصول سے یہ روایات خواہ کیسی ہوں' لیکن عموم قرآن و حدیث ان کا موید ہے اور حنفیہ کے ایک عالم سید غوث علی صاحب پانی پتی کی کتاب تذکرہ غوثیہ میں یہ روایات درج ہیں۔ (ص-۲۰۹ تا ص-۲۱۲)

اس کتاب کی تصدیق مولوی عبدالغفور سابق خطیب جامع مسجد وزیر آباد نے کی ہے۔ (دیکھیے اخبار الفقیہ امرتسر مطبوعہ ۲۱-۲۸ جنوری ۱۹۳۵ء)

خلاصہ بحث یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو "سرکار دو عالم" اور "مختار کل" اور "بادشاہ دو جہاں" قرار دینا غلط' باطل ہے اور خلاف قرآن و حدیث ہے۔

قرآن کریم کی صریح آیت ہے: "قل لا املک لکم ضرا ولا رشدا" (سورہ جن) یعنی "اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ لوگوں کو کہہ دیں کہ میں تمہارے نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہوں۔" آنحضرت ﷺ نے بھی لوگوں کو فرما دیا: "لا املک لکم من اللّٰہ شیئا" یعنی "میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کا مختار و مالک نہیں ہوں۔" (حدیث)

جب قرآن و حدیث کا متفقہ بیان ہو گیا تو پھر اس کے خلاف کہنے کو گمراہی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ مشکوۃ کے ص-۴۰۷ میں عبداللہ بن مسعود کے حوالے سے روایت ہے کہ ایک بار جناب رسول اللہ ﷺ نے ہم کو مدینہ کے قریب ہی پیدل بھیجا تاکہ ہم کفار سے جنگ کر کے مال غنیمت حاصل کر کے لائیں۔ چنانچہ ہم چلے گئے' لیکن مال غنیمت سے بالکل محروم رہے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی فراست سے ہمارے چہروں کو دیکھا تو اندازہ کر لیا کہ مشقت بہت اٹھائی ہے اور محروم رہے' تب ہمارے درمیان کھڑے ہو کر آپ نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعاء فرمائی: "اللّٰھم لا تکلھم الی فاضعف عنھم ولا تکلھم الٰی انفسھم فیعجزوا منھا ولا تکلھم الی الناس فیستا ثروا علیھم" (الحدیث) یعنی "اے اللہ تعالیٰ ان کو میرے سپرد نہ کر کہ میں ان کی نگرانی بوجہ کمزوری کے نہیں کر سکتا اور نہ ان کو ان کے نفسوں کے سپرد کرنا کہ وہ بھی اپنی حفاظت سے عاجز ہیں اور نہ لوگوں کے سپرد کرنا کہ وہ خود کو ان پر ترجیح دیں

گے۔"

اس حدیث سے صاف ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی امت کی حفاظت کا اختیار نہ رکھتے تھے' جب دنیا میں عاجز رہے تو قیامت کو سب پر کل مختار بن کر حفاظت کرنے کی طاقت اور وسعت کہاں سے آجائے گی؟ یہ قدرت کاملہ صرف اللہ تعالیٰ کو ہی حاصل ہے جس کا یہ ارشاد ہے: "ان اللّٰہ علیٰ کل شئی قدیر" یعنی "اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر مطلق ہے۔ سورہ زمر کی آیت: "وما قدروا اللّٰہ حق قدرہ" کی تفسیر میں حافظ امام ابن کثیر نے طبرانی کی معجم کبیر سے ایک حدیث نقل کی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ابومالک اشعری رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (حدیث قدسی) کہ تین چیزیں میں نے اپنے بندوں سے غائب کر رکھی ہیں۔ اگر ان کو کوئی دیکھ پائے کبھی برا کام اور گناہ نہ کرے۔ ایک یہ کہ اگر میں اپنی ذات سے پردہ (حجاب) دور کر دوں تو مجھے دیکھ کر سب ایمان لے آئیں اور یقین کر لیں اور یہ جان لیں کہ میں جب اپنی مخلوق کے حساب کے لیے آؤں گا تو کیا کروں گا' ساتوں آسمانوں کو دائیں مٹھی میں اور ساتوں زمینوں کو بائیں مٹھی میں لے کر کہوں گا "انا الملک من ذالذی لہ الملک" کہ "آج میں ہی اکیلا بادشاہ ہوں' اور کون ہے کہ میرے سوا اس کے قبضہ میں ملک ہو؟" پس اگر میں لوگوں کو جنت کا مشاہدہ کرا دوں اور جو کچھ اس میں بہترین نعمتیں ہیں تو یقین کر لیں کہ ٹھیک جنت موجود ہے اور اگر دوزخ کا معائنہ کرا دوں اور اس میں جو عذاب تیار کر رکھے ہیں' دکھا دوں تو ان کو دوزخ کا حق یقین حاصل ہو جائے' لیکن میں نے عمداً" یہ تین چیزیں پوشیدہ کر رکھی ہیں۔ اور ان کا بیان قرآن میں لوگوں کے لیے کر دیا ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ کون ان چیزوں پر ایمان بالغیب لاتا ہے اور کون میرے احکام کی تعمیل و پیروی کرتا ہے۔"

اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ قیامت کے دن حکومت صرف اللہ تعالیٰ کی ہو گی وہی سرکار دو عالم ہے' دوسرا نہیں ہے۔ دوسرے کسی کو اس میں شریک گرداننا شرک ہے۔ قرآن مجید میں ہے: "ان الحکم الا للّٰہ" یعنی "حکم تکوینی اور شرعی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا نہیں ہے۔" اور فرمایا: "ولا یشرک فی حکمہ احداً" یعنی "اللہ تعالیٰ اپنی حکومت اور حکم میں کسی کو شریک نہیں رکھتا۔" علاوہ ازیں "سرکار" کا اطلاق

دربار شاہی، عدالت اور بارگاہ پر ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ ہے جو تمام خلقت انبیاء اور ان کی امتوں کا حساب لے گا اور عدالت قائم کرے گا۔ سورہ زمر میں ہے: "واشرقت الارض بنور ربها ووضع الكتاب وجآى بالنبيين والشهداء وقضى بينهم بالحق وهم لا يظلمون" یعنی "اللہ تعالیٰ فیصلوں کے لیے ظہور فرمائے گا اور جلوہ افروز ہو گا تو تمام حشرگاہ نورانی اور روشن ہو جائے گی اور عدالت سرکار عالی کی شروع ہو جائے گی، ہر شخص کی کتاب اعمال پیش ہو گی اور تمام انبیاء کو مع ان کی امتوں کے حاضر کیا جائے گا اور وہ ملائکہ کراما" کاتبین اعمال نامے لکھتے رہے ہیں ہر شخص کی مسلیں لے کر پیش ہوں گے اور ہر ایک کا حق اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا، کسی پر ظلم نہ کیا جائے گا۔" اور فرمایا: "والوزن يومئذ الحق" یعنی "اعمال کا تولنا اس دن برحق ہے۔" اور سورہ اعراف میں ہے: "فلانسئلن الذين ارسل اليهم ولنسئلن المرسلين" یعنی "اللہ تعالیٰ نے فرمایا پس البتہ سوال کریں گے اور حساب لیں گے ان لوگوں کا جن کی طرف ہمارے پیغمبر بھیجے گئے اور حساب لیں گے ہم اور سوال کریں گے تمام مرسلوں سے جو لوگوں کی طرف بھیجے گئے تھے۔" ان آیات بینات سے اہل انصاف معلوم کر سکتے ہیں کہ قیامت کے دن سرکار کون ہو گا؟

کتبہ عبدالقادر الحصاری

الاعتصام لاہور جلد ۲۷، شمارہ ۱۵، ۱۶، ۱۷، بمطابق ۷ و ۱۴ و ۲۱ نومبر ۱۹۷۵ء

سرکار دو عالم کون ہے؟

سوال ـــــ کیا ہے حکم شریعت اسلامیہ کا اس مسئلہ میں کہ اکثر حنفیہ اور بعض نام نہاد قلیل العلم اہل حدیث آنحضرت رسول اللہ ﷺ کو سرکار دو عالم کا لقب دیتے ہیں زبان سے بولتے ہیں اور قلم سے لکھتے ہیں اور اس پر عقیدہ رکھتے ہیں؟ کیا جناب رسول اللہ ﷺ فی الواقع سرکار دو جہاں ہیں؟ اگر ہیں تو ملکوں میں بادشاہوں' راجاؤں' نوابوں' حکام کی عدالتیں کیوں قائم ہیں؟ اور سورہ فاتحہ میں "مالک یوم الدین" کیوں وارد ہے؟ شرعی دلائل سے جواب عنایت فرمائیں' مہربانی ہو گی۔

(السائل محمد سرفراز خاں متعلم ہائی سکول بورے والہ)

الجواب بعون الوہاب ـــــ الحمدللہ رب العالمین' اما بعد فاقول وباللہ التوفیق واضح ہو کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "اتقوا ھذا الشرک فانه اخفی من دبیب النمل" کہ تم اس شرک سے بچو کہ یہ چیونٹی سے بھی پوشیدہ طور پر انسان پر چڑھ جاتا ہے۔ چنانچہ اس دور حاضرہ میں اکثر لوگوں کے عقائد و اقوال و افعال میں شرک سرایت کر رہا ہے اور وہ لوگ اپنے آپ کو کلمہ گو مومن تصور کرتے ہیں' حالانکہ حقیقت میں وہ مشرک ہیں۔ چنانچہ قرآن میں رحمان کا فرمان واجب ایقان یہ ہے: "وما یؤمن اکثرھم باللہ الاوھم مشرکون" (یوسف) کہ اکثر لوگ مومن کہلانے والے مشرک ہیں اور حدیث نبوی سے بھی اس کی تصدیق پائی جاتی ہے جو مشکوٰۃ میں ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا "لا یبقٰی من الاسلام الا اسمه" کہ لوگوں میں اسلام برائے نام رہ جائے گا' حقیقت میں وہ مسلمان نہ ہوں گے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا فرمان اس کی تائید کرتا ہے کہ ایک زمانہ آئے گا کہ مسجدوں میں لوگ جمع ہوں گے لیکن ان میں مومن کوئی نہ ہو گا۔ (مستدرک حاکم جلد-۲' ص-۴۴۲) سو قریباً یہ وہی شرالزمان ہے جس میں شرک وباء کی طرح پھیل رہا ہے۔ چنانچہ جو لقب سوال میں سائل نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ سرکار دو عالم یا سرکار دو جہاں ہیں شرکیہ ہے' کیونکہ یہ لفظ فارسی ہے اردو میں یہ لفظ دربار شاہی یا عدالت بارگاہ پر بولا جاتا ہے اس لیے سرکار دو عالم اللہ رب العالمین مالک یوم الدین ہے۔ چنانچہ قرآن

ناطق ہے "لہ ملک السموت والارض" کہ تمام آسمان و زمین اللہ تعالیٰ کا ملک ہے۔ پس جس کا ملک ہے وہی بادشاہ ہے اور سرکار ہے ظاہر اور باطن میں اسی کا حکم نافذ ہے۔ اسی کا علم اور قدرت اور حکم تمام کائنات کو محیط ہے۔ "یدبر الامر من السماء الی الارض" عرش معلی اپنے تخت سے تمام کائنات میں جملہ امور کی تدبیر کرتا ہے اس کا نظام قائم ہے۔ "یفعل مایشاء" اس کی شان ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے' "واللّٰہ غالب علی امرہ" اپنے حکم نافذ کرنے پر وہ غالب ہے۔ "واللّٰہ یحکم لامعقب لحکمہ" اللہ تعالیٰ اپنی کائنات اور سلطنت میں حکم نافذ کرتا ہے' کوئی شخص اس کے حکم کو لوٹانے والا نہیں ہے۔ "ولا یشرک فی حکمہ احدا" اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا' دنیا میں جو بادشاہ' راجے' نواب' صدر وغیرہ ہیں یہ عارضی سرکاریں اور حکومتیں ہیں اور عطیہ الٰہی ہیں اور محدود وقت تک ہوتی ہیں۔ قرآن ناطق ہے "ثم جعلناکم خلائف فی الارض من بعد ھم لننظر کیف تعملون" کہ ہم نے تم کو یکے بعد دیگرے زمین میں خلافت اور حکومت بخشی تاکہ ہم تمہارا امتحان کریں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ پھر یہ سب ہلاک ہو جائیں گے اور ایک ہی حقیقی بادشاہ اور سربراہ رہ جائے گا۔ چنانچہ ارشاد ہے "کل شئی ھالک الاوجھہ" بس وہی خالق جہاں مالک دو جہاں ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب آسمانوں اور زمینوں کو اور جملہ مخلوقات کو اپنی مٹھی میں لے لے گا اور یہ فرمائے گا کہ کہاں ہیں وہ بادشاہ حکومتیں کرنے والے پھر خود فرمائے گا کہ بس میں ہی اکیلا بادشاہ ہوں باقی سب فنا ہو چکے۔ تفسیر ابن کثیر زیر آیت سورہ زمر "والارض جمیعا قبضتہ یوم القیامۃ والسموات مطویات بیمینہ" (الآیہ) اس کی تفسیر ملاحظہ فرمائی جائے۔ جب یوم حشر ہو گا اور اللہ تعالیٰ عرش پر استواء فرمائے گا تو تمام کائنات آسمانوں زمینوں کی' ملائکہ' انبیاء' اولیاء' بادشاہ دنیا کے حکام' راجے' نواب اور دیگر خاص و عام دربار الٰہی میں غلامانہ صورت میں حاضر ہوں گے' جیسے قرآن میں یہ ارشاد الٰہی ہے: "ان کل من فی السموات والارض الا آتی الرحمٰن عبدا" اور پارہ-۱۶ کے اسی مقام پر یہ فرمان الٰہی ہے: "وکلم آتیہ یوم القیامۃ فردا" یعنی تمام مخلوق قیامت کے اللہ تعالیٰ کے شاہانہ دربار میں اکیلی اکیلی پیش ہو گی' کوئی لشکر جرار اور ان کے انصار اور یار غار

اور رشتہ دار' مددگار ساتھ نہ ہوں گے۔ سب بادشاہیاں سرکاریں دنیوی ختم ہو جائیں گی وہ دن ایسا ہو گا کہ "یوم لا تملک نفس لنفس شیئا والامر یومئذللّٰہ" یعنی قیامت کے دن کوئی شخص کسی شخص کے لیے کسی چیز کا اختیار نہ رکھے گا۔ اور حکومت اس دن خاص اللہ ہی کے لیے ہو گی۔ سورۃ فاتحہ میں "مالک یوم الدین" اللہ تعالیٰ کی صفت اس تخصیص کی مظہر ہے' کسی سرکار کا وجود اور اختیار تو کیا اس عدالت میں کسی کو بولنے کی بھی جرات نہ ہو گی۔ سورہ نبا کے آخر میں ہے: "لا یتکلمون الا من اذن له الرحمٰن وقال صوابا" یعنی سب دست بستہ کھڑے ہوں گے کسی کو بولنے کی جرات نہ ہو گی' مگر دو شرطوں سے ایک یہ کہ اس کو اللہ تعالیٰ سے اجازت حاصل ہو' دوسرا یہ کہ بولنے میں خطا نہ کرے اصول الٰہی کی رو سے درست کلام کرے اور سازوسامان سرکاری تو کیا ہونا تھا لباس بھی نہ ہو گا کہ سب ننگے پیش ہوں گے پھر اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا درجہ بدرجہ لباس پہنائے گا۔ اول حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا' پھر ہماری نبی اکرم ﷺ کو۔ اب کوئی اہل علم یا دانشمند یہ بتائے کہ سرکار دو جہاں کون ہے؟ "نبؤنی بعلم ان کنتم صادقین" یعنی جو شخص آنحضرت ﷺ کو سرکار دو جہاں کہتا ہے وہ کوئی دلیل شرعی کتاب و سنت سے پیش کرے ------- ورنہ یہ کلمہ شرکیہ ہے اور اس پر عقیدہ رکھنے والا شخص مشرک ہے۔ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حد عبدیت سے بڑھایا اور نام نہاد مسلمانوں نے آنحضرت ﷺ کو حد سے بڑھایا' حالانکہ آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا تھا کہ حدیث میں ہے جو مشکوٰۃ میں ہے: "قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم لا تطرونی کما اطرت النصارٰی ابن مریم فانما انا عبده" یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے حد سے نہ بڑھانا جس طرح عیسائیوں نے ابن مریم کو حد سے بڑھایا میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں تم اللہ کا بندہ اور اللہ کا رسول کہتے رہو۔ دیگر حدیث کنزالعمال وغیرہ میں یوں ہے: "انی لا اریدان ترفعونی فوق منزلتی التی انزلنیها اللّٰہ تعالٰی انا محمد بن عبداللّٰہ ورسوله" یعنی میں یہ نہیں چاہتا کہ تم مجھے اس مرتبہ سے زیادہ بڑھاؤ جو مرتبہ مجھے اللہ تعالیٰ نے دیا ہے' وہ یہ کہ میں محمد بن عبداللہ ہوں' اس کا رسول ہوں۔ موارد الظمآن ص-۳۴۰ میں حدیث ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے

ارشاد فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور ابن مریم علیہ السلام کو انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کی لغزش کے بدلے پکڑنا چاہے تو ہمیں سزا دے سکتا ہے' پھر بھی ہم پر اس کا کچھ ظلم نہ ہو گا۔ اب غور و فکر کرو کیا سرکار دو عالم یہ کہہ سکتا ہے۔ اور سنو! کہ مشکوٰۃ کے باب الحساب میں یہ حدیث ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ایک دن قیامت میں دوزخ کے عذاب کا تصور باندھے رو رہی تھیں؟ آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو فرمایا اے عائشہ! تو کیوں رو رہی ہے؟ تب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ حضور ﷺ دوزخ کی آگ کا تصور آیا' اس لیے رو رہی ہوں۔ اچھا آپ یہ فرمائیں کہ قیامت کے دن آپ اپنے اہل و عیال کو یاد رکھیں گے یا نہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن تین مقام ایسے ہیں جو نہایت خطرناک ہیں کہ ان موقعوں پر کوئی شخص کسی کو یاد نہ کر سکے گا۔ ایک تو میزان کے مقام پر کہ ہر ایک انسان کے اعمال کا احتساب ہو گا اور وزن کیا جائے گا کہ میزان نیک و بداعمال میں کس طرف ہلکی یا بھاری ہوتی ہے' دوسرا مقام اعمال نامے تقسیم کرنے کا ہے۔ جب یہ کہا جائے گا لوگوں کو کہ تم اپنے اعمال نامے پڑھو اور دیکھو تاکہ تم کو اپنا محاسبہ معلوم ہو جائے یہاں تک کہ جان لے ہر انسان کہ اس کا اعمال نامہ کہاں پڑا ہے۔ دائیں ہاتھ میں آیا یا بائیں ہاتھ میں پیٹھ کے پیچھے سے آیا ہے۔ تیسرا مقام پل صراط کا ہے جبکہ وہ دوزخ پر رکھا جائے گا اور لوگ اس کے اوپر سے گزریں گے۔ اور جان لے ہر شخص کہ اس پر سے گزر کر نجات پائے گا یا گزرنے کے وقت جہنم میں گر گیا۔ یہ تینوں مقام نہایت مشکل اور دشوار ہیں' کوئی شخص کسی کو یاد نہ آئے گا۔ اب غور کرنے کا مقام ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی زوجہ محترمہ کو جو سب سے زیادہ محبوب تھیں فرمایا آپ دن قیامت کے اپنے اہل و عیال کو یاد نہ رکھ سکیں گے کہ اس دن کی دہشت سے فراموش کر دیں گے۔ آنحضرت ﷺ نے روتی ہوئی خوف زدہ کو بجائے تسلی دینے اور اطمینان دلانے کے تین مقامات خطرناک کا ذکر فرما کر مزید خوف اور پریشانی میں ڈال دیا۔ کیا اب کوئی یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سرکار دو عالم ہیں۔ علاوہ ازیں مشکوٰۃ کے باب الانذار میں یہ حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے تمام قبیلوں کو خبردار کیا کہ اے اولاد مرہ بن کعب تم اپنی جانوں کو جہنم کی آگ سے بچا لو' اے اولاد کعب بن لوی

کی "انقذوا انفسکم من النار" کہ تم اپنی کوشش سے اپنی جانوں کو جہنم کی آگ سے بچا لو' اے اولاد عبد شمس تم اپنی جانوں کو آگ دوزخ سے بچا لو' اے اولاد عبد مناف تم اپنی جانوں کو جہنم کی آگ سے بچا لو' اے اولاد ہاشم تم اپنی جانوں کو آگ جہنم سے بچا لو' اے اولاد بنی عبدالمطلب تم اپنی جانوں کو جہنم کی آگ سے بچا لو' اے میری بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا تو اپنی کوشش سے اپنی جان کو جہنم کی آگ سے بچا لے پھر سب کو خطاب کر کے یہ فرمایا: "لا املک لکم من اللہ شیئا" کہ میں تمہارے لیے کوئی اختیار نہیں رکھتا کہ اللہ تم پر عذاب مسلط کرے تو میں تم کو جہنم کی آگ سے بچا لوں۔ (مسلم)

اور دیگر حدیث میں ہے کہ آپ نے اپنے چچا عباس ﷺ کو فرمایا کہ میں کسی کو عذاب الٰہی سے نہیں بچا سکتا۔ اے پھوپھی صفیہ! رضی اللہ عنہا میں تجھے عذاب الٰہی سے نہیں بچا سکتا۔ اپنی پیاری بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا کہ تو میرے مال سے جو کچھ طلب کر لے وہ میں تجھے دے سکتا ہوں' لیکن عذاب الٰہی سے بچانے کا مجھے کوئی اختیار نہیں ہے۔ ان تمام احادیث سے روز روشن کی طرح ثابت ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ نہ سرکار دو عالم ہیں اور نہ مختار کل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا سب کے لیے اٹل قانون ہے' "ان لیس للانسان الا ماسعیٰ" کہ قیامت کے دن کسی انسان کو کوئی چیز میسر نہ ہو گی ہر انسان اپنے عملوں کی جزا یا سزا پائے گا۔ سورہ بنی اسرائیل میں ہے: "ومن اراد الآخرة وسعی لها سعیها وهو مؤمن فاولئک کان سعیهم مشکورا" یعنی جو لوگ صحیح ایمان و اعتقاد کے ساتھ آخرت کی نجات کا ارادہ رکھ کر اعمال صالحہ کرتے ہیں ان کی محنت اور کوشش کی پوری قدردانی کی جائے گی۔ مسلم شریف جلد ۲' ص ۱۲ میں یہ حدیث ہے جس کو ابوہریرہ ﷺ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہماری مجلس میں کھڑے ہوئے اور یہ فرمایا کہ امانت میں خیانت کرنا نہایت جرم عظیم ہے' ایسا نہ ہو کہ میں قیامت کے دن ایسے شخص کو پاؤں جس نے اونٹ میں خیانت کی ہو اور وہ عدالت الٰہی میں بلایا گیا اور اونٹ اس کی گردن پر سوار ہو کر آواز کرتا جا رہا ہے' جب میرے پاس سے گزرے گا تو یوں کہے گا یارسول اللہ! ﷺ اغثنی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ آپ میری فریاد رسی کریں۔ میرا یہ جرم ہے جس کی پاداش میں

گرفتار ہوں' میری عدالت میں پیشی ہے تو میں اس کے جواب میں یہ کہوں گا' "لا املک لک شیئا قد بلغتک" کہ میرا تیرے لیے کچھ اختیار نہیں ہے۔ میں تجھے دنیا میں تبلیغ احکام کر کے اپنا فرض ادا کر چکا ہوں۔ اسی طرح کوئی اس حالت میں آئے گا کہ اس پر گھوڑا سوار ہو گا' وہ بھی مجھ سے فریاد کرے گا' تو اس کو بھی میں یہی جواب دوں گا' اسی طرح دیگر لوگ بجرم خیانت کردہ اموال لے کر آئیں گے اور مجھ سے فریاد کریں گے' تو میں سب کو یہی جواب دوں گا کہ مجھے تمہارے بچانے کا کوئی حق حاصل نہیں' میں تم کو تبلیغ کا حق ادا کر کے سبکدوش ہو چکا ہوں۔ پس یہ عقیدہ رکھنا کہ آنحضرت ﷺ سرکار دو جہاں اور مختار کل ہیں سراسر باطل ہے' بلکہ شرک ہے جس سے توبہ کرنا اور بچنا واجب ہے۔

باقی رہا شفاعت کا مسئلہ تو اس سے کسی کو انکار نہیں ہے۔ یہ حق ہے ہر کہ انکار کند کافر گردد' لیکن اس میں دو شرطیں ہیں' ایک یہ کہ شفیع کے لیے اذن الٰہی حاصل ہو۔ آیۃ الکرسی میں ہمیشہ مسلمان یہ پڑھا کرتے ہیں "من ذالذی یشفع عندہ الا باذنہ" یعنی کون ہے وہ شخص جو بغیر اذن الٰہی کے اللہ تعالیٰ کی عدالت میں کسی کی سفارش کر سکے۔ شفاعت کا امیدوار ہر مسلمان ہے' لیکن شفاعت پر بھروسہ رکھ کر اعمال صالحہ میں غفلت اور عصیان و بغاوت فسق و فجور پر جرات نہ کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ان یاتی یوم لا بیع فیہ ولا خلۃ ولا شفاعۃ" یعنی ایک دن ایسا آنے والا ہے اور وہ دن قیامت کا ہے اس میں نہ خرید فروخت ہو گی اور نہ دوستی کام دے گی اور نہ کسی کی سفارش چلے گی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم ﷺ کو یہ خطاب فرمایا ہے: "افمن حق علیہ کلمۃ العذاب افانت تنقذ من فی النار" یعنی کیا پس جو شخص کہ ثابت ہو گیا اس پر فرد جرم عذاب کا' کیا آپ اس کو خلاصی اور رہا کر لائیں گے جو نیچے آگ کے ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو آگاہ کر دیا ہے کہ آپ مختار کل نہیں ہیں کہ جس کو چاہیں عذاب سے رہائی دلا سکیں۔ دوسری شرط شفاعت کی یہ ہے کہ وہ اصول الٰہی کے خلاف نہ ہو' ورنہ شفاعت مسترد کر دی جائے گی۔ چنانچہ مشکوۃ باب الحشر میں ہے کہ فرمایا جناب رسول اللہ ﷺ نے کہ بعض میرے ساتھیوں میں سے پکڑے جائیں گے اور ان کو بائیں طرف لے جایا

جائے گا (جدھر دوزخ ہے) میں کہوں گا کہ یہ تو میرے اصحاب ہیں ان کو کیوں لیے جاتے ہو (ان کو چھوڑ دو) اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ وہ لوگ ہیں کہ جب آپ ان سے جدا ہو کر دنیا سے چلے گئے تھے تو یہ لوگ دین سے برگشتہ ہو گئے تھے۔ یہ سفارش کافر مرتدوں کے بارہ میں تھی جن کا آنجناب ﷺ کو علم نہ تھا اس لیے مسترد کی گئی۔ اسی طرح یہ حدیث ہے جو مسلم شریف ج-۲' ص-۲۴۹ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں حوض کوثر پر پہنچوں گا اور اپنی امت کے لوگوں کا انتظار کروں گا کہ وہ آکر پانی پئیں قسم بخدا کئی لوگ مارے شدت پیاس کے میری طرف پانی پینے کے لیے آئیں گے تو ان کو میرے پاس آنے سے روک دیا جائے گا میں کہوں گا اے رب "منی ومن امتی" اے میرے پروردگار! یہ تو میری جماعت ہے اور میری امت کے لوگ ہیں ان کو کیوں روک دیا گیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ یہ فرمائے گا "انک لا تدری ما عملوا بعدک مازالوا یرجعون علی اعقابھم" اے میرے حبیب! آپ ان کے اعمال کو نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا عمل کیے تھے' یہ لوگ اپنی ایڑیوں پر حق سے پھر گئے تھے" اس حدیث سے کئی مسائل ظاہر ہوئے۔ ایک یہ کہ آپ دنیا میں حاضر و ناظر نہ تھے۔ دوسرا یہ کہ آپ کو علم غیب نہ تھا' تیسرا یہ کہ آپ مختار کل اور سرکار دو عالم نہ تھے۔ دیگر حدیث مشکوۃ سے باب الحشر میں ہے بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بخاری کے حوالہ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کی ملاقات اپنے باپ آزر سے ہو گی جس کا بہت برا حال ہو گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کو شرم دلانے اور عبرت دلانے کے لیے کہیں گے کہ کیا میں نے آپ کو دنیا میں یہ نہ کہا تھا کہ میں جو حق تعالیٰ کی طرف سے احکام الٰہی بیان کرتا ہوں ان میں میری نافرمانی نہ کرو۔ آزر کہے گا کہ آج کے دن تو میں آپ کی نافرمانی نہ کروں گا۔ اب حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر یہ عرض کریں گے کہ اے اللہ میں آپ کا دوست ہوں' اور آپ نے مجھ سے یہ وعدہ کیا ہوا ہے کہ میں تجھے ذلیل و رسوا نہ کروں گا' جب کہ لوگ اٹھائے جائیں گے قیامت قائم ہو گی' تو آج کے دن اس سے بڑی ذلت اور خواری کیا ہو گی کہ میرا باپ اس حال بدترین میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو ٹھیک میرا دوست ہے اور میرا وعدہ بھی سچا ہے' لیکن میرا اصول یہ

ہے کہ جو آپ کو معلوم ہے: "انی حرمت الجنة علی الکافرین" کہ میں نے جنت کو کافروں پر حرام کر دیا ہوا ہے۔ باقی رہی حشر کے میدان میں آپ کی رسوائی تو اب آپ اپنے باپ کی طرف نظر کریں۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کی طرف دیکھیں گے تو وہ بجو کی شکل میں مٹی کے گوبر سے آلودہ نظر آئے گا۔ ان احادیث سے صاف ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر سرکار دو عالم کوئی بھی نہیں ہے اور جو شفاعت خلاف اصول ہو گی وہ مسترد کر دی جائے گی' اس لیے اللہ تعالیٰ جن کو سفارش کرنے کا اذن دے گا ایک تو اصول کے مطابق ہو گی کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے' وہ جانتا ہے کہ قابل شفاعت کون ہے اور کون نہیں ہے اور دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر کرنا ہے کہ میرے سوا کوئی سرکار دو عالم اور مختار کل نہیں ہے' وہی ایک خالق و مالک کائنات ہی سرکار دو عالم اور مختار کل ہے' باقی سب انبیاء اور اولیاء اس کے بندے اور غلام ہیں کچھ اختیار نہیں رکھتے۔ ہاں اپنی حد کے اندر شفاعت حق ہے۔ انبیاء' علماء' شہدا' حجاج' حفاظ قرآن' نابالغ بچے بھی شفاعت کرائیں گے اور درجہ بدرجہ نمبروار شفیع شفاعت کریں گے بلکہ ملائکہ بھی شفاعت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ شفاعت سے ہر شفیع کے درجات ظاہر کرے گا۔ شفاعت کا سلسلہ ختم کرنے کے بعد پھر خود ارحم الرحمین اپنی رحمت کے سمندر بہا دے گا جو ہاتھ بھر بھر کے دوزخیوں کو دوزخ سے نکال لے گا۔ جس کی کیفیت وہی جانتا ہے کسی کو یہاں عقل کا دخل دینے کی طاقت نہیں ہے کہ اس کی شان یہ ہے کہ "لایسئل عما یفعل وھم یسئلون" کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ چاہے کرے اس پر سوال اور اعتراض کرنے کا کسی کو کوئی حق حاصل نہیں ہے' اللہ تعالیٰ سب پر سوال اور محاسبہ کرنے کا حق رکھتا ہے۔

اس نازک مقام پر رئیس المحققین امام ابن القیم رحمہ اللہ نے بھی ہتھیار ڈال دیئے ہیں' بعض سلف سے یہ نقل کر کے کہ آخر انجام جہنم بالکل خالی ہو جائے گی اپنا رجحان بھی اس طرف کر لیا ہے' حالانکہ یہ مسلک بالکل مخدوش اور ظاہر قرآن کے خلاف ہے' کیونکہ قرآن میں کفار اور مشرکین کے بارہ میں ارشاد الٰہی وارد ہے: "خالدین فیھا ابدا" کہ وہ ہمیشہ ابد الاباد تک جہنم میں رہیں گے اور فرمایا: "وماھم بخارجین من النار" کہ وہ جہنم سے نہیں نکلیں گے۔ ایسے نصوص قطعیہ کے مقابلے میں خیالی

دلائل اور اقوال غیر اجماعی حجت نہیں ہو سکتے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ سرکار دوعالم سوائے ذات الٰہی کے دیگر کوئی شخص نہیں ہے' ہاں سردار دو عالم یا سردار دو جہاں جناب نبی اکرم ﷺ کو کہہ سکتے ہیں کہ خود آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: "انا سید ولد آدم یوم القیامة" کہ میں دن قیامت کے سب اولاد آدم کا سردار ہوں گا۔ باقی لفظ شاہنشاہ جو ایران کے بادشاہ کے لیے مدیران اخبار استعمال کرتے تھے یہ بھی ناجائز ہے کہ ملک الملوک ذات الٰہی ہے' یہ حدیث مشکوۃ کے باب الاسامی میں ہے: "اخنی الاسماء یوم القیامة عندالله رجل یسمی ملک الملوک" (رواہ البخاری) یعنی آنحضرت ﷺ نے فرمایا بدترین ناموں کا دن قیامت کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے وہ شخص ہے جس کا نام شاہنشاہ رکھا جائے۔ اصل تو یہ ہے کہ حقیقی بادشاہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں ہے تو بادشاہوں کا بادشاہ کیا ہوتا تھا۔ صرف عطائی حکومت عارضی طور پر ملی ہے آخر ختم ہو جائے گی۔ اس لیے دوسری حدیث میں ہے: "اخبثه رجل کان یسمی ملک الملوک لا ملک الا الله" یعنی بدترین وہ شخص ہے جس کا نام شاہنشاہ رکھا جائے' کیونکہ نہیں ہے کوئی حقیقی بادشاہ سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ (مسلم)

بہت لوگ باوجود علم و دانش رکھنے کے بہت ناجائز اور غلط الفاظ استعمال کرتے ہیں اور شرعاً وہ مجرم ہیں۔ مثلاً علماء کو قبلہ و کعبہ لکھتے ہیں' بلکہ کعبہ دارین بھی لکھ دیتے ہیں' جو حرام ہے۔ تعظیمی قبلہ وہی ہے جس کی طرف منہ کر کے عبادت کی جاتی ہے' جیسے ہندو و کافر کسی کو سلام کرنے کی بجائے بندگی کا لفظ بولتے ہیں جو موجب شرک ہے' کیونکہ بندگی صرف اللہ تعالیٰ کی کی جاتی ہے غیر کی بندگی شرک ہے' ایسے الفاظ وہی لوگ بولتے ہیں جن کو شرعی علم نہیں ہوتا' جہالت یا اسکولوں کی تعلیم ہوتی ہے۔ اس لیے حدیث میں آیا ہے کہ ایک زمانہ آئے گا کہ صبح کو لوگ مومن ہوں گے اور شام کو کافر اور شام کو مومن ہوں گے اور صبح کو کافر۔ "الا من احیاہ الله بالعلم" یعنی وہی اس کفر سے محفوظ رہیں گے جن کو اللہ تعالیٰ نے شرعی علم دیا ہو گا۔ (دارمی)

حررہ عبدالقادر عارف حصاری

صحیفہ اہل حدیث کراچی جلد۔۴۰' شمارہ۔۱۲' بمطابق ۱۶ جمادی الثانی ۱۳۹۹ھ

اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ ایک ذات ہیں یا دو؟

بریلوی فرقے میں ایک شخص خواجہ جلال الدین قادری ہے' جو اپنے آپ کو ننگنہ نت کلاں تحصیل وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ لکھتا ہے' اس نے ایک کتاب "بشرنامہ" لکھی ہے جس میں یہ ثابت کیا ہے کہ اللہ اور رسول' ایک ذات ہیں' دو نہیں۔ آیات الٰہی کی معنوی تحریف کی ہے اور موضوع روایات سے استدلال کیا ہے۔ یہ ص-۹ میں لکھتا ہے:

"اے طالب صادق! دیکھا پہلے اللہ اور رسول قرآن پاک اور احادیث سے ایک ثابت کر کے دکھائے جس میں کوئی شک و شبہ نہیں رہا' جو شک کرے وہ مشرک ہے۔"

ثبوت کے لیے یہ موضوع روایات لکھی ہیں:

۱۔ "انا من نور اللّٰه وكل شئى من نورى" کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' "میں اللہ کے نور میں سے ہوں اور ہر شے میرے نور سے پیدا ہوئی ہے۔" اور یہ روایت موضوع ہے۔

۲۔ "خلق صورة محمد صلى اللّٰه عليه وسلم كصورته" کہ "اللہ نے پیدا کی صورت محمد ﷺ کی مثل اپنی صورت کے۔"

ایک بریلوی شخص نے "رمزالوحدت" کتاب لکھی ہے' اس کے ص-۳۸ پر یہ لکھا ہے ۔

"انا احمد" بے میم حدیث — جو نہ مانے جان خبیث
ذات محمد ذات خدا — از ہم ہرگز نہیں جدا
ایک ہی نور ایک ہی ذات — ایک ہی اسماء ایک صفات"

کتاب رمزالوحدت ص-۴۰ پر صاف لکھا ہے ۔

"خاص عقیدہ اہل وصول' آپ ہی اللہ آپ رسول"

میم کا برقعہ کہہ پر دھو، آیا نبی محمد ہو
نور نبی اور نور خدا، ایک ہی ذات صفت سا
احمد ہے خود احد مسلم، صلی اللہ علیہ وسلم"

ایک تیسرا مشرک یہ کہتا ہے۔

"کیا فرق ہے عزیز و حضرت میں اور خدا میں
وہ بھی الہ یارو، یہ بھی الہ یارو"

پانچواں مشرک کہتا ہے۔

"ہمارا نبی تو بشر ہی نہیں! خدا ہے تجھے کیا خبر ہی نہیں
مقام اس نبی کا تو عرش بریں ہے خدا جو نہ سمجھے وہ کافر لعیں ہے

ماہ طیبہ کوٹلی لوہاراں' مطبوعہ ماہ مئی ۱۹۷۵ء میں لکھا ہے۔

"تم ذات خدا سے نہ جدا نہ خدا ہو
اللہ ہی کو معلوم ہے کیا جانے کیا ہو"

ایک اور جاہل لکھتا ہے۔

"شریعت کا ڈر ہے ورنہ صاف کہہ دوں
رسول خدا خود خدا بن کے آیا!"

اور اخبار الفقیہ امرتسر کا یہ شعر مشہور ہے جس کو حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری نے اپنے اخبار "اہلحدیث" میں کئی بار نقل کر کے اس کی تردید کی ہے۔

"وہی جو مستوی تھا عرش پر خدا ہو کر
اتر پڑا مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر"

یہ کفریات فرقہ بریلویہ کے ہیں' جو قرآن اور احادیث نبویہ و اجماع علماء اہل اسلام کے سراسر خلاف ہیں اور توحید الٰہی کے منافی صریح مشرک ہیں۔ کلمہ توحید اور تمام نصوص قرآن و حدیث ایسے عقائد رکھنے والوں کے مشرک و کافر ہونے پر ناطق ہیں۔ سورہ اخلاص جس کو عام مسلمان نمازوں میں پڑھتے ہیں' ایسے ملحدوں کے اس عقیدۂ

باللہ کی تکذیب کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ کسی کا والد ہے نہ مولود ہے' وہ وحدہ لاشریک اور بے مثل معبود ہے اور اس کا کوئی کفو نہیں ہے' اور وہ ذات قدیم ہے' اس کے برعکس ذات نبوی بشر اور عبد ہے' آپ والد بھی ہیں کہ آپ کی اولاد تھی اور مولود بھی ہیں کہ آنجناب ﷺ کے والد اور والدہ تھے اور آپ مخلوق حادث تھے' عابد تھے' معبود نہ تھے' آپ مخلوق تھے' خالق نہ تھے' اللہ تعالیٰ کھانے پینے سے بے نیاز ہے۔ نبی کریم ﷺ ماکولات کے کھانے والے اور مشروبات کے پینے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ بیوی اور زوجیت سے پاک ہے' نبی کریم ﷺ اپنی ازواج مطہرات کے خاوند تھے۔ اللہ تعالیٰ اونگھ سے اور نیند سے پاک ہے' لیکن اس کے رسول ﷺ سویا کرتے تھے اور اونگھ بھی طاری ہو جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ حوائج ضروریہ انسانی سے پاک ہے' لیکن اس کے نبی یہ حوائج رکھتے تھے اور استنجا وغیرہ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نہ بیمار ہوتا ہے اور نہ اللہ تعالیٰ پر موت آئے گی' لیکن نبی کریم ﷺ بیمار ہوئے اور اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات بے مثل ہے اور نبی کریم ﷺ کی مثل دیگر ذاتوں میں موجود ہے۔ قرآن مجید میں ہے: "انما انا بشر مثلکم" "کہ تمہاری مثل بشر ہوں۔" اور حدیث میں بھی آپ کا اپنا یہ ارشاد ہے: "انا بشر مثلکم" کہ میں تمہاری مثل بشر ہوں!"

فرقہ بریلویہ کے مشہور مفتی احمد یار بدیوانی خطیب گجرات اپنی کتاب "جاء الحق" کے ص-۱۷۸ پر یوں حق ظاہر کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں:

> "بشر مثلکم" میں تو یہ فرمایا کہ ہم تم جیسے بشر ہیں' یہ نہ فرمایا کہ کس وصف میں تم جیسے ہیں یعنی جس طرح تم محض بندے ہو' نہ خدا' نہ خدا کے بیٹے' نہ خدا کی ذات سے موصوف' اسی طرح میں عبداللہ ہوں' نہ ابن اللہ ہوں' نہ اللہ' عیسائیوں نے چند معجزات دیکھ کر عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہہ دیا' تم ہمارے معجزات دیکھ کر یہ نہ کہہ دینا' بلکہ کہنا عبداللہ و رسولہ"

اور ص-۱۷۶ میں یہ لکھا ہے:

> "انما" کا حصر اضافی ہے نہ کہ حقیقی' یعنی میں نہ خدا ہوں' نہ خدا کا بیٹا' بلکہ تمہاری طرح خالص بندہ ہوں۔"

اور صفحہ-۵۷۱ میں مفتی صاحب یہ لکھتے ہیں: "اس آیت میں کفار سے خطاب ہے چونکہ ہر چیز اپنی غیر جنس سے نفرت کرتی ہے' لہذا فرمایا گیا کہ اے کفار تم مجھ سے گھبراؤ نہیں میں تمہاری جنس سے ہوں یعنی بشر ہوں۔" مفتی صاحب کے اس بیان سے ان ملحدوں کی پوری تردید ہو گئی جو نبی کریم ﷺ کو اللہ اور اللہ کی صفات سے متصف کرتے ہیں۔ اب ان مشرکانہ خیالات رکھنے والوں کا اختلاف عقیدہ ملاحظہ کیا جائے۔ "بشرنامہ" کا مصنف آیت: "انما انا بشر مثلکم" پر یہ لکھتا ہے "کہ تحقیق میں بشر ہوں تمہارے جیسا لیکن مجھ پر وحی آتی ہے۔ اب ذرا سوچو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے نبی تو کہہ دے میں تسلؤے جیسا بشر ہوں۔ آپ نے خود نہیں فرمایا بلکہ حکم الٰہی نے کہلوایا۔"

مفتی احمد یار صاحب اپنی کتاب جاء الحق کے صفحہ-۵۷۱ میں لکھتے ہیں "بلکہ "قل" میں اس جانب اشارہ ہے کہ بشر وغیرہ کلمات تم کہہ دو ہم تو نہ کہیں گے' ہم تو فرمائیں گے "شاھدا و مبشرا (الآیہ) ہم تو فرمائیں گے "یاایھا المزمل' یاایھا المدثر" (الآیہ) وغیرہ ہم تو آپ کی شان بڑھائیں گے۔ آپ انکسارا یہ فرما سکتے ہیں۔" یعنی پہلے بریلوی نے تو کہا کہ تمہارے جیسا بشر' اللہ نے کہلوایا آپ نے خود نہیں فرمایا اور دوسرے بریلوی صاحب کہتے ہیں کہ اللہ نے نہیں کہا نبی ﷺ کو حکم دیا کہ آپ کہہ دو ہم تو نہ کہیں گے۔ دونوں میں صاف مخالفت ظاہر ہے۔ دراصل دونوں غلط کار ہیں یہ آیت بریلویوں پر مثل کوہ طور کے بہت بھاری ہے۔ اس کی تکذیب طرح طرح سے کرتے ہیں' کیونکہ یہ آیت ان کے مذہب کی جڑ کاٹتی ہے۔ چنانچہ مفتی احمد یار اپنی کتاب کے صفحہ-۱۷۸ میں لکھتے ہیں: "انما انا بشر" وغیرہ وہ آیات جو ظاہر شان مصطفوی کے خلاف ہیں۔ متشابہات ہیں' لہذا ان کے ظاہر سے دلیل پکڑنا غلط ہے۔" پھر لکھا ہے "احادیث تو فرما رہی ہیں کہ حضور علیہ السلام ہم جیسے نہیں اور اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم جیسے ہی ہیں۔" یہاں آیت اور احادیث کو باہم مخالف لکھ کر اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کو باہم ٹکرا دیا اور آیت کو جو محکم ہے متشابہ بنا دیا جو ظلم کی بات ہے پھر لطف کہ خود ہی یہ لکھ دیا کہ آنحضرت ﷺ نے کفار سے کہا تھا کہ میں تمہاری جنس سے بشر ہوں اور صفحہ-۱۸۲ میں یہ لکھا ہے کہ "عقیدہ نبی وہ انسان مرد ہیں جن کو

احکام شرعیہ کی تبلیغ کے لیے بھیجا ہے۔" اب ناظرین اہل علم! ان لوگوں کی ذہنی حالت دیکھیں کہ کبھی کوئی نبی کریم ﷺ کو اللہ بنا رہا ہے اور کبھی بشر کہہ رہا ہے اور کبھی آیت کو متشابہہ کہہ رہا ہے اور ادھر عقیدہ یہ لکھ رہا ہے کہ نبی بشر' انسان مرد ہوتے ہیں۔ اور عالی خاندان سے ہوتے۔ اور رسالہ نور کے صفحہ-۲۳ پر مفتی احمد یار صاحب نے لکھا ہے کہ "حضور ﷺ خود رب کا نور ہیں" اور صفحہ-۲۰ پر ہے "چونکہ حضور ﷺ بالکل سراپا نور تھے تو نور کا سایہ نہیں ہوتا۔" اور صفحہ-۴ پر رسالہ نور میں لکھا ہے' "حضور انور ﷺ اللہ کا نور ہیں اور تمام مخلوق حضور ﷺ کے نور سے ہے۔" اور صفحہ-۴۱ پر ایک اعتراض لکھا ہے کہ "اگر حضور ﷺ نور تھے تو حضور ﷺ کی ساری اولاد میں قیامت تک سید نور ہوتے' کیونکہ ماں باپ کے جنس سے ہوتی ہے۔ انسان کا بچہ انسان' شیر کا بچہ شیر ایسے ہی چاہیے کہ نور کی اولاد نور ہو جب سارے سید نور ہیں تو حضور ﷺ بھی نور ہیں۔" سوال تو معقول ہے۔ اب اس کا جواب سنئے۔ اس کا جواب پہلے گزرا کہ حضور ﷺ کے تمام رشتے بشریت کے ہیں نورانیت میں کسی کا کوئی رشتہ نہیں' نہ حضور ﷺ اس نورانیت میں کسی کی اولاد ہیں' نہ کسی کے والد' نہ کسی کے قرابت دار' نہ رشتے والے' عالم نورانیت تو بہت اعلیٰ ہے' کوئی روح کسی کی نسل یا اصل نہیں۔ اس لیے اولاد روحانی اوصاف میں ماں باپ کے خلاف بھی ہو جاتی ہے۔ نبی زادہ کافر' عالم کی اولاد جاہل' جاہل کی اولاد عالم ہو جاتی ہے۔ غرضیکہ ولادت بشریت کی ہے' نورانیت کی نہیں۔" اس اقتباس سے یہ ظاہر ہوا کہ آنحضرت ﷺ جسمانی نور نہ تھے' روحانی تھے۔ پس جسمانی نور ہونے کا عقیدہ باطل ہوا۔ اب آنحضرت ﷺ کو جسمانی بشر کہنا جائز ہوا' لیکن اس کے خلاف دوسرے بریلوی کا عقیدہ ملاحظہ ہو۔ رسالہ سلطان المشائخ لاہور مطبوعہ ماہ اکتوبر ۱۹۵۵ء میں یہ اشعار ملاحظہ فرمایئے۔

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا

ان اشعار سے یہ ظاہر ہے کہ نہ صرف کہ آنحضور ﷺ عین نور تھے بلکہ آپ کی سب نسل ہی نور ہے۔ اور نور کی اولاد ہوتی ہے۔ جب نور نبی اللہ تعالیٰ کا نور ہوا تو سب سید اللہ کی اولاد ہیں' حالانکہ یہ کفریہ عقیدہ ہے' کیونکہ قرآن اس پر ناطق ہے کہ

نہ اللہ تعالیٰ کسی کی اولاد ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے۔ دیگر یہ کہ اگر نبی ﷺ اللہ یا اللہ کے نور کا حصہ ہیں تو اس سے اللہ تعالیٰ کی (معاذ اللہ) مثلیث ہو گئی' یہ صریح نص قرآن کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "لیس کمثله شئی" (اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی شے نہیں ہے) اور جب نبی اللہ کا نور ہوا اور سب مخلوق نبی کے نور سے ہوئی تو اللہ تعالیٰ مخلوق کی جزو ہوا' یہ کفر ہے۔ قرآن اس پر ناطق ہے: "وجعلوا له من عباده جزءا ان الانسان لکفور مبین" (الزخرف) یعنی ان مشرکوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات کو اس کے بندوں کی جز بنا دیا ہے۔ تحقیق ایسے انسان ظاہر باہر کافر ہیں" جب ان پر فتویٰ کفر عائد ہوا تو اس عقیدہ سے بعض انکاری ہو گئے۔ چنانچہ مفتی غلام سرور بہاولپوری اپنی کتاب شاہ احمد رضا بریلوی کے صفحہ۔۱۷ میں یہ لکھتے ہیں' کہتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت کا یہ عقیدہ تھا ۔

وہ جو عرش پر مستوی تھا خدا ہو کر
اتر پڑا وہ مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر

مزید یہ رباعی ملاحظہ فرمائیں ۔

احد نے صورت احمد میں اپنا جلوہ دکھایا
بھلا پھر کس طرح سے کوئی اس کا مرتبہ جانے

چاند بدلی میں چھپا تھا مجھے معلوم نہ تھا
شکل انسان میں خدا تھا مجھے معلوم نہ تھا

اس کا جواب وہی ہے کہ "لعنة اللّٰه علی الکاذبین۔" نہ یہ اعلیٰ حضرت کا شعر ہے اور نہ ہی کسی معتبر اور ذمہ دار سنی بزرگ کا قول بلکہ یہ شعر مسلک اہل سنت کے صریح خلاف ہے۔

کتبہ عبدالقادر حصاری

الاعتصام لاہور جلد۔۲۷' شمارہ۔۳' ۵ بمطابق ۱۵ر اگست و ۲۹ر اگست ۱۹۷۵ء

فرقہ وجودیہ یا ہمہ اوستی اور ان کے مشرکانہ عقائد

پنجابی زبان میں ایک رسالہ لاہور سے شائع ہوتا ہے جس کا نام ہے "پنج دریا یا پنجابی ڈائجسٹ" اس کے ص-۱ پر بڑے فخر سے یہ لکھا ہے "حکومت پنجاب ولوں پورے صوبے دے کالجاں لئی منظور ہے۔"

اس رسالہ پنجابی مطبوعہ ماہ جنوری ۱۹۷۴ء کے ص-۳۹ تا ص-۵۱ اپنا اور صوفیہ کا مذہب "ہمہ اوست" لکھا ہے یعنی خالق و مخلوق سب ایک ہی ہیں۔ سب چیز ہی خدا ہے۔ دوسری کوئی چیز نہیں ہے۔ اس کا ثبوت نہ قرآن سے دیا ہے نہ حدیث رسول ﷺ سے' صرف اپنے پیر خواجہ غلام فرید کے اشعار لکھے ہیں۔ غلام فرید نام بھی مشرکانہ ہے جیسا کہ ہم نے اپنے مضمون شرک فی التسمیہ میں اس کو ثابت کیا ہے۔ پس اس خواجہ کے اشعار بھی ضلالت اور موہم کفر ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ و تقدیس قائم نہیں رہتی کہ سب چیزوں کو خدا کہنے یا ہر چیز میں خدا کہنے سے یہ لازم آتا ہے کہ کتے' بلی' خنزیر' گدھا' شیر' چیتا' گیدڑ' بھیڑیا' مکھی' مچھر' کیڑا' کوڑا' پاخانہ کے کیڑے وغیرہ نجس اور حرام چیزیں بھی خدا ہیں' تعالی اللہ علوا کبیرا۔ یہ تعلیم و تبلیغ رسالوں کے ذریعہ سکولوں' کالجوں میں لڑکے لڑکیوں کو دی جاتی ہے جو عیسائی تعلیم و علم سے بھی بدترین ہے کہ وہ تو تثلیث کی تعلیم دیتے ہیں اور یہ نام نہاد مسلمان تمام مخلوقات میں ذات الٰہی بنا کر لاتعداد خداؤں کی تعلیم دے رہے ہیں۔ کیونکہ مخلوقات میں تعدد پایا جاتا ہے۔ جب ہر مخلوق میں ذات الٰہی کا حلول یا وجود مان لیا تو یہ مستلزم ذات الٰہی کے تعدد کو ہے تو پس توحید قائم نہ رہی اور نہ قدوسیت قائم رہی۔ اس لیے یہ عقیدہ سراسر باطل ہے۔ چنانچہ ان کے مندرجہ ذیل اشعار سے مذہب کا باطل ہونا ظاہر ہے۔

ہر صورت وچہ یار کو جانے' غیر نہیں موجود
سب اعداد کو سمجھیں واحد' کثرت ہے مفقود
(ص-۴۳)

نیز اسی صفحہ پر یہ لکھا ہے۔

مینڈا عشق وی توں' مینڈا یار وی توں
مینڈا دین وی توں' مینڈا ایمان وی توں
مینڈا جسم وی توں' میری روح وی توں
مینڈا قلب جگر' جند جان وی توں
مینڈا کعبہ' قبلہ' مسجد' مندر' مصحف تے قرآن وی توں

معاذ اللہ! کالجوں' سکولوں کے نوجوانوں اور بچوں کے لیے یہ منظور شدہ رسالہ ہے اور ہاں اس رسالہ میں ایک عنوان ہے "لہراں" اس کے تحت سابق صدر ایوب خاں مرحوم اور یحییٰ خاں کی حماقتیں گن کر موجودہ حکومت کی خوشامد کرتے ہوئے لکھا ہے:

"قائد عوام مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے قیادت دی واگ ڈور سنبھل دیاں ای جو قدم اٹھائے نے اوہ بڑے حوصلہ افزا نے' اللہ تعالیٰ اوہناں نوں لمی حیاتی دیوے"

سوال یہ ہے کہ اگر ہر چیز (معاذ اللہ) خدا ہے تو پھر تم جس کی طویل حیاتی کے لیے دعا کرتے ہو' غور کرو کہ تمہارے باطل عقیدہ کی رو سے اس کا بھی خدا ہونا لازم آتا ہے کس خدا سے دعا کرتے ہو۔

چنانچہ ایک مقام پر لکھا ہے:

اوہ تہاڈے وچہ موجود اے   سرکار دی توں سلطان دی توں

بنابریں دعا کی تو حاجت نہ رہی۔ اس کو خدائی مختاری خود حاصل ہو گئی۔ نیز ص-۴۰ پر یہ لکھا ہے کہ "خواجہ غلام فرید نے اپنی کافیاں وچہ وحدت الوجود یا ہمہ اوست دے نظریے دی ترجمانی کیتی اے۔ سوال یہ ہے کہ جب اس ترجمانی سے ہر چیز اور ہر شخص کا خدا ہونا ثابت ہوا تو اس کا ہر کام اچھا برا خدا کا کام قرار پایا تو پھر کیوں کسی حاکم' صدر کو احمق کہتے ہو۔ نیز کیوں مرزائیوں کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہو' وہ سب خدا ہی تو ہیں۔ افسوس! ایسے کافرانہ اور مشرکانہ عقیدہ پر کہ شریعت کے جملہ احکام پر اور یوم القیامۃ کے حساب پر ان ملحدوں نے شیطانی سیلاب سے پانی پھیر دیا اور شریعت سے بالکل آزاد ہو کر برباد ہو گئے۔ چنانچہ ان کا یہ اقرار ہے

"فرماندے نیں کہ جیہڑا شخص ابن عربی دے مسلک وحدت وجود دا عامل ہووے

اوہ شریعت دی قید توں آزاد ہو جاندا اے۔"

ٹھپ فقہ اصولی عقائد توں' رکھ ملت ابن عربی دی
عاشق مست سلام ملا ہی' کہ سبحانی بن بسطامی
آکھ انا الحق لئی منصور

ملوانے وعظ نہ بھانے' بے شک ساڈا دین ایمانے
ابن عربی دی دستور

سکھ ریت روش منصور توں ہن ٹھپ رکھ کنز قدوری نوں'
عشق علم تے عمل دی نفی کروائے

جدوں عشق فرید استاد تھیا' سب علم و عمل برباد تھیا

ان تصریحات سے شریعت کا انکار و بطلان اور اس کی تکذیب ثابت ہو گئی۔ نیز وجودیہ فرقہ کے لوگ غیر اللہ کو سجدہ اس کو عین خدا سمجھ کر کرتے ہیں۔ ان میں اور ہندو بت پرستوں میں کیا فرق رہا۔ چنانچہ بشرنامہ مصنفہ خواجہ جلال الدین وجودی کے ص۔۴۴ میں یہ لکھا ہے ۔

عشق بت بتلا رہا ہے کعبہ صورت یار کی
سجدہ پھر کس لیے نہ کروں جب شکل ہو دلدار کی
سجدہ کرنے سے منع کرتی شریعت رہ گئی
کب شریعت واقف ہے اس عشق کے اسرار کی

نیز اس بشرنامہ کے ص۔۳۶ پر ہے ۔

صورت اپنی ویکھن کارن دلبر جانی میرے
آدم دے بت خانے اندر آن لگائے ڈیرے
تے اوہ جھڑے کر دے پیکھے واہ وا بت پرستی
اوہی خاص قولاں دے بندے واہ انہاندی ہستی
بت پرستی اندر ملی مینوں دلبر آکے
جتھاں اندر راز الٰہی ڈٹھا میں ازما کے
بت پرستوں منا وتا مینوں نہی کائی

یار میرا بت بنیا میں ہاں بت پرست سودائی

مینوں قبلہ کعبہ دے سوہنا مکھ دلبر دا

نہ دل حج کرن نوں چاہوے نہ مسجد وچہ وڑدا

سینے اپنے اندر میں اک رکھیا بت چھپا کے

دن تے رات کراں میں پوجا اس دی وچ وجا کے

اس جلال الدین وجودی کا پیر موضع کھریپڑ ضلع ساہیوال میں تھا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے ۔

چوراں نوں چا قطب بناوے ایسا فیض رسانی

شاہ عظیم میں نام سناواں جس دا پایہ عالی

شہر کھریپڑ وچہ ہے رہندا سوہنی صورت والا

جلال الدین تے جس دا ہوندا ہر دم فیض کملا

اس کی بابت اس کا شعر ص-۲ پر یہ ہے ۔

سسی نوں ٹبے ریت دے، موسیٰ نوں کوہ طور

اسیں شہر کھریپڑیں جاونا ساڈوں کعبہ نامنظور

اسی طرح پیر جماعت علی شاہ ساکن علی پور سیداں کا مرید اپنے پیر کا مرثیہ لکھتا ہوا یہ کہتا ہے ۔

وہ سوال حج پر محشر میں پوچھیں گے تو کہہ دوں گا

میں زائر ہوں علی پور کا علی پور والیا شاہا

کوئی مشرک گور پرست یوں کہتا ہے ۔

چاچڑاں وانگ مدینہ دسن کوٹ مٹھن بیت اللہ

ظاہر دے وچہ مرشد پڑیا وچوں دے اللہ

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ وجودی فرقہ گور پرست مثل مشرکین مکہ کے بت پرست ہیں اور اپنے پیروں کو عین خدا سمجھ کر ان کی قبروں کو مثل بیت اللہ کہتے ہیں اور یہ فرقہ وجودیہ اپنے اتحادی، حلولی، وجودی پیروں کو معصوم تصور کرتے ہیں کہ وہ مثل بلکہ

عین خدا ہیں کہ ان سے گناہ اور کوئی خطا سرزد نہیں ہوتی۔ چنانچہ بشرنامہ ص-۲۸ پر جلال الدین خواجہ اپنا کنگری باجہ یوں بجاتا ہے ۔

پیر دے دوارے بجگل دھونی رمائی جائیں
بچھیا ملے نہ ملے الکھ جگائی جائیں
جھک جا قدماں اتے' جاگن کے بھاگ تے
پیر دی گلی دے کتے سینے نال لگائی جائیں
پیر نہ بندہ جانیں' دنیا نوں پھندا مانیں
کر کے تے دور رہندا راز نوں پائی جائیں
پیر دا کہیا مانیں حکم خدا جانیں
لکھیا فرقان جانیں فرق کڈھائی جائیں

اور ص-۱۰۶ پر ۔

نال شراب دے رنگ مصلا جے مرشد فرماوے
کیونکہ واقف کار قدیمی غلطی کدے نہ کھاوے

اگر وجودیوں کا پیر انسان ہوتا تو غلطی کیا گناہ بھی کر سکتا تھا۔ وہ اپنے باطل عقیدہ اور فاسد مذہب میں اس کو عین خدا سمجھتے ہیں تو اس میں غلطی کا امکان کیسے جانتے۔ چنانچہ لکھتا ہے۔

ہے سن جوتی سن کپڑے ٹوپی نے سودا
جیہڑا اس وچہ شک کرے اس نوں مرض سوا

یہ قاعدہ ہے کہ جو خود سودائی ہو اس کو سب سودائی معلوم ہوتے ہیں۔ جیسے بھینگے کو ہر چیز دو نظر آتی ہے اور حقیقت میں وہ ایک ہوتی ہے۔

رمز الوحدت ص-۳۸ میں ہے ۔

انا احمد بے میم حدیث
جو نہ مانے جان خبیث

یہ گمراہ فرقوں کے ملا مولویوں کا خاصہ ہے کہ وہ علماء اہل حق کو گالیاں نکالتے ہیں'

کیونکہ کتاب و سنت سے شرعی دلائل ان کے پاس نہیں ہوتے تو وہ مرزا قادیانی کی طرح گالیاں دے کر اپنی بھڑاس نکالتے ہیں۔ چنانچہ بشرنامہ کا مصنف ص-۴۵ پر یہ لکھتا ہے ۔

سجدہ تعظیمی جائز ہیگا نال حدیث قرآنوں
توں نہ منیں او خبیثا الٹے کرن بیانوں

منکل بنھل نہیں یارو اوہ ٹولہ شیطانی
کم انہاں دا ایہو جانو کرنی نافرمانی

ڈھوں دے ایہہ ویری رستہ مارن والے
ہاتھیاں تائیں ایہو پینگے کتے بھوکن والے

اب یہاں غور کرلو کہ سجدہ تعظیمی حرام کہنے والوں کو خبیث' شیطان' کتے کہا ہے۔ سو یہ گالیاں ان کے گھر کے مجدد فرقہ بریلویہ احمد رضا خاں کے قلعہ بدعات پر بم کی طرح پڑی ہیں۔ کیونکہ انہوں نے سجدہ تعظیمی کی تردید سدید اپنی کتاب میں کی ہے۔ جس کا نام ہے "حرمت سجدہ تعظیم" اس میں ص-۱۷۵ دلائل دے کر سجدہ تعظیمی جائز کہنے والوں کے مسلک کا خوب رد کیا ہے۔ ص-۵۳ میں لکھا ہے کہ سجدہ تحیت سور کھانے سے بدتر ہے۔ اور ص-۵۲ پر یہ لکھا ہے "جب حربی کافر کسی مسلمان سے کہیں کہ بادشاہ کو سجدہ کرو ورنہ ہم تجھ کو قتل کردیں گے تو افضل یہ ہے کہ سجدہ نہ کرے کہ یہ صورت کفر ہے اور صورت کفر سے بچنا بہتر' اگرچہ حالت اکراہ ہو۔" اور ص-۹۹ میں لکھا ہے "بیشک سجدہ افعال عبادت سے ہے۔ سجدہ عبادت و سجدہ تحیت میں سوائے نیت کے کوئی فرق نہیں۔ سجدہ تو سجدہ زمین بوسی کی نسبت درمختار میں ہے کہ "بت پرستی کے مشابہہ ہے۔" اور ص-۵۶ پر یہ لکھا ہے۔ "یہاں یہ معلوم ہوا کہ سجدہ جہال اپنے سرکش پیروں کو کرتے ہیں اور اسے پاؤ گلہ کہتے ہیں۔ بعض مشائخ کے نزدیک کفر ہے' گناہ کبیرہ تو بلااجماع ہے۔ پس اگر اسے اپنے پیر کے لیے جائز جانے تو وہ کافر ہے۔" پھر ص-۵۷ پر لکھا ہے' "ایسے متکبر خدا فراموش خود پسند اپنے لیے سجدہ کے خواہش مند غالباً شرع سے آزاد بے قید بند ہوتے ہیں یوں تو پہلے ہی کافر ہیں اور کبھی ایسے نہ بھی تھے تو حرام قطعی یقینی اجماعی کو اچھا جان کر اب ہوئے۔"

پس مجدد بریلوی نے فرقہ وجودیہ پر فتویٰ کفر لگا دیا ہے کہ وہ شرع سے آزاد ہو کر اپنے مشائخ کو عین خدا جان کر سجدے کرتے ہیں۔ یہ سب کافر ہیں ۔

اس گھر کو آگ لگ گئی اس گھر کے چراغ سے

یہ فتویٰ کفر سجادہ نشینان دربار داتا گنج بخش پر چسپاں ہوا تو انہوں نے بہت چیخ و پکار کی کہ اپنے ٹریکٹ ترکیب حمات شریفہ کے ص۔۲۲ پر لکھتے ہیں۔ "آج نو سو برس کے بعد سجدہ تعظیمی کے متعلق اس قسم کے سائن بورڈ آویزاں کرنے والوں نے نہ صرف اہل محبت کا دل دکھلایا ہے بلکہ فرقہ ضالہ وہابیہ کی تائید و حمایت کر کے نیک دل مسلمانوں کو گمراہ کیا ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جو لوگ سجدہ تعظیمی کو بدعت' شرک یا حرام کہتے ہیں ان کے دل محبوبان خدا کی محبت سے خالی ہیں۔ لہٰذا وہ شرک و محبت کے مابین تمیز نہیں کر سکتے۔" ——— اچھا جی وہابی تو نہیں کر سکتے' لیکن کیا بریلوی مجدد بھی نہیں کر سکا تو سب سجادہ نشین جمع ہو کر اس قبر پر اپنے علماء کو بلائیں اور متفق ہو کر بریلوی مجددوں سے ان کا نام کٹ دیں' ورنہ ان کے نزدیک تم سب جیسے کچھ ہو اس کا حوالہ ان کے رسالہ سے پڑھ لو جو منقول ہوا۔

حلولیہ ⇦ واضح ہو کہ علماء اسلام نے سجدہ کی دو قسمیں ذکر کی ہیں۔ ایک سجدہ عبادت' دوم سجدہ تعظیم۔ سجدہ عبادت' غیر اللہ کو بالاتفاق شرک ہے۔ سجدہ تعظیمی کی بابت علماء کا اختلاف ہے۔ بعض شرک و کفر کہتے ہیں۔ بعض صورۃ" کفر اور اصل میں حرام کہتے ہیں۔ لیکن اس مسئلہ پر سب کا اجماع ہے کہ جو شخص کسی قطعی اور اجماعی حرام کو حلال اور کار ثواب سمجھ کر کرے تو وہ کافر ہے۔ بنابریں فرقہ وجودیہ و حلولیہ جو اپنے مشائخ کی قبروں پر سجدے کر رہے ہیں یا زندہ پیروں کو کرتے ہیں امر واقعی یہ ہے کہ ان کو خدا جان کر کرتے ہیں۔ صرف زبان سے منافقوں کی طرح کہتے ہیں کہ ہمارا سجدہ عبودیت نہیں بلکہ سجدہ تحیت ہے' لیکن اصل میں سجدہ عبادت کرتے ہیں' کیونکہ اس پیر میں خدا کی ذات کو سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ان کے ایک پیشوا کا یہ شعر مشہور ہے ۔

اگر نہ بودے ذات حق در آدم وجود
آب و گل را کے کند ملائک سجود

یعنی اگر آدم علیہ السلام کے وجود میں اللہ تعالیٰ کی ذات نہ ہوتی تو پانی' مٹی کے

بت کو فرشتے کب سجدہ کرتے تھے۔ لہذا معلوم ہوا کہ یہ اپنے پیروں میں ذات الٰہی جان کر سجدہ کرتے ہیں۔ چنانچہ بشرنامہ میں بھی لکھا ہے ۔

جائز نماز نہیں جو مسجد میں تو نہ ہو
کس کو کروں سجدہ تو روبرو نہ ہو

یہ فرقہ منصوری فرقہ کہلاتا ہے۔ چنانچہ ان کا یہ شعر ہے ۔

سکھ ریت روش منصوری نوں
ہن تھپ رکھ کنز قندوری نوں

یعنی "منصور کی روش اختیار کر کے انا الحق کہہ دے اور اپنے پاک ہونے کا اعلان کر دے اور منصور ہو جا۔" اب منصور حلاج وغیرہ کے مختصر حالات ذہن نشین کرنے ضروری ہیں' تاکہ اس فرقہ کے مذہب باطل کی حقیقت نمایاں ہو جائے۔ کتاب "الفرق بین الفرق" میں جو امام عبدالقاہر بن عامر بغدادی القرائینی تمیمی رحمہ اللہ المتوفی ۴۲۹ھ کی تالیف ہے جس میں اسلامی فرقوں کا تذکرہ درج ہے۔ اس کے ص-۲۰۲ (فصل عشق) میں لکھا ہے "ذکر اقسام حلولیہ اور یہ بیان کہ یہ سب فرقے اسلام سے خارج ہیں" پھر ان کے نام درج ہیں اور ہر فرقہ کا مسلک اور اعتقاد تفصیل سے بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حلولیہ کئی فرقوں میں منقسم ہیں جو اسلامی حکومتوں میں موجود تھے۔ سب کی غرض توحید باری تعالیٰ میں خرابی پیدا کرنا تھا اور انجام کار سب غالی روافض میں جا کر مل جاتے ہیں۔ مثلاً غالی شیعوں سے سبیئیہ' بیانیہ' جناحیہ' خطابیہ اور غیریہ سب حلولی ہیں۔ انؔ کے بعد یکے بعد دیگرے مقنعیہ' رزامیہ' حلمانیہ اور حلاجیہ وغیرہ پیدا ہو گئے۔ اور یہی حلاجیہ' حسین بن منصور حلاج (مشہور ملحد) کی طرف منسوب ہے اور اول الذکر کو یعنی سبیئیہ وہ عبداللہ بن سبا کی طرف منسوب ہے۔ اس فرقہ کا عقیدہ ہے کہ "ان علیا صار الٰھا حلول روح الالٰہ" (حضرت علی رضی اللہ عنہ خدا تھے کہ ان میں اللہ کی روح حلول کیے ہوئے تھی) اسی طرح بیانیہ کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی روح انبیاء اور اماموں میں حلول کرتی ہوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ میں پہنچی' پھر محمد بن حنفیہ میں داخل ہوئی' پھر ان کے بعد ان کے بیٹے ابوہاشم کی طرف منتقل ہو گئی' پھر ان کے انتقال کے بعد بیان بن سمعان (جس کی طرف یہ فرقہ منسوب ہے) حلول کر گئی اور وہ لوگوں کا معبود قرار پایا' اور فرقہ

جناحیہ کا یہ عقیدہ تھا کہ روح خدا تعالیٰ کی حضرت علی ؓ کی اولاد امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما وغیرہ میں پھرتی رہی' وہ اس دعوئی سے بھی کافر ہوئے۔ نیز اس سے کہ قیامت اور جنت دوزخ کا بھی انکار کیا۔ خطابیہ کے بھی سب افراد حلولیہ تھے۔ وہ کہتے تھے کہ روح الٰہی حضرت جعفر صادق میں داخل ہے اور یہ کہتے تھے کہ حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور محبوب ہیں۔ (مصنف کہتے ہیں کہ یہ فرقہ اس عقیدہ کی وجہ سے) کافر ہے۔ اور ان میں بڑا کافر وہ تھا جو کہتا تھا کہ میں بذات خود خدا کا بیٹا ہوں۔ فرقہ عنبریہ بھی حلولی تھا جو کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پانچ شخصوں میں ہے۔ نبی ﷺ' علی' فاطمہ' حسن' حسین رضی اللہ عنہم۔ پانچوں معبود ہیں۔ فرقہ رزامیہ حکومت عباسیہ کے بانی ابو مسلم (خراسانی) کو پہلے اپنا امام مانتے رہے' پھر اس میں اللہ تعالیٰ کی روح کا حلول مان کر ان کے الہ ہونے کے قائل ہوئے اور یہ کہتے کہ ابو مسلم' جرائیل' میکائیل علیہم السلام وغیرہ سب ملائکہ سے افضل ہے اور وہ زندہ ہے' فوت نہیں ہوا۔ ان سے جب سوال کیا جاتا کہ منصور (عباسی) نے تو ابو مسلم کو قتل کرا دیا تھا۔ اس کے جواب میں وہ کہتے کہ وہ شیطان تھا جو ابو مسلم کی شکل میں لوگوں کے سامنے آیا تھا۔

متنعیہ جن کا پیشوا ایک شخص متنع تھا جو بھینگا تھا وہ علم ہندسہ اور شعبدہ وغیرہ میں ماہر تھا۔ اپنی فریب کاری اور حیلہ سازی سے مدعی الوہیت ہوا کہ میں خدا ہوں اور وہ ریشمی برقعہ پہن کر لوگوں سے حجاب رکھتا تھا اور کہتا تھا کہ سب چیزیں حلال ہیں۔ کتا' خنزیر' شراب وغیرہ اور وہ کہتا تھا کہ کسی چیز کو حرام نہ کہو اور نماز' روزہ وغیرہ سب عبادات ساقط ہیں اور یہ کہتا تھا کہ میں پہلے آدم علیہ السلام کی شکل میں ظاہر ہوا' پھر نوح علیہ السلام کی شکل میں پھر ابراہیم علیہ السلام کی شکل میں۔ اسی طرح انبیاء کی شکلوں میں ظاہر ہوتا رہا پھر (حضرت) محمد رسول اللہ ﷺ کی شکل میں نمودار ہوا' پھر علی ؓ کی صورت میں اور میں مختلف صورتوں میں متشکل ہو کر اس لیے ظاہر ہوتا ہوں کہ لوگ میری نورانی شکل کو دیکھ نہیں سکتے۔ اگر کوئی مجھے اس نورانی صورت میں دیکھے تو جل جائے۔ آخر اس نے ایک مضبوط قلعہ بنوایا اور اس کے گرد خندقیں بنائیں۔ عرصہ چودہ سال اس نے بڑا فتنہ برپا رکھا' آخر خلیفہ مہدی بن منصور نے اس

سے جنگ کی اور بڑی مشکل سے اس کے مقابلے میں فتح یابی حاصل کی۔ اس کی فوج کو قتل کیا' اس کو اس کے قلعہ کے تنور میں جلا دیا اور راکھ وغیرہ تک کو نیست و نابود کر دیا۔ جب اس کے مریدوں کو اس کی کچھ نشانی نہ ملی تو انہوں نے یہ عقیدہ گھڑ لیا کہ ہمارا معبود آسمان پر چلا گیا۔ پھر اس کے مریدوں نے مسجدیں بنوائیں جن میں نمازیں تو نہیں پڑھتے تھے صرف اذانیں دیا کرتے تھے۔ اور یہ لکھا ہے:

"وهم يستحلون الميتة والخنزير وكل واحد منهم يستمتع بامراة غيره" یعنی یہ فرقہ حلولیہ مردار اور خنزیر کو حلال جانتے تھے۔ نیز دوسرے شخص کی بیوی سے زنا کر لیتے اور اس کو حلال سمجھتے تھے۔ جس شخص کو اس حال میں پاتے کہ اس کی مسجد میں موذن نہیں ہے تو اس کو قتل کر دیتے تھے۔ ہر بستی میں مسجد اور موذن لازمی ہوتا تھا۔

دیگر فرقہ حلمانیہ' حلولیہ فرقوں میں سے تھا جو ابو حلمان دمشقی کی طرف منسوب ہے۔ اس کو دو وجہ سے کافر قرار دیا گیا۔ ایک ان کا یہ کہنا کہ ہر خوبصورت شخص میں ذات الٰہی ہے۔ چنانچہ جس آدمی کو بہت خوبصورت دیکھتے اس میں ذات حق کا حلول جان کر سجدہ کرتے۔ دوسری وجہ یہ کہ ان میں حلال حرام کی کوئی تمیز نہ تھی۔ جس چیز کی خواہش ہوتی اسی کو حلال جان کر استعمال کرتے تھے۔

علامہ عبدالقاہر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک حلمانی کو دیکھا کہ وہ غیر اللہ کو سجدہ کرنے کے جائز ہونے پر آیت فاذا سويته ونفخت فيه من روحى فقعوا له ساجدين (الحجر-۲۹) سے دلیل لیتا تھا یعنی آدم کو ملائکہ نے اس لیے سجدہ کیا تھا کہ اس کے اندر ذات الٰہی تھی اور اللہ نے آدم میں اس لیے حلول کیا کہ انسان احسن تقویم ہے۔ لقد خلقنا الانسان فى احسن تقويم (التین-۴) (اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ ہر خوبصورت انسان کو سجدہ کرنا چاہیے) امام عبدالقاہر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے اس حلمانی سے پوچھا کہ تم نے دو آیتوں سے استدلال کیا ہے۔ یہ بتاؤ ان دونوں آیتوں سے عام انسان مراد ہیں یا خاص معین انسان مراد ہے؟ اس مردود العقیدہ نے کہا کہ میرے دونوں باتوں کے قائل ہو جانے سے کون سی بات مانع ہے۔ میں نے کہا کہ اگر تمہارے نزدیک سب انسان علی العموم مراد ہیں تو تم پر لازم ہے کہ ہر انسان کو سجدہ کیا کرو۔ اگرچہ وہ بدصورت اور کریمہ ہو' کیونکہ تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ ذات الٰہی سب

انسانوں میں حلول کیے ہوئے ہے اور اگر یہ کہو کہ خاص انسان مراد ہے تو وہ آدم علیہ السلام ہیں۔ (اور اس کی وجہ خوبصورتی ہے) تو پھر تم کو دیگر ہر خوبصورت مخلوقات گھوڑا' درخت' پرندہ وغیرہ کو سجدہ کرنا چاہیے۔ علاوہ ازیں آگ سے خوبصورت شعلے نکلتے ہیں' ان کو سجدہ کیوں نہیں کرتے۔ اسی طرح آگ' ہوا' درخت' آسمان' چاند' سورج وغیرہ سب خوبصورت چیزوں کو سجدہ کیا کرو۔ پھر میں نے کہا کہ خوبصورت شکلیں اس دنیا میں بہت ہیں اور اس فرق پر کوئی دلیل نہیں کہ ایک خوبصورت شکل میں ذات الٰہی ہے۔ دوسری میں نہیں ہے۔ پس اگر تمام خوبصورت شخصوں میں ذات الٰہی ہے تو پھر یہ بتاؤ کہ حلول کیسا ہے؟ ایسا جیسا کہ "عرض" جسم کے ساتھ لاحق ہے یا اس طرح کہ جسم کو مکان بنائے ہوئے ہے۔ اگر شق اول ہے تو عرض واحد کا حلول محال کثیرہ میں ہونا محال ہے اور اگر اجسام کو مکان قرار دے کر اس میں ذات الٰہی کا حلول کہتے ہو تو پھر شے واحد کا اماکنہ کثیرہ میں ہونا لازم آتا ہے جو تعدد کو چاہتا ہے۔ اس پر وہ لاجواب ہوا۔"

انہی میں سے فرقہ حلاجیہ ہے (حسین بن منصور کی طرف منسوب) حسین بن منصور اصلاً فارسی تھا لیکن نشوونما اس کی واسط اور عراق میں ہوئی۔ حضرت ابوالقاسم جنید بغدادی رحمہ اللہ کی صحبت میں بھی رہا۔ اس کے بارے میں علماء مختلف ہیں۔ بعض اس کی تعظیم میں بہت مبالغہ کرتے تھے لیکن اکثر نے اس کو کافر قرار دیا ہے۔ ابو حامد غزالی نے مشکوۃ الانوار میں ایک فصل طویل لکھ کر اس کے الفاظ کفریہ کی تاویل کی ہے' لیکن خلیفہ مقتدر عباسی نے حسب فتوئی علماء اہل حق اس کو کافر قرار دے کر حکم دیا کہ اس کو ایک ہزار درہ لگایا جائے۔ اگر مر جائے تو فبہا ورنہ اس کی گردن اڑا دی جائے۔ چنانچہ شہر کے باب الطاق میں جہاں خلقت کثیر جمع تھی حسین بن منصور کو نکالا گیا اور جلاد نے اسے ایک ہزار درہ مارا' پھر اس کے ہاتھوں اور پاؤں کو کاٹا گیا' پھر اس کا سر اتارا گیا اور اس کے جسم کو آگ میں جلایا گیا۔ جب وہ راکھ ہو گیا تو اس کی راکھ دجلہ میں پھینکی گئی۔ (ماخوذ از حاشیہ کتاب الفرق بین الفرق ص۔ ۲۵۴)

ابتداء عمر میں حسین بن منصور حلاج صوفیہ کی سی باتیں کیا کرتا تھا۔ صوفیہ کی اصطلاح کے مطابق جن کو "شطحیات" قرار دیا گیا' یعنی ایسی عبارتیں جو دو معنوں کی

گنجائش رکھتی ہیں۔ محمود اور مذموم۔ حسین حلاج کئی علموں خاص اور عام کا مدعی تھا۔ اس کے سبب دو جگہوں کے لوگ فتنہ میں پڑے۔ ایک اہل بغداد دوسرے اہل خراسان۔ اس شخص کے بارہ میں اہل علم، متکلمین، فقہا، صوفیہ مختلف ہیں اکثر علماء متکلمین نے اس کو کافر قرار دیا، کیونکہ وہ مذہب حلولیہ رکھتا تھا۔ فرقہ سالمیہ کے جو لوگ بصرہ میں تھے، انہوں نے اس عقیدہ کو قبول کیا اور اس کے کلام کو صوفیہ کے معانی کی حقیقتوں پر محمول کیا۔ (متکلمین اشاعرہ سے) قاضی ابوبکر محمد بن طیب اشعری نے اس کے مسلک کو حیلوں اور فریب کاریوں پر مبنی قرار دیتے ہوئے اپنی کتاب میں اس کے مخاریق اور شعبدہ بازیوں کا ذکر کیا ہے۔ کتاب الفرق بین الفرق کے ص۔ ۲۴۳ میں یہ لکھا ہے کہ وہ یعنی حسین بن منصور جب بغداد کی طرف گیا تو وہاں اس کے فتنہ کو جعفر مقتدر عباسی نے محسوس کیا جس پر وہ قید کر دیا گیا، پھر اس کے قتل کے بارہ میں علماء کرام سے فتویٰ طلب کیا گیا اور بغداد میں اس کو اس فتویٰ کے مطابق درے مار کر اس کے اطراف جسم سے ہاتھ پاؤں اعضاء کو کاٹ کر بغداد کی سولی پر چڑھایا گیا اور تین دن کے بعد اس کو سولی سے اتار کر جلایا گیا اور اس کی راکھ دجلہ میں پھینک دی گئی۔ واضح ہو کہ اس کی تکفیر کی وجہ اس کا عقیدہ باطلہ قرار دیا گیا تھا۔

جن علماء نے اس کو کافر کہا ہے، انہوں نے بیان کیا ہے کہ وہ یہ کہتا تھا کہ جو شخص عبادت کے ساتھ اپنا تصفیہ (تزکیہ) کر لیتا ہے، اس کا نفس صاف اور روشن ہو جاتا ہے اور وہ لذات نفسانی اور شہوات پر قابو پا کر ریاضت سے کامیاب ہو جاتا ہے تو مقربین کا مقام حاصل کر لیتا ہے، پھر وہ ہمیشہ صفائی کے درجات حاصل کرتا ہوا بشریت سے نکل جاتا ہے۔ جب اس میں بشریت باقی نہیں رہتی تو اس میں اللہ تعالیٰ کی روح کا اس طرح حلول ہو جاتا ہے جس طرح حضرت عیسیٰ بن مریم میں روح القدس کا حلول ہوا، پھر اس کا ہر کام اور ارادہ وہی ہو جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اس کا دعویٰ تھا کہ مجھ میں اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ چنانچہ اس کے معتقدوں کے پاس جو کتابیں تھیں ان میں یہ لکھا تھا:

"من امر الذی هو رب الارباب المنصور فی کل صورة الی عبده فلان" یعنی وہی ہے جو تمام ارباب کا رب ہے جو ہر صورت میں متشکل ہو کر اپنے فلاں بندہ کی

طرف منتقل ہوا۔

اور اس کے مریدوں کی کتابوں میں یہ لکھا ہے:

"یاذات الذات ومنتہیٰ غایة الشهوات نشهد انک المقصود فی کل زمان بصورة وفی زماننا بصورة الحسین بن منصور" یعنی اے ذات کی ذات منتہائے غایتہ شہوات ہم یہ گواہی دیتے ہیں کہ تو ہر زمانہ میں کسی نہ کسی صورت میں نمودار ہوتا ہے اور اب ہمارے زمانہ میں حسین بن منصور کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔

(مستفاد از کتاب الفرق بین الفرق ص-۲۶۴)

کتبہ ابوعبدالشکور عبدالقادر عارف الحصاری غفرلہ الباری

اعتصام لاہور جلد-۲۷، شمارہ-۷، ۸، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴ بمطابق ۱۲ و ۱۹ ستمبر و ۱۷ و ۲۴ و ۳۱ اکتوبر ۱۹۷۵ء

اہل بدعت کے متعدد قبلے؟

واضح ہو کہ لغت عربی میں سامنے والی چیز کو قبلہ کہا جاتا ہے' لیکن شریعت اسلامیہ میں قبلہ سے مراد وہ مقام ہے جس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جاتی ہے۔ فرعون نے بنی اسرائیل کو نماز پڑھنے کی ممانعت کر دی تھی اس لیے شریعت موسوی میں فرعون کے ملک میں بنی اسرائیل کو یہ حکم ہوا کہ اپنے گھروں کو قبلہ یعنی مقام نماز بنا لو اور چھپ کر نمازیں پڑھا کرو۔ بیت اللہ شریعت اسلامیہ کا کعبہ ہے جو اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ ہے چونکہ وہ نماز پڑھنے والوں کے سامنے ہوتا ہے اس لیے اصطلاح شرعی میں اس کو قبلہ کہا جاتا ہے اہل کتاب کا قبلہ بیت المقدس ہے جس کی طرف منہ کر کے وہ عبادت کرتے رہے اور فرشتوں کا قبلہ بیت المعمور ہے جس کی طرف منہ کر کے ملائکہ عبادت کرتے ہیں اور ملائکہ مقربین کا قبلہ عرش معلی ہے۔ جس کی طرف متوجہ ہو کر وہ عبادت کرتے ہیں اور اہل اسلام کا قبلہ کعبہ ہے جس کی طرف منہ کر کے اہل اسلام نمازیں پڑھتے ہیں پس مسلمانوں کا قبلہ صرف ایک کعبہ ہے تمام روئے زمین کے مسلمانوں کو اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہے۔ ارشاد ہے: "حیثما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ" (البقرہ) کہ "جہاں کہیں تم ہو وہاں ہی قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔" پس اہل اسلام کا قبلہ صرف ایک ہے جس جہت کی طرف وہ ہو گا ادھر ہی نماز پڑھنی پڑے گی۔ علاوہ اس کے مسلمانوں کو اور قبلہ عبادت اور تعظیم کے لیے بنانا شرک ہے کیونکہ وہ بغیر اذن الٰہی کے بنایا جاتا ہے۔ قرآن ناطق ہے: "ام لھم شرکآء شرعوا لھم من الدین مالم یاذن بہ اللہ (الشوریٰ-۲۷) یعنی "کیا ان مشرکوں کے لیے ایسے شرکاء ہیں جو ان کے لیے بغیر اذن الٰہی کے شریعت دین مقرر کرتے ہیں۔ "پس بغیر اذن الٰہی کے کسی مقام یا طرف یا شخص کو قبلہ و کعبہ بنانا حرام اور شرک ہے۔

پس وہ لوگ جو قبر کو سجدہ کرتے ہیں تو وہ قبر کو قبلہ بناتے ہیں اور جو پیروں کو سجدہ کرتے ہیں وہ اپنے پیروں کو قبلہ بناتے ہیں اور جو بت پرست بتوں کو سجدہ کرتے ہیں وہ اپنے بتوں کو قبلہ سمجھتے ہیں اور جو بغداد کی طرف گیارہ قدم اٹھا کر چلتے ہیں اور

یاشیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ پڑھتے ہیں وہ پیر جیلانی کی خانقاہ کو جو بغداد میں ہے قبلہ بناتے ہیں اور روافض تعزیہ کو سجدہ کرتے ہیں تو وہ اس کو اپنا قبلہ بناتے ہیں اور روافض کربلا سے مٹی کی ایک ٹکی لا کر نماز میں سامنے رکھتے ہیں تو وہ ان کا قبلہ ہے۔ چنانچہ بریلویوں کا قبلہ ملاحظہ فرمائیں۔ ملفوظات احمد رضا خاں حصہ دوم کے ص۔۶۷ میں ہے کہ سبع سنابل شریف میں ہے ایک صاحب کو سزائے موت کا حکم بادشاہ نے دیا' جلاد نے تلوار کھینچی یہ اپنے شیخ کے مزار کی طرف رخ کر کے کھڑے ہو گئے' جلاد نے کہا اس وقت قبلہ کی طرف منہ کرتے ہیں۔ (یعنی مسلمان) فرمایا تو اپنا کام کر' میں نے قبلہ کو منہ کر لیا ہے (یعنی مزار کو) اور یہ بھی یہی بات کہ کعبہ قبلہ ہے جسم کا اور شیخ قبلہ ہے روح کا اس کا نام ارادت ہے۔" اس عبارت سے ثابت ہوا کہ بریلویوں کا قبلہ ان کا پیر ہوتا ہے جس کے یہ لوگ مرید ہوتے ہیں' اسی وجہ سے تصور شیخ ان کا معمول ہے کہ ان کا دل اس شیخ کی طرف عبادت کے وقت متوجہ ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جسم میں ایک ٹکڑا ہے اگر وہ درست ہو تو سب جسم درست ہے اور اگر وہ بگڑ جائے تو سب جسم بگڑ جاتا ہے۔ آپ نے بتایا وہ ٹکڑا دل ہے چونکہ ان لوگوں کا عقیدہ جو دل میں ہے وہ مشرکانہ ہے اس لیے باقی جسم سے بھی شرک کرتے ہیں۔

مفتی احمد یار خاں گجراتی بریلوی کی طرفگی بھی پڑھ لیں وہ اپنے رسالہ نور کے ص۔۲۴ میں لکھتے ہیں "بلکہ کعبہ اجسام کا قبلہ ہے اور حضور ﷺ دل و ایمان و جان کا قبلہ ہیں۔" گویا بریلویوں کے دل و روح کے دو قبلے ہیں ایک ذات نبوی' دوسرا ذات شیخ۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے دو دل نہیں بنائے ایک ہی بنایا ہے تو ایک دل میں ایک ہی سما سکتا ہے دو نہیں اور وہ ایک ذات الٰہی ہے کہ دل اسی کی طرف متوجہ ہو۔ حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک" یعنی "اے مسلمان تو عبادت اس طرح کر کہ گویا تو اللہ تعالیٰ کی طرف دل کی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے اگر یہ نہ ہو سکے تجھ سے تو یہ دل میں جان لے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔" تفسیر ابن کثیر جلد۔۳' ص۔۲۳۸ و تفسیر فتح القدیر للشوکانی جلد۔۳' ص۔۴۹۰ میں سورہ مومنون کی شروع کی آیت میں "خاشعون" لفظ ہے کہ "وہ مومن فلاح پائیں گے جو نماز میں خشوع رکھتے ہیں۔" خشوع کی تفسیر میں حضرت

علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "الخشوع فی القلب" کہ "خشوع دل میں ہوتا ہے۔" جس کا مطلب حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے یوں بیان کیا ہے کہ: "الخشوع فی الصلوٰۃ انما یحصل من فرغ قلبہ لھا واشتغل بھا عما عداھا وآثرھا علی غیرھا وحنیئذ تکون راحۃ لہ وقرۃ عین کما قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم جعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ" یعنی "خشوع نماز میں بایں طور حاصل ہوتا ہے کہ دل کو نماز ہی کے لیے فارغ کر دے کہ اس کے ماسوا کو چھوڑ کر صرف نماز ہی کے ساتھ مشغول ہو جائے اور اس کو سب پر ترجیح دے تو ایسی نماز اس نمازی کے لیے راحت اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے تو آپ کے سینہ سے ہانڈی کے ابال کی آواز آتی تھی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے اور خوف الٰہی سے روتے' یہی حکم ہم کو ہے۔

مشکوۃ میں بروایت بخاری یہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: "ان احدکم اذا قام فی الصلوۃ فانما یناجی ربہ وان ربہ بینہ وبین القبلۃ فلا یبزقن احدکم قبل قبلتہ" یعنی "جب کوئی تمہارے میں سے نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے۔ تحقیق نمازی اور قبلہ کے درمیان اس کا رب ہوتا ہے اس لیے کسی نمازی کو قبلہ کی طرف تھوکنا نہ چاہیے۔"

ان دلائل سے واضح ہوا کہ عبادت کے لیے انسان کو اللہ نے پیدا کیا ہے اور عبادت اللہ تعالیٰ کا حق ہے' اس میں کسی غیر کو خواہ وہ نبی ہو یا ولی شریک کرنا حرام بلکہ کفر ہے۔ اجسام کا قبلہ' کعبہ اور اس کی جہت ہے اور دل اور روح کا قبلہ ذات الٰہی ہے نہ نبی ہے نہ شیخ ہے پس تصور شیخ ذکر الٰہی اور نماز وغیرہ کے وقت شرک ہے اور کعبہ کے سوا کسی کو قبلہ و کعبہ بنانا اور کہنا شرک ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ ابراہیمی کو پسند کیا' تب اللہ تعالیٰ نے اسی کو نماز کے لیے مقرر کر دیا۔ اب نہ کوئی مقام یا "مزار" وغیرہ قبلہ بن سکتا ہے نہ ہی انسان بن سکتا ہے اور نہ اب ان لفظوں (کعبہ و قبلہ) کا اطلاق کسی پر جائز ہے' کیونکہ شریعت اسلامیہ میں اس کی اصطلاح خانہ کعبہ اور اس کے ماحول حرم کے لیے مقرر ہو چکی ہے' جدھر نماز کے وقت توجہ اور منہ کیا جاتا

ہے۔ مثلاً مسجد اصطلاح شریعت میں اس مکان اور جگہ کا نام ہے جہاں نماز پانچ وقت کی ادا کی جاتی ہے اب کسی "مزار" اور شخص کو مسجد کہنا جائز نہیں ہے' کیونکہ "مزار" یا پیر یا عالم جائے سجود نہیں ہیں' اسی طرح کسی "مزار" یا شیخ یا عالم کو یا والد یا استاد وغیرہ کو کعبہ و قبلہ کہنا اور لکھنا جائز نہیں ہیں' کیونکہ ان لفظوں کا اطلاق خاص کعبہ کے لیے مقرر ہو چکا ہے جدھر منہ کر کے نماز پڑھی جاتی ہے۔ "مزار" اور شیخ اور عالم کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا شرک ہے' کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ قبلہ جو توجہ الی اللہ کا موجب اور مثابۃ للناس ہے اس کے ساتھ شریک بغیر اذن الٰہی ہوا' قرآن میں اللہ تعالیٰ نے لفظی مشابہت سے بھی روکا ہے جیسے اہل ایمان کو حکم ہوا کہ "راعنا" نہ کہو "انظرنا" کہو' حالانکہ دونوں لفظوں کا معنی ایک ہی ہے' لیکن "راعنا" یہودی بولتے تھے جس سے گستاخی کا معنی بھی مفہوم تھا' مسلمانوں کا ارادہ گستاخی کا نہ تھا' لیکن لفظی مشابہت تھی۔ اس لیے روک دیا۔ بعض اپنے اساتذہ' مشائخ' بزرگوں اور والدین کو جب خطوط لکھتے ہیں یا ان سے گفتگو کرتے ہیں تو ان کو قبلہ یا کعبہ دارین کہتے ہیں حالانکہ یہ غلط ہے۔ چنانچہ ایک شخص مجھ سے ملاقات کرنے آیا تو سلام مصافحہ کے بعد اس نے یہ کہا کہ قبلہ مولانا صاحب کیا حال ہے؟ میں نے کہا میاں مسجد جی الحمدللہ اچھے حال ہیں۔ اس نے کہا کہ مولانا میں مسجد کیسے ہوا؟ میں نے کہا کہ میں قبلہ کس طرح ہوا؟ کیا آپ میری طرف منہ کر کے نماز پڑھ سکتے ہیں؟ اس نے کہا کہ نہیں' میں نے کہ پھر آپ نے غلط کہا۔ وہ کھسیانا سا تو ہو گیا لیکن بات سمجھ گیا۔ بہرحال کسی کو کعبہ و قبلہ کہنا اور لکھنا صحیح نہیں۔

اور دیوبندی حضرات بھی! ⇦ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے اپنے مذہب حنفی کی عورتوں کو بہشتی زیور پہنانے کے لیے ایک کتاب بہشتی زیور لکھی ہے جو گیارہ حصوں میں ہے۔ اس کتاب کے پہلے حصہ میں لڑکیوں کو خطوط لکھنے کا طریقہ سکھلایا ہے کہ اگر بڑے درجہ کے لوگوں کو خطوط لکھے جائیں تو اس کا کیا طریقہ ہے۔ چنانچہ والد کو خط لکھے تو یوں القاب لکھے "قبلہ کونین و کعبہ دارین" جناب والد صاحب قبلہ و کعبہ ام' قبلہ و کعبہ فرزنداں۔ یہ طریقہ القاب کا دیوبندی علماء کے بہت بڑے مرشد اور رکن علماء دیوبند نے سکھلایا ہے اور یہ تعلیم دیوبندی عورتوں کو دی گئی اور دی جا

رہی ہے۔ اب مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے بہت بڑے عالم فاضل شیخ الحدیث و شیخ الہند جناب مولانا محمود الحسن صاحب کا علمی نمونہ ملاحظہ فرمائیں کہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کی وفات پر انہوں نے ایک مرثیہ لکھا ہے' جو دیوبندی گروہ میں پڑھا جاتا ہے۔ اس کا ایک بند یہ ہے ؎

جدھر کو آپ مائل تھے ادھر ہی حق دائر تھا
میرے قبلہ میرے کعبہ تھے حقانی سے حقانی

اب مولانا رشید احمد صاحب کا فتویٰ ملاحظہ فرمایئے کہ آپ نے فتاویٰ رشیدیہ کے ص-۴۸۱ پر سوال و جواب یوں لکھا ہے۔

سوال: قبلہ و کعبہ یا قبلہ دارین و کعبہ کونین یا قبلہ دینی و کعبہ دنیوی یا قبلہ آمال و حاجات یا قبلہ مرادات یا قبلہ صوری و کعبہ معنوی یا دیگر مثل ان الفاظ کے القاب و آداب میں والد یا عمی کو یا اخوی کو یا اور کسی کو تحریر کرنے جائز ہیں یا نہیں؟ حرام ہے یا غیر حرام؟ مکروہ ہے تحریمی یا تنزیہی مع عبارت دلائل تفصیل ارقام فرمائیں۔ (مرسلہ' مولوی محمد روشن خان مراد آبادی)

جواب: ایسے کلمات مدح کے کسی کی نسبت کہنے لکھنے مکروہ تحریمی ہیں۔ لقولہ علیہ السلام "لا تطرونی الحدیث" (رواہ البخاری و مسلم) جب زیادہ حد شان نبوی ﷺ سے کلمات آپ کے واسطے ممنوع ہوئے تو کسی دوسرے کے واسطے کس طرح درست ہو سکتے ہیں' فقط واللہ تعالیٰ اعلم رشید احمد عفی عنہ۔

سوال: خط میں القاب قبلہ و کعبہ لکھنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: قبلہ و کعبہ کسی کو لکھنا درست نہیں' فقط۔

مولانا محمود الحسن دیوبندی نے تسلیم کیا ہے کہ آپ حقانی سے حقانی تھے اور آپ کی طرف حق مائل تھا تو مولانا رشید احمد کا فیصلہ ناطق ہے کہ قبلہ و کعبہ الفاظ بطور القاب لکھنے مکروہ تحریمی ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ مولانا اشرف علی صاحب و مولانا محمود الحسن صاحب بزرگوں کے حق میں یہ الفاظ (قبلہ و کعبہ) بول کر مکروہ تحریمی کے مرتکب ہوئے ہیں اور مکروہ تحریمی کی بابت بہشتی زیور حصہ گیارہواں کے ص-۴ پر لکھا

ہے کہ "اس کا کرنے والا فاسق ہے اور گنہگار اور عذاب کا مستحق ہے۔" دیگر یہ کہ بوادر النوادر مصنفہ مولانا اشرف علی تھانوی جلد-۲' ص-۴۳۶ کے حاشیہ میں یہ لکھا ہے:
"فكان العرش قبلة الدعاء كما ان الكعبة قبلة للصلوٰة (الٰى قوله) اذ المراد كون العرش قبلة للدعاء بالقلب لا بالوجه" یعنی "عرش دعا کا قبلہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دل کو عرش کی طرف متوجہ کرے منہ کو نہ کرے۔" اور بعض آسمان کو دعا کا قبلہ کہتے ہیں ان سب کا رد شرح عقیدہ طحاویہ ص-۲۲۳ میں ہے۔ چنانچہ اس میں لکھا ہے: "ان قولكم ان السمآء قبلة الدعاء لم يقله أحد من سلف الامة ولا انزل الله به من سلطان وهذا من الامور الشرعية الدينية فلا يجوز ان يخفى على جميع سلف الامة وعلمائها" یعنی "یہ کہنا کہ آسمان (یا عرش) دعا کا قبلہ ہے یہ سلف صالحین میں سے کسی نے بھی نہیں کہا اور نہ ہی اس پر اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل فرمائی ہے۔ یہ مسئلہ بھی امور شرعیہ سے ہے یہ کہنا جائز نہیں کہ امت کے سلف صالحین پر یہ مسئلہ مخفی رہا ان کے علماء کو معلوم نہ تھا۔" پھر یہ لکھا ہے: "ان قبلة الدعاء هى قبلة الصلوٰة فانه يستحب للداعى ان يستقبل القبلة وكان النبى صلى الله عليه وسلم يستقبل القبلة فى دعائه فى مواطن كثيرة" یعنی "دعاء کا قبلہ بھی وہی ہے جو نماز کا قبلہ ہے دعاء کرنے والے کے لیے مستحب یہ ہے کہ دعاء قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر کیا کرے کیونکہ جناب نبی کریم ﷺ نے بہت سے مقامات پر دعاء قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر کی ہے۔"

پھر لکھتے ہیں: "فمن قال للدعاء قبلة غير قبلتا الصلوٰة او ان له قبلتين احدٰهما الكعبة والاخرى السمآء فقد ابتد ع فى الد ين وخالف جماعة المسلمين" یعنی "جو شخص یہ کہتا ہے کہ نماز کے قبلہ کے سوا دعاء کا اور قبلہ ہے یا یہ کہے کہ مسلمان کے دو قبلے ہیں ایک کعبہ اور دوسرا آسمان تو اس نے دین میں بدعت نکالی اور وہ جماعت مسلمین کے مخالف ہوا۔"

پس اس طرح عرش یا مزار یا شیخ وغیرہ کو قبلہ بنانا یا کہنا بدعت ہے کہ آنحضرت ﷺ جو مرجع خلائق تھے آپ کو سلف صالحین یا محدثین یا ائمہ مجتہدین میں سے کسی نے قبلہ و کعبہ نہیں کہا۔

علاوہ ازیں بزرگوں کو قبلہ و کعبہ کہہ کر جو لوگ ان کی عظمت ظاہر کرتے ہیں یہ دراصل ان کی توہین ہے' کیونکہ ہر مومن مسلمان کا درجہ کعبہ سے بڑا ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک دن کعبہ کی طرف نظر کی تو یہ کہا کہ تو بڑی عظمت کا حامل ہے اور تیری بڑی عزت ہے: "والمومن اعظم حرمة عندالله تعالٰی منک" (اخرجه الترمذی) مگر مومن کی عزت اللہ تعالیٰ کے نزدیک تجھ سے کہیں زیادہ ہے۔" یہ حدیث موقوف ہے' ابن ماجہ میں ابن عمرؓ سے مرفوعاً یہ روایت ہے کہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ کعبہ کا طواف کر رہے ہیں تو یہ فرماتے ہیں: "اے کعبہ تو کتنا پاکیزہ ہے اور تیری خوشبو کتنی پاکیزہ ہے لیکن قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے "لحرمة المومن اعظم عندالله حرمة منک" "کہ مومن کی عزت و حرمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک تیری عزت و حرمت سے بہت بڑی ہے۔" اس سے ظاہر ہوا کہ کسی بزرگ یا ولی اللہ کو کعبہ و قبلہ کہنا اس کی توہین ہے کہ وہ کعبہ کے برابر اس کو قرار دے رہا ہے' حالانکہ ارشاد نبوی ﷺ کی رو سے مومن کی شان اس سے بڑی ہے۔

دیگر یہ کہ شرح عقیدہ طحاویہ میں یہ لکھا ہے: "ان القبلة هی ما یستقبله العابد بوجهه کما تستقبل الکعبة فی الصلٰوة والدعاء والذکر والذبح وکما یوجه المحتضرو المدفون ولذالک سمیت وجهة والاستقبال خلاف الاستدبار فالاستقبال بالوجه والاستدبار بالدبر" یعنی "قبلہ سے مراد وہ مقام ہے جس کی طرف منہ کر کے اور متوجہ ہو کر عابد عبادت کرتا ہے جیسے کہ کعبہ ہے کہ اہل اسلام نماز میں اور دعاء میں اور ذکر الٰہی میں اس طرف منہ کرتے ہیں اور جانور ذبح کرتا ہو تو اس کو بھی قبلہ کی طرف لٹاتے ہیں اور جس کو موت حاضر ہو تو اس شخص کا منہ بھی قبلہ کی طرف کرتے ہیں اور میت قبر میں قبلہ رخ کر کے لٹاتے ہیں استقبال کا محاورہ استدبار کے خلاف ہے کہ استقبال منہ سے متوجہ ہونے کو کہتے ہیں اور استدبار پیٹھ کر کے کھڑے ہونے یا چلنے کو یا بیٹھنے کو کہتے ہیں"

اس کے بعد یہ لکھا ہے: "فاما ما حاذاه الانسان براسه او یدیه او جنبه فهذا لا یسمی قبلة لا حقیقة ولا مجازا ولان القبلة فی الدعاء امر شرعی تتبع فیه

الشرائع" اھ (ص-۲۲۳) یعنی "انسان کسی چیز کو اپنے سر کے یا ہاتھوں کے یا پہلو کے سامنے اور مقابلہ میں کرے تو اس کو شرعاً" قبلہ کا نام نہیں دیا جائے گا۔" میں کہتا ہوں کہ اس فقیہ کی تصریح سے ظاہر ہوا کہ ماسوا کعبہ کے اور کسی چیز یا مقام کو قبلہ یا کعبہ کا نام یا لقب دینا جائز نہیں ہے۔ اگر کوئی یہ بطور استعارہ کسی بزرگ اور عالم کو قبلہ کعبہ کہا جاتا ہے کہ وہ بھی قبلہ خلائق ہوتا ہے کہ لوگ اس طرف متوجہ ہو کر علمی فیوض حاصل کرتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ بطور استعارہ ہو یا مجاز بہرحال درست نہیں ہے کیونکہ اس پر کوئی شرعی دلیل وارد نہیں ہے اور نہ ہی قرون ثلاثہ میں باوجود داعیہ کے اس کا کسی پر اطلاق ہوا ہے۔

پھر اس سے بھی بڑھ کر ان اہل الرائے فقہاء کا اور قصہ سنئے کہ کتب اہل الرائے شامی' بحرالرائق' طحطاوی مراقی الفلاح و باب ثبوت النسب' درمختار وغیرہ میں جواز آنے بیت اللہ شریف کا واسطے زیارت اولیاء اللہ کے بلکہ طواف اولیاء کرنے کے منجملہ کرامات اولیاء کے لکھا ہے اور روض الریاحین وغیرہ میں وقوع اس کا اور دیکھنا ثقات ائمہ و علماء کا منقول ہے۔ (بوادر النوادر جلد-۱' ص-۵۴) ایک تو اپنے بزرگوں کو قبلہ و کعبہ کہنا حرام تھا دوسرا جرم یہ کہ بیت اللہ کا بزرگوں اور اولیاء کے پاس حاضر ہونا اور ان کا طواف کرنا لکھ دیا ہے۔ بریلوی حضرات ایسا لکھیں اور یہ عقیدہ رکھیں تو کوئی تعجب نہیں کہ بدعات ان کی سرشت بن چکی ہیں' تعجب اور حیرت تو علماء دیوبند پر ہے کہ وہ توحید و سنت پر چلنے اور ان کی اشاعت کا دعویٰ کرتے ہیں اور پھر ایسا بے ہودہ اور لچر عقیدہ رکھتے ہیں کہ بیت اللہ اپنی جگہ سے چل کر اور ان کے اولیاء کے پاس حاضر ہو کر ان کا طواف کرتا ہے اور پھر مزید جرم یہ کہ اس بد عقیدے کو احادیث نبویہ سے مولانا اشرف علی تھانوی نے باوجود مقلد ہونے کے مجتہد بن کر ثابت کیا ہے اور ایسے باطل طریقہ سے استدلال کیا ہے کہ کوئی شرعی عالم ماہر کتاب و سنت اس کو پسند نہ کرے گا اگر ان کے استدلال اور مزعومہ دلائل پر بحث کی جائے تو مضمون بہت طویل ہو جائے گا' یہاں صرف شرح عقیدہ طحاویہ سے اس کی مختصر تردید نقل کرتا ہوں یہ اہل حق کے لیے کافی ہو گی۔

جناب علامہ صدر الدین علی بن محمد دمشقی تلمیذ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ شرح طحاویہ

ص ۳۴۷ میں گمراہ لوگوں کے عقائد ذکر کرتے ہوئے یہ لکھتے ہیں: وکذا من یقول بان الکعبة تطوف برجال منهم حیث کانوا فهلا خرجت الکعبة الی الحدیبیة فطافت برسول الله صلی الله علیه وسلم حین احصر عنها وهو یود منها نظرة وهؤلاء لهم شبه بالذین وصفهم الله تعالٰی حیث یقول' بل یرید کل امری منهم ان یؤتٰی صحفا منشرة" "اسی طرح یہ گمراہی کا عقیدہ ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان میں بعض لوگ ایسے ہیں کہ کعبہ شریف ان کے گرد طواف کرتا ہے جہاں کہیں وہ رہتے ہوں بھلا اگر یہ ہو سکتا ہے تو حدیبیہ کے موقعہ پر جب رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کا عمرہ کرنے کے ارادہ سے نکلے اور حدیبیہ پہنچے تو آنحضرت ﷺ وہاں روک دیئے گئے' کفار نے مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا اس وقت کعبہ مکہ سے نکل کر حدیبیہ کیوں نہ پہنچا کہ وہاں جناب رسول اللہ ﷺ کے گرد طواف کرتا (یا آپ اس کا طواف کر کے عمرہ کر لیتے) کہ آنحضرت ﷺ اس کعبہ کی زیارت کے نہایت مشتاق تھے اصل میں یہ لوگ ان لوگوں کے مشابہ ہیں جن کا ذکر قرآن کی سورہ مدثر میں ہے کہ قرآن سے اعراض کرنے والوں میں سے ہر ایک شخص یہ چاہتا ہے کہ دیئے جائیں اس کو صحیفے کھلے ہوئے' یعنی ہر کوئی ان میں نبی ہونا چاہتا ہے کہ آسمان سے کھلی ہوئی کتاب پائے۔"

جس قدر انبیاء' اولیاء' ائمہ دین' محدثین' حجاج ہو گزرے ہیں سب اپنے گھروں سے سفر کر کے بیت اللہ کی طرف گئے اور وہاں جا کر حج کیا کسی نبی یا ولی کے لیے بیت اللہ اس کے پاس حاضر نہ ہوا۔ سب بزرگان دین بیت اللہ کے پاس جا کر اس کا طواف کرتے رہے' بیت اللہ نے جا کر کسی کا طواف نہ کیا۔ طواف از قسم عبادت ہے' اہل اسلام اللہ کی عبادت بیت اللہ کے طواف سے کریں اور حنفیہ کے فرضی اولیاء کا طواف بیت اللہ کرے یا للعجب۔ نعوذ بالله من هذه العقیدة الفاسدہ۔ طواف کا تعظیماً" تعبدی ہونا امر مسلم ہے تو گویا یوں بات ہوئی کہ مسلمان بیت اللہ کا طواف تعظیماً" کرتے ہیں کہ یہ عبادت ہے اور بیت اللہ اولیاء اللہ کا طواف کرتا ہے تو یہ ان کی عبادت کرتا ہے' ولم یقل به احدا لا من سفه نفسه پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین سب اولیاء تھے کسی کے لیے بیت اللہ نے حاضری نہیں دی تو حنفیہ کے اولیاء

کے لیے بیت اللہ کیسے حاضری دینے لگا؟ اچھا اگر یہ حاضری کئی بار ہوئی تو خانہ کعبہ اپنے بھاری جسم کے ساتھ حاضر ہوتا تھا یا صورت مثالی سے؟ اگر شق اول ہے تو کعبہ اپنے مقام سے غائب ہو گیا تو یہ کسی تاریخ معتبر سے منقول نہیں ہے' دوسرا یہ کہ کعبہ کا ہر وقت طواف ہوتا ہے اگر کوئی انسان نہ ہو تو فرشتے طواف کرتے ہیں اگر بیت اللہ غائب ہو جاتا تو شہر میں کہرام برپا ہو جاتا۔ خصوصاً جب کئی اولیاء کے لیے ایسا ہوتا رہا تو ضرور عام ذکر ہوتا لیکن ایسا ثبوت نہیں ہے تو یہ صریح خلاف واقعہ بات ہوئی اگر یہ کہو کہ مثالی صورت میں کعبہ آتا تھا تو یہ مثالی صورت لغو اور بیکار ہے اس سے کچھ فائدہ نہیں ہے جب اصل کعبہ نہ آیا تو مثالی لانے کی کیا ضرورت تھی۔ مثلاً بیت المقدس کا واقعہ معراج کی تصدیق کے لیے متمثل ہونا ضروری تھا تاکہ کفار مکہ پر حجت قائم ہو اور نماز میں جنت دوزخ کا مثالی صورت میں آنا مومنوں کو اس کا شوق اور خوف دلانا مقصود تھا اور بلال رضی اللہ عنہ کا جنت میں حاضر ہونا صورت مثالی میں وضو کے نفلوں کا اجروثواب ظاہر کرنا تھا' لیکن ہمارے ان حضرات کے اولیاء پر بیت اللہ کو متشکل کرنا کس شرعی ضرورت کے تحت ہے! مقام تعجب ہے کہ اپنے اولیاء کی بزرگی ثابت کرنے کو ایسے مزعومہ واقعات کے لیے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو بطور ثبوت پیش کرتے ہیں' اس کی مثال یوں ہے' خدانخواستہ کسی کنواری لڑکی کو حمل ہو کر بچہ پیدا ہو تو حلالی ثابت کرنے کے لیے حضرت مریم علیہم السلام کا واقعہ ولادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیش کیا جائے۔ ہمارے نزدیک یہ تلبیس ابلیس ہے۔

مولانا اشرف علی صاحب نے ایک اشکال لکھا ہے کہ تاریخ میں کہیں منقول نہیں کہ قبلہ اپنی جگہ سے غائب ہوا ہے پھر اس کا جواب وجدانی دلیل سے یوں لکھا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت اتفاق سے کعبہ کا دیکھنے والا کوئی نہ ہو' "اذا اراد اللہ تعالٰی شیئا ھیا اسبابہ" اور یہ اس وقت ہے جب بھی جسم منتقل ہوا ہو ورنہ اقرب ہے کہ کعبہ کی حقیقت مثالیہ اس حکم کا محکوم علیہ ہے۔" اھ۔ میں کہتا ہوں جواب میں یہ شقیں پیدا کرنا اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جب اس بارے میں صحیح سند سے شارع نے کوئی حکم بیان کیا ہو جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اپنے سامنے جنت میں چلتے ہوئے معلوم کیا اور جیسے کفار کے انکار معراج و اسراء پر بیت

المقدس کا نمودار ہونا حدیث میں مذکور ہے کیونکہ یہ قصہ خلاف امورِ عادیہ ہے جس کا ثابت ہونا نص شرعی سے ضروری ہے کعبہ کا بزرگان دین کے لیے آنا اور اس کا طواف کرنا کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے تو اس کی توجیہات کا اختراع کرنا سراسر لغو اور اعتقادی بدعت ہے' پھر یہ توجیہیں بھی غلط ہیں' کیونکہ اگر کعبہ بجسدہ اپنی جگہ سے چلتا تو اہل حرم کو ضرور وہ مقام خالی ہوتا معلوم ہو جاتا' کیونکہ بیت اللہ میں شب و روز عابدین عبادت کرتے ہیں اور ذاکرین ذکر الٰہی کرتے ہیں کہ کوئی دشمن اسلام اسی مقدس مکان میں کوئی تصرف نہ کر سکے' علاوہ اس کے اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے گھر کی حفاظت کے لیے ملائیکہ مقرر کر رکھے ہیں جو ہر وقت حفاظت اور نگرانی کے علاوہ اس کا طواف اور اس میں عبادت بھی کرتے رہتے ہیں اور رات دن میں کوئی ایسا وقت نہیں ہے کہ کعبہ خالی ہو اور اس میں عبادت کرنے والا کوئی موجود نہ ہو یہ بات عقل و نقل سے نہایت بعید ہے کہ کعبہ "اولیاء" کی زیارت اور ان کے طواف کے لیے چلا گیا ہو اور اہل حرم کو کوئی علم نہ ہوا ہو۔ لہٰذا یہ توجیہہ الہام شیطانی ہے القاء ربانی نہیں ہے' فتفکروا یا اولی الابصار۔

دوسری توجیہہ کی صورت مثالیہ کعبہ کی حاضر ہوتی ہو یہ بھی لغو خیال ہے اور یہ اس ولی کی کرامت کا مثبت نہیں ہے' کیونکہ جب اصلی کعبہ نہ ہو تو یہ خیالی اور مثالی کعبہ شیطان کا فریب ہی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب قاعدہ جلیلہ فی التوسل و الوسیلہ میں شیطانی فریب و حیل کا ذکر کیا ہے کہ وہ ایک شہر سے دوسرے شہر تک اپنے مریدوں کو لے جاتے ہیں اور یہ کہ ہوا میں اڑا کر حج بھی کراتے ہیں کہ عرفات میں پہنچا دیتے ہیں پیر اور مرید دونوں کا یہ گمان ہوتا ہے کہ ہم کو یہ بڑی کرامت حاصل ہو گئی کہ ہم نے بیت اللہ کا حج کر لیا ہے حالانکہ یہ حج مشروع مسنون نہیں ہوتا۔ اسی طرح کئی شیطان ان پیروں کو کئی عجائبات دکھاتے ہیں یہ اہل بدعت ان کو خوارق تصور کر کے کرامتیں قرار دیتے ہیں اور یہ بھی شیطانی حرکات میں سے ہے کہ ارواح موتی جس سے استغاثہ کیا جاتا ہے بنفسہ قبر سے خارج ہو کر گفتگو اور معانقہ وغیرہ و دعاء قبول کرتے ہیں اور شیخ جیلانی رحمہ اللہ کا واقعہ لکھا ہے کہ وہ عبادت میں مشغول ہے کہ ایک بڑا عرش ظاہر ہوا اس پر نور ہی نور تھا جس سے آواز

آئی کہ میں تیرا پروردگار ہوں، میں تیری عبادت سے خوش ہو کر تیرے لیے سب چیزیں حلال کرتا ہوں جو اوروں پر حرام ہیں۔ حضرت محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ نے "اخساء یاعدواللہ" کہہ کر اس کو دفع کیا پس ایسے ہی اولیاء حنفیہ کے مثلیہ کعبہ کا آکر زیارت اور طواف کرنا سمجھ لیں کہ یہ شیطانی کھیل ہے۔

ھذا ماکتبہ عبدالقادر حصاری غفرلہ الباری

ہفت روزہ الاعتصام جلد۔۲۷، شمارہ۔۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، بمطابق ۱۳ فروری تا ۵ مارچ ۱۹۷۶ء

اہلحدیث اور اہل فقہ

توحید خالص کی وضاحت

جب کسی شخص کی کوئی چیز ضائع ہو جائے یا گم ہو جائے تو اہل حدیث کا عمل یہ ہے جو فتاویٰ نذیریہ ج-۱' ص-۲۸ میں درج ہے کہ حسن حصین میں بروایت طبرانی و ابن شیبہ یہ حدیث مرقوم ہے کہ فرمایا آنحضور ﷺ نے "اذا ضاع له شیئی اوابق اللهم راد الضالة وهادی الضلالة انت تهدی من الضلالة اردد علی ضالتی بقدرتک وسلطانک فانها من عطائک وفضلک" یعنی "جب کسی کی کوئی چیز ضائع ہو جائے یا غلام گم ہو جائے' حیوان بھاگ جائے تو اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں یہ دعا مانگے "اے اللہ! گم شدہ چیز کے لوٹانے والے' گمراہی میں رہنمائی کرنے والے' تو ہی گمراہی کے وقت ہدایت دیتا ہے' تو ہی میری گم شدہ چیز کو میرے پاس واپس لوٹا دے' اپنی قدرت اور حکومت سے کیونکہ وہ چیز تیرے ہی فضل و کرم سے ملی تھی"

بحکم قرآن ادعونی استجب لکم یہ دعا خدا تعالیٰ سے کی گئی ہے جو حرف بحرف توحید پر مبنی ہے کہ وہ چیز خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ' اسی کے اختیار اور قبضہ میں ہے اور اسی کے علم و قدرت میں ہے اور اسی متصرف الامور کے تصرف میں ہے۔ اس لیے اسی سے یہ دعا کی گئی ہے کہ وہ ہماری چیز عنایت کر دے۔ اب یہ اس کی مرضی پر موقوف ہے کہ خواہ وہ چیز اس کو واپس کر دے یا نہ کرے اور اس کو اس چیز کے عوض صبر کرنے پر اور دعا کرنے پر ثواب دے۔ یہ دعا قضا حاجت کا بھی کام دیتی ہے اور توحید کا عقیدہ بھی سکھلاتی ہے اور اس کا پڑھنا عبادت بھی ہے۔ بموجب حدیث کہ الدعا مخ العبادة یعنی "دعا کرنا عبادت کا مغز ہے" پس علماء اہل حدیث کا اس پر عمل ہے اور یہی ان کا مذہب اور عقیدہ ہے اور اسی کی وہ تبلیغ اور اشاعت کرتے ہیں لیکن اس کے برعکس اہل فقہ کا عمل غیر اللہ کو پکارنا اور اس سے استغاثہ کرنا اور استمداد کرنا ہے اور یہی ان کا عقیدہ ہے۔

چنانچہ فقہ کی معتبر اور متداول کتاب رد المحتار ج-۳' ص-۳۳۴ میں ہے کہ قدر

الزیادی ان الانسان اذا ضاع له شیئی راداں یردہ اللّٰہ سبحانہ علیہ فلیقف علی مکان لہ مستقبل القبلۃ ویقرا الفاتحہ ویھدی ثوابھا و صلعم ثم یھدی ثواب ذالک سیدی احمد بن علوان ویقول یاسیدی احمدا یا ابن علوانْ ان یرد علی ضالتی والا نزعتک من دیوان الاولیاء فان اللّٰہ تعالیٰ یرد علی من قال ذلک ضالۃ برکۃ ماجھودی مع زیادہ کذا فی حاشیہ شرح المنھج الداودی یعنی "زیادی نے یہ قرارداد پیش کی کہ جب کسی انسان کی کوئی چیز گم ہو جائے اور وہ چاہے کہ خدا سبحانہ تعالیٰ اس کو واپس کر دے تو وہ یہ عمل کرے کہ کسی بلند مکان پر قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر کھڑا ہو اور سورہ فاتحہ پڑھے جس میں (ایاک نستعین ہے) اور اس کا ثواب جناب نبی کریم ﷺ کو ہدیہ کرے اور پھر سید احمد علوان کو پہنچائے اور پھر یوں کہے اے سید احمد! اے ابن علوان میری گم شدہ چیز میرے پاس واپس کر دے۔ اگر تم نے میری گم شدہ چیز واپس نہ کی تو میں تمہارا نام دفتر اولیاء سے کٹ دوں گا۔ اس عمل کی برکت سے اللہ تعالیٰ وہ گم شدہ چیز واپس کر دے گا۔"

اہل بدعت مشرکین اس عبارت کو مستند جان کر غیر اللہ کی استمداد کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ مشکل کے وقت اولیاء اللہ کو پکارنا چاہیے اور اس سے پہلے سورہ فاتحہ پڑھ کر جناب نبی کریم ﷺ کو ہدیہ کرے پھر جس بزرگ ولی سے مدد لینی ہے اس کو ثواب پہنچائے (فاتحہ صرف ایصال ثواب کے لیے ہے' عمل کے لیے نہیں ہے) پھر اس ولی اللہ سے اپنی حاجت مانگے پھر وہ ولی اللہ خدا سے کہے گا اور پھر خدا اس چیز کو اس دعا سے متاثر ہو کر پہنچا دے گا۔ اب ناظرین اہل علم غور کریں کہ جب فقہ کی کتاب سے غیر اللہ کو پکارنے اور اس سے حاجت طلب کرنے کا سبق مل رہا ہے تو مشرکین کا کیا قصور ہے؟

احناف میں دیوبندی حضرات توحید کے علمبردار کہلاتے ہیں مگر چونکہ وہ بھی فقہ کے قائل ہیں اور فقہ ہی کو ترجیح دیتے ہیں' اس لیے اس عقیدہ میں وہ بھی پھسل گئے ہیں۔ انہوں نے ایک کتاب بنام المھتند شائع کی ہے۔ اس کے ص۔۳۳ پر ہے کہ کبھی خواص میرے کسی بزرگ کے لیے کسی خاص وقت میں جناب رسول اللہ ﷺ کی روح پر فتوح کے تشریف لانے میں تو کچھ استبعاد نہیں ہے کیونکہ ایسا ہو سکتا ہے اور

اتنی بات کا عقیدہ رکھنے والا بر سر غلطی بھی نہ سمجھا جائے گا کیونکہ حضرت ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں۔ "باذن خداوندی جہان میں جو چاہتے ہیں تصرف فرماتے ہیں" اس عبارت سے ان کا عقیدہ ظاہر ہے کہ وہ آنحضور ﷺ کو جہان میں متصرف الامور جانتے ہیں۔ جب نبی اور ولی متصرف ہوئے تو ان کو پکارنا اور ان سے استمداد جائز ہوئی' اناللہ۔ مسئلہ استمداد لغیر اللہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس سے توحید خالص پر زد پڑتی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ دیوبندی حضرات بھی بحیثیت مقلد حنفی اور اہل فقہ ہونے کے اس باب میں کمزور واقع ہوئے ہیں۔ چنانچہ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی دیوبندی کی مشہور کتاب بوادر النوادر میں اس مسئلہ کی یوں وضاحت فرماتے ہیں۔

آپ سے ان کے کسی معتقد نے یہ سوال کیا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ضیاء القلوب ص-۵۵ میں تحریر فرماتے ہیں استعانت و استمداد از ارواح مشائخ طریقت بواسطہ مرشد خود کردہ الخ استعانت و استمداد کے الفاظ ذرا کھٹکتے ہیں' غیر اللہ سے استعانت و استمداد بطریق جائز کس طرح کرتے ہیں۔ خالی الذہن ہونے کی تاویل و توجیہہ بالکل جی کو نہیں لگتی۔ ایسی بات ارشاد ہو جس سے قلب کو تشویش نہ رہے۔" یہ مرید مرشد کا سوال ہے۔ وہ اس گروہ کے مرشد اعلیٰ کی عبارت ضیاء القلوب سے پیش کرتا ہے جو غیر اللہ سے استعانت کے جواز پر دال ہے اور اس مشرکانہ خیال سے تشویش میں مبتلا ہو کر سائل ہوا ہے کہ مجھے استمداد کا طریق جائز بتلا دیا جائے جس میں شرک نہ ہو۔ اب مولانا اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں جو علما اسلام کے لیے قابل غور ہے۔" —— (الجواب)

(۱) جو استعانت و استمداد بالمخلوق باعتقاد علم و قدرت مستقل مستمد منہ ہو شرک ہے۔ (۲) اور جو باعتقاد علم و قدرت غیر مستقل ہو مگر وہ علم و قدرت کسی دلیل صحیح سے ثابت نہ ہو معصیت ہے۔ (۳) اور جو باعتقاد علم و قدرت غیر مستقل ہو اور وہ علم و قدرت کی دلیل صحیح سے ثابت ہو خواہ مستمد منہ حی ہو یامیت تو یہ جائز ہے۔ (۴) اور جو استمداد بلا اعتقاد علم و قدرت ہو نہ مستقل نہ غیر مستقل پس اگر طریق استمداد مفید ہو تب بھی جائز ہے یعنی استمداد بالنار والماء والواقعات الثار حیہ ورنہ لغو ہے۔ (۵) یہ کل پانچ قسمیں پس استمداد رواح مشائخ سے صاحب کشف الارواح

کے لیے قسم ثالث ہے اور غیر صاحب کشف کے لیے محض ان حضرات کے تصور اور تذکر سے قسم رابع ہے کیونکہ اچھے لوگوں کے خیال کرنے سے ان کو اتباع کی ہمت ہوتی ہے اور طریق مفیدی ہے اور غیر صاحب کشف کے لیے بدون قصد نفع تذکر و تصور قسم خامس ہے۔" (ج-۱' ص-۸۳)

باوجود اتنی قسمیں بنانے اور پیچیدگیاں پیدا کرنے کے بات وہاں کی وہاں ہی رہی' انا للہ- کیا یہ ذی علم حضرات اتنا بھی نہیں سوچتے کہ اگر استمداد از ارواح جائز ہوتی تو صحابہ کرام سے اس کا کچھ نہ کچھ ثبوت ملتا' ائمہ کرام ہی سے اس کا کچھ پتہ چلتا جب سلف صالحین سے کتب احادیث سے اس کا کچھ ثبوت نہیں ہے تو پھر دوسری باتوں کو کون جانے۔

کتبہ عبدالقادر الحصاری غفرلہ الباری

ہفت روزہ اہل حدیث سوہدرہ جلد-۱۱' شمارہ-۱۹' بمطابق ۱۴ مئی سنہ-۱۹۵۹ء

مشرک کو سلام کرنا یا سلام کا جواب دینا جائز ہے یا نہیں؟

سوال (۶۴۳) مشرک بے نمازی بدعتی قبر پرست تعزیہ پرستوں کو سلام کرنا یا سلام کا جواب دینا جائز ہے یا نہیں؟

سائل مذکور

جواب (۶۴۳) مشرکوں اور بدعتیوں کو خود سلام نہ کرنا چاہیے۔ اگر وہ کہہ دیں تو وعلیکم کہہ دو۔ اہل کتاب سے سلام کا یہی طریقہ احادیث میں آیا ہے' واللہ اعلم۔

کتبہ عبدالقادر الحصاری غفرلہ الباری۔

الجواب صحیح ابو محمد عبدالستار دہلوی۔

بریلوی مرزائی اور شیعہ

میری تحقیق میں بریلوی' مرزائی' شیعہ تینوں فرقے یکساں گمراہ اور فرقہ ناجیہ سے خارج ہیں' کیونکہ عقائد باطلہ میں یہ تینوں متحد ہیں اور وہ امور جو اہل حق کے نزدیک کفریہ ہیں ان میں ان کا اتحاد پایا جاتا ہے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل مسائل میں ان کا متفق العقائد ہونا صاف نمایاں ہے۔

(۱) **مرزائی عقیدہ** ⇦ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مارنے اور زندہ کرنے کی صفت دی گئی ہے۔ (خطبہ الہامیہ ص-۲۳) اے مرزا تیری یہ شان ہے کہ تو جس چیز کو "کن" کہہ دے وہ فوراً ہو جاتی ہے۔ (حقیقتہ الوحی ص-۱۰۵)

شیعی عقیدہ ⇦ ائمہ اہل بیت کے سامنے کائنات کا ذرہ ذرہ ظاہر و باہر ہے۔ حضرت علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما کو تمام مخلوق پر تصرف کرنا عطا فرمایا گیا ہے اور ان کو حرام و حلال کرنے کا کلی اختیار ہے۔ (اصول کافی کتاب الحجۃ ص-۲۷۹)

بریلوی عقیدہ ⇦ احکام الٰہی حضور ﷺ کے قبضہ میں ہیں' جو چاہیں جس پر چاہیں حرام حلال کر دیں جو چاہیں معاف کر دیں۔ (بہار شریعت حصہ اول عقیدہ نمبر-۲) رسول اللہ ﷺ کو پوری خدائی قوت دی گئی ہے جب ہی تو اللہ تعالیٰ کی طرح مختار کل ہیں اور نائب کلی (شرح استمداد ص-۵۱) ان سب کے برخلاف اہل اسلام موحدین کا عقیدہ ہے کہ زندہ کرنے کی صفت اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اور مختار کل اور تصرف کرنے کا اختیار کلی محض اللہ کی ذات ہی کو ہے اور یہ بشر جن کو "اختیارات" دیئے گئے خود مصائب میں گرفتار رہ چکے ہیں۔

(۲) **مرزائی عقیدہ** ⇦ "وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللّٰہ علیک عظیما" اے نبی! ہم نے تجھ کو وہ علم دیا جو تو جانتا نہ تھا اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ یہ آیت میرے حق میں ہے۔ (حقیقتہ الوحی ص-۹۵) جان لو کہ اللہ کا فضل میرے ساتھ ہے اور اللہ کی روح میرے نفس میں بولتی ہے۔ (انجام آتھم ص-۱۷۶) اللہ تعالیٰ نے اس قدر شان دکھائے ہیں کہ اگر وہ ہزار نبی پر

تقسیم کیے جائیں تو ان کی نبوت ثابت ہو سکتی ہے۔ (چشمہ معرفت ص ۳۱۷)

شیعی عقیدہ ⇦ اصول کافی کتاب الحجۃ میں ہے:

"ان الائمۃ یعلمون جمیع العلوم التی خرجت الی الملائکۃ والانبیاء والرسل"
یعنی ائمہ اہل بیت وہ تمام علوم جو کہ فرشتوں اور نبیوں اور رسولوں کو عطا ہوئے ہیں 'سب جانتے تھے' نیز اصول کافی میں ہے کہ ائمہ اہل بیت "وما کان وما یکون" کے جملہ علوم جانتے ہیں۔

بریلوی عقیدہ ⇦ اولیاء اللہ عالم الغیب ہیں' غیب دانی ان کے اختیار میں دے دی گئی ہے جب چاہیں غیب کی باتیں معلوم کر سکتے ہیں۔ (الامن والعلاء ص ۲۰۸) اسی طرح بریلوی کی تمام کتابوں میں صاف لکھا ہے۔

اسلامی عقیدہ ⇦ تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ عالم الغیب اللہ تعالیٰ ہے اور کلی علم غیب اسی کا خاصہ ہے۔

(۳) مرزائی عقیدہ ⇦ تریاق القلوب ص ۳ میں ہے۔

منم مسیح زماں و منم کلیم خدا
منم محمد و احمد کہ مجتبیٰ باشد

تتمہ حقیقت الوحی ص ۴۹ میں ہے۔

آنچہ داد دست ہر نبی راجام
داد آں جام را سر انجام

شیعی عقیدہ ⇦ اصول کافی ص ۱۱۸ میں ہے۔ امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ تمام کائنات سے بڑھ کر ہے اور ایسا ہی مرتبہ سب ائمہ معصومین کا ہے۔

بریلوی عقیدہ ⇦ انوار الصوفیہ میں یہ شعر پیر جماعت علی شاہ کی بابت مشہور ہے۔

حور و ملک فلک پر فرش زمین پہ تیرے

حاضر ہیں دست بستہ چاروں کتاب والے

نیز انوار علی پور ص-۱۰ میں ہے ۔

خادم تیرے سارے جتنے حسین جہاں کے
یوسف سے تجھ پہ قربان شیریں مقال والے

اور مولوی محمد یار بہاولپوری کا یہ شعر بریلویوں میں مشہور ہے ۔

برائے چشم بینا از مدینہ برسر ملتان
بشکل صور دیں خود رحمتہ للعالمین آمد

نیز انوار علی پور ص-۱۱ میں بریلوی ملت کے پیر کی بابت لکھا ہے ۔

جو دیکھا کہ طواف کر کے رہا مدینے کے زائروں میں
نظر میں آیا ہے ہوبہو تو ہزار دیکھا سر جھکا کر

یعنی مکہ میں طواف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بجائے تو ہی نظر آیا اور مدینہ میں زیارت قبر نبوی پر بھی بجائے رسول ﷺ تو ہی نظر آیا۔

اسلامی عقیدہ ⇦ تمام مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ انبیاء کا درجہ سب کائنات پر فائق ہے اور ان کے برابر غیر انبیاء کا درجہ نہیں ہے' جو غیر انبیاء کو انبیاء کے مساوی ٹھہراتا ہے وہ انبیاء کی توہین کرتا ہے۔

(۴) **مرزائی عقیدہ** ⇦ خلیفہ قادیان لکھتا ہے کہ ہمارا سالانہ جلسہ ایک قسم کا ظلی حج ہے۔ (الفضل یکم دسمبر ۳۲ء) نیز لکھا ہے کہ ہمارا جلسہ بھی حج کی طرح ہے' اللہ تعالیٰ نے قادیان کو اسی (حج) کے لیے مقرر کیا ہے۔ (ملخص از برکات خلافت (ص-۵) درثمین ص-۵۲ پر لکھا ہے ۔

زمین قادیان اب محترم ہے
ہجوم خلق سے ارض حرم ہے

سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ کی آیت کریمہ میں مسجد اقصیٰ سے مراد قادیان کی مسجد ہے۔

الفضل جلد-۱۰' ص-۴۸' ۱۸ دسمبر ۱۹۲۲ء میں لکھا ہے کہ اس اعتبار سے مدینہ

منورہ کے گنبد خضرا کے انوار کا پورا پورا پرتو اس گنبد بیضا پر پڑ رہا ہے اور آپ گویا ان برکات سے حصہ لے سکتے ہیں جو رسول کریم ﷺ کے مرقد منور سے مخصوص ہیں کیا ہی بد قسمت ہے وہ شخص جو احمد کے حج اکبر میں اس تمتع سے محروم رہے۔ نیز الفضل ۳ دسمبر ۱۹۳۵ء میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں مقامات (مکہ' مدینہ' قادیان) کو مقدس کیا اور ان تینوں مقامات کو اپنی تجلیات کے اظہار کے لیے چنا۔

رافضی عقیدہ ⇐ جامع عباسی ص-۳۰ پر لکھا ہے: مالداروں پر تو ہر سال کربلا کی زیارت واجب ہے جو ایک سال نہ جائے گا ان کی عمر ایک برس کم ہو جائے گی۔ وہاں جانے سے عمر دراز ہو گی۔ جو قدم راہ کربلا میں اٹھایا جائے اس کے عوض ایک حج مبرور اور ہزار غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ زیارت سے اگلے پچھلے گناہ بخشے جاتے ہیں عرفہ (حج) کے دن زیارت کرنے سے ایسے بیس حج اور عمرہ کا ثواب ملتا ہے جو کسی نبی یا امام کے ساتھ کیے ہوں۔

گلزار جنت سنی ص-۹ پر ہے کہ کربلائی زمین تمام زمین سے زیادہ پاکیزہ سب سے زیادہ حرمت والی ہے اور بہشت کی زمینوں سے ہے اور سب سے بڑھ کر ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شیعہ حج کعبہ کی بجائے کربلا جاتے ہیں' بندہ نے خود ان کو جاتے دیکھا ہے۔

بریلوی عقیدہ ⇐ انوار علی پور ص-۸ پر ہے ۔

سوال حج پر محشر میں پوچھیں گے تو کہہ دوں گا
میں زائر ہوں علی پور کا علی پور والیا شاہا

ایک اور شعر مشہور ہے ۔

چاچڑاں وانگ مدینہ دسے کوٹ مٹھن بیت اللہ
ظاہر دے وچ پیر فریدن باطن دے وچ اللہ

نیز انوار الصوفیہ ماہ ستمبر ۱۹۳۰ء ص-۹ پر یہ شعر ہے ۔

مدینہ بھی مطہر ہے مقدس ہے علی پور بھی
ادھر جائیں تو اچھا ہے ادھر جائیں تو اچھا ہے

نیز سندھ کے علاقہ میں ان بریلویوں نے اپنا کعبہ بنالیا تھا اور وہاں حج کرتے تھے۔

اسلامی عقیدہ ⇐ تمام موحدین اہل اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ مکہ میں بیت اللہ اور مدینہ میں مسجد نبوی اور بیت المقدس میں مسجد اقصیٰ یہ انبیاء کی مقررہ کردہ عبادت گاہیں ہیں جو لوگ ان کے علاوہ بزرگان دین بلکہ انبیاء و اولیاء کی قبروں کو ان مقامات مقدسہ کے برابر جان کر وہاں عبادت کرنے جائیں گے وہ گنہگار ہوں گے۔

(۵) مرزائی عقیدہ ⇐ مرزا بشیر احمد ابن غلام احمد اپنی کتاب "آئینہ صداقت" میں لکھتے ہیں کہ "کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کی بیعت کا نام بھی نہیں سنا وہ کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ (ص-۳۵)

شیعی عقیدہ ⇐ شیعہ کی کتاب اختصاص میں ہے کہ عمر بن ثابت راوی بیان کرتا ہے کہ امام جعفر سے میں نے سنا وہ فرماتے تھے کہ جب نبی کریم ﷺ کی وفات حسرت آیات واقع ہوئی تو تمام لوگ کافر و مرتد ہو گئے مگر تین آدمی وہ یہ ہیں' سلمان فارسی' ابوذر غفاری' عمار بن یاسر۔

مجالس المومنین پنجم ص-۱۴۴ میں ہے از حضرت امام زین العابدین روایت کردہ اندکہ ے فرمود کہ تمام مردم بعد از قتل حسین مرتد شدند الا ہیچکس" علاوہ ازیں شیعہ رافضیوں کا صحابہ و خلفا پر تبرا کرنا اور اہل سنت کو کافر کہنا مشہور ہے وہ بغیر اپنے کسی کو مسلمان نہیں جانتے ہیں۔

بریلوی عقیدہ ⇐ وہابی' دیوبندی جملہ مرتدین ہیں کہ ان کے مرد یا عورت کا تمام جہان میں جس سے نکاح ہو گا مسلم یا کافر اصلی یا مرتد' انسان ہو یا حیوان محض باطل اور زنا خالص ہو گا اور اولاد ولد الزنا۔ (ملفوظات حصہ دوم' ص-۱۰۵)

اسلامی عقیدہ ⇐ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اس کی کتابوں پر اور فرشتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور دن قیامت مانتے ہیں اور توحید پر قائم رہ کر شرک سے بیزار ہیں اور ختم رسالت پر یقین رکھ کر ارکان اسلام کے پابند ہیں۔ کتاب اللہ اور احادیث صحیحہ کے کسی حکم کا انکار نہیں کرتے وہ مسلمان ہیں' مرزائیوں اور رافضیوں'

بریلویوں کے عقائد مخترعہ کتاب و سنت سے خارج ہیں۔

(۶) مرزائی عقیدہ ⇦ مرزائیوں نے قادیان میں بہشتی مقبرہ بنایا ہے کہ جو شخص اپنی جائداد کا کچھ حصہ اس کے نام ہبہ کرے گا اس کو اس میں قبر کی جگہ دی جائے گی اور وہ بہشتی ہو جائے گا۔ یہ مشہور چیز ہے جس سے کوئی مرزائی انکار نہیں کر سکتا اور بہشتی مقبرہ قادیان میں، دفن ہونا مسلم کل ہے۔

شیعی عقیدہ ⇦ کہ کربلا کی زمین جنت کی زمین سے ہے۔ جیسا کہ پہلے لکھا گیا ہے' اور یہ شعران کا مشہور ہے ۔

جنت دیکھی جو کربلا کو دیکھا
فردوس میں پہنچے جو نجف میں پہنچے

بریلوی عقیدہ ⇦ پاکپتن بابا فرید کی خانقاہ پر بہشتی دروازہ بنایا گیا ہے اور یہ مشہور کیا گیا ہے کہ اس میں سے ماہ محرم کے شروع میں جبکہ وہ کھلتا ہے' جو شخص گزر جائے گا جنتی ہو گا' چنانچہ عوام جہلا دور دراز کے علاقوں سے بہشتی بننے کے لیے سفر کرتے ہیں اور اس دروازہ سے گزرتے ہیں۔

اسلامی عقیدہ ⇦ جو لوگ کتاب و سنت پر ایمان لا کر ان کے احکام کی پابندی کریں گے وہ جنتی ہیں نہ کسی قبر سے گزرنے پر جنتی ہوتا ہے اور نہ کسی مقبرہ میں دفن ہونے پر اور نہ کربلا جانے پر' یہ سب خرافات باطلہ ہیں۔

(۷) مرزائی عقیدہ ⇦ ص-۳۰ حاشیہ اربعین نمبر-۳ میں ہے "خدا کی مانند" نیز آئینہ کمالات ص-۵۶۵ میں ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں خدا ہوں' میں نے یقین کر لیا کہ میں وہی ہوں نیز حقیقتہ الوحی ص-۱۲۵ میں ہے کہ اس دن بادلوں میں تیرا معبود آئے گا' یعنی انسانی مظہر (مرزا) کے ذریعہ اپنا جلال ظاہر کرے گا' نیز سرورق اخیر ریویو جلد-۵' نمبر-۳ ہے کہ تو مجھ سے ایسا ہے جیسا کہ میں ہی ظاہر ہو گیا۔

شیعی عقیدہ ⇦ بعض رافضی حضرت علی ؓ کو عین معبود جانتے ہیں۔ (ملل ص-۱۰۳ غنیہ ص-۲۰۱) تفصیل مزید کی گنجائش نہیں ہے' تفصیل دیگر کتب میں موجود

ہے، لیکن یہ بعض رافضیوں کا عقیدہ ہے۔

بریلوی عقیدہ ⇐ آنحضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے نور سے کہتے ہیں اور یہ شعر پڑھتے ہیں ۔

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر
اتر پڑا وہ مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر

پس یہ چند اعتقادات بطور نمونہ ہیں، مسائل اور بھی ہیں جن میں ان کا اتحاد پایا جاتا ہے۔

کتبہ عبدالقادر الحصاری

اہل حدیث سوہدرہ جلد ---، شمارہ ---، بمطابق ۲۴ جون و یکم جولائی ۱۹۵۷ء

گیارہویں والے پیر حضرت شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ

احناف خصوصاً بریلوی گمراہ ہیں

حضرات! عام طور پر بریلوی اہل بدعت یہ مشہور کرتے ہیں کہ یہ اہل حدیث غیر مقلد اولیاء اللہ کو نہیں مانتے اور ان کے منکر ہیں۔ حلانکہ یہ بالکل غلط ہے بلکہ ایسا الزام تو نصاریٰ لگاتے ہیں جو کہتے ہیں کہ اہل اسلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں مانتے۔

سنئے! اہلحدیث ہر بزرگ' امام' ولی اللہ کو مانتے ہیں۔ بتقضائے آیت کریمہ فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولئک الذین ھداھم اللہ واولئک ھم اولو الالباب یعنی "جو لوگ باتیں سنتے ہیں اور اچھی بری میں تمیز کر کے احسن بات پر عمل کرتے ہیں اے نبی! آپ ان کو ہماری طرف سے بشارت دیں کہ وہ ہدایت پر ہیں اور وہی عقلمند ہیں۔" ہم سب بزرگوں کی باتوں کو سن کر احسن بات کو قبول کر لیتے ہیں اور غیر احسن کو ترک کر کے اس بزرگ کی بات کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سپرد کر دیتے ہیں۔

ہمارے برخلاف حضرات مقلدین کا برخلاف فرقہ بریلویہ کے یہ طریقہ ہے کہ ایک بزرگ کی تعریف و توصیف کے پل باندھ کر اوپر چڑھا دیتے ہیں اور بالکل اس کو معصوم بنا دیتے ہیں۔ اور جب اس کا فتویٰ اور فرمان پیش کر کے عمل کا مطالبہ کیا جائے تو ناک بھوں چڑھا کر اس بزرگ کے فرمان کو نہایت قبیح نظر سے دیکھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت محبوب سبحانی پیر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو سید الاولیاء' خاتم الولایت کاشف الکروب' قطب الاقطاب' مجمع البحرین' غوث الثقلین' دافع البلاء' مشکل کشا تسلیم کرتے ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ عالم الغیب تھے اور اب بھی ہیں اور جو چاہیں کر سکتے ہیں حتیٰ کہ ایک عبدالستار نامی نے تکملہ فارسی میں یہ کہہ کر بات ختم کر دی کہ؎

در دو عالم او ولی عہد خدا ست\
در جہاں نائب مناب مصطفیٰ ست\
در شریعت نیست عاقل ترازو\
در حقیقت نیست کامل ترازو

کائن است آں بائن است آں اہل دل
ہست ذاتش متصل ہم منفعل
ہست ارضی و سماوی در صفت
قدسی و غیبی بروں از شش جہت
درحقیقت حل مشکلہا از وست
کہ کلید گنجہا در دست اوست

ایک مولانا قصوری آپ کی مدح میں یوں رقمطراز ہیں ؎

انس و ملک بر قدمش سر نہاد
او سرپا برسر افسر نہاد

آپ کے بعض مرید نماز مغرب کے بعد ایک قصیدہ غوثیہ "مثل قرآن مجید کے تلاوت کرتے ہیں۔ وہ بھی ناظرین غور سے دیکھیں ؎

انا فی حضرت التقریب وھدی
یصرفنی وحسبی ذوالجلال
جان من! در حضرت قرب خداست
در مقامے من بس شرکت کراست
ے دہد تغییر از حال بحال!
ہست کافی کرد کارے ذوالجلال
انا البازی اشھب کل شیخ
ومن ذاتی الرجال اعطی مثال
منکہ اندر شرع پیر مشربم!
در مشائخ ہمچو باز اشہبم!!
کیست در مردان دین مصطفی
آنکہ او را گشت مثل من عطاء

پنجابی بھائیوں کے لیے بھی کچھ شیرینی پیش کی جاتی ہے۔ ایک فقیر شاہ اللہ شاعر پنجابی اخبار اخیار اور عبداللہ نافعی کے تکملہ کا حوالہ دے کر یوں لکھتا ہے کہ پیر جیلانی فرماتے ہیں

میں خارج عقل تساڈی کنوں مول قیاس نہ کرسو
جو حضرت پیر فلانے انگا مثل میرے نہ ٹھرسو
میں عقل فکر تھیں باہر آہاں مشرق مغرب جتناں
شان میرے نوں اللہ جانے وچہ اندازے کتناں
قسم تینوں یا عبدالقادر اللہ مینوں کہیا
جیہڑی گل توں آکھیں مینوں کرساں میں بھی اوہا
قسم مینوں یارب تعالیٰ گل نہ مول کریساں
باجھوں امر تیرے دے ربا جیبہ نہ مول ہلیساں
مینوں قسم خداوند باری امروں باجھ نہ کیتا!
فعل کلام جو میں تھیں ثابت حکم الٰہی بیتا!
جے گل کراں میں نال تساڈے سچ یقین پچھانو!
ایہہ حکم الٰہی صادر ہویا اس وچہ شک نہ آنو!
تکذیب میری وچہ حکم الٰہی قاتل زہر پچھانو!
دین ایمان سب جاندار ہی دنیا شک نہ آنو

ان مناقب و فضائل مزعومہ سے یہ ظاہر ہوا کہ پیر پرستوں کے نزدیک محبوب سبحانی کا مرتبہ تمام ائمہ دین بالخصوص امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف اور امام محمد اور زفر وغیرہ سے بھی کئی درجہ بڑھ کر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر مشکل کے وقت اور نذر نیاز کے لیے پیر صاحب کو ہی خاص کیا گیا ہے۔ ورنہ حنفی کہلا کر امام ابوحنیفہ کی بجائے پیر جیلانی کے دروازے سے بھیک نہ مانگتے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مرتبہ پیر جیلانی سے ناقص خیال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ پیر پرست معراج کے متعلق ایک موضوع روایت پیش کر کے کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا وضعت قدمی ھذا علی رقبتک وقدماک علی رقاب جمیع اولیائی یعنی میرا قدم تو اے عبدالقادر تیری گردن پر ہے اور تیرے دونوں قدم تمام اولیاء (جن میں حنفیہ کے ائمہ ثلاثہ بھی داخل ہیں کی گردنوں پر ہیں۔"

بہرکیف پیر صاحب موصوف کے متعلق جو احناف خصوصاً پیر پرست فرقہ بریلویہ کی

عقیدت ہے وہ ظاہر ہو چکی کہ یہ لوگ پیر صاحب موصوف کو اللہ تعالیٰ کا ولی عہد جانتے ہیں لیکن یہ یاد رکھیں کہ کسی بزرگ کو ماننا یہ ہوتا ہے کہ اس کی بات کو اور اس کے عقیدہ کو صحیح جاننا اور اس پر عمل کرنا۔ اگر اس کے عقیدہ و عمل کو درست نہ جانے اور اس کی بات کی تردید کر دے تو یہ جان لیں کہ اس شخص نے اس بزرگ کو خطاوار قرار دیا ہے اور اس کو مانا نہیں۔ اسی واسطے حدیث میں آتا ہے من اطاعنی دخل الجنة ومن عصانی فقد ابیٰ یعنی "جس نے میرے قول و فعل کی فرماں برداری کی وہ جنت میں داخل ہو گا اور جس نے نافرمانی کی اس نے میرا انکار کیا۔"

بس یہی خیال پیر صاحب کے متعلق کر لیں کہ اگر پیر پرستوں نے جناب پیر صاحب کی باتوں کو مان لیا اور ان پر عمل درآمد کیا تو انہوں نے پیر صاحب کو مان لیا۔ وہ ان کے ساتھ ہوں گے۔ اگر نہ مانا تو یہ فرقہ بریلویہ پیر جیلانی محبوب سبحانی کا منکر ہوا۔ اور یہ ظاہر کیا جا چکا کہ پیر صاحب نے حلفیہ یہ فرمایا ہے کہ میری تکذیب عین اللہ تعالیٰ کی تکذیب ہے۔ اچھا اب ذرا پیر صاحب کے مسائل ٹھنڈے دل سے سنئے۔

عقیدہ صحیح کرنا واجب اور صحیح کرنے کا طریقہ: غنیۃ الطالبین مترجم مطبوعہ صدیقی لاہور کے ص ۸۳۶ میں ہے: فالذی یجب علی المبتدی فی هذه الطریقة الاعتقاد الصحیح الذی هو الاساس فیکون علی عقیدة السلف الصالح اهل السنة القدیمة سنة الانبیآء والمرسلین والصحابة والتابعین والاولیاء والصدیقین علی ما تقدم ذکره وشرحه فی اثناء الکتاب فعلیه بالتمسک بالکتاب والسنة والعمل بهما امر او نهیا اصلا وفرعا فیجعلهما جناحیه یطیربهما فی الطریق الواصل الی الله عزوجل ثم الصدق ثم الاجتهاد حتی یجد الهدایة الخ۔ یعنی "اس طریق کے شروع کرنے والے پر واجب ہے کہ پہلے اعتقاد کو صحیح کرے جو بنیاد ہے۔ وہ یہ کہ قدیم اہل سنت سلف صالح، صحابہ و تابعین، انبیاء والمرسلین، اولیاء و صدیقین کے عقیدہ پر رہے جس کی تفصیل کتاب میں شرح کے ساتھ بیان ہو چکی ہے۔ مبتدی کو لازم ہے کہ قرآن و حدیث سے تمسک کرے اور ان دونوں کے اوامر و نواہی، اصول و فروع پر عمل کرے۔ قرآن و حدیث کو اللہ تعالیٰ کی طرف اڑنے کے لیے دو بازو بنا لے پھر راستی سے کام لے کر کوشش کرے تا کہ ہدایت پائے۔"

پیر صاحب کی اس تصریح سے ثابت ہوا کہ ہر شخص راہ ہدایت پانے والے کو چاہیے کہ پہلے عقیدہ درست کرے اور وہ عقیدہ عین پیر صاحب کے بیان کے مطابق ہونا چاہیے جو غنیہ میں انہوں نے فرمایا ہے- کیونکہ وہ عقیدہ تمام انبیاء' اولیاء اور صالحین و صدیقین کا ہے جس پر قدیم اہل سنت قائم رہ چکے ہیں اور قرآن و حدیث کو اپنے دو بازو بنا کر اللہ تعالیٰ کی طرف ان پر عمل کر کے پہنچنا چاہیے- مروجہ کتب فقہ اور آراء الرجال کی ضرورت نہیں-

چند مختصر عقائد منقولہ از غنیہ: اللہ تعالیٰ کی ذات عرش پر ہے- ولا یخلوا من علمہ مکان ولا یجوز وصفہ بانہ فی کل مکان بل یقال انہ فی السماء علی العرش- یعنی "اللہ کے علم سے کوئی مکان خالی نہیں ہے اور یوں کہنا جائز نہیں ہے کہ اللہ ہر مکان میں ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ وہ آسمانوں کے اوپر عرش پر ہے-" (غنیہ ص-۳۶ مطبوعہ صدیقی)

وینبغی اطلاق صفۃ الاستواء من غیر تاویل وانہ استواء الذات علی العرش- یعنی "لائق یہ بات ہے کہ صفت استواء کا اطلاق بغیر تاویل کے کیا جائے اور تحقیق اللہ تعالیٰ کی ذات عرش پر مستوی ہے-" (صفحہ مذکور)

پھر ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا فرمان نقل کیا ہے کہ الکیف غیر معقول والاستواء غیر مجھول والاقرار بہ واجب والجحود بہ کفر یعنی "کیفیت استواء کی معلوم نہیں اور صفت استواء کی مجہول نہیں اور اس کے ساتھ اقرار کرنا فرض ہے اور اس کا منکر کافر ہے-" (ص-۳۷)

پھر تفصیل فرقوں کی کرتے ہوئے ص-۲۰۷ میں فرماتے ہیں کہ جہمیہ گمراہ فرقہ کا عقیدہ یہ ہے کہ ولا یعرف لہ مکان ولیس لہ عرش ولا کرسی ولا ھو علی العرش یعنی "نہ پہچانا جاتا ہے واسطے اللہ کے کوئی مکان اور نہ اس کا عرش ہے اور نہ کرسی اور نہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے-"

اس تصریح سے ثابت ہوا کہ پیر جیلانی صاحب کا عقیدہ ہے اور یہی عقیدہ سب انبیاء اور اولیاء کا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات عرش پر بلاکیف ہے' ہر مکان میں نہیں ہے- جو اس کو نہ مانے وہ کافر ہے- خواہ پیر صاحب کے نام کا وظیفہ کرتا رہے یا گیارہویں دیتا رہے- جب تک یہ عقیدہ نہ رکھے وہ کافر ہے-

اللہ تعالیٰ کی ذات جہت علو میں ہے: عام طور پر حنفیہ کہا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ لا

مکان ہے اس کی تردید تو ہو چکی کہ وہ عرش پر ہے اور لامکان — کا عقیدہ ہے۔ اب یہ سنو کہ حنفی حضرات کہا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات چھ طرف سے پاک ہے۔ پیر صاحب فرماتے ہیں: وھو بجھة العلو مستو علی العرش محتو علی الملک محیط علمه بالاشیاء الیه یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعه یدبر الامر من السماء الی الارض۔ یعنی "اللہ تعالیٰ اوپر کی جہت میں عرش پر مستوی ہے' سب ملک کو حاوی ہے' اس کا علم تمام چیزوں کو محیط ہے' اسی کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں اور عمل صالح بلند ہوتے ہیں۔ کام کی تدبیر آسمان سے زمین کی طرف وہی کرتا (صفحہ-۴۲)

پھر صفحہ-۴۷ میں فرماتے ہیں: عن کعب الاحبار قال قال اللہ تعالٰی فی التوراۃ انا اللہ فوق عبادی وعرشی فوق جمیع خلقی وانا علی عرشی علیه ادبر عبادی ولا یخفی علی شئی من عبادی۔ یعنی "حضرت کعب الاحبار کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تورات میں فرماتا ہے کہ میں اللہ اپنے بندوں کے اوپر ہوں اور میرا عرش تمام خلقت کے اوپر ہے اور میں اپنے عرش کے اوپر ہوں اور عرش پر اپنے بندوں کی تدبیر کرتا ہوں اور مجھ پر کوئی چیز بندوں کی مخفی نہیں ہے۔"

اس سے ثابت ہوا کہ جہت فوق کا عقیدہ درست اور صحیح ہے۔

استوا علی العرش یوم عشورہ کو ہوا: پیر صاحب غنیۃ الطالبین کے ص-۵۷۹ میں فرماتے ہیں: واستوی الرب تبارک وتعالٰی علی العرش فی یوم عاشوراء۔ یعنی "پروردگار عالم برکتوں والا عاشوراء کے دن عرش پر مستوی ہوا۔"

ہاں یہ بھی یاد رہے کہ عرش کی پیدائش بھی پیر صاحب عاشوراء کے دن فرماتے ہیں۔ اسی صفحہ میں ہے وخلق العرش یوم عاشوراء۔

عرش کا پانی پر ہونا: صفحہ-۳۵ میں ہے: والماء فوق السماء السابعة وعرش الرحمٰن فوق الماء واللہ تعالٰی علی العرش۔ یعنی "پانی ساتویں آسمان پر ہے اور عرش الٰہی پانی پر ہے اور اللہ تعالیٰ عرش پر ہے۔"

عرش کو اٹھانے والے فرشتے ہیں اور وہ سرخ یاقوت سے بنا ہوا ہے:

ص-۳۵ میں ہے: وللعرش حملة یحملونه وتری الملائکة حافین عبدالقادر عارف حصاری

"تنظیم اہلحدیث روپڑ جلد ۷، ش ۲۹، ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ"

بریلوی عقائد پر ایک نظر

احمد رضا خاں بریلوی نے بدعت کی تعریف جو اپنی کتابوں میں لکھی ہے وہ بالکل غلط اور باطل ہے۔ اسی غلط تعریف کی رو سے تمام بدعات مروجہ کو انہوں نے جاری کر کے اپنی شرع جدید تیار کی اور اس کو اپنا دین اور مذہب قرار دیا اور آخری وقت عندالموت اپنے مریدوں اور عقیدت مندوں کو یہ وصیت کی کہ تم نے میرے دین اور مذہب پر قائم رہنا ہو گا جو میں نے اپنی کتابوں میں درج کر دیا ہے۔ چنانچہ اپنی وصایا شریف میں جو موت سے دو ۲ گھنٹہ ۱۷ منٹ پیشتر قلمبند کرائے گئے تھے درج کیا کہ "میرا دین مذہب جو میری کتابوں سے ظاہر ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے۔ (وصایا شریف صفحہ ۔۸)

اس وصیت سے صاف ظاہر ہے کہ شریعت محمدیہ بالکل جدا ہے' جس کے شارع حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ یہ وحی الہٰی پر مبنی ہے اور شریعت بریلویہ رضائیہ اس سے علیحدہ ہے۔ جس کے شارع احمد رضا خاں بریلوی ہیں جن کو ان کے پیرو اسی وجہ سے مجدد قرار دیتے ہیں کہ انہوں نے شرع جدید تیار کی ہے۔ ان کے عقائد سے اعمال تک اور اصول سے فروع تک شریعت محمدیہ اسلامیہ بالکل جدا ہے۔ انہوں نے احکام شریعت رضائیہ' ملفوظات وغیرہ سب میں عقائد و مسائل مردودہ درج کئے ہیں۔ چنانچہ عقائد باطلہ و فاسدہ کو رائج کرنے کے لیے یہ اختراعی اصول لکھا ہے کہ: "تعظیم و محبت میں ہمیشہ مسلمانوں کے لیے راہ احداث کشادہ ہے۔ جس طرح چاہیں محبوبان الٰہی کی تعظیم بجالائیں' جب تک کسی خاص صورت سے شرعاً ممانعت نہ ہو' جیسے سجدہ۔"

پس یہ اصول قائم کر کے محبت اور تعظیم رسول کا بہانہ بنا کر انبیاء کرام خصوصاً جناب نبی کریم ﷺ کے فضائل و مناقب اور آپ کی ذات کے اوصاف اور مدارج بیان کیے ہیں۔ جن میں یہود اور نصاریٰ کا غلو پایا گیا ہے۔ چنانچہ ان میں سے ایک یہ ہے جس پر ہم تفصیل سے روشنی ڈالتے ہیں:

جب اللہ عزوجل نے محمد ﷺ کا نور سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشانی میں ودیعت رکھا اور اسی نور کی تعظیم کے لیے تمام ملائکہ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ کا

حکم دیا۔ سب نے سجدہ کیا اور ابلیس لعین نے نہ کیا..... بلکہ نور مصطفیٰ ﷺ کی تعظیم کو نہ جھکا۔

یہ سراسر جھوٹ اور باطل کلام ہے جو خلاف قرآن و حدیث ہے۔ اسی طرح لاہوری پارٹی گنج بخش کے پجاریوں نے اپنے اس ٹریکٹ میں جو سجدہ تعظیمی کے اثبات میں لکھا گیا ہے' یہ لکھا ہے:

ابلیس نے ظاہراً آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا لیکن حقیقت میں اس نے انوار محمدی ﷺ کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا' کیونکہ سرکار اقدس کا نور پاک حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی مبارکہ میں جلوہ افروز تھا۔ شیطان مردود درحقیقت جناب حبیب لبیب ﷺ کی ذات گرامی سے نفور تھا اس لیے طوق لعنت کا مستحق ہوا۔

یہ عقیدہ شریعت محمدیہ اسلامیہ کے سراسر خلاف ہے اور اجماع امت کے بھی۔ لاہوری پارٹی نے خود اس کا اعتراف و اقرار کیا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے ٹریکٹ کے آخر میں لکھتے ہیں:

"فرشتوں کا سجدہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے سجدہ تعظیم تھا۔ اکثر مفسرین کی رائے یہی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ سجدہ اللہ کے لیے تھا اور آدم علیہ السلام کو محض قبلہ بنانا منظور تھا بہرحال چونکہ فرشتے بہ سبب مقابلہ حق تعلیم اسماء کے سجدہ عظیمی کے لیے مامور کیے گئے تھے ...... الخ

اس آخری بیان نے' جو بالکل صحیح ہے' پہلے بیان کو وہ "سجدہ نور محمدی کو تھا" جھوٹا اور باطل کر دیا ہے۔ نور محمدی کو سجدہ کرنے کا کوئی بھی قائل نہیں ہوا۔ یہ عقیدہ اختراعی' بریلوی فرقہ کا ذاتی ہے۔ اس فرقہ کے مفتی نعیم الدین مراد آبادی نے کتاب العقائد کے صفحہ-۱۰ پر بصورت سوال و جواب لکھا ہے۔

سوال : فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو کیسا سجدہ کیا تھا؟

جواب : یہ سجدہ تعظیمی تھا جو اللہ کے حکم سے ملائیکہ نے کیا!

پس یہ عقیدہ کہ یہ سجدہ تعظیمی آدم علیہ السلام کو تھا' اجماعی عقیدہ ہے اور نور محمدی کو سجدہ قرار دینا بریلوی متجدد کا اختراع ہے۔ اور پھر خود ہی اس کی تکذیب بھی کر

دی ہے کہ انہوں نے سجدہ تعظیمی کے حرام ہونے پر ایک رسالہ "زبدۃ" تالیف کیا ہے۔ اس کے صفحہ۔۸۲ پر لکھا ہے:

"سجدہ کی دو طرفیں تھیں۔ طرف تحیت' طرف عبادت ان میں تحیت تو حضرت آدم علیہ السلام کے لیے تھی۔ طرف عبادت اللہ عزوجل کے لیے۔"

اور صفحہ۔۱۰۸ میں یہ لکھا ہے:

"آدم علیہ السلام کی آفرینش سے پہلے رب عزوجل نے یہ حکم ملائیکہ کو دیا تھا کہ جب میں اسے ٹھیک بنالوں اور اس میں اپنی طرف کی روح پھونک دوں' اس وقت تم اس کے لیے سجدہ میں گرنا تو اس وقت تک نہ کوئی نبی تشریف لایا تھا نہ کوئی شریعت اتری' ملائیکہ و بشر کے احکام جدا ہیں۔"

اسی طرح تمام رسالہ میں آدم علیہ السلام کے لیے سجدہ کرنے کا ذکر کیا ہے۔ کسی ایک مقام پر بھی نور نبوی کو سجدہ کرنے یا نہ کرنے کا ذکر نہیں ہے بلکہ عقائد نسفی کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ "نصوص شرعیہ ظاہر معنوں پر محمول ہوتی ہیں۔ ظاہر معنوں سے پھر کر ایسے معانی کی طرف جانا جو اہل باطن کرتے ہیں' الحاد ہے۔"

پس حکم الٰہی "اسجدو الادم" کہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم آدم کو سجدہ کرو۔ اس ظاہر حکم سے پھر کر باطن کی طرف جانا کہ یہ حکم نور نبوی کو سجدہ کرنے کا تھا' سراسر الحاد ہے۔ چنانچہ یہ الحاد "احکام شریعت" میں یوں ظاہر ہوا:

"محبوبان الٰہی کی محبت میں آکر ان کی تعظیم جس طرح چاہیں بیان کریں' مسلمانوں کے لیے ہمیشہ احداث کا راہ کشادہ ہے۔"

ان کو اتنی عقل قرآن سمجھنے میں نہ آئی کہ اللہ تعالیٰ نے جب شیطان سے یہ کہا کہ تم نے اس آدم کو سجدہ کیوں نہ کیا جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے تو اس نے یہ جواب دیا کہ: "انا خیر منه خلقتنی من نار وخلقته من طین" میں نے اس لیے آدم کو سجدہ نہیں کیا کہ میں اس سے بہتر ہوں' مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو مٹی سے' آگ مٹی سے بہتر ہے۔

اگر بریلوی عقیدہ کی رو سے جناب رسول اللہ ﷺ کا نور اللہ تعالیٰ کے نور سے

ہوتا یا یہ سجدہ نور نبوی کو ہوتا تو اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتے: "یا ابلیس ما منعک ان تسجد لما خلقت بیدی" کہ اے ابلیس' جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا' اسے سجدہ کرنے میں تجھے کون سی چیز مانع ہے؟

بلکہ یوں فرماتے: "یا ابلیس مامنعک ان تسجد لما خلقته من نوری" کہ اے ابلیس' جسے میں نے اپنے نور سے پیدا کیا ہے اس کو تو نے سجدہ کیوں نہ کیا؟

تو شیطان لاجواب ہو جاتا کہ نور الٰہی سے آگ کا بہتر ہونا ظاہر و باطن' ہر طرح باطل تھا۔ لہٰذا شیطان کو قیاس کرنے کی کوئی گنجائش نہ ملتی کہ کہاں آگ اور کہاں نور اللہ! پس بریلوی عقیدہ ہر لحاظ سے باطل اور افتراء ہے۔

علاوہ ازیں یہ عقیدہ حدیث کی رو سے بھی باطل ہے۔ مشکوۃ میں بخاری و مسلم کی صحیح حدیث میں وارد ہے کہ انسانی مخلوقات میدان حشر میں سخت پریشانی میں مبتلا ہو گی تو لوگ شفاعت کرانے کے لیے سب سے پہلے حضرت جد امجد آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور یہ کہیں گے: "انت آدم ابو الناس خلقک اللہ بیدہ واسکنک جنتہ وسجدلک ملائکتہ وعلمک اسماء کل شیئی اشفع عند ربک" (الحدیث) کہ آپ آدم ہیں' سب لوگوں کے باپ ہیں' اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا' آپ کو اپنی جنت میں بسایا' آپ کو تمام فرشتوں سے سجدہ کرایا اور آپ کو سب چیزوں کے نام بتائے' پس آپ اللہ تعالیٰ کے پاس چل کر ہماری سفارش کریں۔

اس حدیث صحیح سے یہ ظاہر ہوا کہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا۔ اگر نور نبوی کو تھا' تو کہا جاتا کہ تم سب اس کی طرف جاؤ وہ شفاعت کریں گے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ پس یہ سفید جھوٹ ہے۔

علاوہ ازیں یہ بھی غلط ہے کہ "نور نبوی سب سے پہلے پیدا ہوا اور وہ سب انبیاء علیہم السلام کی پشت در پشت ہوتا ہوا اپنے باپ کی پشت میں آکر پھر دنیا پر ظاہر ہوا۔"

علامہ محدث امام ابن الجوزی اپنی کتاب الموضوعات کے صفحہ۔۲۸۱ پر ایک مستقل باب "باب انتقال الی الاصلاب" کے تحت لکھتے ہیں کہ "اس بارے میں حدیث بناوٹی ہے جو بعض قصہ گو لوگوں نے گھڑی ہے۔" موضوعات کی کتاب تنزیہ الشریعۃ کے صفحہ۔۲۳۷ میں لکھا ہے: "ھذا کذب" کہ یہ سراسر جھوٹ!

اسی طرح امام شوکانی محدث ربانی نے اپنی کتاب "الفوائد المجموعہ" کے صفحہ-۳۲۶ میں لکھا ہے کہ حدیث لولاک والی اور حدیث "من کنت اول النبیین فی الخلق" اور حدیث "انا من اللہ والمؤمنون منی" سب موضوع ہیں-

مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی اپنی کتاب "الاثار المرفوعہ" کے صفحہ-۳۴ میں نور کی روایات ذکر کر کے لکھتے ہیں: "کل ذالک کذب مفتری باتفاق اھل العلم بحدیثہ" کہ نور کی روایات اور یہ قصہ سب جھوٹ ہے- محدثین ماہرین حدیث کا بالاتفاق یہ فیصلہ ہے کہ یہ سب افتراء ہے-

اور تذکرۃ الموضوعات صفحہ-۸۶ باب فضل الرسول میں حدیث "کنت بنیا و آدم بین الروح والجسد" کہ میں اس وقت نبی تھا جبکہ آدم علیہ السلام کا روح اور جسد تیار ہو رہا تھا- امام صغانی ماہر فن روایات نے کہا کہ یہ روایت موضوع ہے-

اور حدیث "انا من نور اللہ" کہ میں اللہ کے نور سے ہوں- اس کی بابت ماہر فن روایت امام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا کہ ہم روایت کو پہچانتے ہی نہیں ہیں-

لیکن یہ روایتیں فرقہ بریلویہ کے واعظین' ملا' مولوی' مجلس میلاد اور سیرت کے جلسوں میں اکثر بیان کرتے ہیں اور عوام کو یہ تاثر دیتے ہیں کہ ہم جناب نبی کریم ﷺ کا بہت بڑا درجہ سمجھتے ہیں اور ان کی تعظیم کرتے ہیں' حالانکہ آپ نے واضح الفاظ میں فرمایا ہے: "لا تطرونی کما اطرت النصارٰی عیسیٰ بن مریم فانما انا عبدہ فقولوا عبداللہ ورسولہ" (مشکوۃ) کہ تم حد سے زیادہ میری تعریف نہ کرنا' جس طرح نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف میں غلو کیا (کہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا بنا دیا) میں تو اللہ کا بندہ ہوں- تم صرف یوں کہا کرو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کا بندہ اور رسول ہے-

پس یہود ونصاریٰ کی طرح متجدد بریلوی اور اس کے شاگرد' مرید' عقیدت مند اور ہم مشرب یہ کہتے ہیں کہ راہ احداث کشادہ ہے' جس طرح چاہو آنحضرت ﷺ اور اولیاء کے فضائل و تعظیم بیان کرو' سب جائز ہے- چنانچہ اسی بنا پر انہوں نے بدعات فی العقائد والاعمال جاری کی ہیں جن کی مختصر فہرست یہ ہے:

۱- آنحضرت ﷺ عالم الغیب ہیں-

۲۔ آپ مختار کل ہیں۔

۳۔ آپ شیخ جیلانی کے کندھے پر پاؤں رکھ کر براق پر سوار ہوئے۔ (فتاویٰ افریقہ ص۔۶۴)

۴۔ محبوبان الٰہی کے ناموں سے تعویزات جائز ہیں۔(ایضا" ص۔۱۷۹)

۵۔ جنت کی زمین اللہ عزوجل نے حضور ﷺ کی جاگیر کر دی' اس میں جو چاہیں' جسے چاہیں بخش دیں۔ (ایضا" ص۔۱۳۴)

۶۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم اور نعمتوں کے خزانے حضور ﷺ کے زیر حکم کر دیئے ہیں۔ (ایضا" ص۔۱۳۴)

۷۔ اولیاء ہر سختی دکھ کے وقت اپنے مریدوں کا دنیا اور آخرت میں خیال رکھتے ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ نے منکرونکیر کے حساب کے وقت قبر میں ایک شخص کو بچایا تھا۔ (ایضا" ص۔۱۳۶)

۸۔ انبیاء اولیاء ہر جگہ ہر وقت حاضروناضر ہیں۔ شیخ اپنے مرید سے جدا نہیں ہوتا بلکہ اپنی بیوی سے صحبت کرے تو اس وقت پیر حاضر ہوتا ہے' ان کو دیکھتا ہے۔ (الملفوظات جلد۔۲' ص۔۴۶)

۹۔ کعبہ قبلہ جسم کا اور شیخ قبلہ روح کا ہے' اس کا تصور رکھے۔ (ایضا" جلد۔۲' ص۔۶۷)

۱۰۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور امام مہدی حنفی مذہب پر عمل کریں گے۔ (ایضا" جلد۔۲' ص۔۶۴)

۱۱۔ قبر میں مردہ زندوں سے کلام کر سکتا ہے۔ (ایضا" جلد۔۲' ص۔۷۷)

۱۲ (بروئے باطل روایت) مدینہ مکہ سے افضل ہے۔ (ایضا" جلد۔۲' ص۔۵۱)

۱۳ چار نبی زندہ ہیں' دو زمین پر اور دو آسمان پر۔ (ایضا" جلد۔۴' ص۔۴۱)

۱۴ حضرت غوث اعظم کو ایک دفتر عطا ہوا ہے جس میں قیامت تک کے مریدوں کے نام درج ہیں۔ (ایضا جلد۔۲' ص۔۶۷)

۱۵ حضرت غوث کا یہ کہنا ہے کہ جو میری طرف نسبت کرے' اگرچہ مکروہ راہ پر ہو وہ جنتی ہے۔ (فتاویٰ افریقہ ص۔۱۰)

۱۶ حضور ﷺ جس بات کا ارادہ فرمائیں' اس کے خلاف نہیں ہوتا۔ کوئی ان کے حکم کو پھیرنے والا نہیں' حضور کا رب حضور کی اطاعت کرتا ہے۔ (کتاب الامن والعلاء ص-۸۷)

۱۷ حضور ﷺ ہر قسم کی حاجت روائی فرما سکتے ہیں۔ دنیا اور آخرت کی مرادیں سب حضور ﷺ کے اختیار میں ہیں۔ (برکات الامداد ص--۸' ملفوظات جلد-۴' ص-۶۵)

۱۸ روضہ اقدس اور تمام تربتیں انبیاء کی جنت میں جائیں گی۔ (ملفوظات جلد-۴' ص-۷۷)

۱۹ جنت تو جاگیر ہے' آدم علیہ السلام کی' ان کی اولاد میں تقسیم ہو گی۔ (ایضاً" جلد-۴' ص-۷۶)

۲۰ اصحاب کہف کا کتا بلعم باعور کی شکل میں جنت میں جائے اور بلعم اس کتے کی شکل میں ہو کر جہنم میں جائے گا۔ (ایضاً" جلد-۴' ص-۷۵)

۲۱ اے میرے حبیب' اگر تم نہ ہوتے تو میں اپنا معبود ہونا' اپنی الوہیت نہ ظاہر کرتا۔ (ایضاً" جلد-۴' ص-۶۲)

۲۲ کوئی حکم نافذ نہیں ہوتا' مگر حضور ﷺ کے دربار سے کوئی نعمت' کوئی دولت کسی کو نہیں ملتی مگر حضور ﷺ کی سرکار سے صلی اللہ علیہ وسلم۔ (ایضاً" جلد-۴' ص-۶۵)

۲۳ آفتاب طلوع نہیں کرتا جب تک کہ حضور سیدنا غوث اعظم پر سلام نہ کرے۔ (الامن والعلا ص-۸۵)

۲۴ ؎ ذی تصرف بھی ہے ماذون بھی مختار بھی ہے
کار عالم کا مدبر بھی ہے عبدالقادر
(حدائق بخشش جلد-۲' ص-۱۹)

۲۵ ؎ احد سے احمد اور احمد سے تجھ کو
کن اور سب کن مکن حاصل ہے تجھ کو یاغوث

(ایضاً" حصہ-۲، ص-۸)
(العیاذ باللہ، نقل کفر، کفر نہ باشد)

یہ عقائد ہیں خان صاحب کے جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ موجب کفرو شرک ہے۔ ایسے بدترین عقائد نہ کسی یہودی کے ہوں گے، نہ عیسائی کے، نہ آریہ کے، نہ کسی سناتن دھرمی کے۔ اسلام کے نام سے اس شخص نے اپنا بریلوی دین الگ اختراع کر لیا ہے اور اس پر لیبل اسلام اور اہل سنت والجماعت کا لگا دیا ہے جیسے کسی شیشی میں زہر بھر کر اوپر لیبل "شربت روح افزاء" کا لگا دیا جائے۔ اسی طرح عوام الناس کو نہایت ہوشیاری، چالاکی اور فریب کاری سے گمراہ و مشرک بنایا گیا ہے، جبکہ ان عقائد سے انکار کرنے والے عوام اور علمائے اسلام کو وہابی، نجدی، کافر اور مرتد کہا جاتا ہے، فیا للعجب۔

اب خان صاحب کے مقلدین نے ان عقائد کو خوب خوب اپنایا اور پھیلایا ہے اور ان کی سنت پر عمل کر کے خود انہی کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانے لگے ہیں۔ چنانچہ ان کا ایک مرید ان کو مخاطب کر کے یوں مدح سرائی کرتا ہے ؎

مشکلیں میری آسان فرمایئے　　میرے مشکل کشا شاہ احمد رضا
ایسا ہے مرشد میرا احمد رضا　　سب کا مشکل کشا احمد رضا
کون دیتا ہے مجھ کو کس نے دیا　　جو دیا تم نے دیا احمد رضا
بات ہے ایمان کی حق کی قسم　　آپ سے ایمان ملا احمد رضا
دل ملا، آنکھیں ملیں، ایمان ملا　　جو ملا تم سے ملا احمد رضا

(سوانح اعلیٰ حضرت صفحہ-۲۱، ۲۵، ۲۷، ۸، ۴۲)

قرآن مجید تو یوں ناطق ہے: "انک لا تهدی من اجبت ولکن الله یهدی من یشاء" (پارہ-۲۰، سورہ قصص) کہ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے، لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

سورہ بقرہ پارہ-۳ میں ہے: "لیس علیک هداهم ولکن الله یهدی من یشاء" آپ کے ذمہ ہدایت کرنا نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہے ہدایت کرے۔

جب قرآن مجید اور اللہ تعالیٰ یہ اختیار نبی اکرم ﷺ کو نہیں دیتا، ورنہ آپ ﷺ

اپنے چچا کو ہدایت دے لیتے تو احمد رضا خاں کو یہ اختیار کہاں سے حاصل ہو گیا؟ ـــــ یہاں ہدایت دینے کے معنی محض رہنمائی نہیں کہ یہ تو تمام انبیاء' اولیاء' علماء بھی کر سکتے ہیں' پھر قرآن جو اس کی نفی کر رہا ہے تو ظاہر ہے' اس کے معنی یہ ہیں کہ ایمان کی دولت سے کسی کو سرفراز کرنا صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ دوسرے کے لیے یہ بتانا شرک ہے جبکہ متجدد بریلوی کا مرید "آپ سے ایمان ملا احمد رضا" کہہ کر یہ اختیار انہیں سونپ رہا ہے تو پھر آخر شرک کس بلا کا نام ہے؟

بعض لوگوں نے آنحضرت ﷺ پر اپنا یہ احسان ظاہر کیا کہ ہم نے اسلام کو قبول کر لیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس طرح جواب دینے کی تعلیم فرمائی: "**یمنون علیک ان اسلموا قل لا تمنوا علیٰ اسلامکم بل اللّٰہ یمن علیکم ان ھداکم للایمان ان کنتم صادقین**" کہ یہ آپ پر احسان ظاہر کرتے ہیں کہ وہ مسلمان ہوئے تو آپ فرما دیجئے' مجھ پر مت احسان رکھو اپنے مسلمان ہونے کا' بلکہ اللہ تعالیٰ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے ایمان کی طرف تمہیں ہدایت فرمائی' اگر تم سچے ہو۔

علاوہ ازیں دل اور آنکھیں بھی اللہ تعالیٰ نے دی ہیں' کوئی انسان نہ دل پیدا کر سکتا ہے نہ آنکھیں تو کسی کو ہدایت کیونکر دے سکتا ہے؟ ـــــ قرآن مجید میں ہے: "**ھوالذی جعل لکم السمع والابصار والافئدۃ قلیلا ماتشکرون**" کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے کان' آنکھیں اور دل بنائے ہیں' تم تھوڑا سا شکر کرتے ہو۔

سورہ انعام میں فرمایا: "**قل ان اخذاللّٰہ سمعکم وابصارکم وختم علیٰ قلوبکم من الٰہ غیر اللّٰہ یاتیکم بہ**" کہ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ فرمایئے' اگر اللہ تعالیٰ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں سلب کر لے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا کر ان کو بیکار کر دے تو سوا اللہ تعالیٰ کے کون تمہارا معبود ہے جو یہ چیزیں تم کو دے دے۔

ان دو آیتوں سے یہ ثابت ہوا کہ دل' کان اور آنکھیں اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہیں اور اگر وہ ان کو سلب کر لے تو کوئی دوسرا دینے والا نہیں ہے۔ پس بریلوی مرید کا یہ کہنا کہ مجھے دل آنکھیں اور ایمان احمد رضا سے ملے ہیں' یہ صریحاً شرک ہے۔

ایک دوسرے مرید نے علی پور کو مدینہ طیبہ کے برابر کر دیا ہے۔ چنانچہ رسالہ انوار الصوفیہ بابت ماہ ستمبر ۱۹۳۰ء میں یہ شعر ہے:

مدینہ بھی مطہر ہے' مقدس ہے علی پور بھی
ادھر جاؤ تو اچھا ہے ادھر جاؤ تو اچھا ہے

مدینہ طیبہ جو منصوص شہر نبوی ہے اور اس میں دو مقام قابل احترام ہیں۔ ایک مسجد نبوی' جس میں ایک ہزار نماز کا ثواب زائرین کو حاصل ہوتا ہے اور بروایت دیگر پچاس ہزار نماز کا ثواب ملتا ہے۔ دوم یہ مدفن ذات نبوی ﷺ ہے' اس کے برابر علی پور کو کر دیا ہے۔ حالانکہ مدینہ جانا منصوص ہے اور علی پور جانا منصوص نہیں ہے تو غیر منصوص کا مرتبہ منصوص کے برابر کرنا یہ مدینہ طیبہ اور اس کے دو بابرکت مقامات کی توہین ہے اور علی پور جانا جیسے مدینہ طیبہ کو جاتے ہیں' شرک ہے۔ ذرا یہ شعر بھی ملاحظہ ہو ۔

• تیرا آستاں ہے وہ آستاں کہ حریف بیت حرام ہے
تیری بارگاہ ہے وہ بارگاہ جو قبلہ گاہ انام ہے

علی پور ضلع سیالکوٹ میں ایک گاؤں ہے جس میں پیر جماعت علی شاہ کی قبر ہے۔ بریلوی شاعر نے اس شعر میں علی پور کو بیت اللہ الحرام کے مساوی قرار دے دیا ہے۔ بیت اللہ شریف کی شان درجہ اور اس کا قبلہ ہونا قرآن و حدیث سے منصوص ہے جو اہل علم سے مخفی نہیں۔ اس کے مقابلہ میں علی پور کی کیا حیثیت ہے کہ اسے کعبتہ اللہ کا حریف قرار دے دیا۔ یہ صریحاً" شرک ہے اور بیت اللہ الحرام کی توہین بھی' تیسرا شعر اور بھی موجب کفر و شرک ہے ۔

سوال محشر میں یہ پوچھیں گے تو کہہ دوں گا
میں زائر ہوں علی پور کا علی پور والیا شاہا

پس یہ عقائد محدثہ فی الدین شر الامور کا مصداق ہیں۔ مسلم شریف کی مشہور حدیث ہے جس کو محدثین نے اصول دین قرار دیا ہے: "من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد" یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے ہمارے اس دین میں کوئی عقیدہ یا عمل ایسا پیدا کیا جو اس میں نہ تھا' وہ شخص اور وہ عقیدہ محدثہ (دونوں) مردود ہیں۔

اس مضمون میں جو عقائد بریلویہ ہم نے ذکر کیے ہیں' ان کا ثبوت شریعت مطہرہ اسلامیہ میں نہیں ہے۔ لہٰذا یہ سب مردود ہیں۔ رہے ان عقائد کے پیدا کرنے والے اور ان کو تسلیم کرنے والے تو جو گزر گئے ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور جو موجود ہیں' وہ اپنا محاسبہ خود کریں کہ کل کو اللہ کے حضور کیا جواب دیں گے اور حضور اکرم ﷺ کا سامنا کیونکر کر سکیں گے؟ اللہ تعالیٰ جملہ مسلمانوں کو راہ ہدایت نصیب فرمائے' آمین۔

حررہ عبدالقادر عارف الحصاری

الاسلام لاہور جلد ۵' شمارہ ۱۴ و ۱۵ مورخہ یکم و ۸ / جون ۱۹۷۹ء

بریلوی عقائد

یہ عجیب بات ہے کہ فرقہ بریلویہ کے غالی لوگ تقلید کا دعویٰ اور عمل ظاہر کر کے مقلد بھی بنتے ہیں اور پھر مقلدانہ جہالت سے نکلنے کی کوشش کر کے مجتہد بھی بنتے ہیں۔ پھر جیسے اس فرقہ غالیہ کے عقائد انوکھے اور خلاف شرع ہیں اور ان کے اعمال

اور رسوم پر از بدع ہیں' اسی طرح ان کے اجتہادات اور اجتہادی استدلالات بھی اختراعی اور خیالی اصولوں پر مبنی ہیں اور بعض تو ایسے مجنونانہ ہیں کہ ان سے خود ان کی ہی تردید ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس گروہ ضالہ کا ایک رسالہ ضلالت مقالہ کوٹلی لوہاراں سے شائع ہوتا ہے جس میں اکثر شرکیات و بدعات کی اشاعت ہوتی رہتی ہے اور جاہلانہ کلمات اور مجنونانہ خرافات اور مجذوبانہ بکواسات کا اندراج ہوتا رہتا ہے۔ اس احقر العباد نے اس کی جلد۔۵ کا شمارہ۔۱۱' مطبوعہ رمضان سنہ۔۷۵ھ کا مطالعہ کیا تو اس کے ایڈیٹر اور نامہ نگاروں کے متعلق یہ خیال قائم ہوا کہ۔

لیا عقل و دیں سے نہ کام انہوں نے
کیا دین حق کو بدنام انہوں نے

اور مدیر رسالہ جو رسول اللہ ﷺ کو مجسم نور قرار دیتا ہے' وہ خود ابو النور بنتا ہے اور اس کا نامہ نگار مجذوب اپنے بدحواس ہونے کا ان لفظوں میں اعتراف کرتا ہے۔

میں ہوش و حواس اپنے اس واسطے کھو بیٹھا
تم نے جو کہا مجھ کو دیوانہ ہے دیوانہ

اب ذرا اس دیوانہ کی دیوانگی ملاحظہ کیجئے کہ ص۔۱۹ پر مولوی محمد رفیق صاحب پسروری کو خطاب کرتے ہوئے پیچ و تاب کھاتے ہیں کہ "ہاں آپ نے جو لکھا ہے کہ حضور ﷺ کو اونٹ نے سجدہ کیا پھر تو بڑے غضب کی اور شرم کی بات ہے کہ حیوان تک اس قدر ادب کریں اور ہم انسان ہو کر حضور ﷺ کو اپنا جیسا بشر سمجھیں۔ آپ کے نزدیک تو اس اونٹ نے شرک کیا" مولانا! حضور ﷺ کا ادب کرنا شرک نہیں ہے"

مولوی محمد رفیق صاحب نے حدیث متعلقہ اونٹ کے آخری دو حکموں سے استدلال کیا تھا کہ "اعبدوا ربکم واکرموا اخاکم" یعنی تم اپنے رب کی عبادت کرو اور اپنے بھائی (ذات نبوی) کی عزت کرو۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ عبادت کے جملہ امور اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں اور رسول اللہ ﷺ ایک حیثیت سے رسول ہیں۔ اس لیے آپ کا احترام اور اکرام واجب ہے۔ دوسری حیثیت سے بشر نسل آدم علیہ السلام سے ہیں۔ بحکم کلکم بنو آدم آپ اولاد آدم ہونے کی وجہ سے سب انسانوں کے بھائی

ہیں اور تیسری حیثیت سے آپ مومن ہیں۔ اس لیے بحکم انما المومنون اخوۃ یعنی بیشک سب مومن باہم بھائی ہیں" آپ تمام مسلمانوں' مومنوں کے بھائی بھی ہیں لیکن منکرین بشریت و اخوت نبوی اس حدیث کے آخری حصہ کا جو اوامر رسول میں داخل ہے' خلاف کرتے ہیں کہ بشریت سے نکل کر آپ کی توہین کرتے ہیں اور الوہیت میں داخل کر کے آپ کی عبادت کرتے ہیں اور اس حدیث کے پہلے حصہ میں واقعہ اونٹ سے سجدہ تعظیمی جائز رکھتے ہیں اور اپنے آپ کو اونٹ کے مقلد بنا کر اور اپنے پیرو مرشد کو جناب نبی کریم ﷺ کی مثل اعتقاد کر کے اس کو سجدہ کرتے ہیں اور پیروں کے پاؤں پر سجدہ میں گرنے پر بھی حدیث پیش کرتے ہیں اور اپنی حیوانیت کے معترف ہیں۔

چنانچہ بشرنامہ جو ایک مشرک بریلوی کا شائع کردہ ہے اس کے ص-۷ پر لکھا ہے:
"اے طالب مولا! حضرت آدم کو قرآن پاک میں صفی اللہ اور حضرت نوح کو نجی اللہ اور حضرت ابراہیم کو خلیل اللہ اور حضرت اسماعیل کو ذبیح اللہ اور حضرت داؤد کو خلیفتہ اللہ اور حضرت موسیٰ کو کلیم اللہ اور حضرت عیسیٰ کو روح اللہ اور حضرت محمد الرسول اللہ ﷺ کو حبیب اللہ فرمایا۔ یہاں اب ذرا سوچنے کی بات ہے کہ لفظ حبیب ہم جنس پر بولا جاتا ہے۔ اب بتاؤ کیا فرق رہ گیا۔"

اس عبارت میں خواجہ جلال الدین قادری بریلوی نے دو کفر بولے ہیں۔ ایک یہ کہ انبیاء مذکورین کے یہ القاب صفی اللہ' نجی اللہ' خلیل اللہ' ذبیح اللہ' خلیفتہ اللہ' کلیم اللہ' روح اللہ' حبیب اللہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمائے ہیں۔ حالانکہ ان لفظوں کے ساتھ یہ القاب قرآن پاک میں کہیں موجود نہیں ہیں۔ یہ قرآن اور اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے۔

مولانا ملا علی قاری حنفی نے موضوعات کبیر ص-۸ پر کذب علی اللہ والرسول کو کفر مخرج عن الملتہ قرار دیا ہے۔ ہم ان انبیاء کرام کے لیے ان القاب کو تو تسلیم کرتے ہیں کیونکہ ان کا ثبوت دیگر طریق سے ہے لیکن ان القاب کا ان لفظوں سے قرآن میں ہونا تسلیم نہیں کرتے۔ من ادعی فعلیه البیان۔ لہٰذا یہ افتراء علی اللہ ہے جو کفر ہے۔ دوسرا کفریہ ہے کہ حبیب کا معنی ہم جنس کا کیا اور رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا ہم

جنس ٹھہرایا۔ حالانکہ اللہ کی ذات میں لیس کمثلہ شیئی ہے اور سورہ اخلاص میں ولم یکن لہ کفوا احد وارد ہے۔ اسی مشرک نے اپنے خیالی اور نفسانی دلائل ذکر کرنے کے بعد یہ لکھا ہے کہ "اے طالب صادق! دیکھا پہلے خدا اور رسول قرآن پاک اور احادیث سے ایک ثابت کر کے دکھائے جس میں شک و شبہ نہیں رہا جو شک کرے وہ مشرک ہے۔" (بشرنامہ ص۔۹)

اور ماہ طیبہ کا نامہ نگار مجذوب مغضوب بن کر یہ کہتا ہے کہ: "ہم حضور ﷺ کو خدا نہیں کہتے اور نہ خدا سے جدا سمجھتے ہیں۔ آپ خدا کا نور ہیں۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے خود فرمایا ہے۔ اول ما خلق اللہ نوری۔ (ص۔۱۹)

اس مجذوب بد اسلوب نے بھی اس عبارت میں دو کفر بولے ہیں۔ ایک آنحضور ﷺ کو خدا سے جدا نہ سمجھنا بلکہ آپ کو ذات الٰہی کا جزو سمجھنا۔ اس لیے یہ شعر کہتے ہیں۔

وہی جو مستوی عرش ہے خدا ہو کر!
اتر پڑا مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر

(اخبار الفقیہ امرتسر مطبوعہ ۵ جنوری سنہ۔۱۹۲۱) ہندو کرشن کو اوتار اور بدھ مذہب والے گوتم بدھ کو اوتار تصور کرتے ہیں۔ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور یہ بکتے ہیں کہ جسم کے اعتبار سے داؤد علیہ السلام کی نسل سے پیدا ہوا اور روح کے اعتبار سے خدا کا بیٹا ٹھہرا۔ یہی فرقہ غالیہ کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ذات الٰہی کا نور ہیں جو بشر کی صورت میں حلول کر کے ظاہر ہوئے ہیں' تشابہت قلوبہم۔ پس ہندو' بدھ مذہب والے' عیسائی' بریلوی جو عقیدہ رکھتے ہیں سب برابر ہیں۔ قرآن میں ہے وجعلوا من عبادہ جزء ان الانسان لکفور مبین یعنی کفار نے میرے بندوں کو میری ذات کا جزو بنا دیا' بیشک ایسا انسان ظاہر باہر کافر ہے۔

ماہ طیبہ والے تو کچھ مولوی محمد رفیق صاحب سے مغلوب ہو کر تقیہ کر رہے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کو خدا نہیں کہتے مگر ان کا بھائی بشرنامہ میں موضوع احادیث اور آیات قرآن کے معنوں میں تحریف کر کے ان دونوں کو ایک ثابت کر رہا ہے اور جو ایک نہ کہے اس کو مشرک قرار دے رہا ہے۔ چنانچہ ان کا دوسرا بھائی میلاد کے موقعہ پر

یہ شعر گاتا ہے

ہمارا نبی تو بشر ہی نہیں
خدا ہے تجھے کیا خبر ہی نہیں
مقام اس نبی کا عرش بریں ہے
خدا جو نہ کہے وہ کافر لعین ہے

ماہ طیبہ کا ایڈیٹر مولوی رفیق پر بہت ناراض ہے کہ وہ ہم کلمہ گو لوگوں کو کافر' مشرک کہتے ہیں اور وہ بڑے دشمن اتحاد و فتنہ پرور ہیں- حالانکہ ان کے بریلوی بھائی حنفی ہی خود ان کو کافر کہہ رہے ہیں کہ جو آنحضور ﷺ کو خدا نہ کہے وہ کافر لعین ہے چونکہ ماہ طیبہ والے یہ کہتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کو خدا نہیں کہتے" لہذا یہ ان بریلوی مشرکوں کے نزدیک کافر ہوئے۔

حقیقت یہ ہے کہ حنفی مذہب ایک ایسا فرقہ ہے کہ اس میں آج کل کھچڑی پکی ہوئی ہے۔ کوئی اتحادی ہے' کوئی حلولی ہے' کوئی مرجیہ ہے' کوئی معتزلی ہے' کوئی اہل الرائے ہے' کوئی رافضی ہے۔

مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی نے الرفع والتکمیل میں اس کی تفصیل بیان کی ہے۔ دوسرا کفر ماہ طیبہ والوں کا یہ ہے کہ حدیث موضوع اول ما خلق اللّٰہ نوری کو حضور ﷺ کا فرمان قرار دیا ہے۔ حالانکہ موضوعات ملا علی قاری وغیرہ میں یہ اصول درج ہے کہ جو شخص موضوع حدیث کو بالوثوق نبی ﷺ کا فرمان قرار دے' وہ بھی احد الکاذبین ہے۔ اور ویسا ہی گنہگار ہے جیسا کہ اس کا وضع کرنے والا۔ بہرحال موضوع حدیث جناب نبی کریم ﷺ پر افتراء ہے اور افتراء علی الرسول کفر ہے۔ اگر یہ حدیث موضوع نہیں تو ماہ طیبہ کے مدیر اور تمام اہل کار اور نامہ نگار اس حدیث کی اسناد کو کسی معتبر کتاب سے لکھ کر اس کے تمام راویوں کی ثقاہت و عدالت ثابت کریں۔

اور سنیئے! بریلوی فرقہ کا رکن خواجہ جلال الدین آنحضور ﷺ کو خدا ثابت کرتا ہوا لکھتا ہے۔

سرور عالم تائیں کر دے پتھر سجدہ سارے
درخت' حیوان' درندے کر دے سنتوں یار پیارے

حکم منع دا کتے نہ آیا اے میرے دلدارا
کامل مرشد نوں کر سجدہ ایہو راز ہے بھارا!

نیز لکھتا ہے حضور پاک ﷺ کو تو درخت' جانور' پتھر وغیرہ ہر چیز سجدہ کرتی تھی۔
یہ شرعی اصول ہے کہ حیوانوں اور انسانوں کے اعمال اور ان کے کوائف میں بین فرق ہے۔ انسان کو حیوان پر اور حیوان کو انسان پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ مقیس علیہ اور مقیس میں علت اور وجہ قیاس میں اشتراک نہیں ہے بلکہ مقیس کے لیے دوسری مستقل دلیل سے علیحدہ حکم اور اس کی صورت موجود ہے۔ لہٰذا درختوں' پتھروں اور حیوانوں کے سجدہ سے استدلال کر کے نہ نبی کے لیے سجدہ جائز ہے اور نہ ولی کے لیے جائز ہے۔

شرع محمدی میں سجدہ صرف ذات الٰہی کے لیے ہی مخصوص کر دیا گیا ہے اور اس پر اجماع امت ہے۔ کسی مجتہد نے سجدہ تعظیمی وتحیۃ کو غیراللہ کے لیے جائز نہیں رکھا ہے۔ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں مقام حیرہ میں آیا تو دیکھا وہاں کے لوگ اپنے بادشاہوں' سرداروں' چودھریوں کو سجدہ کرتے ہیں۔ جی میں خیال آیا کہ اس تعظیم کے مستحق تو ہمارے نبی علیہ السلام ہیں۔ جب واپس آیا تو آپ سے تمام حال ذکر کیا اور آپ کے آگے سجدہ کی خواہش ظاہر کی تو آپ نے فرمایا اے قیس! کیا تم میری قبر پر گذرو گے تو اس کو سجدہ کرو گے؟ قیس رضی اللہ عنہ نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا لا تفعلوا میری موجودگی میں بھی ایسا مت کرو۔ اگر سجدہ جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم کر دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کیا کرے۔ (ابوداؤد وغیرہ)

حدیث اونٹ میں بھی یہ ذکر ہے کہ صحابہ نے اذن مانگا کہ یارسول اللہ! آپ کے لیے حیوانات اور درخت سجدہ کرتے ہیں۔ ہم بھی بہت حقدار ہیں کہ آپ کو سجدہ کریں۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ اپنے رب کی عبادت کرو اور اپنے بھائی کی عزت کرتے رہو۔ اس سے ظاہر کر دیا کہ انسانوں کے لیے یہ سجدہ خاص عبادت الٰہی کے وقت مخصوص رکھا گیا ہے اور نبی کریم ﷺ کا اکرام بغیر سجدے کے دیگر صورتوں میں نافذ ہوا ہے۔

پس سجدہ لغیر اللہ حرام ہے۔ جو شخص کسی حیوان کی اقتدا میں سجدہ جائز کہتا ہے'

وہ حیوان ہے بلکہ حیوان سے بھی بدتر ہے اور اولئک کالانعام بل ھم اضل کا مصداق ہے۔

بریلویوں کا عقیدہ ہے کہ جملہ انبیاء کرام کو تمام کائنات ماکان وما یکون کا کلی علم غیب ہوتا ہے۔ ان کے اس دعویٰ موجبہ کلیہ کو باطل کرنے کے لیے علماء نے اس کی نقیض سالبہ جزئیہ پیش کی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نبی ہونے کے ساتھ ہی روئے زمین کے بادشاہ بھی تھے۔ جن کے لیے حیوانات اور درندے' پرندے' جن' انسان' ہوا وغیرہ سب مسخر تھے۔ وہ بھی کلی علم غیب نہ جانتے تھے۔ چنانچہ ملک سبا اور ملکہ سبا اور اس کی حکمرانی اور اس کے تخت خاص کا ان کو کچھ علم نہ تھا۔ ان کے دربار کا ایک خاص پرندہ ہدہد جو ان کی مملکت میں پانی کا مہندس تھا' ملک سبا میں گیا اور وہاں کے حالات معلوم کر کے آیا۔

(حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہدہد مہندس تھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو جبکہ آپ کسی میدان میں اترتے تھے تو پانی بتاتا تھا۔ آپ ضرورت کے وقت اس کو طلب کرتے' وہ پانی زمین کی تہ سے دیکھ لیتا۔ جب ہدہد پانی کی اطلاع دیتا تو حضرت سلیمان علیہ السلام جنوں کو حکم فرماتے۔ وہ اس کو کھود کر پانی نکال لیتے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ایک دن بیابان میں اترے اور جانوروں کی خبرلی تو ہدہد کو نہ دیکھا۔ (تاریخ ابن کثیر ج-۲' ص-۲۱) اس سے بھی یہ ثابت ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو غیب کا علم نہ تھا۔ ہدہد کو اللہ تعالیٰ نے یہ علم دیا تھا۔ اس واسطے اس کو مقرر کرنا پڑا۔ اب بریلویوں کو چاہیے کہ ہدہد کو بھی غیب دان جان کر اس کی پرستش کریں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو نہ تو ملک سبا کا علم' نہ ملکہ سبا اور اس کی حکمرانی کا علم اور نہ ان کے دین و مذہب کا علم اور نہ اس ملکہ کے تخت کا علم تھا۔ جب ہدہد کے متعلق دریافت کیا کہ وہ غیر حاضر ہے تو اس کی بابت بھی علم نہ ہو سکا کہ وہ کہاں گیا ہے؟ چنانچہ قرآن کی سورہ نمل میں یہ دلچسپ واقعہ موجود ہے جو عجیب نتائج اور بصائر کا موجب ہے۔ اس میں یہ ذکر ہے کہ "حضرت سلیمان علیہ السلام نے جائزہ لیا تو ہدہد کو اپنی جگہ سے غیر حاضر پایا۔ تب ارشاد فرمایا کہ کیا بات ہے کہ میں ہدہد کو موجود نہیں پاتا۔ اگر وہ واقعی غیر حاضر ہے تو اس کی یہ بے وجہ غیر حاضری قابل سزا ہے۔ اس لیے میں اس کو یا تو سخت سزا دوں گا یا ذبح ہی کر ڈالوں گا یا پھر وہ اپنی غیر حاضری کی کوئی معقول وجہ بیان کرے گا۔ ابھی زیادہ وقت نہ گزرنے پایا تھا کہ ہدہد حاضر ہو گیا اور

حضرت سلیمان علیہ السلام کی بازپرس پر وہ کہنے لگا کہ میں ایک ایسی خبر لایا ہوں' جس کا آپ کو پہلے سے کوئی علم نہیں۔ وہ یہ کہ یمن کے علاقہ میں سبا کی ایک ملکہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے سب کچھ دے رکھا ہے اور اس کا تخت سلطنت اپنی خاص خوبیوں کے اعتبار سے عظیم الشان ہے۔ ملکہ اور اس کی قوم آفتاب کو پوجتے ہیں اور شیطان نے ان کو گمراہ کر رکھا ہے۔ حضرت سلیمان نے کہا کہ ہم اب دیکھتے ہیں کہ تو اپنے قول میں سچا ہے یا جھوٹا ہے۔ جا میرا یہ خط لے جا اور ان تک پہنچا دے اور انتظار کر کہ وہ اس کے متعلق کیا گفتگو کرتے ہیں" (نمل)

پھر ہدہد حضرت سلیمان علیہ السلام کا قاصد بن کر کام سرانجام دیتا رہا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو بعد از تحقیقات اسی طرح حالات ظاہر ہوئے جس طرح ہدہد نے بتائے تھے۔ پس اس واقعہ سے فرقہ بریلویہ غالیہ کی پورے طور پر تردید ہو گئی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو علم غیب کلی حاصل نہ تھا اور ہدہد نے ملکہ سبا کے جو حالات دیکھے تھے' ان سے آپ بے خبر تھے۔ ہدہد کے بتانے ہی سے علم ہوا اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ ہدہد خدا پرست اور موحد تھا۔ ہدہد نے جو بیان کیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے انکار نہیں کیا پھر اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو ذکر کیا تو ہدہد کی تردید نہیں کی بلکہ تائید فرمائی۔ پس اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی سلیمان علیہ السلام کے استقرار و تقریر سے ہدہد کی تصدیق ہو گئی اور واقعات نے بھی تصدیق کر دی اور ہدہد کی عقلمندی اور تدبیر اور دربار سلیمانی میں اس کے تقرب اور حسن گفتگو اور موحدانہ کلام کا سب کو علم ہو گیا کہ ہدہد تمام بریلوی علماء اور جہلا خواص و عوام' مشائخ و مریدین پر فائق تھا اور کامل ایماندار تھا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار ولا تکونوا من الغابرین۔

اب اونٹ کی تقلید کرنے والے بریلویوں کی دیانتداری اور ایمانداری مشاہدہ ہو کہ وہ ہدہد کے متعلق کن معاندانہ الفاظ سے اپنی مشرکانہ عقیدت ظاہر کرتے ہیں۔ چنانچہ ماہ طیبہ کا واعظ اپنے رسالہ میں یوں وعظ بیان کرتا ہے کہ "یہ کیا کہتے ہیں کہ ہدہد کہتا ہے کہ نبی کو پتہ نہیں تھا۔ یہ آج پتہ چلا کہ نجدی ہدہد بھی ہیں۔ بزرگو! یہ بات اگر کسی تو ہدہد نے کہی' جانور نے کہی' اس نے کہی جس کے پاس عقل نہیں' مگر تمہیں تو

اللہ تعالیٰ نے عقل دی ہے پھر تم بھی اگر بے عقلی کی بات کرو تو ہم یہ تو نہ کہیں گے کہ ہدہد وہابی تھا۔ ہاں یہ ضرور کہیں گے کہ وہابی ہدہد ہے" (ص-۳۵)

حضرات ذرا انصاف فرمایئے اور واقعہ ہدہد مندرجہ قرآن پر نظر ڈالیے اور ان کی جاہلانہ تنقید' معاندانہ تردید اور متعصبانہ قول شدید پر غور فرمایئے کہ کیا ان میں دیانتداری اور ایمانداری کا مادہ ہے؟ کیا غور و فکر' عقل و تدبر کرنے کی ان میں قابلیت ہے؟۔

بے بصیرت چہ شناسد سخن کامل را
تلخ و شیریں در دل رنجوری کیست

ان کی فطرت ایسی مسخ ہو چکی ہے کہ یہ کبھی نہ حق کو سمجھ سکتے ہیں اور نہ حق قبول کر سکتے ہیں بلکہ ان کی ایک دوسرے کو وصیت ہوتی ہے کہ۔

کبھی امر حق کو زباں پر نہ لانا!!
جو حق پوچھے کوئی تو ناحق بتانا!!

یہ لوگ اس قدر نابلد ہیں کہ خود ہی تو حدیث واقعہ اونٹ سے یہ تاثرات لے رہے ہیں کہ "حیوان تک اس قدر ادب کریں اور ہم انسان ہو کر حضور ﷺ کو اپنے جیسا بشر سمجھیں" حالانکہ اونٹ جانور بھی ہے' بے عقلی بھی ہے' لیکن پھر بھی اس سے سجدہ تعظیمی کا ثبوت لے رہے ہیں اور اپنی شرع میں سجدہ تحیت کا ثبوت کسی انسان سے نہیں لا سکتے۔ پتھروں' حیوانوں' درندوں کے افعال سے ثبوت لا کر پتھر' حیوان' درندہ صفت بنتے ہیں' جو ان کی صریح جہالت اور حماقت ہے۔

اور خود ہی اپنے رسالہ میں ہدہد کی بات صادق و مصدوق مندرجہ قرآن کو جانور بے عقل کہہ کر تکذیب کر رہے ہیں اور اس کی تصدیق کرنے والے کو وہابی ہدہد کا خطاب دے رہے ہیں۔ حالانکہ خود اسی رسالہ کے ص-۱۹ پر بریلوی اونٹ' رضائی اونٹ قرار پا چکے ہیں۔ بڑے غضب کی اور شرم کی بات ہے کہ پرندہ تک تو توحید کا اظہار کرے اور شرک کی تردید کرے اور دربار عام میں ایک نبی اور بادشاہ کو ملکہ سبا کے حالات سے بے خبر ثابت کرے اور اللہ تعالیٰ اس واقعہ کو ذکر کر کے امت محمدیہ کو توحید

فی الذات اور توحید فی الصفات کی تعلیم دے اور بریلوی فرقہ کے انسان حیوان سے بدترین بن کر علم غیب کلی وما کان وما یکون صفت خدا میں انبیاء اور اولیاء کو شریک کرتے ہوئے شرک اختیار کریں اور ایک پرندہ کے برابر بھی توحید نہ رکھیں۔

نہ سر کی ہوش ہے تم کو نہ پاکی
سمجھ ایسی کہاں تم کو خدا کی

اگر نجدی کو ہدہد کہو گے تو وہ تم کو بریلوی حیوان اور بریلوی اونٹ کہنے کا حقدار ہے۔

ہد نہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سنے
ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسے سنے

بریلوی دوستو! سنو' ہدہد کو تم وہابی کہو تو یہ تم کو اختیار ہے کیونکہ جملہ بریلوی توحید بیان کرنے والوں کو وہابی قرار دیتے ہیں اور اگر وہابیوں کو ہدہد کہو تو یہ بھی تمہارا اختیار ہے کیونکہ کمثل الحمار یحمل اسفارا کا یہی شیوہ ہے۔ لیکن کسی علمدار کے نقش بردار ہو کر اس سے سورہ نمل کا ترجمہ پڑھ کر علم حاصل کرو کہ جب ہدہد نے یہ کہا احطت بما لم تحط به وجئتک من سبا بنباء یقین یعنی میں ایسی خبر لایا ہوں جس کا آپ کو پہلے علم نہیں ہے اور میں سبا کی یقینی خبر لے کر آپ کے دربار میں حاضر ہوا ہوں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اور تمام اہل دربار نے یہ سنا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی غیب دانی کا دعوٰی کرتے ہوئے اس کی تردید نہ کی بلکہ یہ کہا --- صدقت ام کنت من الکاذبین یعنی ابے ہم دیکھیں گے کہ تو اپنی بات میں سچا ہے یا جھوٹا ہے۔ لیکن جب دیکھا اور ملکہ سبا سے خط و کتابت کی اور آخر اس سے ملاقات ہوئی جس سے متاثر ہو کر وہ مسلمان ہو گئی تو اب بتاؤ کہ ہدہد وہابی سچا ہوا یا جھوٹا؟ کیا حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملکہ سبا اور اس کے ملک کے حالات کا علم تھا اور وہ تمہارے خیال میں تجاہل عارفانہ کر رہے تھے؟ یا علم نہ تھا؟ شق اول نبی کی شان میں گستاخی ہے اور ظاہر نصوص کے خلاف ہے اور شق دوم کے اقرار سے ہدہد وہابی سچا

اور بریلوی اونٹ جھوٹا ثابت ہو گا۔

سنئے! اس واقعہ سے ہدہد بری ہوا اور اس کے سبب سے حضرت سلیمان علیہ السلام کو دوسرے ملک کا علم ہوا اور ملکہ سبا جو بریلویوں کی طرح عابدہ من دون اللہ تھی، اسلام قبول کر کے موحدہ ہو گئی اور حضرت سلیمان اور ہدہد کے عقیدہ پر آگئی۔ حضرت سلیمان بھی وہابی تھے اور ہدہد بھی وہابی تھا اور ہدہد وہابی کی تحریک توحید سے بلقیس ملکہ سبا بھی وہابیہ ہو گئی لیکن وہابی کا محاورہ اختراعی مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے۔

وہابی کا معنی ہے رحمان والا
کچھ اور ہی سمجھتا ہے شیطان والا

وہابی کا لغوی معنی وہاب والا ہے۔ وہاب اللہ تعالیٰ کا ایک نام ہے۔ انک انت الوھاب۔ باقی جو نسبت بریلوی دیتے ہیں وہ کذب و افتراء ہے جیسے کفار کا آنحضور ﷺ اور صحابہ کو صابی کہنا تھا۔ (طابق النعل بالنعل)

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ ہُد ہُد مہندس تھا اور حضرت سلیمانؑ کو جبکہ آپ کسی میدان میں اترتے تھے تو پانی بتاتا تھا، آپ ضرورت کے وقت اس کو طلب کرتے وہ پانی زمین کی تہ سے دیکھ لیتا جب ہد ہد پانی کی اطلاع دیتا تو حضرت سلیمان جنوں کو کہہ فرماتے وہ اسکو کھود کر پانی نکال لیتے۔

حضرت سلیمانؑ ایکدن میدان میں اترے اور جانوروں کی خبر لی تو ہُد ہُد کو نہ دیکھا۔ (تاریخ ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۱) اس سے بھی یہ ثابت ہُوا کہ حضرت سلیمانؑ کو غیب نہ تھا، ہُد ہُد کو اللہ نے یہ علم دیا تھا اس واسطے اس کو مقرر کرنا پڑا، اب بریلویوں کو چاہیئے کہ ہُد ہُد کو بھی غیبدان جان کر اس کا

عبدالقادر عارف حصاری
اہلحدیث سوہدرہ جلد ۸ شمارہ ۲۴، ۲۵، ۲۶
مورخہ ۲۴ جون یکم و ۸ جولائی سنہ ۱۹۵۶

بریلوی مذہب پر ایک نظر

حضرات! آج اس دور پر آشوب میں نام نہاد اہل اسلام کی توحید و سنت کے لحاظ سے' باہمی اتفاق و اتحاد کے اعتبار سے' معاملات اور اخلاق کی رو سے' جو دردناک حالت ہے' اس نے دردمندان اسلام کو نہایت بے چین کر رکھا ہے۔ ان مدعیان اسلام کی شرک' کفر' بدعت' الحاد و زندقہ پھیلانے اور تفریق پیدا کرنے میں جرائتیں' بے باکیاں روز بروز بڑھتی جا رہی ہیں۔ مذہبی شروفساد زوروں پر ہے' اس فتنہ کے سبب سے مسلمانوں میں دینداری' تقویٰ' غیرت اسلامی' عدل و انصاف' اعتبار و وقار دور ہوئے' رعب و ہیبت' قوت و شوکت قائم نہ رہی۔ اب اسلام کے بنیادی اصولوں اور متفقہ مسائل پر مذہبی جنگ و جدل جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ کو بیکار بنا کر انبیاء' اولیاء کو کلی اختیارات دیتے ہوئے کائنات کے تخت پر بٹھا کر ڈھول بجا کر اعلان کیا جا رہا ہے کہ ۔

جو کچھ ہمیں لینا ہے لے لیں گے محمد ﷺ سے

توحید کا مقام شرک کو دے کر سنت کی جگہ بدعت جاری کر دی ہے۔ شرم و حیا کے قائم مقام بے حیائی' بدکاری' بے غیرتی آگئی ہے۔ بزرگان دین علماء اہل حق پریشان ہو رہے ہیں۔ دریدہ دہنی' بدزبانی انتہا کو پہنچ گئی ہے۔ تقریروں' تحریروں میں افتراء' بہتان اختراع کو پیشہ بنا کر مسلمانوں کی توہین اور دل آزاری کی جا رہی ہے جس سے اللہ پرست موحدین کو بڑی بے قراری لاحق ہے۔ پیر پرستی' تعزیہ پرستی' ملا پرستی سے اہل توحید بے قرار و بے تاب ہو رہے ہیں۔ ہمارے سادہ لوح مسلمان بھائی گمراہ اور بے دین گستاخ فرقوں سے میل جول و مخالفت رکھ کر اپنی غیرت ایمانی' حمیت اسلامی کو فنا کر چکے ہیں۔ اب ان سے نفرت و بیزاری ظاہر کرنے کی بجائے ان کے ساتھ ربط ضبط' میل جول رکھ کر ان کے باطل عقائد اور بدعی رسومات سے متاثر ہو رہے ہیں اور گمراہی کے سیلاب میں خس و خاشاک کی طرح بہ رہے ہیں۔ حالانکہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آخر کے زمانہ میں ایسے جھوٹے دجال پیدا ہوں گے جو تمہارے سامنے ایسی ایسی باتیں پیش کریں گے جو نہ صرف تم نے بلکہ

تمہارے آباؤ و اجداد اسلاف نے بھی نہ سنی ہوں گی' خبردار ان سے بچنا اور اپنا دین و ایمان ان سے محفوظ رکھنا ہو گا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں گمراہ کر دیں اور فتنہ میں ڈال دیں۔ (مسلم)

اس حدیث کے مصداق جھوٹے نبی' جھوٹے امام' جھوٹے علماء ہیں جو اختراعی مسائل اور موضوع روایات پھیلا رہے ہیں اور وہ پیر و مشائخ ہیں جو جھوٹی حکایات سنا سنا کر لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ اور عقائد فاسدہ سے زندقہ و الحاد میں ڈال رہے ہیں۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ یہ حدیث فرقہ بریلویہ اور رافضیہ پر صادق آتی ہے۔ جنہوں نے مذہبی فضا کو مکدر کر کے لوگوں میں بڑی ہل چل مچا رکھی ہے۔ رافضی فرقہ تو اکثر ماہ محرم ہی میں بموقعہ تعزیہ پرستی' شروفساد کا موجب ہوتا ہے' لیکن فرقہ بریلویہ کا فتنہ تو عالم اسلام میں ہر وقت قائم ہے' کیونکہ یہ اہل سنت والجماعت بن کر اور قرآن و حدیث و فقہ کا نام لے کر مسلمانوں کو مغالطہ دیتے ہیں اور موضوع احادیث سنا کر توحید و سنت کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ باطل عقائد کی تعلیم دینا' اہل توحید کے خلاف افتراء و بہتان باندھ کر لوگوں کو فساد پر ابھارنا اور اشتعال دلانا ان کا دستور ہے۔ انبیاء اولیاء کو الٰہی منصب دینا' ان کی پرستش کرنا ان کا مشغلہ ہے۔ پیروں کے نام کا کلمہ پڑھانا' سجدہ تعظیمی کرنا کرانا' ان کی خانقاہوں کو قبلہ بنانا' ان کا شیوہ ہو رہا ہے۔ ان کی تقریروں اور تحریروں میں ان امور مذکور کا بیان پایا جاتا ہے چنانچہ چند عقائد باطلہ اور اعمال فاسدہ اس فرقہ غالیہ کے بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں تاکہ اہل اسلام موحدین اور اہل سنت صادقین کو عبرت حاصل ہو کہ وہ اس فرقہ ضالہ سے میل جول اور مصاحبت وغیرہ نہ کریں کہ یہ فرقہ تمام گمراہ فرقوں سے زیادہ خطرناک ہے۔

آنحضرت ﷺ کو خدا کہنا ⇐ تمام اہل اسلام کا اجماع ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ عبداللہ بن عبداللہ ہیں لیکن فرقہ بریلویہ کی کتاب بشرنامہ ص۔۴ میں ہے :
"انا من نور اللّٰه وكل شئى من نورى" یعنی میں اللہ کا نور ہوں اور ہر شے میرے نور سے ہے۔

یہ حدیث موضوع ہے۔ پھر دوسری موضوع حدیث یہ لکھی ہے :
"خلق صورة محمد صلى الله عليه وسلم كصورته" یعنی اللہ نے پیدا کی صورت

محمد کی مثل اپنی صورت کے۔

یہ عقیدہ کفریہ ہے۔ پہلی بات اس آیت کی رو سے کفر ہے :۔

"وجعلوا له من عباده جزء ان الانسان لكفور مبين" یعنی مشرکین نے میرے بندوں کو میری جزء قرار دیا ایسے انسان صاف کافر ہیں۔

اور دوسری بات اس آیت کے خلاف ہے' "ليس كمثله شئ" یعنی اللہ کی مثل کوئی شئی نہیں ہے۔ بشر نامہ کا مصنف کہتا ہے کہ اللہ کے چاروں حرف بے نقطہ' محمد کے چاروں حرف بے نقطہ۔ ایسی خرافات ص۱ پر بڑی جرات سے لکھتا ہے۔ "اے طالب صادق دیکھو!" پہلے اللہ اور رسول قرآن مجید اور احادیث سے ایک ثابت کر کے دکھائے جس میں کوئی شک و شبہ نہیں رہا جو شک کرے وہ مشرک ہے۔" کیسا ظلم پر ظلم ہے کہ شرک کر کے مشرک خود ہیں اور جو صحیح عقیدہ پر ہو کر اشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ۔ پر ایمان رکھتے ہیں ان کو مشرک قرار دے رہے ہیں جس سے ظاہر ہوا کہ یہ لوگ تمام انبیاء' اولیاء' صحابہ کرام اولیاء عظام جملہ اہل اسلام کو مشرک جانتے ہیں۔ کیونکہ سب کا یہ ایمان ہے کہ اللہ اور اللہ کا بندہ دو جدا جدا ہیں۔ ایک خالق ہے اور دوسرا مخلوق ہے۔ ایک قدیم ہے اور دوسرا حادث ہے۔ اور ایک حی ہے اور دوسرا میت ہے۔ ایک باقی دائم ہے اور دوسرا فانی ہے' مگر وہ اس صفحہ پر لکھتا ہے کہ "عاشق معشوق ایک' صفت موصوف ایک' طالب مطلوب ایک' شاکر مشکور ایک' عابد معبود ایک' ناظر منظور ایک' وغیرہ جو شک کرے وہ مشرک ہے" یہ خواجہ جلال الدین قادری نے بشر نامہ میں لکھا ہے۔ اب دوسرے بریلوی کی سنئے جو نور محمد قادری کے نام سے مشہور ہے۔ یہ صاحب اپنی کتاب دروس الحنفیہ ص-۱۹ میں لکھتے ہیں اور موحدین کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر ہم حدیث پیش کریں کہ "انا عرب بلاعين" یعنی میں عرب ہوں سوائے عین کے تو مجھے سرسام ہو جاتی ہے۔ یہ حدیث بناوٹی ہے۔ کتب حدیث میں اس کا نام و نشان بھی نہیں ہے پھر ص-۲۷ میں لکھتا ہے کہ ؎

خدا آکھاں تاں جگ ڈروائے
جدا آکھاں تاں دل مروائے
صفا آکھاں تاں حق تروائے

کہاں لگ لگا کے ـــــ میں

یعنی اگر حضور ﷺ کو خدا کہہ دوں تو دنیا سے ڈرتا ہوں اور اگر اللہ سے جدا سمجھوں تو دل لرزتا ہے پھر ص-۳۵ پر لکھتا ہے ۔

اوہ خاص خدا دا نور تے بے مثل ہے
بس بشری جامہ پایا جل جلال ہے
جو منکر ہے بے دین خدا دے نور توں
بس تو بھی ہو جا دور کینے سور توں

یعنی وہ تو خاص اللہ ہی کا نور ہے۔ جو اس کو منکر کہے وہ مردود اور سور ہے۔ پھر اہل حق کو مخاطب کرتے ہوئے یہ بکواس کرتا ہے ۔

من آ مقابل نجدی موذی پازیا
اس شیطان دی خود فوجدے بھلے غازیا
رکھ لمبا داہڑا دین ونجایا جوڑ کے
کر طاعت شیطان بیٹھوں بیڑی بوڑ کے

آپ ان کے مشرکانہ عقیدہ کے ساتھ ساتھ ان کی کافرانہ تہذیب کا اندازہ بھی کرتے جائیں۔ یہی دیوس کا مصنف لکھتا ہے۔ چھوٹے نجدی کتے کی مثل ہیں اور بڑے سور کی مثل اور ایک گدھے کی مثل۔

سردار شاہ دسٹروی اپنی کتاب تحفہ عرفانی میں لکھتا ہے کہ ۔

عرب ہوں اہیر وچہ عین نہیں
میرا نام احمد ہے اہیر وچہ میم نہیں

بہرحال ان مشرک لوگوں کا یہی عقیدہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ اوتار ہیں۔ خود اللہ تعالیٰ بشر کا لباس پہن کر دنیا میں ظاہر ہوا ہے۔ اس لیے ان کا یہ شعر بہت مشہور ہے ۔

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر
اتر پڑا وہ مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر

اور ایک بریلوی نے یہ شعر لکھا ہے ۔

احمد کو ہم نے جان رکھا ہے وہی اللہ
مذھب کچھ اور ہو گا کسی بوالفضول کا

مخفی نہ رہے کہ مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی جو صحیح معنوں میں حنفی تھے وہ حدیث نور وغیرہ کی بابت اپنی کتاب آثار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ ص۔۲۷۳ میں فرماتے ہیں کہ "کل ذالک کذب مفتری باتفاق اہل العلم" بالحدیث یعنی تمام محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ روایتیں جھوٹی ہیں اور آنحضور ﷺ پر افتراء کیا گیا ہے۔ لیکن یہی روایت ان کے عقیدہ کا سنگ بنیاد ہے۔ جو قرآن و احادیث کے خلاف اور سراسر متضاد ہے۔ نبی کریم کی ذات کا اللہ سے جدا ہونا شرعاً" نقلاً" عقلاً" ثابت شدہ امر ہے۔ جس پر علماء اسلام کا اجماع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : "واعبد ربک حتی یاتیک الیقین" یعنی اے میرے بندے اپنے رب کی عبادت کر' یہاں تک کہ تجھے موت آجائے۔ اس سے عابد اور معبود کا جدا جدا ہونا ثابت ہوا۔ اور ارشاد ہے : "لماقام عبداللّٰہ یدعوہ" یعنی جب اللہ کا بندہ (محمد ﷺ) کھڑا ہوا جو اللہ کو پکارتا ہے۔ خود آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ یہود نصاریٰ کی طرح میری تعریف حد سے زیادہ نہ بڑھاؤ۔ "فقولوا عبداللّٰہ ورسولہ" پس کہو اللہ کا بندہ ہے۔ اور اللہ کا رسول ہے۔ اور قرآن میں بھی آپ سے یہ اعلان کرایا گیا ہے کہ : "قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا" یعنی کہہ تو میرا رب پاک ہے۔ میں کچھ نہیں ہوں مگر صرف بشر رسول ہوں۔ اسی کفریہ عقیدہ کی بنا پر اللہ نے اپنے بندہ سے یہ اعلان کرایا ہے : "قل انما انا بشر مثلکم" ورنہ ایسی بدیہی بات کے بار بار اظہار کی کیا ضرورت تھی۔ کسی پنجابی شاعر نے کیا اچھا کہا ہے ۔

عیسیٰ نوں رب آکھن والے کافر جو ہین عیسائی
محمد نوں رب کہن جو کافر اونویں شک نہ کوئی

افسوس ہے کہ اس دور میں ایسے بدیہی عقیدہ اسلام کو مدعیان اسلام کے سامنے آیات محکمات سے ثابت کرنے کی نوبت آپہنچی ہے' ورنہ ایسے مسلمہ اور متفقہ عقیدہ کے ثابت کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

مرشد کو خدا کہنا ⇦ نبی کریم ﷺ کو خدا کہتے کہتے یہ کفر اس حد کو پہنچ گیا کہ اس فرقہ غالیہ کے لوگ اپنے اپنے پیر مرشدوں کو بھی خدا کہنے لگے ہیں۔ اب ان کا یہ ایمان نہیں رہا کہ اللہ وحدہ لاشریک ہے۔ جیسے ہندوؤں کے کڑوروں الہ ہیں' ایسے ہی ان بدعتیوں کے کروڑوں معبود ہیں۔ چنانچہ اس فرقہ کا ہر مرید اپنے مرشد کو خدا کہتا ہے۔ سردار شاہ وہڑوی تحفہ عرفانی ص-۳۵ میں اپنے مرشد کی تعریف کرتا ہے ۔

میری جان بھی تم ایمان بھی تم
مجسم خود رحمان بھی تم
مصحف میں آیات دکھا دینا
من صفت چہ گویم سرور ہو
اقلیم خدا کے گورنر ہو
اوتار کہوں یا پیغمبر ہو
میرے دل سے شبہ مٹا دینا
تجھے سری کرشن اوتار کہوں
یا احمد شاہ غفار کہوں
یا برہما سر جنہار کہوں
باوشنو نام رکھا دینا
سری رام چندر بھگوان کہوں
یا یوسف ماہ کنعان کہوں
تجھے وید کہوں یا قرآن کہوں
ہنومان شاہ علی مردان کہوں
ویرادھ نہیں تقدیر کہوں
ہمہ اوست کا درجہ سنا دینا
گورکھ ناتھ بشنو بھنڈار کہوں
یا ، موسیٰ خضر ابرار کہوں
تجھے درجہ رکھو اتار کہوں
یا عیسیٰ مردے جلا دینا

الغرض یہ کتاب اسی طرح کے کفریات سے بھرپور ہے۔ ایک دوسرا بریلوی کوئی خواجہ غلام فرید ہے' وہ اپنی کتاب جوہر فریدی میں یہ لکھتا ہے ؂

کون آکھے مرشد رب نا ہیں
مرشد باجھ نہ رب سنجا پڑائے
مرشد دین تے دنی دی خیر دیوے
کنڈا کھول ویندا ول دے ناکدائے

یعنی کون کہتا ہے کہ مرشد خدا نہیں۔ مرشد کے بغیر خدا کا پتہ نہیں چل سکتا۔ اس لیے پہلا خدا مرشد ہی ہوتا ہے۔

ایک گجراتی پیر اپنی کتاب میں لکھتا ہے ؂

کون آکھے مرشد رب ناہیں بنا مرشد نہ رب سنجا پڑائی
مرشد تے رب دا بھید اکو ایہو قول سانوں سچا جاپدائی

یعنی مرشد اور رب ایک ہی ہے اور یہی قول سچا ہے۔

نور محمد قادری دروس الحنفیہ میں کہتا ہے ؂

اولیاء اللہ اولیاء
ہیچ فرق درمیان نہ بود روا
ہر کہ پیر و ذات حق را ایک نہ دید
نے مریدو نے مریدو نے مرید

پیر کا کلمہ پڑھنا ⇦ سلطان المشائخ لاہور ماہ جون ۵۵ء میں حقیقی مرید کی تعریف یہ لکھی ہے کہ جو کچھ پیرومرشد کہے اگرچہ وہ شرع کے خلاف ہو فوراً اس پر عمل کیا جائے۔ چنانچہ اس کو ثابت کرنے کے لیے یہ واقعہ پیش کیا ہے کہ ایک مرتبہ کوئی شخص شبلی کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں بیعت کی نیت سے آیا ہوں۔ اگر آپ قبول فرمائیں تو زہے قسمت' فرمایا مجھے منظور ہے لیکن جو کچھ کہوں گا اس پر عمل کرنا ہو گا۔ اس نے کہا بسروچشم۔ پوچھا کلمہ کس طرح پڑھتے ہو؟ عرض کی لا الہ الا اللہ

محمد رسول اللہ- خواجہ شبلی نے فرمایا نہیں- اس طرح کہو لا الہ الا اللہ شبلی رسول اللہ- مرید پیر کا معتقد تھا اس لیے فوراً اسی طرح کہہ دیا- بس اس کفر صریح کو دلیل قطعی تصور کر کے یہ مسئلہ اختراع کیا گیا کہ حقیقی مرید وہ ہے کہ جو کچھ پیر مرشد فرمائے' اگرچہ وہ شرع کے خلاف ہو اس پر فوراً عمل کیا جائے- آپ نے سنا ہو گا کہ ضلع ساہیوال تحصیل عارف والا کے ایک گاؤں چک لاموریاں میں ایک پیر صاحب محمد شاہ آئے' انہوں نے اپنے مریدوں سے اپنے نام کا کلمہ پڑھوایا جس کو اس کے تمام مرید پڑھتے رہے- وہاں چند موحدین اہلحدیث بھی تھے- انہوں نے گمراہی کے اس سیلاب کو روکنے کے لیے جلسہ منعقد کیا جو ۲۷ جنوری ۵۸ء کو ہوا- اس میں خادم المسلمین راقم الحروف بھی مدعو تھا- الحمدللہ ہماری کوشش کامیاب رہی اور شرک فی الرسالت کا یہ سیلاب کسی حد تک رک گیا- اس کفر پر تو مرزائی کفر بھی حیرت زدہ ہے کہ یہ کفر مجھ سے بھی بڑھ گیا ہے- جب مرشد کے نام کا کلمہ جائز اور اس کی اطاعت بھی جائز تو اس کے رب بنانے میں کیا کسر باقی ہے- خواجہ جلال الدین بشر نامہ ص-۲۹ پر لکھتا ہے ؎

نال شراب دے رنگ مصلی جے مرشد فرماوے
کیونکہ واقف کار قدیمی غلطی کدے نہ کھاوے

نیز ص-۲۸ میں ہے ؎

پیرا کہیا مانیں حکم خدا جانیں
فرقان جانیں فرق کڈھائی جانیں
عشق الٰہی ایہو عشق رسول ایہو
عاشق ہو پیر تے عشق کمائی جائیں

مطلب یہ کہ پیر کے حکم کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرح جاننا اور قرآن میں اور اس میں فرق نہ سمجھنا' پیر کا عشق حقیقت میں اللہ اور رسول کا عشق ہی ہے-

پھر ص-۵۱ میں ہے :

پیوں نشہ منع نہ کوئی رکھے ہوش سنبھالی
دس کھاں وچ تمام ملک دے کیہڑا عیبوں خالی
راگ شراب نہ چھوڑیں ہرگز دنیا اندر بھائی

اس کم اندر جتیاں ہویاں اسنوں خوف نہ کائی

اے عزیز رنگ رلیاں منا اور شراب پیے جا' یہ ہرگز ترک نہ کر اس میں تیری نجات ہے۔

یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ شراب کے ٹھیکے لیے بیٹھے ہیں اور خانقاہوں میں بھنگ اور چرس اڑائے جا رہے ہیں اور یہ کہتے ہیں ۔

جنہاں بھنگ بوٹیاں پیتیاں

اللہ نال گلاں کیتیاں

یعنی بھنگ چرس پینا گویا اللہ کے ساتھ باتیں کرنا ہے اور نماز روزہ کی ان کو ضرورت نہیں ہے۔ یہ عشق مجازی ہے جو عشق حقیقی تک پہنچنے کے مصداق ہے۔

نہ رکھ روزہ اور نہ جا مسجد نہ دے سجدہ

وضو کا توڑ دے کوزہ' شراب شوق پیتا جا

یہ قبر کے مجاوروں کا راگ ہے جو گایا جاتا ہے۔ یہی عقیدہ اور عمل اہل کتاب یہود و نصاریٰ کا تھا' جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ :

"اتخذوا احبارهم ورهبانهم اربابا" من دون الله" یعنی انہوں نے اپنے عالموں اور پیروں کو رب بنا لیا سوائے اللہ کے۔

عدی بن حاتم ؓ سے روایت ہے کہ "لسنا نعبدهم" یارسول اللہ! ہم اپنے پیروں اور عالموں کو معبود تو نہیں کہتے' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں کہا ہے کہ انہوں نے پیروں اور عالموں کو رب بنا لیا ہے۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا :

"لیس یحرمون ما احل الله فتحرمونه ویحلون ماحرم الله فتستحلونه" یعنی کیا جس چیز کو تمہارے ملا' مولوی' پیر' حرام کہہ دیں' حالانکہ اللہ نے اس کو حلال قرار دیا ہو تو تم اس کو حرام کہتے ہو اور جس کو وہ حلال کہہ دیں' اگرچہ اللہ نے اس کو حرام کیا ہو تو تم اس کو حلال جانتے ہو؟

عدی بن حاتم ؓ نے کہا کہ ہاں ایسا تو ہم کیا کرتے ہیں' اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا "فتلک عبادتهم" پس یہی ان کی عبادت ہے۔ (تفسیر کبیر) فرقہ بریلویہ بھی اس طرح اپنے مرشدوں اور پیروں کی عبادت کرتا ہے' جن کے مشرک ہونے میں کوئی شبہ

نہیں ہے۔

تصور شیخ اور سجدہ تعظیمی ⇦ تمام علماء اہل حق کا اس بات پر اجماع ہے کہ غیر اللہ کی پرستش اور پوجا خواہ وہ پیر ہو یا پیر کی قبر ہو یا اس کا بت ہو' زندہ ہو یا مردہ ہو' شرک ہے۔ مگر بریلوی فرقہ اس کو جائز کہتا ہے کہ اپنے پیروں اور مشائخ کا تصور کرنا' ان کی پرستش کرنا اور سجدہ کرنا جائز سمجھتا ہے اور اس پر عامل ہے۔ چنانچہ بشر نامہ ص۔۳۶ میں ہے ۔

سینے اپنے اندر میں اک رکھیا بت چھپا کے
دن تے رات کراں میں پوجا اسدی وچ وچا کے
بت پرستو مہنا وٹہ مینوں ناہیں کائی!
یار میرا بت بنیا تے میں ہاں بت پرست سودائی
بت پرستی اندر مینوں ملی دلبر آکے
بتاں اندر راز الٰہی ڈٹھا میں ازما کے
تے اوہو جیہڑے کردے ہے نے واہ وا بت پرستی
اوہو خاص مولائی بندے واہ انہاندی ہستی!

میں تو اپنے پیر کے بت کی پوجا کرتا ہوں اور اسی میں مجھے معبود نظر آتا ہے۔ مگر بے وقوف اسے بت پرستی قرار دیتا ہے۔

پھر صفحہ نمبر۔۴۵ میں یوں لکھا ہے ۔

سجدہ تعظیمی جائز ہیگا نال حدیث قرآنوں
توں نہ میں او خیشا اٹلے کریں بیانوں
وچہ فتاویٰ عالمگیری ایسے طرح ہے آیا
شاہ مرشد ہاں بابڑے تائیں سجدہ کرنا آیا
حکم منع دا کتے نہ آیا اے میرے دلدارا
کامل مرشد نوں کر سجدہ ایہو راز ہے بھارا

سجدہ تعظیمی یعنی پیر کو سجدہ کرنا تو عالمگیری سے بھی ثابت ہے' پھر نہ معلوم لوگ کیوں نہیں مانتے' جو لوگ غیر کو سجدہ کرنا جائز نہیں کہتے اور حرام جانتے ہیں ان کو

مخاطب کر کے یہ کہتے ہیں کہ ۔

جنہاں جنہاں نے نہیں یارا اوہ ٹولہ شیطانی
کم اُنہاں دا ایہو جانو کرنی نا فرمانی
ڈھوں دے ایہہ ویری ہیگے رستہ مارن والے
ہاتھیاں تائیں ایہو ہیگے کتے بھونکن والے

ان شعروں میں خبیث' کتے' گروہ شیطانی اس گروہ ناجیہ کو کہا گیا ہے جو سجدہ کو مطلقاً" حرام کہتے ہیں۔ یہ بریلوی تہذیب کا نمونہ ہے کہ بلاوجود جھوٹے اور باطل ہونے کے اہل حق کو گالیاں دیتے ہیں۔

حدیث میں ہے :

"لوكان ينبغى لبشر ان يسجد لبشر لا مرت المراة ان تسجد لزوجها اذا دخل عليها لما فضله الله (رواہ البزار والحاکم والبیہقی) یعنی اگر کسی بشر کو سجدہ کرنا جائز ہوتا کہ دوسرے بشر کو سجدہ کرے تو میں عورت کو حکم دیتا کہ اپنے خاوند کو جبکہ وہ گھر میں آئے سجدہ کیا کرے' اس فضیلت کے سبب سے جو اللہ نے خاوند کو عورت پر دے رکھی ہے۔

اسی طرح اور بہت سی احادیث اس کی ممانعت پر ناطق ہیں' اور اس کے حرام ہونے پر علما اسلام کا اجماع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بریلویوں کے مجدد اور مفتی احمد رضا خاں بھی اس کو حرام قرار دیتے ہیں اور سجدہ تعظیمی کو بت پرستی کے مشابہہ کہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک رسالہ بنام "الزبدة الزکیہ فی تحریم سجود التحیہ" شائع کیا ہے جس میں یہ لکھا ہے کہ "حالت اکراہ میں بھی سجدہ نہ کرے یہ صورت کفر ہے" ص-۲۵ اور ص-۴۸ میں ہے "زمین بوسی و سجدہ تحیت ناجائز و کبیرہ گناہ ہیں" اور ص-۵۳ پر یہ لکھا ہے کہ "ان دس عبارتوں سے روشن کیا کہ غیر اللہ کو سجدہ تحیت' شراب پینے اور سور کھانے سے بدتر ہے۔"

اسی طرح کتب فقہ میں تمام فقہاء حنفیہ نے سجدہ تعظیمی کو حرام اور کبیرہ گناہ قرار دیا ہے' پس ان بدعتیوں کی گالیاں ان کے اپنے مولوی اور احمد رضا خاں اور فقہاء حنفیہ پر پڑیں یعنی :

ع اس گھر کو آگ لگ گئی اس گھر کے چراغ سے

یہ بدعتی لوگ اپنے آپ کو حنفی کہلا کر حنفی مذہب کو آگ لگا رہے ہیں' نیز سلطان المشائخ کے ایڈیٹر اور دیگر لاہوری بریلویوں نے جو اولیاء کرام کے ذمہ یہ بات لگائی ہے کہ وہ سجدہ تعظیمی جائز کہتے تھے اور اپنے آپ کو سجدہ کراتے تھے' اس کی بابت ان کے مجدد مولوی احمد رضا خاں نے اپنے اسی رسالہ کے ص-۷۷ پر لکھا ہے کہ "یہ افتراء بھی ہزاروں افتراؤں کا ایک افتراء اور لاکھوں جھوٹ کا ایک جھوٹ ہے" پھر جو بریلوی کہتے ہیں کہ تمام اولیاء کا اس کے جواز پر اجماع ہے' اس کے بارہ میں رسالہ ص-۸۷ میں ہے کہ "سجدہ غیر پر امت کرشن کا ضرور اجماع ہے' جس پنڈت سے چاہو پوچھ لو' جس مندر میں چاہو دیکھ لو' لیکن امت محمد رسول اللہ ﷺ اس ملعون تہمت سے بری ہیں" "ولیعلم الذین ظلموا الآیہ" بلکہ ابھی بکر کے مستند فتاویٰ عزیزیہ سے سن چکے کہ غیر کے لیے سجدۂ تحیت حرام ہونے پر اجماع قطعی ہے اور پھر ص-۵۶ پر ہے کہ "پس اگر اسے اپنے پیر کے لیے جائز جانے تو کافر ہے' اور اگر اس کے پیر نے اسے سجدہ کا حکم کیا اور اسے پسند کر کے اس پر راضی ہوا تو وہ شیخ نجدی خود بھی کافر ہوا" اس سے کئی باتیں ثابت ہوئیں :

اول- یہ کہ غیر اللہ کو سجدہ تعظیمی جائز کہنے والے کافر ہیں-

دوم- یہی لوگ شیخ نجدی اور اس کے پیرو ہیں-

سوم- یہ کہ ایک بہت بڑے عالم نے جو جمعیت اہلحدیث کے جلسہ سرگودھا میں سجدہ تعظیمی کو صرف حرام کہا ہے اور کفر قرار نہیں دیا' ان سے اس مسئلہ میں احمد رضا خاں کی فقاہت اچھی رہی' کہ وہ اجماعی حرام کو مباح جان کر عمل کرنے والوں کو کافر جانتے تھے' ص-۵۷ ملاحظہ ہو' لیکن راقم اپنی تحقیق کسی مستقل مضمون میں پیش کرے گا- اب یہاں گنجائش نہیں ہے' یہاں تو ہم نے بریلویوں کا مذہب ظاہر کرنا ہے کہ وہ دین اسلام سے اپنا دین علیحدہ رکھتے ہیں' جو ہنود اور یہود اور نصاریٰ سے ملتا جلتا ہے- یہ بت پرستی کرتے ہیں اور انبیاء اور اولیاء کو پوجتے ہیں-

الکوکب ص-۳۶ میں ہے کہ "بزرگوں کی قبروں کا طواف جائز ہے' قبر پر رخسار رکھنا' بزرگوں کو پوجنا' اپنے آپ کو پیر پرست کہلوانا' ان کی پرستش جائز ہے" اسی بناء

پر یہ لوگ خانقاہوں میں دھڑا دھڑ رکوع سجدے، قعدے، ان کے نام کے وظیفے، نذر نیازیں اور دعائیں کر رہے ہیں، یہی پرستش ہے۔

خواجہ جلال الدین قادری بشرنامہ ص-۴۴ میں لکھتا ہے ۔

عشق بت بتلا رہا ہے کعبہ صورت یار کی
سجدہ پھر کس لیے نہ کروں جب شکل ہو دلدار کی
سجدہ کرنے سے منع کرتی شریعت رہ گئی
کب شریعت واقف ہے اس عشق کے اسرار کی

یہ صریح اور علانیہ شریعت محمدیہ سے مقابلہ ہے جو صاف کفر ہے، یہ احمق لوگ اپنے اختراعی راہ طریقت کو محمدی شریعت سے جدا سمجھتے ہیں اور ان کو باہم متضاد جانتے ہیں۔ اس لیے شرع اور علماء شرع کی تکذیب کرتے ہیں۔ چنانچہ رسالہ کے ص-۳۶ پر مولوی عالم شرع کو خطاب کرتا ہے ۔

مولوی نام سداویں یارا مولا خبر نہ موے
عالما چھڈ دے جھوٹیاں لافاں نہ کر بات فضولے

ایک جگہ کہتا ہے ۔

علم الہی اکو نقطہ خبر نہ ٹکر گدایاں
پڑھ پڑھ عالم فاضل ہو گئے پر نہ سمجھ آیاں

<u>بریلویوں کا مدینہ</u> ⇦ انوار الصوفیہ ماہ ستمبر ۱۹۳۰ء ص-۹ میں ہے ۔

مدینہ بھی مطہر ہے مقدس ہے علی پور بھی
ادھر جائیں تو اچھا ہے ادھر جائیں تو اچھا ہے
سرکار علی پور بھی ہیں شاہ مدینہ
پروانہ سا وہ عشق محمد میں فنا ہیں

اسی بنا پر مولوی محمد یار بہاولپوری کا یہ شعر بریلوی جلسوں میں پڑھا جاتا ہے ۔

برائے چشم بینا از مدینہ برسر ملکش
بشکل صدر الدین خود رحمتہ اللعالمین آمد

کہاں ہیں احراری لیڈر! جو بریلویوں کو مجلس احرار میں شامل کر کے اپنا بھائی سمجھتے ہیں اور ختم نبوت کا بہانہ بنا کر ان سے اسلامی تعلقات قائم کرتے ہیں' حالانکہ وہ مرزائیوں سے بھی بدتریں ہیں' جو اپنے پیروں کو ظلی رسول جانتے ہیں اور ان کی خانقاہوں کو مقامات مقدسہ کا درجہ دیتے ہیں- چنانچہ انوار علی پور ص ۱۱ میں ہے ۔

جو دیکھا کے طواف کر کے رہا مدینے کے زائروں میں
نظر میں آیا ہے ہوبہو تو ہزار دیکھا سر جھکا کر

یعنی مکہ کی حج اور مدینہ کی زیارت کے وقت نہ اللہ نظر آیا نہ رسول' صرف پیر علی پور ہی نظر آیا' ایک اور شاعر یوں لکھتا ہے ۔

چاچڑ وانگ مدینے وسن کوٹ مٹھن بیت اللہ
ظاہر دے وچ پیر فریدن باطن دے وچ اللہ

الغرض تمام بریلوی اپنے اپنے پیروں کو اسی طرح مانتے ہیں-

منکر نکیر کو جواب ⇦ "مدائح اعلیٰ حضرت بریلوی" میں یہ لکھا ہے ۔

نکیرین آکے مرقد میں جو پوچھیں گے تو کس کا ہے؟
ادب سے سر جھکا کر لوں گا نام احمد رضا خاں کا

یعنی اگر قبر میں منکر نکیر فرشتے آکر سوال کریں گے کہ تو کس کا بندہ ہے؟ اور تیرا رب کون ہے؟ اور تیرا نبی کون ہے؟ اور تو کس کا امتی ہے؟ تو بریلوی شاعر کہتا ہے کہ ہم ادب سے سر جھکا کر اپنے پیر مجدد احمد رضا خاں بریلوی کا نام لے دیں گے' لیکن یہ یاد رہے کہ پتہ بھی اسی وقت ہی لگے گا' جس وقت اس طرح کا مشرکانہ جواب دو گے' وہ بھی آگے گرزوں والے برزخی وہابی (وہاب کے فرشتے) ہیں' اللہ اللہ! بریلوی احمد رضا خاں صاحب کو شافع محشر بھی مانتے ہیں ۔

حشر میں ہو جب قیامت کی تپش
اپنے دامن میں چھپا احمد رضا
(مدائح)

پھر ساقی کوثر بھی مانتے ہیں' یعنی حضور ﷺ پرنور کے تمام عہدے گویا احمد رضا

ہی کو دیئے گئے ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ ساقی کوثر رسول اللہ ﷺ ہیں' جن کا یہ ارشاد ہے : "من مر علی شرب" کہ جو میرے پاس آئے گا پئے گا' مگر بریلوی یہ کہتے ہیں کہ

جب زبانیں سوکھ جائیں پیاس سے
جام کوثر کا پلا احمد رضا!

اللہ تعالیٰ کا تصور ⇦ بریلوی عقیدہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کا رب حضور ﷺ کی اطاعت کرتا ہے' (الامن والعلا ص-۸۳) حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا اقرار یہ ہے : "ان اتبع الا مایوحیٰ الیّ" یعنی میں حکم الٰہی کے بغیر کسی کی پیروی اور اطاعت نہیں کرتا' یعنی میں تابع امر الٰہی ہوں اور اللہ متبوع ہے اور آنحضور ﷺ کو یہ تنبیہہ الٰہی ہے کہ :

"ولئن اتبعت اھواء ھم من بعد ماجاءک من العلم انک اذا لمن الظالمین" یعنی اے ہمارے رسول! اگر تم لوگوں کی خواہشوں پر چلو گے بعد اس علم کے جو میری طرف سے تم کو پہنچا ہے تو تم بھی ظالموں میں شمار ہو گے۔ (پارہ-۲)

ایک دفعہ شہد حرام کر لیا تو یہ عتاب ہوا : "یاایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک" (الآیۃ) اور ابوطالب کی بابت ہدایت اور بخشش کی کوشش کی گئی تو یہ ارشاد ہوا : "انک لا تھدی من احببت" اور ایک مقام پر یہ فرمان الٰہی ہے : "وما اکثر الناس ولو حرصت بمؤمنین" لیکن باوجود اس قرآنی صراحت کے بریلوی مذہب یہ کہتا ہے کہ احکام الٰہی بھی حضور ﷺ کے قبضہ میں ہیں' جو چاہیں جس پر چاہیں حرام حلال کر دیں' جو چاہیں معاف کر دیں۔ (بہار شریعت حصہ اول عقیدہ نمبر-۲)

ایک کہانی ⇦ احمد رضا خاں کے ملفوظات بریلویوں نے جمع کیے ہیں جو کفریات سے بھرپور ہیں۔ ان کے حصہ اول کے ص-۲۷ پر ایک کفر افتراء یوں درج ہے' "ایک مرتبہ حضرت سیدی جنید بغدادی دجلہ پر تشریف لائے اور یااللہ کہتے ہوئے اس پر زمین کی مثل چلنے لگے بعد کو ایک شخص آیا اسے بھی پار جانے کی ضرورت تھی' کوئی کشتی اس وقت موجود نہ تھی' جب اس نے حضرت کو جاتے دیکھا' عرض کی' میں کس طرح آؤں؟ فرمایا "یاجنید' یا جنید' کہتا چلا آ" اس نے یہی کہا اور دریا پر زمین کی طرح چلنے

لگا' جب بیچ دریا پہنچا' شیطان لعین نے دل میں وسوسہ ڈالا کہ حضرت خود تو یااللہ کہیں اور مجھ سے یاجنید کہلواتے ہیں' میں بھی یااللہ کیوں نہ کہوں؟ اس نے یااللہ کہا اور ساتھ ہی غوطہ کھایا' پکارا' حضرت میں چلا' فرمایا وہی کہہ یاجنید یا جنید' جب کہا دریا سے پار ہوا' عرض کی حضرت یہ کیا بات تھی؟ آپ اللہ کہیں تو پار ہوں اور میں کہوں تو غوطہ کھاؤں؟ فرمایا "ارے نادان! ابھی تو جنید تک تو پہنچا نہیں' اللہ تک رسائی کی ہوس ہے"۔

کس قدر سفید جھوٹ اور صریح کفر ہے' قرآن میں ارشاد الٰہی یہ ہے :

"وان نشاء نغرقهم فلا صريخ لهم ولاهم ينقذون الا رحمة منا ومتاعا الى حين (یٰسن) یعنی اگر ہم چاہیں تو ان کو دریا میں غرق کر دیں' پھر ان کی فریاد کو کوئی نہ پہنچے اور نہ وہ نکالے جائیں' مگر اپنی رحمت سے ایک وقت تک ان کا کام چلانے کو ہم بچائے ہوئے ہیں۔

اور اس اختراعی حکایت سے یہ لازم آتا ہے کہ جو اولیاء کے درجہ کو نہیں پہنچے ان کو نماز پڑھنے' روزہ رکھنے' دعا کرنے' کلمہ پڑھنے' قرآن تلاوت کرنے' ذکر الٰہی کرنے کا کچھ فائدہ نہیں' کیونکہ ان کی رسائی اللہ تعالیٰ تک نہیں ہوئی' صرف بزرگوں اور اولیاء کے نام کا ہی وظیفہ رکھنا چاہیے' ان ہی کی پرستش کرنی چاہیے' یہ عقیدہ تمام گمراہ فرقوں سے بدترین ہے۔

اولیاء کا حاضر ناظر ہونا ⇐ ملفوظات حصہ اول ص-۳۸' ۳۹ میں ہے کہ اگر وہ چاہیں تو ایک وقت میں دس ہزار شہروں میں ۲۵---- ہزار جگہ کی دعوت قبول کر سکتے ہیں" میں کہتا ہوں کہ ان نفس کے بندوں نے مریدوں کی دعوتیں اڑانے کو یہ جھوٹ گھڑ لیا ہے مگر اس پر کوئی شرعی دلیل پیش نہیں کی اور نہ اس کو شرع کی ضرورت ہے۔ اس پر کسی فتح محمد بزرگ کی اختراعی حکایت پیش کر کے دلیل یہ دی ہے کہ "شیخ نے فرمایا کرشن کنہیا کافر تھا' اور ایک وقت میں کئی سو جگہ موجود ہو گیا' فتح محمد اگر چند جگہ ایک وقت میں چلا گیا ہو تو تعجب کیا ہے؟ یہ مذہب ہنود اور یہود اور عیسائیوں کا ہے' اس لیے انہی سے ثبوت لاتے ہیں اور جھوٹ کو جھوٹ سے ثابت کرتے ہیں' انا للہ' جب صحابہ کرام جو تمام اولیاء کے سردار اور پیشوا تھے' ہر جگہ حاضر نہ رہ سکے تو

بعد کے اولیاء کس طرح حاضر ہو گئے۔

مردوں کی ڈاک ⇦ ملفوظات حصہ اول ص-۱۳۲ میں ہے "ایک عورت نے مرنے کے بعد خواب میں اپنے لڑکے سے فرمایا میرا کفن ایسا خراب ہے کہ مجھے اپنے ساتھیوں میں جاتے شرم آتی ہے' پرسوں فلاں شخص آنے والا ہے اس کے کفن میں اچھے کپڑے کا کفن رکھ دینا' صبح کو صاحبزادہ نے اٹھ کر اس شخص کا پتہ لیا تو معلوم ہوا کہ وہ بالکل تندرست ہے' کوئی مرض نہیں' مگر تیسرے روز خبر ملی کہ اس کا انتقال ہو گیا ہے' لڑکے نے فوراً نہایت عمدہ کفن سلوا کر اس کے کفن میں رکھ دیا' اور کہا یہ میری ماں کو پہنچا دینا' رات کو وہ صالحہ خواب میں تشریف لائیں اور بیٹے سے کہا تمہیں اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے' تم نے بہت اچھا کفن بھیجا ہے۔"

کتنا بڑا جھوٹ ہے' اللہ معلوم ان کو شیطان ایسی باتیں القاء کرتا ہے' اور خواب کی صورت میں بتلا جاتا ہے' یا یہ خود شیطان بن کر ایسے بیہودہ جھوٹ گھڑ لیتے ہیں' بہرحال اس سے لازم آیا کہ بریلوی اپنے مردوں کو کسی مردہ کے ہاتھ چیز پہنچا سکتے ہیں اور ڈاک بھیج سکتے ہیں۔ ان کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ مردے جمعرات کو گھروں میں اور اپنی قبروں میں آتے جاتے ہیں' چنانچہ پاک پتن کے ایک گاؤں میں ایک بریلوی تیلی جمعرات کو حقہ تازہ بنا کر قبرستان میں لے جاتا ہے اور اپنے باپ کی قبر پر رکھ دیتا ہے' قبر میں لحد تک سوراخ کر رکھا ہے' اس میں حقہ کی نڑی داخل کر دیتا ہے اور صبح جا کر لے آتا ہے' وہ کہتا ہے کہ میرے باپ کو حقہ کا بڑا شوق تھا' اس لیے جمعرات کو چلم بھر کر دے آتا ہوں کہ اس رات روح قبر میں دورہ کرتی ہے اور حقہ پیتی ہے' بریلویوں کی جہالت حد تک پہنچ گئی ہے اور یہ عقیدے عوام ہی کے نہیں ان کے خواص کے بھی یہی عقیدے ہیں۔

ایک اور واقعہ ⇦ اسی کتاب کے ص-۱۱۵ میں ہے "رہبان بن صیفی رضی اللہ عنہ صحابی تھے' ان کے کفن میں ایک تہ بند زائد چلا گیا' شب کو اپنے صاحبزادہ کے پاس خواب میں تشریف لائے اور فرمایا کہ تہ بند لو اور الگنی پر ڈال دیا' صبح ان کی آنکھ کھلی تو وہیں ملا" اس واقعہ کا بھی کسی معتبر دلیل سے ثبوت نہیں دیا' اور نہ کسی مستند کتاب کا حوالہ لکھا ہے' ایسے ہی بدعت کا حال ہے' کہ موضوع احادیث اور اختراعی باتوں' موضوع

حکایتوں کو لکھتے چلے جاتے ہیں اور کوئی ثبوت نہیں دیتے۔

توہین انبیاء ⇦ حضرت یوسف علیہ السلام کی نبوت اور ان کا حسن مسلم کل ہے چنانچہ حدیث میں ہے :

"عن انس عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال اعطی یوسف وامہ شطر الحسن (اخرج احمد وغیرہ) یعنی حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ رضی اللہ عنہا کو نصف حسن اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت کیے گئے ہیں۔

لیکن پیر جماعت علی شاہ صاحب علی پوری کا ایک مرید ان کی مدح میں یہ لکھتا ہے

خادم ہیں تیرے سارے جتنے حسیں جہاں کے
یوسف سے تجھ پر قرباں شیریں مقال والے
(انوار علی پور ص۔۱۰)

نیز یہ بھی لکھا ہے ۔

حور و ملک عرش پر فرش زمیں پہ تیرے
کھڑے ہیں دست بستہ چاروں کتاب والے

ان شعروں میں حضرت یوسف اور اولوالعزم انبیاء اور حور و ملک کی توہین صاف ظاہر ہے۔ افسوس ہے کہ مرزائیوں کی خدمت میں مرزا کے اشعار پیش کر کے ان کی گمراہی عیاں کی جاتی ہے کہ وہ یہ کہتا ہے ۔

کربلائے است سیر ہر آنم
صد حسین است در گریبانم

نیز مرزا نے لکھا ہے کہ جناب پیغمبر الٰہی و حضرت علی و حسین و فاطمہ رضی اللہ عنہم میرے سامنے آگئے۔ "وغیرہ من الخرافات" میں کہتا ہوں اسی طرح کے خرافات بریلویوں کے ہیں' پھر علما ان کے کفر کا بیان کیوں نہیں کرتے' یہ صریح مداہنت نہیں تو کیا ہے۔

بزرگوں کی پرستش ⇦ تشہد میں یہ صاف اقرار ہے کہ زبانی' بدنی' مالی عبادتیں

اللہ ہی کے لیے خاص ہیں اور سورہ فاتحہ میں بھی یہی اعتراف ہے اور کفار عرب کو اسی وجہ سے مشرک قرار دیا گیا کہ وہ اپنے بزرگوں کی پرستش اس لیے کرتے تھے کہ ان کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو اور ان کی عبادت بعینہٖ اللہ کی عبادت ہے یہی مذہب بریلویوں کا ہے' دیکھئے شرح استمداد ص-۳۷'۳۸ میں ہے :

"بزرگوں کی بھی پرستش جائز ہے' کیونکہ اصل میں یہ اللہ ہی کی پرستش ہے بزرگوں کے نام کی نذرومنت چڑھاوے بھی جائز ہیں-"

پس یہ ویسے ہی مشرک ہیں' جیسے کفار مکہ ملت ابراہیمی کے دعویدار مشرک تھے-

عقیدہ مختار کل ⇦ تمام اہل اسلام کا اجماعی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی قادر مطلق اور مختار کل ہے' لیکن شرح استمداد ص-۵۱ میں لکھا ہے کہ "رسول اللہ ﷺ کو پوری خدائی دی گئی ہے' جب ہی تو اللہ کی طرح مختار کل اور نائب کل ہیں-"

اسی طرح دیگر کتب الامن والعلا وغیرہ میں کفریات بھرے ہوئے ہیں' جن کی تردید قرآن میں موجود ہے-

حشر میں سایہ ⇦ حدیث میں صاف آیا ہے کہ اللہ کا یہ فرمان ہے: "یوم لا ظل الا ظلی" یوم حشر سایہ عرش الٰہی کے بغیر کوئی سایہ نہ ہو گا' یا کسی عملی صدقہ وغیرہ کا سایہ ہو گا' لیکن بریلوی جس سایہ کے امیدوار ہیں وہ یہ ہے ؎

حشر کے دن جب کہیں سایہ نہ ہو
اپنے سایہ میں چلا احمد رضا

بریلوی تہذیب ⇦ فتاویٰ افریقیہ ص-۱۴۳ میں ہے کہ کیا تم میں سے کسی کو پسند آتا ہے کہ اس کی لڑکی یا بہن کسی کتے کے نیچے بچھے' تم اسے برا مانو گے' سنیو سنو! اگر سنی ہو تو بگوش ہوش سنو ہمارے لیے بری مثل نہیں جو عورت کسی بد مذہب کی بیوی بنی' وہ ایسی ہے جیسے کسی کتے کے تصرف میں آئی" نیز ملفوظات حصہ دوم ص-۱۰۵ میں ہے کہ :

"وہابی' دیوبندی' جملہ مرتدین ہیں کہ ان کے مرد یا عورت کا تمام جہاں میں جس سے نکاح ہو گا مسلم یا کافر اصلی یا مرتد انسان ہو یا حیوان محض باطل اور زنا خالص ہو گا اور

اولاد ولد الزنا۔"

ایسا ہی مرزا قادیانی نے کہا ہے کہ جو مجھے نہیں مانتے' وہ کنجری کی اولاد اور ولد الزنا ہیں' ان کے نزدیک احمد رضا خاں اور تمام بریلوی کنجری کی اولاد اور ولد الزنا ہیں" انہی سے سبق حاصل کر کے یہ بریلوی دیوبندیوں کو کہہ رہے ہیں۔

بریلوی فتویٰ ⇐ احکام شریعت حصہ دوم ص۔۲۳۳ میں ہے کہ :

"وہابی دیوبندی کو ابتداء" سلام کرنا حرام اور خندہ پیشانی سے ملنے پر قلب سے نور ایمان نکل جانے کی وعید ہے۔"

اور حصہ سوم ص۔۱۵۲ میں ہے کہ :

"وہابی کے پاس لڑکوں کو پڑھانا حرام حرام حرام' اور جو ایسا کرے بدخواہ اطفال و مبتلائے آثام ہے۔"

یہ فتویٰ سفیہانہ بریلوی شریعت کا ہے' شریعت محمدیہ کا فقیہانہ تصور نہ کریں' اور نہ یہ حنفی شریعت کا ہے' کیونکہ حنفی اصول سے ایسے مقلدوں کو فتویٰ دینا حرام ہے۔

پس اس فتویٰ سے مولوی خیر محمد جالندھری مہتمم خیر المدارس ملتان کو عبرت حاصل کرنی چاہیے' جنہوں نے مقدمہ شغار کی بابت عدالت ڈیرہ نواب ریاست بہاولپور میں بطور گواہ یہ بیان دیا ہے کہ ہم دیوبندی اور بریلوی دونوں بھائی ہیں اور حنفی مذہب کی شاخیں ہیں صرف چند مسائل میں فروعی اختلاف ہے۔

بریلوی اجتہادات ⇐ فتاویٰ رضویہ ص۔۷۔۔ کتاب الطہارۃ میں ہے: "نمازی نماز میں اپنی یا بیگانی عورت کی فرج کے اندر کی طرف نظر کرے تو نماز فاسد نہیں ہوتی" اللہ! کتنا گندا ہے یہ فتویٰ جو نہ معلوم کس ضرورت کی بنا پر صادر ہوا ہے۔ پھر شادی شدہ بریلویوں کو ایک فقہی جواہرپارہ دیا ہے کہ "زن و شوہر کا ایک دوسرے کے فرج اور ذکر کو بہ نیت صالح دیکھنا موجب ثواب و اجر ہے۔ (احکام شریعت حصہ سوم ص۔۱۵۳) اب بریلوی بے نمازوں کو نماز وغیرہ کی ضرورت نہیں رہی وہ یہی عمل کر کے حضرت احمد رضا خاں کی شفاعت سے جنت لینے کی کوشش کریں گے نیز عاملین بالحدیث کو یہ واضح ہو کہ حدیث میں ہے :

"ان الحیاء والایمان قرنا جمیعا فاذا رفع احدھما رفع الاخر" یعنی حیاء اور

ایمان دونوں اکٹھے رہنے والے ساتھی ہیں جب ایک ان میں سے اٹھ جائے تو دوسرا بھی اٹھ جاتا ہے۔

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ماںظرت الی فرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قط" یعنی میں نے آنحضرت ﷺ کے محل شرم کو کبھی نہیں دیکھا۔ اور دوسری روایت میں صریح بھی ہے کہ "نہ حضور نے کبھی میرے ستر کو دیکھا اور نہ میں نے حضور ﷺ کے ستر کو دیکھا۔" یہ کمال حیا تھا۔ اگر دیکھنا اجر و ثواب ہوتا تو آپ اس پر عمل کرتے اذ لیس فلیس دراصل مذہب بریلوی فرقہ شیعہ سے اعتقاداً" و عملاً" ملتا جلتا ہے۔ شیعہ مذہب کی کتاب حلیہ المتقین ص-۷۷ میں لکھا ہے کہ فرج کا بوسہ لینا جائز ہے' نیز فروع کافی جلد-۲' ص-۲۱۴ کتاب النکاح میں ہے کہ "روایت ہے ابوالحسن علیہ السلام سے ایک جوان بوسہ دیوے اپنی عورت کی فرج کو تو فرمایا کچھ خوف نہیں" بریلوی اصول کی رو سے جب فرج کو دیکھنا ثواب ہوا تو بوسہ لینا اجر عظیم ہو گا۔ (تف)

بریلوی تعصب کا نمونہ ⇦ فتاویٰ رضویہ کتاب النکاح ص-۲۰ میں ہے۔ "اگر کوئی ہندو مشرک زوجین کا ایجاب و قبول روبرو گواہاں کرا دے اور شرائط صحت (نکاح) متحقق ہوں۔ نکاح ہو جائے گا۔ اگر کوئی غیر مقلد کسی مقلد کا نکاح بموجب شریعت مصطفوی کے پڑھائے تو بحکم فقہ اصلا" مطلقا" نکاح نہ ہو گا۔" نیز احکام شریعت حصہ دوم ص-۱۲۴ میں بھی یہی مسئلہ درج ہے کہ نکاح نام باہمی ایجاب و قبول کا ہے۔ اگرچہ برہمن پڑھاوے چونکہ وہابی کے پڑھوانے میں اس کی تعظیم ہوتی ہے جو حرام ہے لہذا احتراز لازم ہے۔" اس سے صاف ظاہر ہے کہ بریلویوں کے دل میں ہندو مشرکوں کی عزت ہے اور موحدین وہابیوں سے دشمنی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بریلویوں کا عقیدہ و عمل ہندو مشرکین کے عین مشابہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ من تشبہ بقوم فھو منھم اور تعصب کا یہ نمونہ بریلویوں نے رافضیوں سے اخذ کیا ہے۔ چنانچہ رافضیوں کی کتاب جامع عباسی جلد-۲' ص-۱۹۷ پر یہ لکھا ہے کہ "اہل سنت کا شکار مارا ہوا حلال نہیں"۔ اور یہ لکھا ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر کتے کو شکار کے پیچھے چھوڑا جائے اگر وہ شکار کو مار ڈالے تو بغیر ذبح کے اس کا کھانا جائز ہے۔ گویا رافضیوں کے

نزدیک اہل سنت کتے سے بدتر ہیں- جیسے وہابی بریلویوں کے نزدیک ہندو برہمن سے بدتر ہیں -

تعصب وہ ہے دشمن نوع انسان
بھرے گھر کئے سینکڑوں جس نے ویران

پہلے زمانہ میں یہ سنا جاتا تھا کہ وہابی جس پانی کے لوٹے سے وضو کرتا تھا اس کو بریلوی توڑ دیتے تھے اور جس مسجد میں نماز پڑھتا تھا' اس کو دھویا کرتے تھے- میں اس کو جہلا کا وہم اور خیال خام تصور کرتا رہا' لیکن جب فتاویٰ رضویہ کتاب الطہارۃ ص-۱۹۱ کا مسئلہ پڑھا کہ "وہابی' شیطانی' کذابی (دیوبندی) سے بدن لگ جائے تو وضو کی تجدید مستحب ہے-" تو پھر یقین ہو گیا کہ اس فرقہ کے شرار العلماء کا یہ پروپیگنڈا تھا' جو ہنود کے اس اصول پر مبنی ہے کہ ملیچھ کا سایہ پڑ جائے تو اشنان کرنا چاہیے' سچ ہے -

تو جو ہم سے گیا پالا ستمگر سے پڑا
مل گئی اے دل تجھے کفران نعمت کی سزا

بریلوی کفر کی مشین ⇐ بریلوی کفر کا فتویٰ دینے میں بہت دلیر ہیں- ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے کفر کی مشین چلا رہے ہیں- چنانچہ سنئے! ارشاد ہوتا ہے کہ جو دیوبندیوں کو کافر نہ کہے جو ان کا پاس لحاظ رکھے' جو ان سے استادی' یا رشتے یا دوستی کا خیال رکھے وہ بھی انہی میں سے ہے- انہی کی طرح کافر ہے- قیامت میں ان کے ساتھ ایک ہی رسی میں باندھا جائے گا- (فتاویٰ افریقیہ ص-۱۱۵)

حقہ کے پانی سے وضو ⇐ فتاویٰ رضویہ کتاب الطہارۃ ص-۳۳۴ میں ہے کہ "حقہ کا پانی قطعاً" پاک ہے- اس سے وضو بھی کرے تو ہو جائے گا-" اب بریلویوں کو عطر اور کوئی خوشبو دار روغن لگانے کی ضرورت نہیں' جمعہ اور عید کو حقہ کے پانی سے وضو کر کے اپنی مسجدوں میں جایا کریں' کیونکہ اعلیٰ حضرت کا فتویٰ ہے' جب پانی نہ ملے تو حقہ کے پانی سے وضو کر لیا کریں-

حقہ پر فتویٰ ⇐ احکام شریعت حصہ سوم' ص-۱۴۹ میں ہے کہ آدمی کو چاہیے کہ

جب اس سے حقہ کے بارہ میں سوال کیا جائے تو اسے مباح ہی بتائے۔ خواہ آپ پیتا ہو یا نہ' "مگر احناف اہل انصاف اس کو مکروہ تحریمی کہتے ہیں اور پیر جماعت علی شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ میرا کوئی مرید حقہ نہ پیئے جو پیئے گا فقیر سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہو گا۔

حقہ کے اثرات ⇦ لکھتے ہیں "میرے گھر میں جس قدر لوگ ہیں ہم میں سے کوئی حقہ نہیں پیتا' مگر فتویٰ اباحت پر ہی دیتا ہوں۔" (احکام شریعت حصہ سوم' ص-۲۱۹) اس کلام میں تو اپنے اور گھر والوں کی حقہ نوشی سے صفائی اور پرہیزگاری ظاہر کی ہے مگر دوسری کتاب ملفوظات حصہ دوم' ص-۱۰۰ میں لکھتے ہیں کہ "میں حقہ پیتا ہوں مگر یہاں حقہ پیتے وقت بسم اللہ نہیں پڑھتا۔" اس کلام سے بریلوی راست بازی بھی نمایاں ہو گئی اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ علماء اہل حق سے تعصب رکھنے کی وجہ سے اباحت کا فتویٰ دیا گیا ہے' باطن میں اس کو حرام یا مکروہ خیال کرتے ہیں۔ جس کا قرینہ یہ ہے کہ اس کے پینے کے وقت بسم اللہ نہیں پڑھتے ورنہ ہر مباح چیز کے کھانے پینے کے وقت بسم اللہ پڑھنا بالاتفاق مشروع ہے۔ ہاں حرام پر جائز نہیں ہے۔ تیسری یہ بات بھی ظاہر ہوئی کہ بریلوی مجدد کے ساتھ شیطان بھی حقہ پیتا تھا' کیونکہ جس کھانے اور پینے کی چیز پر بسم اللہ نہ پڑھی جائے اس میں شیطان کا شریک ہونا حدیث سے ثابت ہے۔ جب شیطان کے ہمراہ حقہ پینے کی ہمیشہ عادت رہی اور حقہ کی نے پر جہاں شیطان منہ لگاتا رہا بریلوی مجدد بھی وہاں منہ لگاتا رہا' کیونکہ آپس میں حقہ پینے والے اسی طرح پیتے ہیں تو شیطان کی اس مجالست اور حقہ نوشی کی مشارکت سے شیطانی اثرات سے متاثر ہونا بدیہی ہے۔ تو پھر ان کے قلم اور منہ سے حق کس طرح صادر ہو سکتا ہے۔ باطل ہی اندر سے نکلے گا اور شیطانی کلمات اور ابلیسی عداوت ہی ظاہر ہو گی۔ چنانچہ اسی بنا پر ملفوظات حصہ اول کے صفحہ-۱۰۰ میں یہ فخر کرتے ہیں کہ رد وہابیہ کا عالی فن یہاں (بریلی مرکز) سے اچھا ہندوستان میں کہیں نہ پائے گا۔

بریلوی نمازیں ⇦ جیسے اہل اسلام کی اسلامی نمازیں ہیں جن کا مشروع ہونا شارع علیہ السلام سے ثابت ہے' ایسے بریلوی نمازیں نہیں ہیں جو ان کے باطنی قرین حقہ نواز نے القاء کی ہیں۔ چنانچہ وہ اختراعی نمازیں ان کی بدعیہ کتب متفرقہ میں موجود ہیں' جو

مختلف ناموں سے مشہور ہیں' مثلاً صلوۃ غوثیہ' صلوۃ الاولیاء' صلوۃ فاطمہ رضی اللہ عنہا' صلوۃ لوحی' صلوۃ الرغائب' قضا عمری' صلوۃ العاشقین' صلوۃ معکوس وغیرہ مختلف کتب عملیات میں ان کی تفصیل موجود ہے' اخبار اہل حدیث سوہدرہ مطبوعہ ۱۹ اکتوبر ۱۹۵۷ء میں ان کا ذکر آچکا ہے۔

بریلویوں کا آخری کلمہ ⇦ حدیث شریف میں ہے کہ عندالموت جس کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہو وہ جنتی ہے' بریلویوں کا ایمان اور عقیدہ کلمہ توحید پر ہو یا نہ ہو مگر وہ باطن میں اس کے خلاف ہیں ان کا کلمہ یہ ہے ۔

دعا محب کی ہے یارب رضائے احمد سے
کہ وقت مرگ ہو لب پر رضا سلام علیک
(مدائح)

بریلوی موضوعات ⇦ فرقہ بریلویہ کا یہ شیوہ ہے کہ وہ جھوٹی اور بے ثبوت روایات اپنے عقائد اور امتیازی مسائل پر پیش کرتے ہیں' قرآن اور احادیث صحیحہ سے ثبوت نہیں لا سکتے' الا تحریفا ملا علی قاری حنفی نے موضوعات کبیر ص ۸ پر دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ آنحضور ﷺ پر جھوٹی حدیث بیان کرنے والا کافر ہے' اور جس کو علم ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے' پھر اس کو بیان کرتا ہے تو وہ احد الکاذبین ہے' اور جس کو صحیح و سقیم کا علم نہیں' اس کو بھی ایسی روایت کا بیان کرنا حرام ہے' اور وہ گنہگار ہے' پہلے روایات کا علم حاصل کرو' پھر ان کو بیان کرو ورنہ جاہلین کاذبین میں شمار ہو گے۔ بریلوی اکثر معارج النبوۃ سے روایتیں لاتے ہیں' حالانکہ اس میں موضوعات کی بھرمار ہے' ان کے مفتی بریلوی احمد رضا خاں سے کسی نے سوال کیا کہ معارج النبوۃ کیسی کتاب ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ اس کتاب میں رطب ویابس سب کچھ ہے۔ (احکام شریعت جلد ۲' ص ۸۱) پھر اسی کتاب کے ص ۸۲ پر ہے کہ قیامت کو ہر مسلمان کی قبر پر براق آئے گا یہ روایت بے اصل ہے' حالانکہ معارج کی روایت ہے' پھر اس کتاب کی روایتیں بلا تنقید پیش کرنا جہالت ہے' تمام بریلوی علماء یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ "لولاک لما خلقت الافلاک" اس کی بابت تذکرۃ الموضوعات میں لکھا ہے کہ یہ روایت بناوٹی ہے' فتاوٰی عزیزی جلد ۱' ص ۱۳۲ میں ہے

کہ حدیث لولاک "ہیچ کتاب بنظر نیامدہ" لیکن حنفی اس کو حدیث قدسی کہہ کر اللہ اور رسول ﷺ دونوں پر جھوٹ بولتے ہیں' ایسا ہی دوسری روایت "انا من نور الله والخلق كلهم من نوری" موضوع ہے' دروس الحنفیہ کے جاہل مصنف نے اس کو حدیث نبوی قرار دے کر ص-۱۳ پر پیش ہے' حالانکہ تذکرۃ الموضوعات کبیر میں اس کو بناوٹی قرار دیا ہے' ایسا ہی احیاء والدین رسول اللہ ﷺ کی بابت موضوعات کبیر میں لکھا ہے کہ یہ روایت موضوع ہے' اور کہا ہے کہ میں نے اس کی تردید میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے' الغرض میلاد' عرس وغیرہ کی محفلوں میں بدعتی ملا' واعظ' مولوی' موضوع روایتیں پیش کرتے ہیں جو ان کو خوب جھوم جھوم کر پڑھتے ہیں' مگر وہ سب جھوٹ ہیں۔

بریلوی حکایات ⇦ اہل بدعت فرقہ غالیہ کے علماء اور جہلاء انبیاء اور اولیاء کی بابت ایسی حکایات و عجائبات بیان کرتے ہیں' جن کا کوئی ثبوت نہیں اور وہ سراسر جھوٹ ہیں اور اصول اسلام کے خلاف ہیں' مثلاً یہ کہ بابا فرید پاکپتنی کئی سال کنوئیں میں بھوکے پیاسے کچے دھاگے کے سہارے الٹے لٹکے رہے تھے' پیر جیلانی نے بارہ سال کے بعد ایک غرق شدہ کشتی کو دریا سے زندہ نکال دیا تھا' یہ ایسا سفید جھوٹ ہے کہ پرویز افضل کو بھی سوانح حیات سید عبدالقادر کے ص-۱۴۴ پر اعتراف کرنا پڑا کہ یہ موضوعی کرامت ہے جو کسی دشمن اسلام نے ان کی طرف منسوب کر دی ہے اور یہ کہ پیر جیلانی نے ایک موقعہ پر لڑکی سے لڑکا بنا دیا یہ جھوٹ ہے' بابا فرید نے شکر کا مینہ برسایا' دیگر یہ کہ پیر جیلانی کے پاس قبر میں منکر نکیر حساب لینے کو آئے تو پیر جیلانی نے ان کو پکڑ لیا اور ان سے حساب لینا شروع کر دیا' پیر جیلانی نے عزرائیل سے ارواح کی زنبیل چھین کر کئی مردوں کو زندہ کر دیا' پیر جیلانی نے کدو سے انسان پیدا کر دیا' دیگر آنکہ جناب نبی کریم ﷺ معراج پر گئے تو وہاں اویس قرنی کو منہ چھپائے عرش پر بیٹھا دیکھا' وغیرھا من الخرافات' سلطان المشائخ لاہور مطبوعہ نومبر ۱۹۷۵ء میں حضرت نظام الدین اولیاء کے ذمہ ایک دھوبی کا فحش قصہ لگایا گیا' جو شرعاً" عقلاً" اخلاقاً" بالکل خلاف واقعہ ہے۔

بریلویوں کا عشق مجازی ⇦ بریلوی عشاق اور جاہل پیر ایک موضوع حدیث پیش

کرتے ہیں کہ "العشق من غير الله كفارة للذنوب" یعنی عشق گناہوں کا کفارہ ہے' اور ایک روایت موضوع یہ کہ جس شخص نے عشق لگایا اور وہ پاک دامن رہا اور اسی حالت میں مرگیا' تو وہ شہید ہوا' اس کو علامہ ابن القیم نے باطل قرار دیا ہے' ان پر بدعتی پیر اعتقاد رکھ کر کہتے ہیں کہ عشق مجازی موصل الی الحقیقت ہے' پھر جامی کا یہ شعر پڑھتے ہیں ۔

متاب از عشق اگرچہ مجازی ست
کہ آں بہر حقیقت کارسازی ست

پھر عورتوں کو مرید بنا کر ان پر عاشق ہو جاتے ہیں اور کئی امرد خوبصورت لڑکوں پر عاشق ہو جاتے ہیں' ان کو خلوت خانوں' خانقاہوں' حجروں میں ان کے مرید یہ خیال کرتے ہیں' کہ ان مشائخ کے ہیں' اور وہ "موتو قبل ان تموتوا" پر عمل کر چکے ہیں- واقعات سے انجام یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ان کو اغوا کر کے دنیا سے عالم برزخ میں پہنچ جاتے ہیں- ان کے واقعات اکثر اخبارات میں شائع ہوتے- اسی عشق مجازی کا ولولہ پیدا کرنے کی غرض سے ہر وقت ہیر وارث شاہ اور سوہنی فضل شاہ اور دیگر عاشقوں کے واقعات غزلوں' شعروں میں پڑھے جاتے ہیں اور حال وجد میں مست ہوتے رہتے ہیں' اور عشق مجازی کی منزل طے کرتے کرتے عشق حقیقی تک پہنچنے سے پہلے ہی پھر وہ ان کے نزدیک شہداء شمار ہو کر اولیا سمجھے جاتے ہیں' پس یہ بریلوی مذہب اسلام میں بڑا فتنہ ہے- ہم سب کو اس سے بچنے بچانے کی کوشش کرنی چاہیے-

کتبہ عبدالقادر الحصاری غفرلہ الباری

ہفت روزہ اہل حدیث سوہدرہ جلد-۱۰' شمارہ-۱۷' ۱۹' ۲۰' ۲۱' ۲۲' ۲۳' بمطابق یکم و ۱۴ و ۲۴ مئی اور یکم و ۸ و ۱۴ جون ۱۹۵۸ء

خان صاحب بریلوی کا قول و عمل

ایک تقابلی مطالعہ

واضح ہو کہ فرقہ بریلوی اپنے مرشد اعلیٰ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کو بہت بڑے بڑے القاب لکھتا اور بولتا ہے۔ مثلاً فتاویٰ افریقیہ کے ٹائٹل پر یہ لکھا ہے "حضرت امام اہل سنت قامع بدعت' ناصر ملت مجدد مأۃ حاضرہ موید ملت طاہرہ اعلیٰ حضرت مولانا مولوی حاجی قاری شاہ احمد رضا خاں" حالانکہ یہ سب ان کے مریدوں اور مقلدوں کا مبالغہ اور اپنی حسن عقیدت کا اظہار ہے۔ اصل بات وہ ہے جو انہوں نے اپنے بارے میں خود لکھی ہے۔ وہ ملفوظات حصہ دوم کے ص-۵۳ میں لکھتے ہیں کہ "واللہ کہ یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ اللہ رسول جل و علا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احکام بیان کرتا ہوں۔ میں تو ان کا چپڑاسی ہوں' چپڑاسی کا کام ہی سرکاری حکمنامہ پہنچانا ہے نہ کہ اپنی طرف سے کوئی حکم لگانا۔"

اس عبارت میں صاف یہ اقرار اور اعتراف ہے کہ احمد رضا خاں نہ شاہ ہیں کیونکہ پٹھان ہیں نہ مجدد ملت اور قامع بدعت ہیں اور نہ موید ملت ہیں بلکہ محض چپڑاسی ہیں۔ پس شریعت الٰہی اور اس کے احکام اس چپڑاسی کے پاس اللہ اور رسول کی امانت تھے۔ اس چپڑاسی کا فرض اس امانت الٰہی کو بغیر کسی خیانت کے بعینہ لوگوں تک پہنچانا تھا۔ قرآن بھی اس پر ناطق ہے انا عرضنا الامانة علی السموات والارض والجبال فابین ان یحملنها واشفقن منها وحملها الانسان انه کان ظلوما جهولا۔ یعنی فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ "ہم نے اپنی امانت (شریعت الٰہی) آسمانوں' زمینوں' پہاڑوں پر پیش کی تو اس کے اٹھانے سے سب نے انکار کر دیا اور اس میں خیانت کرنے سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھا لیا بلاشبہ انسان ظالم اور نادان ہے۔" اس آیت سے ظاہر ہے کہ شریعت الٰہی علماء کے پاس خدائی امانت ہے جو ان کے سپرد ہے۔ اس لیے علماء کا یہ فرض ہے کہ اس کے مطابق اپنے مالک کا پورا پورا حق ادا کریں نہ اس میں کوئی چیز بڑھائیں اور نہ گھٹائیں۔ اگر علماء اسلام اور کسی چپڑاسی پیغام رساں نے ایسا نہ کیا تو وہ خائن قرار پائیں گے۔

پہلا پیغام رساں اللہ تعالیٰ کا فرشتہ ہے جس کو اللہ عزوجل نے اپنی شریعت اور احکام دے کر انبیاء کرام پر نازل کیا۔ وہ امین تھا' اس نے بغیر کسی کمی بیشی کے جوں کا توں سب احکام کو پہنچایا۔ قرآن سورۂ شعرا میں ہے: نزل به الروح الامین یعنی "اللہ تعالیٰ کے احکام و پیغام لے کر امانت دار فرشتہ اترا۔" سورہ تکویر میں ہے: مطاع ثم امین "اس کا لایا ہوا پیغام مانا جاتا ہے' وہ امانت دار ہے۔" چنانچہ وہ فرشتہ باذن اللہ تعالیٰ شریعت الٰہی لے کر ہمارے نبی کریم اکرم الاولین پر بھی نازل ہوا۔ جیسا سورہ بقرہ میں ہے۔ فانه نزله علٰی قلبک باذن اللّٰه یعنی "وہ فرشتہ جبرئیل امین شریعت الٰہی لے کر تیرے دل پر نازل ہوا۔" جب وہ امانت الٰہی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے پاس آگئی تو آنحضرت ﷺ امین قرار پائے۔ چنانچہ قرآن کی زبان میں آپ کا یہ اقرار موجود ہے انی لکم رسول امین کہ "میں تمہارے واسطے امانت دار رسول ہوں۔" (شعراء)

چنانچہ آنحضرت ﷺ کے پاس شریعت الٰہی آگئی تو آنحضرت ﷺ نے بھی بلا کم و کاست وہ شریعت اپنی امت کو پہنچا دی اور اس میں بغیر اذن الٰہی کے اپنی طرف سے کچھ ملاوٹ نہیں کی اور حجتہ الوداع کے خطبہ میں میدان عرفات کے سوا لاکھ کے مجمع میں اس امانت الٰہی کے پہنچا دینے کا اقرار لوگوں سے لے کر پھر اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر اپنا فریضہ تبلیغ ادا کر دیا۔ اور آخری وقت دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے اپنے ارکان امت میں یہ اعلان کر دیا کہ ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب اللّٰه وسنة رسوله یعنی "میں نے تمہارے میں دو چیزیں چھوڑ دی ہیں۔ اگر تم ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ وہ ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن ہے' دوسری چیز اللہ کے رسول کی حدیث ہے۔" پس تمام شریعت الٰہی ان دو چیزوں کے اندر سمائی ہوئی ہے۔ چنانچہ ایک پنجابی عالم شاعر نے یہ خوب کہا ہے۔

سارا دین محمد وچہ قرآن حدیث دے آیا
جو نال دو ہاں تھیں دین بناون شیطوں سانگ ودھایا

پس کتاب و سنت سے باہر دین الٰہی اور شریعت نہیں ہے۔ وہ مذہبی لوگوں کے قیاسات و آراء ہیں جو اس آیت کے مصداق میں ام لهم شرکاء شرعوا لهم من الدین مالم یاذن به اللّٰه یعنی "کیا واسطے ان کے لیے ایسے اللہ کے شریک ہیں جنہوں

نے دین میں بغیر اذن الٰہی کے ان کے لیے شریعت مقرر کر دی ہے۔" اس سے ظاہر ہوا کہ قرآن و حدیث نبوی کے خلاف جو کسی نے شریعت بنائی ہے وہ غلط ہے۔ اس کو جو نافذ کرے گا اس کی تبلیغ و تعلیم کرے گا وہ خیانت کار ہو گا۔

اس کی مثال ملاحظہ ہو۔ مشکوۃ جلد اول' ص-۲۶۱ میں ہے عن عبداللّٰہ بن عمرو قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا یرجع احد فی ھبة الا الوالد من ولدہ رواہ النسائی وابن ماجہ۔ یعنی "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شخص کسی کو کوئی چیز ہبہ کر دے اور بخش دے تو پھر وہ اسے واپس نہ لے لیکن باپ اپنے بیٹے کو کوئی چیز ہبہ کر دے تو وہ اس سے واپس لے سکتا ہے۔" صحیح بخاری میں ارشاد نبوی یوں وارد ہے کہ جناب رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ "اپنی چیز ہبہ کی ہوئی واپس لینا ایسا ہے جیسے کتا قے کر دے تو پھر اس کو چاٹنے لگے۔" یہ شریعت الٰہی کا فیصلہ ہے جو نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے امانت دی ہے اب اس کے خلاف کوئی شریعت کا یہ فیصلہ ہے جو ہدایہ کی کتاب الھبہ ص-۲۷۳ میں درج ہے اذا وھب ھبة للاجنبی فلہ الرجوع فیھا یعنی "جب کسی شخص نے کسی اجنبی آدمی کو کوئی چیز ہبہ کر دی تو اسے واپس لینے کا اختیار حاصل ہے۔"

پھر ہدایہ کے اسی صفحے پر درج ہے "بخلاف ھبة الوالد لولدہ یعنی "باپ اگر اپنے بیٹے کو کوئی چیز ہبہ کر دے تو وہ اپنے بیٹے سے واپس نہیں لے سکتا۔" یہ کوئی شریعت کا قانون سرکار مدینہ کے قانون کے صریح خلاف ہے۔ جب ملک پاکستان میں آئین اسلام نافذ ہوا تو یہ کوئی قانون سرکار مدینہ کی شریعت کے ساتھ متصادم ہو گا۔ اس لیے بریلوی فرقہ کے لیڈر میاں نورانی صاحب کتاب و سنت کے خلاف کوئی شریعت کے آئین کو نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ امانت الٰہی کے ساتھ صریح خیانت ہے اور ان کے جد اعلیٰ سرکار مدینہ کے چڑاسی اپنی وصایا کے ص-۱۰ پر یہ لکھتے ہیں کہ "میرا دین و مذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے۔ اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے۔" یہ خاں صاحب بریلوی کا عجیب قول ہے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے الیوم اکملت لکم دینکم کہ میں نے تمہارے لیے دین اسلام کو پورا کر دیا ہے۔" تفسیر مظہری ج-۲' ص-۸ سورہ مائدہ میں ہے عن

ابن عباس قال لم ینزل بعد هذه الآیة حلال ولا حرام ولا شئی من الفرائض والسنن والحدود والاحکام یعنی "حضرت ابن عباس ﷺ جبرالامتہ رئیس المفسرین نے فرمایا کہ اس آیت الیوم اکملت لکم دینکم نازل ہونے کے بعد پھر کوئی حکم نازل نہیں ہوا۔ نہ حلال کا اور نہ حرام کا اور نہ کوئی حکم فرائض کا اور نہ سنن کا' نہ حدود کا اور نہ احکام کا۔"

اور تفسیر خازن ص-۴۳۵ میں اس آیت پر یہ لکھا ہے یعنی بالفرائض والسنن والحدود والاحکام والحلال والحرام ولم ینزل بعد هذه الآیة۔ تفسیر کبیر میں اس آیت پر یہ لکھا ہے فانزل اللّٰہ تعالیٰ شریعة کاملة وتحکم بابقاء ها الی یوم القیامة فالشرع ایضا" کان کاملا۔ ان تفاسیر متداولہ معتبرہ کی عربی عبارتوں کا خلاصہ ایک ہی ہے کہ تمام شریعت النبیہ و احکام اسلام کتاب و سنت میں نازل ہو کر جمع ہو چکے ہیں اور یہ سب کامل ہیں ان پر تمام اہل اسلام کو پابند ہونا اور بطور قوانین حکومت ان کا نافذ کرنا فرض اور اہم فرض ہے۔ یہ امانت الٰہی ہے۔ اس میں کمی بیشی کرنا خیانت اور سراسر غدر ہے اور اسی پر ملک پاکستان کی بنیاد قائم کی گئی ہے اور حدیث کی سب سے پہلی کتاب جو طبقہ اولیٰ میں شمار اور امام الائمہ امام مالک کی مرتب کردہ ہے اس میں یوں باب منعقد کیا گیا ہے باب وجوب الاعتصام بالکتاب والسنة یعنی "یہ باب اس حکم کے بارہ میں ہے کہ کتاب و سنت کو مضبوط پکڑنا تمام امت محمدیہ پر فرض ہے۔"

پھر اس کے ثبوت میں آنحضور ﷺ کا آخری ارشاد پیش کیا گیا ہے۔ ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب اللّٰہ وسنة نبیه۔ (موطا بمع شرح مصفی ج-۲' ص-۳۶۸) یعنی "فرمایا رسول کریم ﷺ نے کہ میں نے تمہارے میں دو چیزیں چھوڑ دی ہیں (جن میں مجھ پر نازل شدہ شریعت اور احکام جمع ہیں) تم ہرگز گمراہ نہ ہو گے جب تک ان دونوں کو مضبوط پکڑے رہو گے اور وہ دو یہ ہیں کتاب اللّٰہ و سنت رسول اللّٰہ ﷺ۔

تمام علماء اسلام اور سیاسی لیڈروں کا یہ فرض ہے کہ لوگوں کو ان دونوں کی طرف دعوت دیں کہ ان میں ہدایت ہے۔ چنانچہ اس باب کے بعد امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے یہ باب

لکھا ہے باب فضل من دعا الٰی ھدی۔ یعنی "اس میں بیان ہے اس فضیلت کا کہ جو شخص لوگوں کو اس ہدایت الٰہی کی طرف دعوت دے گا اس کو تمام ان لوگوں کے برابر اجر ملے گا جو اس ہدایت کی پیروی کریں گے۔" پھر یہ حدیث مذکور ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ "جو کوئی اس ہدایت کی طرف لوگوں کو دعوت دے گا اس کو تمام ان لوگوں کے عملوں کے برابر اجروثواب ملے گا جو اس ہدایت کو قبول کر کے عمل کریں گے اور ان لوگوں کے عملوں کے اجر میں کوئی کمی نہ آئے گی اور جو شخص اس ہدایت کے خلاف لوگوں کو دعوت دے گا تو اس کو تمام ان لوگوں کے گناہوں کے برابر گناہ ہو گا جو اس ہدایت کے خلاف عمل کر کے گمراہ ہوں گے۔"

اس لیے تمام علماء اور حکام اور لیڈروں کا یہ فرض ہے کہ کتاب و سنت پر خود بھی عمل کریں اور لوگوں کو بھی قرآن و حدیث کی طرف دعوت دیں اور اس تبلیغ اور دعوت کا اجروثواب حاصل کریں اور اگر کسی عالم اور لیڈر سیاسی و غیر سیاسی نے کتاب و سنت کے خلاف لوگوں کو بھی گمراہ کیا تو وہ تمام گناہوں کا بار بردار ہوا اور وہ غدار اور خائن قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ تمام ملک پر اصل حاکم اللہ تعالیٰ ہے اور اس کی نازل کردہ شریعت جو کتاب و سنت کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے یہ امانت الٰہی ہے جو اس کے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذریعہ ہمارے پاس پہنچی ہے۔ پس تمام ان علماء اسلام اور لیڈران اقوام کا یہ فریضہ ہے جن کے پاس یہ امانت ہے کہ وہ کتاب و سنت کے احکام کو ملک میں نافذ کریں۔

نہ بریلوی فقہ کو نافذ کرنا جائز ہے اور نہ جعفری فقہ کو کہ یہ دونوں کتاب و سنت پر زائد چیزیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ نہیں ہیں۔ فقہ بریلوی میں نکاح حلالہ ہے جو حرام اور صاف زناکاری ہے اور اس میں دونوں فریقوں پر لعنت آتی ہے۔ ہم ملک میں اللہ تعالیٰ کی رحمت چاہتے ہیں لعنت سے اللہ تعالیٰ بچائے۔ اور جعفری فقہ میں نکاح متعہ درست ہے جو بالاتفاق حرام اور صریح زناکاری ہے۔

اس طرح عقائد دونوں فرقوں کے باطل اور کتاب و سنت کے خلاف ہیں۔ بریلوی چپڑاسی نے کہا کہ میں سرکاری چپڑاسی ہوں اور پیغام رساں ہوں۔ اپنی طرف سے کچھ نہ کہوں گا حالانکہ موصوف کا یہ دعویٰ خلاف واقعہ ہے۔ ان صاحب کی کتاب الامن

والعلا کے ص-۵۱ میں ہے کہ "اگر کہے کہ اللہ پھر رسول خالق السموات والارض ہیں۔ اللہ پھر رسول اپنی ذاتی قدرت سے رازق جہاں ہیں۔" یہ صریح شرک ہے۔ جو اس نے از خود لکھا ہے۔ نہ یہ قرآن میں ہے نہ کسی صحیح حدیث میں ہے۔ انہوں نے غدر اور خیانت کی ہے۔ پھر کتاب الامن والعلاء ص-۸۵ میں یہ لکھا ہے کہ "آفتاب طلوع نہیں کرتا جب تک حضور سیدنا غوث اعظم پر سلام نہ کرے۔" یہ صریح جھوٹ اور افتراء ہے جو خاں صاحب نے ازخود گھڑا ہے نہ قرآن میں ہے اور نہ حدیث میں ہے۔ انما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون کہ "افترا وہی کرتے ہیں جو بے ایمان ہیں۔ آفتاب طلوع ابتداء پیدائش سے ہمیشہ کرتا چلا آیا ہے جب کہ شیخ جیلانی پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔

ان کی کتاب برکات الامداد ص-۸ اور ملفوظ حصہ چہارم کے ص-۷۰ میں ہے "حضور ہر قسم کی حاجت روائی فرما سکتے ہیں دنیا و آخرت کی مرادیں سب حضور کے اختیار میں ہیں۔" یہ بھی صریح جھوٹ اور افتراء علی اللہ اوز افترا علی الرسول ہے۔ جو از خود گھڑا ہے نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں ہے۔ صحیح بخاری ج-۲' ص-۵۸۲ میں واقعہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کفار ظالموں کے حق میں بددعا کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر روک دیا لیس لک من الامر شئی او یتوب علیھم او یعذبھم فانھم ظالمون (پ-۴' آل عمران) یعنی "آپ کو بددعا کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے' اللہ تعالیٰ ان کو توبہ کی توفیق دے یا ان کو سزا دے کہ وہ ظالم ہیں۔" آپ ان پر بددعا کرنے سے رک گئے۔ آپ کو کلی اختیارات کہاں حاصل ہے۔ پس اس طرح اس "چپڑاسی" کی تمام تصنیفات میں جھوٹ' افتراء شرک و بدعات بھری ہوئی ہیں۔ اس نے شریعت الٰہی میں غداری اور خیانت سے کام لیا ہے۔ یہ مجدد امت کیا ہوتا تھا خیانت کا چپڑاسی ہے۔ میاں صاحب نورانی بریلوی لیڈر اس خائن چپڑاسی کی نیابت کر رہا ہے۔ اس کے شر سے مسلمانوں کو بچنا چاہیے۔

از عبدالقادر عارف حصاری

الاعتصام لاہور جلد-۳۱' شمارہ-۸' ۹' ۱۰ بمطابق یکم و ۸ و ۱۵/ اکتوبر سنہ-۱۹۷۹ء

سواد اعظم اور فرقہ ناجیہ کون ہے؟

اہلحدیث یا مرزائی؟

حضرات ناظرین صحیفہ کو یاد ہو گا کہ اس خادم الاسلام والمسلمین نے ایک مضمون لکھا تھا جو بعنوان "علماء خیر و شر کا تعارف" صحیفہ کے گذشتہ کئی نمبروں میں شائع ہوتا رہا ہے۔ اس کی قسط نمبر۔۷، ص۔۳۲ پر گمراہ فرقوں کے علماء کا ذکر کیا گیا تھا۔ اس پر کسی نہری پٹواری حلقہ راجووال نے برافروختہ ہو کر دفتر صحیفہ میں ایک خط بھیجا ہے، جس میں وہ لکھتے ہیں کہ :

جناب صحیفہ اہلحدیث یکم ربیع الثانی سنہ۔۱۳۷۰ھ ص۔۳۲ بعنوان گمراہ فرقوں کے علماء پڑھا، جس میں جناب نے ناجی فرقہ کی شناخت یہ بتائی ہے کہ جو سواد اعظم کے نقش قدم پر چلتا ہو۔ اب میں جناب سے پوچھتا ہوں کہ سواد اعظم بھی کام کرتے تھے جو کام آج مسلمان عموماً اور فرقہ اہلحدیث خصوصاً کر رہے ہیں۔ (انتهٰی بقدر الحاجة)

حضرات! اصل بات یہ ہے کہ گمراہ فرقوں کے ذکر میں مرزائی فرقہ کا سب سے اول نمبر میں ذکر آگیا تھا کیونکہ یہ فرقہ سب فرقوں سے زیادہ گمراہ اور مضل ہے۔ اس لیے پٹواری صاحب کو مرزائی ہونے کی حیثیت سے ناراض ہونا لازم تھا۔ جس کا ہمیں بھی احساس ہے لیکن نکتہ چینی کرتے ہوئے جو کچھ آپ فرما رہے ہیں، اس کے جواب میں عربی کا یہ شعر معروض ہے۔ آپ کسی مرزائی مولوی سے اس کا ترجمہ کرا کر غور کر لیں۔

حسدوا	الفتى	اذ لم	ينالوا سعيه
فالقوم	اعداء	له	وخصوم
كضرائر	الحسناء	قلن	لوجهها
حسداً	او	بغضاً	انه لدميم

آگے چل کر پٹواری صاحب سواد اعظم کا اسوۂ حسنہ پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ صحابہ کرام ایک خلیفہ کے ماتحت تھے۔ ایک بیت المال تھا

اور "جاهدوا فی سبیل اللّٰه باموالكم" کے زندہ ثبوت تھے' انتہٰی۔

اگر خلیفہ سے مراد امیر جماعت ہے تو نفس مسئلہ بالکل صحیح ہے۔ بلاشبہ مسلمانوں کو اپنا ایک امیر جو کتاب و سنت کا عالم ہو منتخب کر کے زندگی بسر کرنے کا حکم ہے تاکہ وہ مسلمانوں کی رہنمائی کرے اور ان کے تنازعات میں قوانین شرعیہ سے فیصلے کرے۔ قاضی ابو شریح کا واقعہ مشکوۃ باب الاسامی میں ہے کہ انہوں نے دربار رسالت میں اپنی بابت یہ ذکر کیا تھا کہ "ان قومی اذا اختلفوا فی شیئی اتونی فحکمت بینهم فرضی کلا الفریقین بحکمی" یعنی "میری قوم جب کسی چیز میں اختلاف کرتی ہے تو میرے پاس آجاتی ہے' پس میں ان کے درمیان فیصلہ کر دیتا ہوں۔ وہ دونوں فریق میرے فیصلہ پر راضی ہو جاتے ہیں۔"

فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ما احسن هذا یعنی آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ کام کیا ہی اچھا ہے۔

اس حدیث سے ہر قوم کو اپنا امیر اور حکم بنانا جائز ثابت ہوا۔ لہٰذا تمام مسلمانوں کو اپنا امیر بنانا کیوں جائز نہ ہو گا؟ بلکہ واجب ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے: لا یحل لثلاثة یکونون بغلاة من الارض الا امروا علیهم احدهم (منتقٰی باب وجوب القضاء والامارة) یعنی تین شخصوں کے لیے بھی کسی میدان زمین میں رہنا حلال نہیں ہے جب تک کہ اپنے میں سے کسی ایک کو امیر نہ بنالیں۔" بلکہ سفر میں بھی تاکید ہے کہ تین شخص چلیں تو ایک کو اپنے میں سے امیر بنا کر سفر کریں۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے "اذا خرج ثلاثة فی سفر فلیؤمروا علیهم احدهم" (ابوداوٗد شریف)

اور یہ اس لیے کہ جب امیر بنا کر شرعی طریقہ سے زندگی بسر نہیں کریں گے تو اپنی خواہشات نفسانیہ یا آئین طاغوتیہ پر عامل بن کر زندگی گزاریں گے۔ جو شریعت کی رو سے جہالت کی زندگی ہے۔ یا انفرادی طور پر اپنی اپنی جگہ عمل کرتے رہیں گے' یہ بھی اسلامی ہدایت کے خلاف صورت جہالت ہے۔ کیونکہ اسلام نے اجتماعی زندگی گزارنے اور امیر و مامور ہو کر رہنے کی تاکید کی ہے اور یہی صحابہ کا طریقہ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: "من مات ولیس فی عنقه بیعة مات میتة جاهلیة" "جو شخص مرگیا اور اس نے بیعت نہ کی وہ جاہلیت کی موت مرا۔"

اس حدیث سے بھی امارت اور بیعت کا وجوب ثابت ہوا۔ اس سے کسی کو انکار نہیں ہے کہ غیر مسلم حکومتوں کی غلامی نے مسلمانوں کا ایمان کمزور ہو گیا' جس کی وجہ سے یہ عمل متروک ہو گیا۔ ورنہ نفس مسئلہ کو سب مانتے ہیں۔ صرف اختلاف ہے تو صورت عمل میں اختلاف ہے۔

لیکن الحمدللہ! جماعت غرباء اہلحدیث اس مسئلہ امارت پر عامل ہے جو حسب استطاعت امیرومامور کی شکل میں زندگی گزار رہی ہے اور اس جماعت غرباء اہلحدیث کا بیت المال بھی ہے جس میں اغنیاء سے زکوٰۃ وصول کر کے معارف شرعیہ پر تقسیم کی جاتی ہے۔ اور جماعت کے امراء و مامورین حتی الوسع آیت "جاھدوا" پر عمل کرتے ہوئے اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کے راستہ میں کوشش کر رہے ہیں۔ اور جماعتی صورت میں زندگی گزار رہے ہیں۔ باقی جو لوگ طاغوتی حکومتوں کے مطیع ہو کر یا اپنے نفس کے تابع ہو کر زندگی بسر کر رہے ہیں' یہ ان کی عملی غلطی ہے' جس کا ہمیں اعتراف ہے۔

لیکن اگر لفظ خلیفہ سے مراد نبوت رکھنے والا خلیفہ ہے جیسا کہ آپ نے خط کے آخر میں اس کی صراحت کی ہے کہ "جب ہم نے اصحابہ کرام رضی اللہ عنہم (کذا فی الاصل) کی صفات جماعت احمدیہ میں دیکھیں تو خدا کے مامور کو مان لیا اور آپ لوگوں نے منہ موڑ لیا۔"

تو یہ سراسر باطل ہے' کیونکہ آپ کے پیشوا مرزا غلام احمد قادیانی نہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلیفہ مامور تھے اور نہ جماعت مرزائیہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفات پائی جاتی ہیں۔ یہ آپ کا دعویٰ باطل ہے ؎

یاروں نے گو انا الحق اس منہ سے بول دیکھا
ہیں سر حق سے سراسر غافل سب کو ٹٹول دیکھا

یہ فرقہ مرزائیہ فرقہ ناجیہ نہیں ہے بلکہ بروئے قرآن و حدیث و اجماع امت کافر خارج از اسلام ہے۔ کیونکہ ان کے اعتقادات و مسائل ان کی تصنیفات سے ایسے ظاہر ہو چکے ہیں' جن سے کفروشرک لازم آتا ہے۔ چہ جائیکہ ان کو فرقہ ناجیہ قرار دیا جائے۔ علماء اہل حق نے ان کو کافر مطلق قرار دیا ہے' جس کی تفصیل یہ ہے:

مرزا قادیانی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں نبی ہوں' رسول ہوں' مسیح موعود ہوں' مہدی ہوں' مامور من اللہ ہوں' اللہ کے مانند ہوں' میں نے خواب میں دیکھا کہ میں خدا ہوں' ابن مریم ہوں' خدا کے نزدیک اولاد جیسا ہوں' میں قرآن کی طرح ہوں' ابن مریم سے بہتر ہوں۔ چنانچہ ان کی تصنیفات سے ہر دعویٰ کا ثبوت ملاحظہ فرمایئے۔

۱۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول اور نبی ہیں۔ (اخبار بدر مطبوعہ ۵ مارچ سنہ ۱۹۰۸ء)

ے آنچہ داد است ہر نبی را جام + داد آں جام را مرا بتمام (نزول المسیح ص ۹۹)

۲۔ "منم مسیح زماں و منم کلیم خدا + منم محمد و احمد کہ مجتبیٰ باشد

(تریاق القلوب ص ۳)

وہ مسیح موعود جو آخری زمانہ کا مجدد ہے' وہ میں ہوں۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۹۴)

۳۔ میں امام زماں ہوں۔ (ضرورت الامام ص ۲۴)

۴۔ سچا خدا وہی خدا ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔ (دافع البلاء ص ۱۱)
خدا نے مجھ کو آسمان سے اتارا ہے (تذکرۃ الشہادتین ص ۱۷)

۵۔ خدا کی مانند۔ (ص ۳۰ حاشیہ اربعین نمبر ۳)

۶۔ ورایتنی فی المنام عین اللّٰہ وتیقنت اننی ھو الخ' (آئینہ کمالات ص ۵۶۴' ص ۵۶۵) یعنی میں نے خواب میں اپنے آپ کو دیکھا کہ میں اللہ ہوں اور یقین کر لیا کہ وہی ہوں۔

۷۔ اگر قرآن میرا نام ابن مریم نہیں رکھتا تو میں جھوٹا ہوں۔ (تحفہ ندوہ ص ۵)

۸۔ انت منی بمنزلۃ اولادی یعنی اے مرزا تو مجھے میری اولاد جیسا ہے۔ (ص ۲۳ اربعین حاشیہ نمبر ۴) اور جگہ ہے: انت منی بمنزلۃ بروزی کہ تو مجھ سے ایسا ہے جیسا کہ میں ہی ظاہر ہو گیا ہوں۔ (سرورق اخیر ریویو جلد ۵' ص ۳)

۹۔ "ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو + اس سے بہتر غلام احمد ہے۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۴۹)

۱۰۔ ما انا الا کالقرآن' الخ۔ میں تو بس قرآن ہی کی طرح ہوں۔ (البشریٰ جلد ۲' ص ۱۱۹)

تلک عشرۃ کاملۃ

یہ دس دعاوی ہیں جو قرآن و حدیث سے ثابت نہیں ہیں بلکہ سراسر خلاف ہیں اور بالکل باطل ہیں جو شخص ان کے سچا ہونے کا دعویٰ کرے اس کے ذمے ثبوت لازم ہے۔ اس کو چاہیے کہ صاف صریح قرآن و حدیث سے دلائل پیش کرے ورنہ ایسے اعتقادات رکھنے والا اور اس کے مقلدین فرقہ ناجیہ میں شمار نہیں ہو سکتے بلکہ وہ اسلام سے خارج شمار ہوں گے۔

سنیئے ہر شخص کے صادق اور کاذب ہونے کے معیار تین ہیں۔

(۱) ایمان کی کیفیت اور اعتقادی حالت۔

(۲) قول و فعل میں صداقت اور مطابقت۔

(۳) طبیعت میں شرافت و کرامت۔

سو ان تین معیاروں کی رو سے مرزا اور مرزائی جھوٹے ثابت ہوتے ہیں۔ فرقہ ناجیہ تو کجا؟ ناقص مسلمان بھی نہیں ثابت ہوتے؎

غرہ مٹ جاتا ہے راہ عشق میں مغرور کا
ٹھوکریں کھاتا ہے یاں سر قیصر و فغفور کا

معیار نمبر-۱ کے رو سے مرزا کو جانچا جائے تو ان کی اعتقادی اور ایمانی حالت بالکل خراب تھی۔ چنانچہ مندرجہ بالا دعاوی ان کے سراسر کفریہ ہیں۔ چنانچہ خود مرزا نے لکھا ہے کہ ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں۔ (اشتہار ۲۰ر اکتوبر سنہ-۱۸۹۱ء) ہم بھی مدعی نبوت پر لعنت بھیجتے ہیں۔ (مجموعہ اشتہارات ص-۲۱۴)

ناظرین غور کریں کہ نبوت کا دعویٰ بھی ہے اور دعوے سے انکار اور دعویٰ کرنے والے پر کفر کا فتویٰ بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مرزائیوں کی دو پارٹیاں ہو گئی ہیں۔ ایک تو لاہور پارٹی ہے جو مرزا کو نبی نہیں مانتی مجدد مانتی ہے۔ وہ تو ان تحریروں سے استدلال کرتی ہے اور مرزا کو نبی کہنے والوں کو اس تحریر کی رو سے کافر کہتی ہے اور دوسری پارٹی قادیانی ہے جو تحریر بالا سے استدلال کرتی ہے جو نمبر۴ میں درج ہے اور نبی نہ ماننے والوں کو کافر کہتی ہے۔ پس مرزا کی تحریریں اور ان کے دعاوی بھی متضاد ہیں۔ اس لیے ان کی امت بھی متضاد ہے جو باہم ایک دوسرے کو کافر کہتی ہے اور ان بے

چاروں کے اختیار کی بات نہیں۔ مرزا کئی رنگا تھا۔ کسی کے لیے نبی تھا' کسی کے لیے عیسیٰ تھا' کسی کے لیے مجدد تھا' کسی کے لیے مہدی تھا' کسی کے لیے کرشن تھا' کسی جگہ عورت بن کر اللہ کی بیوی تھا۔ چنانچہ مرزا صاحب کا ایک صحابی قاضی یار محمد اپنے ٹریکٹ نمبر۔۳۴ موسومہ اسلامی قربانی میں روایت کرتا ہے:

حضرت مسیح موعود (مرزا) نے ایک موقع پر اپنی حالت یہ ظاہر فرمائی کہ کشف کی حالت آپ پر طاری ہو گئی گویا کہ آپ عورت ہیں اور اللہ تعالیٰ نے رجولیت کی طاقت کا اظہار فرمایا۔ (لاحول ولا قوۃ الا باللہ)

اصل بات یہ ہے کہ مرزا نے جب یہ دعویٰ کیا کہ میں مسیح ابن مریم ہوں اور وہی مسیح موعود ہوں' جس کو احادیث میں عیسیٰ بن مریم کہا گیا ہے تو پھر ضرورت ہوئی کہ اپنے دعوے پر قرآن و حدیث سے دلیل لا کر اس کو ثابت کرے۔ دلیل چونکہ موجود نہ تھی کیونکہ مرزا کا اپنا نام غلام احمد اور ماں کا نام "چراغ بی بی" تھا' اس لیے انہوں نے یہ چال کھیلی کہ خود مریم اور ابن مریم بننے کی کوشش کرنے لگے۔

چنانچہ لکھتے ہیں کہ: بابو الٰہی بخش چاہتا ہے کہ تیرا حیض دیکھے یا کسی اور ناپاکی پر اطلاع پائے' تجھ میں حیض نہیں بلکہ وہ (حیض) بچہ ہو گیا جو بمنزلہ اطفال اللہ کے ہے۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی ص۔۱۴۳)

پھر ایک جگہ لکھتے ہیں کہ میرا نام مریم رکھا گیا اور عیسیٰ کی روح مجھ میں نفخ کی گئی اور استعارہ کے رنگ میں حاملہ ٹھہرایا گیا۔ آخر کئی مہینہ کے بعد جو (مدت حمل) دس مہینے سے زیادہ نہیں مجھے مریم سے عیسیٰ بنایا گیا۔ پس اس طور سے میں ابن مریم ٹھہرا۔ (کشتی نوح ص۔۴۶'۴۷)

اب تمام تحریروں کا خلاصہ یہ ہوا کہ مرزا پہلے مریم بنے اور ان کو حیض آیا' پھر قوت رجولیت کا اظہار فرمایا تب حاملہ ہوئے پھر اس حمل میں روح نفخ کی گئی پھر دس ماہ کے بعد وہی مریم عیسیٰ ہو گئی اور عیسیٰ بن مریم قرار پائے۔

اب جس قدر آیات اور احادیث مسیح ابن مریم کی فضیلت اور بزرگی پر وارد ہیں اور جس قدر ان کے نزول کے متعلق آئی ہیں اور جس قدر مسیح کے کاروبار اور کمالات ثابت ہیں' ان سب کے حق دار مرزا صاحب بن جائیں گے۔

دنیا میں بیشرم اور ڈھیٹ بھی ہوتے ہیں مگر
سب پہ سبقت لے گئی ہے بے حیائی آپ کی

یہ ہیں وہ براہین قاطعہ جن کی بنا پر محمد الدین پٹواری نہر حلقہ راجووال فرقہ ناجیہ ہونے کی دلیری ظاہر کر رہے ہیں۔

اچھا یہ تو ناظرین کو معلوم ہو گیا کہ مرزا صاحب بڑی مشکل سے ابن مریم بنے اور اپنے آپ کو کہا کہ میں ابن مریم ہوا' لیکن ازالہ اوہام ص-۱۹۰' ط-۱ اور ص-۷۷' ط-۲ میں رقمطراز ہیں کہ: میں نے ہرگز دعوئی نہیں کیا کہ میں مسیح ابن مریم ہوں- جو شخص یہ الزام مجھ پر لگا دے وہ مفتری اور کذاب ہے-

اس سے ثابت ہوا کہ مرزا ابن مریم نہیں ہے- پس جو آیات اور احادیث مسیح ابن مریم کے متعلق وارد ہیں' ان کے مصداق مرزا قادیانی نہیں- جو شخص اس کا مصداق بنے یا اس کا کوئی خلیفہ یا بیٹا یا مرید یا صحابی بنا دے' وہ مفتری کذاب ہے- مرزا صاحب اگر کسی تاویل یا استعارہ یا شبیہ یا استثناء سے بنیں تو بھی نہیں بن سکتے کیونکہ حدیث میں قسم کے ساتھ یہ ارشاد نبوی وارد ہے: والذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکما عدلا (الحدیث) یعنی قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم میں ابن مریم حاکم عادل بن کر نازل ہو گا-

حمامتہ البشریٰ ص-۱۴ پر مرزا صاحب فرماتے ہیں: والقسم یدل علٰی ان الخبر محمول علٰی ظاھرہ لا تاویل منہ ولا استثناء یعنی جو بات اللہ کا نبی قسم کھا کر بیان فرمائے اس میں قطعاً تاویل اور استثناء کی گنجائش نہیں ہے- پس مرزا اور مرزائیوں کا تاویل اور ہیر پھیر سے مسیح کی احادیث کا مصداق مرزا کو بنانا باطل ہوا' وہ مفتری اور کذاب قرار پائے ؎

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

معیار نمبر-۲ کی رو سے مرزا صاحب جھوٹے ثابت ہوئے ہیں- نہ ان کے قول و فعل میں صداقت ہے اور نہ مطابقت ہے- پہلے ناظرین اور پٹواری محمد الدین مرزا

صاحب کا اقرار نامہ پڑھ لیں۔

مرزا صاحب حاشیہ ضمیمہ تحفہ گولڑویہ تقطیع کلاں صفحہ۔۱۳ میں فرماتے ہیں "جھوٹ بولنا مرتد ہونے سے کم نہیں" آریہ دھرم کے ص۔۱۹ میں لکھتے ہیں "غلط بیانی اور بہتان طرازی نہایت شریر اور بد ذات آدمیوں کا کام ہے" پھر رسالہ نور القرآن ص۔۱۷، ط۔۴ میں ہے کہ "قرآن شریف نے دروغ گوئی کو بت پرستی کے برابر ٹھہرایا ہے" نیز حقیقتہ الوحی ص۔۲۰۶ میں ہے کہ "جھوٹ بولنا اور گو کھانا ایک برابر ہے" پھر ضمیمہ تحفہ گولڑویہ کے ص۔۱۲ میں لکھا ہے کہ "خدا پر افترا کرنا پلید طبع لوگوں کا کام ہے۔"

اتنے اقرار کے بعد اب مرزا صاحب کی تحریرات مندرجہ ذیل پر غور فرمائیں۔

ہو رہے گا عشق اور ہوس میں بھی امتیاز
اب آیا ہے مزاج تیرا امتحان پر

مرزا صاحب فرماتے ہیں:

(۱) احادیث میں مہدی موعود کی یہ بھی نشانی ہے کہ پہلے اسے بڑے زور شور سے کافر ٹھہرایا جائے گا۔ (ضمیمہ انجام آتھم ص۔۱۲، ۱۳) نیز ص۔۳۸ میں ہے کہ "احادیث صحیحہ میں یہ فرمایا گیا کہ اس مہدی کو کافر ٹھہرایا جائے گا"

یہ صریح جھوٹ ہے اور رسول اللہ ﷺ پر افترا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ "جو شخص جان بوجھ کر میرے ذمے ایسی بات کہے جو میں نے نہیں کہی تو وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لے۔ (ابن ماجہ وغیرہ)

اب مرزائیوں کو چاہیے کہ ایک ہی حدیث صحیح ایسی ثابت کر دیں کہ جس سے مہدی کو پہلے کافر ٹھہرائے جانے کا ذکر ہو ورنہ مرزا اور مرزائی بقول مرزا مرتد، شریر، بدذات، بت پرست، گوں کھانے پلید طبع ثابت ہو گئے۔ فرقہ ناجیہ میں تو داخل ہونا بہت دور جانے کی بات ہے۔ لفظ احادیث جمع حدیث ہے۔ کم از کم تین احادیث ہوں تو مرزا سچے ثابت ہو سکتے ہیں، ورنہ نہیں۔

(۲) آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ قیامت کب آئے گی؟ تو آپ نے فرمایا کہ آج کی تاریخ سے سو برس تک تمام بنی آدم پر قیامت آجائے گی۔ (ص۔۲۵۲ ازالہ ط۔۱، ص۔۱۰۴ ازالہ ط۔۲)

یہ صریح جھوٹ ہے' بہتان ہے' افترا ہے۔ کسی حدیث میں تمام بنی آدم پر سو سال تک قیامت آنے کا ذکر نہیں ہے بلکہ قرآن اور حدیث صحیح سے قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ثابت ہو چکا ہے۔ بغیر اللہ تعالیٰ کے کسی فرشتہ' نبی' ولی کو علم نہیں ہے۔ اب مرزائیوں کو چاہیے کہ سو سال تک قیامت آجانے کی حدیث ثابت کریں ورنہ وہ اور ان کا جھوٹا نبی مفتری' کذاب' مرتد' پلید طبع' گوں کھانا' شریر' بت پرست کے برابر ثابت ہوا۔

مرزا صاحب نصرۃ الحق ص-۱۰ میں لکھتے ہیں:

لعنت ہے مفتری پر خدا کی کتاب میں
عزت نہیں ذرا بھی اس کی جناب میں

(۳) اس قرآن نے میرا نام ذوالقرنین رکھا ہے۔ (تذکرۃ الشہادتین ص-۱۷)

تمام مرزائی مل کر وہ آیت پیش کریں جس میں مرزا کو ذوالقرنین کہا گیا ہو۔ ورنہ یہ افتراء علی اللہ ہے اور مفتری علی اللہ بہت بڑا ظالم ہے اور کاذب اور ظالم پر قرآن میں لعنت آئی ہے۔

(۴) انا انزلناه قريبا من القاديان قرآن میں ہے۔ (ازالہ اوہام تقطیع کلاں ص-۳۳ و حقیقۃ الوحی ص-۷۷)

یہ بھی سفید جھوٹ ہے۔

(۵) بموجب نص صریح قرآن کے کوئی شخص بغیر مسیح موعود (مرزا) کی اجازت کے حج کو نہیں جا سکتا۔ (تذکرۃ الشہادتین ص-۴۸)

یہ بھی قرآن پر افتراء اور بہتان ہے۔ حدیث میں ہے کہ جو قرآن میں اپنی رائے سے کہے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں سمجھ لے۔

(۶) احادیث نبویہ پکار پکار کر کہتی ہیں کہ تیرھویں صدی کے بعد ظہور مسیح ہے۔ (آئینہ کمالات اسلام ص-۲۷۷)

یہ بھی جھوٹ ہے۔

(۷) حضرت عیسیٰ چار بھائی اور دو ہمشیرہ حقیقی رکھتا تھا۔ (تذکرۃ الشہادتین ص-۲۳)

یہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام پر افتراء ہے۔

(۸) قرآن شریف میں لکھا تھا۔ اس (مرزا) کے زمانے میں ایک نئی سواری پیدا ہو گی جو آگ سے چلے گی۔ (تذکرۃ الشہادتین ص-۲۲)

بالکل افتراء ہے۔ قرآن میں یہ کسی جگہ موجود نہیں۔ جو شخص یہ دعویٰ کرے اس کے ذمے ثبوت لازم ہے۔

(۹) قرآن .ضرب دہل فرما رہا ہے کہ عیسیٰ بن مریم رسول اللہ زمین میں دفن کیا گیا۔ (تحفہ گولڑویہ تقطیع کلاں ص-۴۶)

اس قسم کی کوئی آیت قرآن میں نہیں ہے۔ اگر زمین میں دفن ہونے کا ذکر قرآن میں دکھا دو تو انعام پاؤ۔

(۱۰) بخاری میں لکھا ہے کہ آسمان سے اس (مسیح موعود) کے لیے آواز آئے گی هذا خليفة الله المهدی (شہادتین القرآن ص-۴۰' ط-۱ اور ص-۴۱' ط-۲)

یہ کذبات عشرہ ہیں ورنہ کذبات مرزا بہت ہیں جن سے مرزا کذاب ثابت ہوتے ہیں۔ پس تمام مسائل مرزائیہ باطل ثابت ہوئے۔ کیونکہ مرزا جی نے چشمہ معرفت ص-۲۲۲ میں لکھا ہے کہ جب ایک بات میں کوئی جھوٹا ثابت ہو جائے تو پھر دوسری باتوں میں بھی اس پر اعتبار نہیں رہتا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ مرزا اور مرزائی بالکل ناقابل اعتبار ہیں جس کی وجہ سے وہ فرقہ ناجیہ میں داخل نہیں۔

.معیار نمبر-۳ شرافت اور کرامت کا ہے۔ اس میں بھی مرزا صاحب صاف کورے تھے بلکہ ان کی خباثت و رذالت و شرارت ثابت ہوتی ہے۔ پہلے مرزا کا اقرار نامہ سن لیں۔ اربعین نمبر-۴ کا ضمیمہ ص-۵ میں ہے کہ "گالیاں دینا اور بدزبانی کرنا طریق شرافت نہیں۔" اپنے مریدوں کو نصیحت کرتے ہیں "کسی کو گالی مت دو گو وہ گالی دیتا ہو۔ (کشتی نوح) نیز لکھا ہے کہ "میں نے جوابی طور پر بھی کسی کو گالی نہیں دی" (مواہب الرحمٰن ص-۱۸)

اب نمبروار شرافت ملاحظہ کریں:

(۱) كل مسلم يقبلنى ويصدق دعوتى الا ذرية البغايا یعنی کل مسلمانوں نے میری تصدیق کی ہے اور مجھے مان لیا ہے مگر کنجریوں کی اولاد نے مجھے نہیں مانا۔ (انجام

آتھم ص-۲۸۲)

میراں کا یہ شعر ہے۔

اذ یتنی خبثا فلست بصادق

ان لم تمت بالخزی یابن بغائی

(۲) مختلف کتابوں میں مختلف علماء کو جو گالیاں دی ہیں' ان میں سے مشتے نمونہ ازخروارے یہ ہیں:

غول لیئم فاسق' شیطان' ملعون' نطفہ سفہا' خبیث' مفسد' مسزور' منحوس' مردار' عدواللہ' کنجری کا بیٹا' کتا' کتا سردار' خود مکار' نالائق' ابوجہل' فرعون' غدار' بدبخت' بے حیا' گندے اخلاق والا' دین فروش' کفن فروش' کھوٹی آنکھ والا' ایک چشم' ہندو زادہ' بد ذات' فرقہ مولویاں' بدبودار' جہالت کا گند' پلید طبع' جاہل بے حیا۔

(۳) صحابہ کو بھی برے لقب سے یاد کیا ہے۔ بعض نادان صحابی۔ (ضمیمہ نصرۃ الحق ص-۳۰) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) غبی تھا' درایت اچھی نہیں رکھتا تھا۔ (اعجاز احمدی ص-۱۸)

اب اپنے پر مرزا صاحب خود یہ فتویٰ لگاتے ہیں۔ چنانچہ مفہوم اشتہار ۹ر ستمبر سنہ-۱۸۹۵ مندرجہ تبلیغ رسالت میں لکھا ہے کہ: کسی شخص کو جاہل' نادان' دنیا پرست' مکار فریبی' گنوار' متکبر وغیرہ الفاظ کہنے والا شریفوں اور منصفوں کے اور نیک سرشت لوگوں کے نزدیک گندا طبع اور بدزبان ہوتا ہے۔ پس مرزا گندہ طبع اور بدزبان تھا' شریف نہ تھا۔ پس ہر سہ معیاروں کے رو سے مرزا صاحب غیرناجی ثابت ہوئے۔

جب مرزا مدعی نبوت جھوٹے اور گمراہ ثابت ہوئے تو سب مرزائی خود جھوٹے ہوئے۔

اب محمد الدین پٹواری کو اپنے ایمان سے بتلانا چاہیے کہ کیا صحابہ کرام کی یہی صفات تھیں جو جماعت احمدیہ مرزائیہ اور ان کے پیشوا میں پائی جاتی ہیں؟ اگر یہی تھیں تو ہماری طرح صحابہ کرام کی تحریروں سے ثابت کریں اور اگر ثابت نہ کر سکیں تو خود مرزائیت سے توبہ کر کے صحابہ کرام کی پیروی کریں۔

خبیث مرزا حقیقتہ الوحی کے ص-۱۰۴ میں لکھتے ہیں کہ "میرا خدا روزہ بھی رکھتا ہے اور افطار بھی کرتا ہے" اور ص-۱۰۳ میں لکھتے ہیں کہ: "خدا گناہ بھی کرتا ہے اور

نیکی بھی کرتا ہے۔"

کیا فرقہ ناجیہ اور سواد اعظم کا یہی عقیدہ تھا؟ ہرگز نہیں بلکہ ایسا کہنے والا کافر ہے۔

عبدالقادر عارف حصاری
صحیفہ اہلحدیث جلد نمبر شمارہ نمبر
مورخہ

مقلدین ائمہ اربعہ حنفی' شافعی وغیرہ اور شیعہ' مرزائی فرقوں کی مساوات پر اعتراض اور اس کا جواب

قابل توجہ عالی جناب مولانا حافظ عبداللہ صاحب مدیر "تنظیم"

وجناب غلام رسول صاحب انجینئر امرتسری

حضرات! کمترین نے کچھ عرصہ سے اخبار "الفقیہ" کے ایک زہریلے مضمون کا جواب شروع کر رکھا ہے جو سلسلہ وار اخبار "تنظیم" میں درج ہو رہا ہے۔ اس سلسلہ کا ایک مضمون پرچہ "تنظیم" مطبوعہ ۱۹/ ستمبر سنہ ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا تھا جس کا عنوان یہ ہے: "مذہب اہلحدیث اور اس کا تعارف" اس مضمون میں مخالفین کی غلط بیانیوں اور زیادتیوں کی تردید کرتے ہوئے مذہب اہلحدیث کی حقیقت اصلیہ ظاہر کی گئی تھی اور فرقہ بندی سے اس کو الگ کرتے ہوئے اس کے نام کو منصوص ثابت کیا گیا تھا اور یہ بھی واضح کیا گیا کہ سوا اہلحدیث کے باقی جو فرقے ہیں ان کے نام اختراعی ہیں' منصوص نہیں ہیں۔ چنانچہ حنفی' شافعی' مالکی' حنبلی' جہمیہ' شیعہ' مرزائی وغیرہ سب اسی قبیل سے ہیں لیکن تہتر واں (۷۳) فرقہ جو ایک ہے جس کو شارع کی طرف سے ناجیہ قرار دیا گیا ہے' اس کا نام نصی ہے۔

عبارت اپنا مطلب بتانے میں صاف ہے' متکلم کا منشاء خوب ظاہر کر رہی ہے کہ بہتر (۷۲) فرقوں کے نام اختراعی ہیں اور فرقہ ناجیہ کا نام نصی ہے۔ نہ تو اس مضمون کا یہ عنوان ہے کہ حنفی' شافعی' شیعہ' مرزائی کے برابر ہیں اور نہ کسی عبارت ہی سے ثابت ہوتا ہے اور نہ ہماری یہ منشاء مضمون میں ہے۔ بایں ہمہ پرچہ "تنظیم" ۱۳/ جنوری سنہ ۱۹۳۹ء میں ایک صاحب جن کا نام غلام رسول ہے۔ (یہ نام غیر مشروع ہے' اس کو تبدیل کر دیں۔ جناب شاہ ولی اللہ صاحب "فتح الرحمٰن" میں فرماتے ہیں کہ "شرک در تسمیہ نوعے است از شرک چنانچہ اہل زمان ما غلام فلاں و عبد فلاں نام مے نہند" انتہی۔ اپنے آپ کو غیر اللہ کی طرف

بطریق تقرب نسبت کرنا شرک ہے ورنہ ابہام شرک میں تو شک ہی نہیں۔ نام سنت کے مطابق رکھ کر اہل سنت بننا چاہیے) اعتراض کرتے ہیں کہ "حنفی' شافعی' مالکی' حنبلی اور شیعہ کو مرزائیت کے برابر کر دیا ہے' حالانکہ مرزائی خارج از اسلام ہیں۔" اس اعتراض کو پڑھ کر یہ شعر یاد آیا ؎

وکم من عائب قولا صحیحًا وافته من الفهم السقیم

جناب والا! ہمارا مقصد تو یہ ہے کہ حنفی مذہب' شافعی مذہب' مالکی مذہب' حنبلی مذہب' جہمیہ' شیعہ' مرزائی وغیرہ جو مذہب بھی فرقہ بندی میں مبتلا ہو کر اپنی ہیئت کذائیہ کے رو سے مسلک اہلحدیث سے الگ ہو گیا ہے اور اس نے اپنا نام نیا تجویز کر لیا ہے' وہ بہتر (۷۲) فرقوں میں داخل ہے اور اس کا نام اختراعی ہے۔ سو اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ حنفی' شافعی وغیرہ فرقے جنھوں نے اپنے اپنے اماموں کی تقلید کا التزام کیا ہوا ہے' وہ اپنی ہیئت حاصلہ اور نام کے رو سے اختراعی ہیں۔ خواہ وہ حنفی ہوں یا شافعی' شیعہ ہوں یا مرزائی۔

اگر آپ کے نزدیک یہ فرقے بہتر (۷۲) فرقوں میں داخل نہیں ہیں بلکہ فرقہ ناجیہ میں داخل ہیں اور ان کی ہیئت کذائیہ اور ان کے نام نصی ہیں تو برائے مہربانی وہ نص پیش کر دیں۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنے مضمون کی اصلاح کر دوں گا اور اپنے اس خیال اور اس غلطی کو واپس لے لوں گا اور اگر آپ کا یہ مقصد ہے کہ جس طرح مرزائی کافر ہیں اور خارج از اسلام ہیں' اسی طرح حنبلی' مالکی اور شافعی بھی اس عبارت سے کافر ثابت ہوتے ہیں اور سب کا کفر میں برابر ہونا لازم آتا ہے تو یہ آپ کی غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ عبارت میں کوئی لفظ ایسا موجود نہیں ہے' آپ کا اعتراض بالکل بیجا اور تاویل الکلام بما لا یرضی به القائل کا مصداق ہے۔

ہمارا مقصد صرف نام اور مذہب کی صورت نوعیہ کے اختراع میں سب کو شریک کرنے کا ہے۔ سو نفس اختراع میں سب فرقے مساوی ہیں گو ان کی ضلالت کے مرتبے مختلف ہوں۔ (یعنی جس طرح حنفیوں' شافعیوں وغیرہم مقلدین نے پہلے ایک امام تجویز کیا پھر اس کے مسائل اصولی اور فروعی جمع کیے پھر تقلید اور اپنے مذہب کو کلی طور پر اس کی طرف نسبت کیا۔ اسی طرح مرزائیوں نے کیا ہے۔ فرقہ بنانے اور نام رکھنے میں تو سب برابر ہیں۔ عقائد میں فرق ہو تو ہو۔ یہاں اس پر بحث نہیں ہے۔ بحث صرف فرقہ بنانے اور نام رکھنے کی ہے۔)

اس کی مثال کے لیے میں اسی پرچہ "تنظیم" کو پیش کرتا ہوں جس میں آپ کا مضمون درج ہوا ہے۔ چنانچہ مولانا محمد اشرف صاحب رکن جمعیتہ تنظیم اہلحدیث اخبار تنظیم ص۔۸ پر مولوی ثناء اللہ کی غلطی کا نمونہ پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ثانیاً علماء سوء کا وہ گروہ ہے جس کا ایمان کمزور اور اعتقاد متزلزل تھا (تا آخر) اور ان ملحدانہ اعتقادات کو ہی عین اور اصل اسلام تصور کرنے لگا یعنی بجائے اصلاح کے فساد کا موجب ثابت ہوا۔ نیچری' چکڑالوی یا اہل قرآن' مرزائی' ثنائی وغیرہ اسی گروہ کی کوششوں کا نتیجہ ہیں۔" انتھی کلامہ۔

جس طرح آپ نے مجھ پر اعتراض کیا ہے' اسی طرح مندرجہ بالا عبارت کو پڑھ کر مولانا اشرف صاحب پر بھی ایک اعتراض کر دیں۔ انہوں نے مجھ سے بھی زیادہ ستم کیا ہے کہ فرقہ ثنائی کو فرقہ مرزائی کے برابر کر دیا ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ ان کی مراد ضلالت اور گمراہی میں اشتراک ہے نہ مساوات میں۔ کیونکہ ضلالت اور گمراہی کے درجات ہیں۔ ایک ضلالت اور گمراہی کفر ہے' ایک کفر سے کم۔ جیسے روٹی پر ختم پڑھنا' مولانا اشرف کا ثنائیوں کو مرزائیوں کے مسلک میں ذکر کرنا صرف نفس گمراہی میں اشتراک کی بناء پر ہے نہ یہ کہ ان دونوں کی گمراہیوں کا درجہ برابر ہے۔ اسی طرح میری مراد ہے' پھر کیا وجہ کہ مولانا محمد اشرف رکن جمعیت تنظیم اہلحدیث پر اعتراض نہیں ہوتا اور مجھ پر اعتراض ہوتا ہے۔

پھر ہم کو معترض صاحب جناب غلام رسول انجینئر امرتسری پر اس قدر تعجب نہیں ہے جس قدر جناب حافظ عبداللہ صاحب مدیر "تنظیم" پر ہے جو میرے مضمون کو تصدیق و اصلاح کرنے کے بعد شائع کرتے ہیں۔ آپ ماشاء اللہ عالم و فاضل ہیں' محقق و مدقق ہیں لیکن معلوم نہیں کہ یہاں انہوں نے کیوں غور و خوض نہیں کیا۔ چنانچہ آپ معترض صاحب کے اعتراض کے بعد یوں ارشاد فرماتے ہیں:

"رہا مولوی عبدالقادر کا عام طور پر حنفیہ' شافعیہ' مالکیہ' حنبلیہ کو مرزائیوں کی سلک میں منسلک کرنا سو یہ واقعی غلطی ہے۔"

مولانا! مرزائیوں کی سلک میں منسلک کرنے میں آپ کی کیا مراد ہے؟ اگر فرقہ بندی اور نام اختراع کرنا ہے تو پھر آپ کا غلط قرار دینا غلط ہے۔ اگر ضلالت میں مساوی کر دینا مراد لیا ہے تو یہ میری مراد نہیں۔ میری کلام کا وہی مقصد ہے جو مولانا اشرف صاحب کی کلام کا ہے۔ آنجناب نے میرے سامنے اقرار کیا تھا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کافر نہیں ہیں۔ روپڑی گفتگو یاد کیجئے پھر اب ثنائی مرزائیوں کی سلک میں منسلک کیوں کئے جا رہے ہیں؟ کیا ثنائی مرزا غلام احمد کو نبی مانتے ہیں یا یہ اشتراک کسی اور عقیدہ فاسدہ کی بناء پر ہے؟ یا عام طور پر ثنائی مذہب والوں کو مرزائیوں کی سلک میں منسلک کرنا واقعی غلطی ہے؟ ما ھو جوابکم فھو جوابنا۔

معترض صاحب کی طفل تسلی کے بعد مدیر صاحب فرماتے ہیں:

"اہل بریلوی وغیرہ انہی کے حکم میں ہیں۔ اسی طرح جو تقلید کو فرض واجب جانتے ہیں اور اس کو شرعی حکم سمجھتے ہیں اور اس میں ایسے جلد ہیں کہ امام کے قول کے مقابلہ میں صریح آیت و حدیث کی پرواہ نہیں کرتے' وہ بھی اہل بدعت میں شامل ہیں۔"

جناب مدیر صاحب آخر میں اسی مسلک پر آگئے جس پر ہم تھے۔ ہمارا مطلب فرقہ بندی سے ہے اور وہ اسی صورت میں ہوتی ہے کہ ایک ہی امام کی تعیین کی جائے اور اسی کے اقوال یا اس کے شاگردوں کے اقوال کا التزام کیا جائے۔ اسی طرح آخر تک یعنی شاگرد ان شاگردوں سے کتب مروجہ تک التزام کرتا چلا جائے جیسے حنفیہ' شافعیہ مقلدین کا حال ان کی کتابوں سے ظاہر ہے۔ مقلدین تقلید شخصی کو جاری کرتے ہوئے پہلے ایک امام کی تعیین کر لیتے ہیں پھر اس کی کتابوں کو پڑھتے سنتے ہیں' پھر اس کے نام پر اپنا مذہبی نام رکھ لیتے ہیں۔ پس اس طرح سے ایک فرقہ بن جاتا ہے جس کے اندر اپنا عقیدہ و عمل رکھتے ہیں۔ اس کے خلاف جو مذہب ہوتا ہے اس کو خطاء پر جانتے ہیں۔ پس یہ خیال اور عمل اور صورت نوعیہ اور نام سب بدعت ہیں جس میں حنفی' شیعہ' مرزائی وغیرہ سب فرقے مبتلا ہیں۔

باقی رہے وہ لوگ جو قرآن و حدیث پر عمل کرتے ہیں اور مسائل غیر منصوصہ میں کسی ایک امام کے اجتہاد کے موافق چلتے ہیں اور اس کا التزام نہیں کرتے۔ بعض وقت کسی دوسرے کا اجتہاد بھی لے لیتے ہیں' وہ کسی امام کی تعیین کو شرعی حکم نہیں جانتے اور مقصود

بلذات اتباع قرآن و حدیث کو ہی خیال کرتے ہیں- سو ایسے لوگ ہماری بحث سے خارج ہیں۔ ہم ان سے کوئی تعرض نہیں کرتے- اور وہ اہلسنت میں داخل ہیں- ہماری بحث مقلدین سے ہے جو اپنے اپنے پیشواؤں کی تقلید کرتے ہیں اور ان کی تقلید کو امر شرعی جانتے ہوئے ان کے اقوال اور مذہب کا التزام کرتے ہیں- اور اپنے مذہب کا نام الگ رکھ کر اپنی کتابوں کو دوسرے مذاہب سے جدا جان کر ان کو پڑھتے پڑھاتے اور ان میں اپنے اصول بیان کرتے ہیں- چنانچہ شیعہ' حنفی وغیرہ فرقوں کا یہی حال ہے-

مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے تقلید کے متعلق جو رسالہ لکھا ہے جس کا نام "الاقتصاد" ہے' اس میں وہ حنفی کے معنی لکھتے ہیں- "امام ابوحنیفہ کے مذہب پر چلنے والا-" اس رسالہ کے جواب میں "تعریف اہلحدیث" حصہ دوم میں جو مولانا مدیر صاحب نے لکھا ہے' اس کے ص-۲۲۲ پر ہے- "اگر انسان اپنے مذہب کو کلی طور پر دوسرے کی طرف نسبت کرے مثلاً کہے کہ میرا قول ہر مسئلے میں یا میرا مذہب ہر مسئلہ میں فلاں کا مذہب ہے تو اس کا یہ مطلب ہو گا کہ وہ واقع میں صحیح کہے یا غلط- میں اسی کا مقلد ہوں- اب بتلایئے یہ گناہ یا شرک ہوا یا نہیں؟ ہاں جس کے قول فعل میں غلطی کا اندیشہ نہیں' اس کی طرف نسبت کرنے میں کوئی حرج نہیں- سو یہ نبی کی شان ہے نہ امتی کی-" انتہی

میں کہتا ہوں کہ عام طور پر حنفی' شافعی وغیرہ یا شیعہ' مرزائی وغیرہ نسبتوں کا یہی مطلب ہے- جب کوئی حنفی کہلاتا ہے یا شیعہ یا مرزائی تو اس کی مراد یہی ہوتی ہے جو آپ نے ظاہر کی ہے- تو پھر ایسے مقلدین ائمہ اربعہ کے مشرک ہونے میں کیا شک رہا؟ پھر آپ آگے لکھتے ہیں: "پس علی الاطلاق یوں کہنا کہ میرا مذہب امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے یا میں حنفی ہوں' یا میرا مذہب امام شافعی کا ہے یا میں شافعی ہوں یہ صحیح نہیں (تا آخر) غرض مذہب کا معاملہ بہت نازک ہے جیسے مسئلہ دریافت کرنے کے وقت احتیاط ہوتا ہے ویسے ہی اس کی نسبت میں احتیاط چاہیے یعنی ایسے کے ساتھ نسبت نہ لگانی چاہیے جس کی اتباع کے کلی طور پر ہم مامور نہیں-"

پھر آگے فرماتے ہیں: "اگر ہم اپنی نسبت نبی ﷺ کی طرف کریں تو اس میں تو سب ہمارے ساتھ شریک ہو سکتے ہیں- اگر امام ابوحنیفہ کی طرف کریں تو اس میں فرقہ بندی ہوتی ہے- اگر امام شافعی کی طرف کریں تو بھی فرقہ بندی ہے- اب بتلایئے اتفاق اچھا یا فرقہ

بندیاں۔" انتہی

یہی ہمارا مقصد تھا پھر آپ نے ہماری تحریر کو غلطی پر کیوں قرار دیا؟ مرزائی مذہب کا ذکر فرقہ بندی کے لحاظ سے ہے یا آپ تہتر(۷۳) فرقوں والی حدیث سے ان کو جدا کر دیں۔ ممکن ہے آپ کا مطلب یہی ہو کہ جو مذہب کفر کی حد کو پہنچ چکا ہے اور خارج از اسلام ہے' وہ تہتر(۷۳) فرقوں کے ساتھ شمار نہیں کرنا چاہیے تو پھر میں ایسے کئی فرقے ظاہر کروں گا جن کے عقائد اا اعمال اور ان کی بدعتیں حد کفر کو پہنچی ہیں اور وہ تہتر(۷۳) فرقوں میں شمار ہیں' ملاحظہ ہو غنیہ وغیرہ۔

غرض میں نے فرقہ بندی کرنے والوں کا شمار کرتے ہوئے سب کو ایک جگہ ذکر کر دیا اس میں غلطی کیا ہوئی؟

ایک جگہ آپ تعریف اہلحدیث حصہ دوم ص-۲۲۹ پر لکھتے ہیں: "خلاصہ یہ ہے کہ بیشک مجتہد کی تصدیق بانی اسلام سمجھ کر نہیں کی جاتی لیکن اس میں دو شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ جس سے اتفاق پڑے اللہ اور رسول کا حکم دریافت کر کے عمل کر لے ایک کا التزام نہ کرے کیونکہ جب سب مبین احکام ہیں تو پھر ایک کا التزام اپنی طرف سے بدعت ہوا (تا آخر) دوسری شرط یہ ہے کہ بے علم ہو کیونکہ عالم پر تقلید نہیں۔"

پھر ص-۲۳۰ پر لکھتے ہیں: "مولوی اشرف علی صاحب! خود تقلید ایسی جانب مرجوح ہے کہ اس میں ایک امر ناجائز کا ارتکاب کیا کئی مفاسد میں بلکہ خود بدعت ہے۔"

آگے ص-۲۳۱ پر فرماتے ہیں: "ناظرین خیال فرمائیں کہ ایک امام کی تقلید ثابت کرنے کے لیے اجماع یعنی تمام ائمہ کی مخالفت کر رہے ہیں۔"

ص-۲۳۳ پر ارشاد فرماتے ہیں: "کسی اور تعلق کی وجہ سے کسی امام کی نسبت لگائیں تو اس میں اتنا حرج نہیں لیکن مذہبی طور پر بالکل درست نہیں۔"

ناظرین خیال فرمائیں کہ جناب مدیر صاحب صاف اپنی کتابوں میں تصریح فرما چکے ہیں کہ تقلید بدعت ہے اور مذہبی طور پر کسی غیر کی طرف نسبت لگانی جائز نہیں ہے بلکہ شرک ہے اور اس سے فرقہ بندی ہوتی ہے۔ جب ہم نے فرقہ بندی کی تردید کرتے ہوئے گمراہ فرقوں کا ذکر کیا تو ہماری غلطی قرار دے دی حالانکہ خود اپنی کتابوں میں یہ شعر تسلیم کر چکے ہیں ؎

دین حق را چار مذہب ساختند
رخنہ در دین نبی انداختند

مولانا مدیر صاحب! آپ حصہ دوم کے ص-۲۲۳ پر یہ کیا فرماتے ہیں: "کیا آپ کو محمدیوں میں امتیاز اور فرقہ بندیاں اچھی لگتی ہیں؟ ہم تو چاہتے ہیں کہ آپس کا امتیاز ہی اٹھ جائے اور وہی صورت پیدا ہو جائے جو خیر قرون میں تھی- کیونکہ اسلام میں فرقہ بندیاں نہیں- ہم ہندوؤں کی طرح چار درجوں (حصوں) میں تقسیم ہو کر آپس کی چھوت چھات نہیں چاہتے- جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک فریق کا جاہل دوسرے فریق کے عالم سے مسئلہ نہیں پوچھتا خواہ وہ بظاہر کتنا بڑا عالم اور پرہیزگار ہو بلکہ اپنا عالم جو کچھ سچ جھوٹ کہے وہ سنیں گے دوسرے کی نہیں سنتے-"

پھر آگے لکھتے ہیں: "بلکہ ان امتیازات ہی نے تو بیت اللہ کے چار حصے کر کے چار مصلے قائم کرائے ہیں- جن کو ہمارے بھائی بھی بدعت کہتے ہیں اور انہی امتیازات نے اس بلت پر آمادہ کیا کہ ایک فریق نے دوسرے کے امام کی برائیاں کیں' جھوٹی احادیث بنائیں' واہی تباہی قصے جوڑے' آپس کے مناظرات میں فرائض الٰہی چھوڑے' کسی کے اعزاز کسی کی تذلیل میں سر توڑے- یہاں تک کہ اسلام درہم برہم ہو گیا- (تا آخر) پس جب ان امتیازات میں ایسی خرابیاں ہیں تو آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ حنفی' شافعی بننا کیا ہے؟" انتہی

مولانا! آپ مجھے غلطی پر قرار دیتے ہیں- ذرا آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ ہندوؤں کے چار درنوں سے بھی تشبیہ دی' بیت اللہ کے چار حصے بھی کرائے مان لیا جھوٹی احادیث واہی تباہی قصے ثابت کر کے اسلام درہم برہم کر دینا بھی مان لیا اور حنفی شافعی بننا بھی ناجائز قرار دیا پھر ہماری غلطی کیا باقی رہی؟ اسی امتیاز پر تو ہم نوحہ کر رہے ہیں- جس کو آپ نے ایک امرتسری صاحب کی تائید کرتے ہوئے غلطی قرار دے دیا؟

ایں چہ بو العجبی است؟

ایک جگہ ص-۲۴۳ پر فرماتے ہیں: "مرزا صاحب نے ایک اصول ایجاد کیا تھا کہ جس حدیث کو میں صحیح کہہ دوں وہ صحیح ہے اور جس کو ضعیف کہہ دوں وہ ضعیف ہے خواہ محدثین اس کو صحیح کہیں یا ضعیف- اب ہمارے بھائیوں نے بھی اس اصول سے کام لینا شروع کیا ہے کہ جو ان کا امام کہہ دے وہی معتبر ہے خواہ تمام محدثین اس کے برخلاف ہوں

بلکہ مرزا صاحب سے بھی ان کا اصول دو رتی بڑھ کر ہے (الی قول سبحان اللہ! تقلیدی مذہب بھی عجیب چیز ہے کہ اس کی تمام کارروائی تقلید کے دائرہ کے اندر ہے۔" انتہی

اسی طرح تقلید کے متعلق جناب فاضل مدیر صاحب کی اکثر تحریریں ہیں جن سے تقلید کا حرام ہونا' شرک ہونا' فرقہ بندی کا موجب ہونا' حنفی شافعی کہلانا' ناجائز ہونا ثابت ہوتا ہے پھر میرے مضمون میں فرقہ بندی کی تردید میں اگر یہ لکھا گیا کہ امت محمدیہ میں جو بہتر (۷۲) فرقے ہیں اور ان کی شاخیں ہیں' ان سب کے نام اختراعی ہیں۔ بتلایئے! اس میں کیا غلطی ہے؟ کیا حنفی' شافعی نام اختراعی نہیں ہیں؟ اگر ہیں تو اعتراض کیا؟ غلطی کیا؟ اگر نہیں تو ان ناموں کو منصوص ہونا ثابت کیجئے۔ اگر ساتھ مرزائی فرقہ کا ذکر ہونے سے کوئی پہاڑ ٹوٹ پڑا تو پھر آپ نے مقلدین کا اصول مرزا کے اصول سے دو رتی زیادہ کیوں قرار دیا؟ وہ شخص تو خارج از اسلام تھا۔ اگر آپ کہیں کہ میرا کہنا نفس اصول پر مبنی ہے تو میرا کہنا بھی نفس فرقہ بندی اور نام اختراع کرنے پر مبنی ہے۔ ما ھو جوابکم فھو جوابنا۔

خلاصہ یہ کہ میری کلام کو نہ معترض نے سمجھا اور نہ اس پر مدیر صاحب نے غور و خوض کیا۔ صرف مرزائی فرقہ کا نام ساتھ دیکھ کر غلط کہہ دیا۔ حالانکہ مطلب وہاں کچھ اور ہے۔ اگر معترض صاحب اور مدیر صاحب کے نزدیک حنفی' شافعی' شیعہ بننا منصوص ہے اور یہ نام نصی ہیں تو نص پیش کر کے ان کو فرقہ بندی سے نکال لیں ورنہ اپنا اپنا اعتراض واپس لے لیں۔ میرے مضمون میں حنفی' شافعی مذہبوں کا مرزائی مذہب کے (گمراہی اور کفر میں) مساوی ہونے کا جھگڑا نہیں ہے۔ آپ خواہ مخواہ مضمون کی واقعت گھٹا کر ناظرین کو بدگمان نہ کریں ورنہ مجھے یہ سلسلہ ختم کرنا پڑے گا کیونکہ یہ مضمون مقلدین کی تائید میں ہے' آپ ان کی تائید کر رہے ہیں۔

(عبدالقادر حصاری)

مدیر: آپ اس سلسلہ کو بند نہ کریں۔ آپ کا مضمون ٹھیٹھ اسلام کی تصویر ہے۔ بالکل صحیح اور درست ہے' نہایت مفید ہے۔ میں آپ سے ہر طرح سے متفق ہوں۔ چنانچہ آپ میری تحریرات سے ثابت کر چکے ہیں۔ آپ کی جس بات کو میں نے غلطی کہا ہے وہ فرقہ بندی نہیں۔ فرقہ بندی بیشک بدعت ہے بلکہ عمومیت کے لحاظ سے میں نے غلطی کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ میری عبارت میں جس میں' میں نے آپ کو غلطی کی طرف نسبت کیا ہے "عام"

کا لفظ موجود ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ کثرت موافقت کی وجہ سے یا کسی اور تعلق کی وجہ سے حنفی' شافعی سے موسوم کئے جاتے ہیں۔ نہ فرقہ بندی پسند کرتے ہیں نہ ان نسبتوں کو شرعی سمجھتے ہیں بلکہ قرآن و حدیث پر عامل ہوتے ہیں۔ مسائل غیر منصوصہ میں کسی ایک امام کے موافق چلتے ہیں اور اس کا التزام نہیں کرتے۔ بعض وقت کسی دوسرے کا اجتہاد بھی لے لیتے ہیں۔ ایسے لوگ ضلالت اور گمراہی کے مسلک میں منسلک نہیں مگر اب چونکہ آپ نے تصریح کر دی ہے کہ ایسے لوگ ہماری بحث سے خارج ہیں' اس لیے آپ کا اور حنفی شافعی کی عمومیت سے جو مغالطہ ہوتا تھا وہ دور ہو گیا۔ والحمد للّٰہ علی اتحاد الکلمتہ ولم الشمالۃ وھو الموافق للحق والصواب والیہ المرجع والمآب۔

کتبہ عبدالقادر عارف گنگوی ضلع حصار

تنظیم اہل حدیث روپڑ جلد ۸' شمارہ ۲۲' مورخہ ۱۰ مارچ سنہ ۱۹۳۹ء

پرویزی مذہب پر تبصرہ

ادارہ طلوع اسلام کی پریشانی اور ایک جدید دین کے ایجاد کی تیاری

ادارہ طلوع اسلام منکرین حدیث کا ایک گروہ ہے۔ جس کا اعتقاد یہ ہے کہ صرف قرآن کریم قطعی اور کامل دین ہے اور قرآن کے ماسوا احادیث اور اقوال سلف صالحین اور تاریخی منقولات کو ظنی اور ناقابل احتجاج قرار دیتا ہے اور ان کا یہ مذہب تمام عرب و عجم کے اہل اسلام کے خلاف بالکل نیا اور جدید ہے۔ جیسا کہ طلوع اسلام کے شائع کردہ "قرآنی فیصلے" میں ان کا اعتراف ہے۔ اس لیے جب ان سے کوئی ایسا سوال ہوتا ہے جس کا جواب قرآنی نص کے علاوہ کسی خارجی دلیل سے دینا ضروری ہوتا ہے تو ان کو بہت پریشانی لاحق ہوتی ہے۔ مثلاً اگر ان سے کہا جائے کہ آپ نماز کس طرح پڑھتے ہیں تو اب ان کو جواب دینا بہت مشکل ہے کیونکہ نماز کا طریقہ معروف جو عرب و عجم میں مسلمانوں کا معمول رہا ہے' وہ تو احادیث نبویہ سے ثابت ہے جن کو یہ لوگ ظنی قرار دے چکے ہیں۔ چنانچہ "قرآنی فیصلے" کے ص-۲۲۱ میں ہے۔ "ہم تاریخ کو ظنی قرار دیتے ہیں اور صرف قرآن کو یقینی۔ اسی نہج سے کتب روایات بھی درحقیقت کتب تاریخ ہی ہیں۔" انتھٰی۔

اور ظنی چیز دین نہیں ہے۔ چنانچہ "قرآنی فیصلے" ص-۲۴۳ میں ہے۔ "دین میں حجت یعنی دلیل واقعی وہی چیز ہو سکتی ہے جو قطعی اور یقینی ہو۔ جو چیز قطعی اور یقینی نہ ہو اسے ظنی کہا جاتا ہے اور کوئی ظنی شے دین میں حجت قرار نہیں پا سکتی۔"

پس نماز کا طریقہ جو تمام اہل اسلام میں رائج ہے وہ ظنی ہوا۔ جو اس نئے طائفہ کے نزدیک دین نہ ہوا۔ لہٰذا اب ان کو قرآن مجید سے قطعی طریقہ سمجھنا مشکل ہوا تو اس میں یہ دیگر فرقوں کے ساتھ مل کر نمازیں ادا کرتے ہیں۔ چنانچہ پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ "میں بھی اسی طرح نماز پڑھتا ہوں جس طرح جمہور مسلمان (فقہ حنفی کے مطابق) نماز پڑھتے ہیں۔ اس فرق کے ساتھ' اگر کہیں فقہ حنفی کے علاوہ دیگر طریق پر بھی نماز ہو رہی ہو تو ان کے ساتھ شامل ہو جانے میں بھی توقف نہیں کرتا۔"

یہ حقیقت ہے کہ نماز جس ہیئت سے اہل اسلام ادا کر رہے ہیں بعینہ اس طرح قرآن عزیز میں موجود نہیں ہے۔ قرآن میں صرف نماز پڑھنے یا قیام کرنے یا رکوع کرنے یا سجدہ کرنے کا مطلق حکم ہے وہ بھی متفرق آیات میں۔ جب نماز کی ہیئت کذائی قرآن میں مذکور نہیں تو ایسے امور میں ان احادیث نبویہ کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے' جن میں قرآنی احکام کی تفصیل و تفسیر ہے اور ان سے یہ نیا طائفہ انکار کرچکا ہے اور یہ کہتا ہے کہ قرآن کامل ہے اور اس کی تفصیل و تفسیر کے لیے کسی غیرچیز کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ جابجا ان کی تحریروں میں یہ ذکر ملتا ہے۔ ایک جگہ "قرآنی فیصلے" کے ص-۵۵ آ پر کسی مہاشہ کو سمجھاتے ہیں۔ "لہذا میں آپ کو یہی مشورہ دوں گا کہ آپ دین اسلام کو سمجھنے کے لیے قرآن پر قناعت کریں اور قرآن ہی پر اپنی تمام تحقیق و تلاش کا انحصار رکھیں اور جو وہ کہتا ہے اس پر عمل کریں۔" انتھیٰ۔

جب قرآن پر قناعت ہے تو نماز کی تعداد اور تعداد رکعت اور پڑھنے کی کیفیت قرآن سے بتائیں۔ پہلے ان کے بھائی چکڑالوی بھی احادیث نبویہ سے اعراض کرکے نماز کے سمجھنے میں ٹکریں مار چکے ہیں مگر کامیاب نہ ہوئے۔ اب یہ بھی تمام جمع ہو کر قرآن سامنے رکھ کر تلاش کریں اور اس سے نماز کی کیفیت ثابت کریں ورنہ مسلمانوں کے دوسرے فرقوں کے ساتھ نمازیں پڑھنے سے شرمائیں کیونکہ اس طرح نماز پڑھنا بے روح ہے اور ایک قومی شعار ہے' دین نہیں ہے۔ جیسا کہ انہوں نے قرآنی فیصلے ص-۳۲ میں لکھا ہے: "یہ چیزیں بے روح اور بے نتیجہ ہونے کی وجہ سے میرے نزدیک دین کے اجزاء ہونے کے بجائے مسلمانوں کا قومی شعار سا بن گئی ہیں۔ چونکہ میں بھی انہی میں سے ایک ہوں اور اپنے آپ کو نہ ان سے الگ سمجھتا ہوں نہ برتر۔ اس لیے میں ان سے الگ ہٹ کر کوئی نیا مذہب ایجاد نہیں کرنا چاہتا۔" انتھیٰ۔

اس سے یہ ظاہر ہے کہ منکرین حدیث کا یہ گمراہ فرقہ باوجودیکہ دیگر مسلمانوں کو گمراہ تصور کرتا ہے مگر پھر بھی انہی کے ساتھ شامل ہے کیونکہ ان کے بغیر ان کو راہ عمل میسر نہیں ہے۔ نماز' روزہ' زکوۃ' حج وغیرہ کوئی عمل نہیں کرسکتے۔ اگر کرتا ہے تو پریشان ہوتا ہے کیونکہ اس کو کوئی دوسری صورت نہیں سوجھتی۔ ورنہ یہ مسلمانوں کے کسی فرقہ کے ساتھ مل کر کبھی عمل نہ کرتا کیونکہ فرقہ بندی کو یہ لوگ شرک قرار

دیتے ہیں۔ چنانچہ قرآنی فیصلے ص-۳۲ میں لکھا ہے۔ "فرقہ بندی قرآن کی رو سے شرک ہے۔"

پس یہ ایک مسلمہ بات ہے کہ تمام اسلامی دنیا فرقوں میں تقسیم ہو چکی ہے تو ان کے نزدیک سب لوگ مشرک ہوئے۔ پس یہ مشرکوں کی اقتداء میں نمازیں پڑھتے ہیں جو سراسر حماقت ہے کہ لوگوں کو مشرک بھی کہتے ہیں اور خود انہی میں سے ایک بن کر مشرک بھی ہیں ۔

این چہ بو العجبی است

پس حقیقت یہ ہے کہ یہ خود راہ حق سے بھٹکے ہوئے ہیں ۔

خلاف پیمبر کسے راہ گزید
ہرگز بمنزل نخواہد رسید

ان کا کام یہ ہے کہ چودہ سو سال سے جو علم و عمل درس گاہوں اور عبادت خانوں میں مسلسل چلا آرہا ہے اس سے نئی روشنی کے لوگوں کو بدظن اور متنفر کیا جائے اور مسلمانوں میں احادیث نبویہ گھناؤنی صورت میں پیش کر کے ذہنی انتشار پیدا کیا جائے اور مرزائی فرقہ کی طرح اسلام میں ایک نیا دین قائم کیا جائے۔ چنانچہ کتاب "قرآنی فیصلے" ص-۲۵۷ میں کوئی فرشی شخص عرش بن کر لکھتے ہیں۔ "سلیم کے نام خط۔ جون سنہ ۵۱ء میں نے آج دوبارہ پڑھا۔ دراصل ان خطوط میں ایک نئے علم کلام کی بنیاد پڑ رہی ہے۔ قرآن کو سمجھنے کے لیے نئے راستے کھل رہے ہیں۔"

نیز ص-۲۵۸ میں ہے۔ "اور ان معانی کی روشنی میں اپنے زمانہ کی علمی سطح کے مطابق قرآن کا مفہوم از سرنو متعین کریں۔" نیز ص-۲۵۹ میں ہے۔ "فطرت کی مروجہ معانی کی تردید میں آپ نے معقول قدم اٹھایا ہے اور جو معنی اپنی طرف سے پیش کئے ہیں وہ قرآن مجید کی صحیح ترجمانی کرتے ہیں۔ اسی طریق پر سارے قرآن کے نہ سہی خاص خاص الفاظ کے معانی تلاش کر لیے جائیں تو آئندہ کے لیے راستہ تیار ہو جاتا ہے۔"

ان عبارتوں سے صاف ظاہر ہے کہ قدیم زمانہ سے جو قرآن کے معانی بروئے احادیث نبویہ و تعامل صحابہ سمجھے گئے اور ان پر اہل اسلام کا تعامل قرناً بعد قرن مسلسل

چلا آیا ہے' ان کے خلاف اپنی طرف سے اور معانی بیان کر کے ایک نیا راستہ تیار کر رہے ہیں جو اپنے زمانہ کے مطابق ہو گا۔ دیگر گمراہ فرقوں نیچریوں' بہائیوں' چکڑالویوں' مرزائیوں وغیرہ نے بھی اسی طرح کیا ہے اور اب یہ لوگ بھی ایک نیا راستہ تیار کر رہے ہیں جو کہ شرالامور ہے ۔

نہ پیروی قیس و فرہاد کریں گے
ہم نیا رستہ اور ہی ایجاد کریں گے

لیکن یہ لوگ یہ راستہ ایجاد کرنے میں بہت پریشان ہیں۔ چنانچہ ص-۲۹۵ میں ہے۔ "ہماری خوش بختی ہے کہ ہمارے ہاں اتنا ذخیرہ موجود ہے جس سے ان الفاظ کے وہ معانی متعین کئے جا سکتے ہیں جو اس زمانہ کے سیدھے سادھے عربوں کے ہاں رائج تھے۔" پھر لکھا ہے: "فلہذا سب سے پہلا کام کرنے کا یہ ہے کہ ایک ایسا لغت مرتب کر دیا جائے جس میں یہ بتایا جائے کہ قرآن کے الفاظ کے اصلی مادے کیا ہیں اور زمانہ نزول قرآن میں یہ الفاظ کن معانی میں استعمال ہوتے تھے۔" پھر خود ہی لکھتے ہیں۔ "میری نگاہ سے قرآن کا کوئی لغت ایسا نہیں گزرا جس میں خصوصیت سے اس انداز سے قرآنی مفردات کے معانی متعین کئے گئے ہوں۔"

پھر ص-۲۹۹ پر لکھا ہے: "قرآن تصریف آیات سے اپنے معانی آپ سمجھاتا ہے۔" نیز اس سے پہلے یہ لکھا ہے: "اس لغت کے مرتب کرنے کے بعد دوسرا مرحلہ قرآنی الفاظ کے مفہوم کو ہمارے دور کی علمی سطح کے مطابق سمجھانا ہو گا۔"

اس تصریح سے یہ امور ظاہر ہوئے کہ (۱) سیدھے سادھے عربوں کے رائج شدہ معانی متعین کرنا۔ (۲) الفاظ کے اصلی مادے بتلانا۔ (۳) زمانہ نزول قرآن کے معانی کا استعمال بتلانا۔ (۴) اپنے دور کے علمی سطح کے مطابق قرآن کا مفہوم سمجھانا۔ پھر ساتھ ہی یہ بھی دعویٰ کرنا کہ قرآن اپنے معانی آپ سمجھاتا ہے۔

اب ناظرین اہل علم غور کر لیں کہ کتب حدیث' کتب لغت' کتب تفسیر قدیمہ سے اعراض کر کے اب نیا مذہب' نیا راستہ' نیا علم' نیا عمل تیار کیا جا رہا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ "میں ان سے الگ ہٹ کر کوئی نیا مذہب ایجاد کرنا نہیں چاہتا۔" یہ صریح فریب کاری اور شریعت الٰہی سے غداری ہے۔

نیز ص-۳۲ پر لکھا ہے کہ "جس قسم کی جزئیات پر ملت کاربند چلی آرہی ہے' انہیں برقرار رکھنا چاہیے- ان میں انفرادی تغیر و تبدل سے نئے فرقے پیدا ہوتے ہیں اور فرقہ بندی قرآن کی رو سے شرک ہے-" پس جس چیز کو شرک کہہ رہے ہیں وہی خود کر رہے ہیں' "کبر مقتا عندالله ان تقولوا مالا تفعلون" (یعنی یہ غضب الٰہی کا موجب ہے کہ تم جو کہتے ہو کرتے نہیں)

پھر ان کی سراسیمگی پر غور کریں کہ اس تجدید دین کے لیے ان کے پاس اتنا ذخیرہ موجود ہے کہ قدیم عربوں کے سیدھے سادھے محاورہ پر قرآن کے معانی متعین کر سکیں گے لیکن ساتھ ہی یہ اعتراف کرتے ہیں کہ "کوئی لغت ایسا نہیں جس میں خصوصیت سے اس انداز سے معانی مقرر کئے گئے ہوں-" اس لیے ص-۲۷۰ پر اس فرقہ کے لیڈر پرویز صاحب اپنا عجز ظاہر کرتے ہیں کہ "میں نہیں کہہ سکتا کہ اس باب میں میں کس حد تک کامیاب ہو سکوں گا- (تا آخر) مجھے اس کا احساس ہے کہ میں جو کچھ کرتا ہوں اس میں غلطیوں کا بھی امکان ہے اور خامیوں کا بھی لیکن میں نے کام کی ابتداء کر دی ہے-"

اب ان بھلے مانسوں سے کوئی پوچھے کہ جب علماء اہل لغت نے یہ سب کام کر دیا ہے تو پھر ان کو اس طرح بے فائدہ مغزمارنے کی ضرورت کیا؟ اور اگر وہ غیر معتبر اور ناقابل اعتماد ہیں تو پھر ان کے پاس ان کی کتابوں کے بغیر اور وسائل کیا ہیں؟

پس ان کا قرآن کے معانی کے لیے تعینات ہونا عبث اور بالکل بے ہودہ ہے- وہ صرف انگریزی داں طبقے اور نئی روشنی کے لوگوں میں ذہنی انتشار پیدا کر کے الخناس ○ الذین یوسوس فی صدور الناس○ کی ڈیوٹی پوری کر رہے ہیں- اعاذنا الله منها ومن الشیطان الرجیم-

ان پرویزیوں سے کسی نے سوال کیا کہ جب احادیث و روایات ظنی اور مخدوش ہیں اور قرآن کے سوا کوئی قطعی چیز دنیا میں نہیں ہے تو پھر تمہارے پاس اس بات کی کیا دلیل قطعی ہے کہ یہ موجودہ قرآن جو مسلمانوں کے پاس ہے اور دن رات درس گاہوں میں پڑھا جا رہا ہے' یہ بعینہٖ حرف بحرف وہی ہے جو رسول الله ﷺ پر نازل ہوا تھا اور آنجناب ﷺ نے وہی مسلمانوں کو دیا تھا اور وہی سارے زمانہ میں بلا تغیر و تبدل

چلا آیا ہے۔ تو اس کا معقول جواب جو ان کے بیان کردہ اصول کے مطابق ہوتا تو یہ پرویز صاحب اور ان کے ہم خیال نہیں دے سکے اور نہ زندگی بھر دے سکتے ہیں۔ انہوں نے جو جواب دیا ہے وہ سفسطہ ہے۔ ایک تو قرآن کا ثبوت قرآن کی آیت سے دیا ہے جس کو مناظرانہ اصطلاح میں "مصادرہ علی المطلوب" کہتے ہیں جو باطل ہے یعنی دلیل بعینہ دعویٰ کی طرف لوٹتی ہے۔ حالانکہ دعویٰ اور دلیل غیر غیر ہوتے ہیں۔ پس جو آیت پیش کریں گے اس پر بھی وہی سوال ہو گا۔ لہٰذا اس سوال کا جواب قرآن سے دینا تو سراسر غلط ہے۔ دوسری دلیل تواریخ اور روایات سے دی ہے جن میں قرآن کے نسخوں کا ذکر ہے' سو یہ دلیل ظنی ہے۔ پس قطعی کو ظنی سے ثابت کرنا یہ سفسطہ ہے' قطعی چیز کو قطعی دلیل سے ثابت کرنا ضروری ہے ورنہ وہ قطعی نہ رہے گی۔ ظنی ثبوت سے ظنی ہو جائے گی اور ان پرویزیوں کا یہ کہنا کہ جو تاریخ یا روایت قرآن کے اصول اور فرمان کے مطابق ہے وہ قطعی ہے' یہ سراسر غلط ہے۔ قرآن پر تو سوال ہے اور تاریخ اپنی جگہ ظنی ہے۔ اس کے صحیح اور غلط ہونے کا معیار قرآن کریم ہے۔ (ص-۲۳۱) تو یہ دلیل بھی دعویٰ کی طرف لوٹتی ہے۔ لہٰذا استدلال صحیح نہیں' صاف سفسطہ ہے۔

ص-۲۳۱ پر لکھا ہے کہ "ہم تاریخ کو ظنی قرار دیتے ہیں اور صرف قرآن کو یقینی۔" لہٰذا قرآن کے ثبوت کے لیے یقینی دلیل پیش کریں ورنہ ان کا اصول اور مذہب مردود ہے اور اہل اسلام جو کتاب و سنت اور "ما انا علیہ واصحابی" پر کاربند ہیں کا مذہب سچا ہے۔ دیگر یہ کہ سائل نے ص-۲۳۲ پر صاف لکھا ہے کہ میرا مطالبہ قرآن کی قطعیت ثابت کرنے کے لیے کسی خارجی دلیل اور قطعی دلیل کا تھا لیکن آپ نے "انا نحن نزلنا الذکر" (الآیہ) سے استشہاد فرمایا ہے۔ جس چیز کی قطعیت اور ثبوت کے متعلق میں نے آپ سے دریافت کیا ہے اس کو دلیل بنا کر پیش کرنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ آگے چل کر تاریخ کی روشنی میں آپ نے قرآن کی قطعیت ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے حالانکہ انہی سطور میں تاریخ کے متعلق آپ کا فتویٰ یہ ہے (کہ وہ ظنی ہے) اب آپ ہی فرمائیں کہ جو چیز خود غیر قطعی ہو وہ دوسری چیز کی قطعیت کی دلیل کیونکر ہو سکتی ہے۔

بہرحال سائل کو تسلی نہ ہوئی کیونکہ جواب باطل اصول پر مبنی ہے جس کی وجہ سے منکرین حدیث کو پریشانی ہے۔ پھر اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ "قرآن کے محفوظ ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔" میں کہتا ہوں یہ بھی غلط ہے۔ رافضی' شیعہ حضرات بعض علماء قرآن کو محرف غیر کامل قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ کتاب الروضہ ص۔۶۱ و کتاب تفسیر صافی ص۔۴۳۰ میں ہے کہ "یہ قرآن کامل نہیں ہے بلکہ خلفاء نے اس میں تغیر و تبدل سے کام لیا ہے۔" اور اصول کافی ص۔۶۷ میں ہے۔ "ان القران لایکون حجۃ" (یعنی قرآن مشکوک ہونے کی وجہ سے ہمارے شیعہ کے لیے قابل حجت نہیں ہے) لہذا پرویزیت کے مذہب میں کوئی چیز بھی قطعی نہ رہی۔ اس لیے وہ ہمیشہ اپنے دعوے میں پریشان رہیں گے۔ فقط

کتبہ العاجز عبدالقادر عارف الحصاری

صحیفہ اہل حدیث کراچی جلد۔۵۳' شمارہ۔۵' ۶' بمطابق یکم و ۱۵ھ ربیع الاول سنہ۔۱۳۴۷ھ

حدیث اور سنت

ایک حنفی مولوی نے حدیث اور سنت کا فرق اور اس سے متعلق چند سوالات کئے ہیں جن کے جواب میں یہ مضمون لکھا گیا ہے:

(سوال) حدیث کسے کہتے ہیں؟

(جواب) لغت عرب و محاورات عربیہ میں بات' گفتگو' نئی چیز اور نبی کریم ﷺ کے فرمودہ کلام اور آپ کی خبر کو حدیث کہتے ہیں اور فتح الباری میں ہے: "اما المراد بالحدیث فی عرف الشرع مایضاف الی النبی صلعم" (یعنی عرف شرع میں حدیث سے مراد وہ بات ہے جو نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب ہو) مولانا عبدالحق محدث دہلوی' مقدمہ شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں "اعلم ان الحدیث فی اصطلاح جمہور المحدثین یطلق علی قول النبی صلعم وفعله وتقریرہ" (یعنی یہ بات جان لے کہ جمہور محدثین کی اصطلاح میں لفظ حدیث جناب نبی کریم ﷺ کے ارشاد اور آپ کے فعل اور تقریر پر بولا جاتا ہے) اور تقریر سے مراد یہ ہے کہ کسی نے کوئی کام کیا' یا کوئی بات کی جبکہ آنحضور ﷺ موجود تھے اور آپ نے اس کو برقرار رکھا' نہ اس سے مخالفت کی اور نہ ہی انکار کیا بلکہ خاموش رہے۔

آپ کے فرمان کو حدیث قولی اور آپ کے فعل کو حدیث فعلی اور آپ کی تقریر کو حدیث تقریری کہتے ہیں۔ لغت میں حدیث کا معنی کلام اور ہر وہ کلام ہے جو انسان تک پہنچ سکے۔ خواہ بذریعہ سماعت خواہ بذریعہ وحی' عالم بیداری میں ہو' یا حالت خواب میں ہو' اس کو حدیث کہا جاتا ہے اور لغات الحدیث جلد-۱' ص-۳۱ میں ہے "حدیث اصطلاح شرع میں آنحضرت ﷺ کے قول یا فعل یا تقریر کو کہتے ہیں" پس لغوی اور اصطلاحی معنوں میں مناسبت ظاہر ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا حدثنا رسول الله صلعم حدیثین یعنی ہم سے امانت کے بارہ میں رسول اللہ ﷺ نے دو احادیث بیان کیں۔ اور ایک روایت میں ہے "اتقوا الحدیث عنی الا ماعلمتم" (یعنی مجھ سے حدیث کی روایت بیان کرنے سے بچتے رہو اور وہ حدیث بیان کرو جس کا تم کو یقینی علم

ہو کہ یہ میری حدیث ہے) اس روایت کی بنا پر محدثین نے یہ اصول مقرر کیا ہے کہ "کل حدیث لیس له اسناد صحیح ولا هو منقولة فی کتاب مصنفة امام معتبر لایعلم ذالک الحدیث عنه صلعم فلا یجوز قبوله" (تذکرۃ الموضوعات ص-۲) (یعنی ہر وہ حدیث جس کی سند صحیح نہ ہو اور نہ ہی وہ کسی معتمد علیہ امام کی کتاب میں منقول ہو اور یہ علم حاصل نہ ہو کہ یہ حدیث آنحضور ﷺ ہی کی ہے تو اس حدیث کا قبول کرنا جائز نہیں ہے۔

حدیث کو خبر بھی کہتے ہیں کیونکہ لغوی لحاظ سے خبر کی حقیقت یہ ہے کہ جو اشیاء بتانے سے معلوم ہوں اس کے جاننے کا نام خبر ہے اور حکائت اور نقل کو اسی واسطے خبر کہتے ہیں کہ اس میں کئی اشیاء کا ذکر کیا جاتا ہے' جن کو معلوم کیا جاتا ہے۔ حدیث میں ہے آنحضور ﷺ نے خزاعہ قبیلہ کے ایک شخص کو جاسوس بنا کر بھیجا "متخبرله ــــ خبر قریش" (کہ وہ قریش کی خبر لا کر دے کہ وہ کیا کارروائی کر رہے ہیں) لغات الحدیث میں ہے کہ خبر اہل حدیث کی اصطلاح میں حدیث کو کہتے ہیں۔ مقدمہ شرح مشکوۃ میں ہے کہ "والخبر والحدیث فی المشهور بمعنی واحد" (یعنی محدثین کی اصطلاح مشہور میں خبر اور حدیث کا معنی ایک ہی ہے۔) حافظ ابن حجر عسقلانی نے شرح نخبہ میں لکھا ہے کہ "الخبر عند علماء الفن مرادف للحدیث" (یعنی علماء محدثین کی اصطلاح میں خبر حدیث کے مرادف ہے) اس لیے جیسے یہ کہا جاتا ہے کہ جاء فی الحدیث' فقہا محدثین یوں بھی کہتے ہیں کہ جاء فی الخبر یعنی حدیث میں یوں آیا ہے۔ دراساۃ اللبیب ص-۲۱۴ میں ہے کہ "انما التقلید اذا لم یکن عندنا قران ولا خبر" (یعنی تقلید صرف اسی وقت ہے' جب ہمارے پاس قرآن اور حدیث موجود نہ ہو۔

اب لفظ حدیث اور لفظ خبر میں گو لغوی لحاظ سے فرق ہے مگر ان میں باہمی مناسبت ایسی ہے کہ وہ اصطلاح میں ایک دوسرے کے مترادف ہو گئے اور یہ صرف محدثین اور فقہا کی اصولی اصطلاح کی رو سے ہے' ورنہ ایام ماضیہ اور سلاطین کے اخبار اور حالات و واقعات کے ذکر کو بھی خبر سے تعبیر کرتے ہیں اور علم حدیث کے ماہر کو محدث اور تواریخ کے ماہر کو اخباری کہتے ہیں لکل ان یصطلح' حدیث کو اثر بھی کہتے ہیں' مگر عام محاورہ میں اثر قول صحابی یا قول و فعل تابعی یا تبع تابعی کو بھی کہا جاتا ہے'

ادعیہ ماثورہ کا معنی ادعیہ مسنونہ آیا ہے۔

(سوال نمبر-۲) سنت کیا چیز ہے؟

(جواب) سنت کا لغوی معنی یہ ہے' راہ' رسم' دستور' طریقہ جاریہ' عادت' (لغات اردو) قرآن میں ہے "سنة الله التى قدخلت من قبل ولن تجد لسنة الله تبديلا" (یعنی اللہ کا دستور حکمت جو پہلے سے چلا آتا ہے' وہ ہرگز تبدیل نہ ہو گا۔) "سنة التى" سے مراد وہ دستور اور طریقہ ہے جو آنحضور ﷺ سے قولاً" یا فعلاً" یا تقریراً" ثابت ہو۔ مسلم الثبوت جلد-۲' ص-۹۷ میں ہے کہ "والسنة لغة العادة وههنا ماصدر عن الرسول صلعم غير القران من قول او فعل اوا تقرير كذا فى شرح المختصر" (یعنی سنت کا لغوی معنی عادت ہے اور یہاں اصولی اصطلاح میں اس سے مراد یہ ہے کہ آنحضور ﷺ سے قولاً" یا فعلاً" یا تقریراً" جو صادر ہوا ہے' سوائے قرآن کے وہ سنت ہے) توجیہہ النظر ص-۳ میں ہے "واما السنة فتطلق فى الاكثر على ما اضيف الى النبى صلعم من قول او فعل او تقرير فهى مرادفة للحديث عند علماء الاصول" (یعنی لفظ سنت اکثر علماء اسلام کی اصطلاح میں اس چیز پر بولا جاتا ہے جو آنحضور ﷺ کی طرف منسوب ہے' خواہ وہ آپ کا قول ہو یا فعل ہو یا تقریر ہو' علماء اصول کے نزدیک لفظ سنت لفظ حدیث کا مرادف ہے)

موافقات جلد-۴' ص-۳ میں ہے "يطلق لفظ السنة علىٰ ماجاء منقولا عن النبى صلعم على الخصوص ممالم ينص عليه فى الكتاب العزيز" (یعنی لفظ سنت کا اطلاق اس چیز پر خاص طور سے آتا ہے' جس کی تصریح قرآن میں نہیں ہے اور وہ نبی کریم ﷺ سے منقول ہے۔) حصول المامول ص-۲۲ میں ہے "اما لغة فهى الطريقة المسلوكة" (یعنی سنت کا معنی لغت کے اعتبار سے یہ ہے کہ وہ طریقہ جس پر اتباع کرتے ہوئے چلا گیا) "واما شرعا" فهى قول النبى صلعم وفعله وتقريره وتطلق بالمعنى العام علىٰ الواجب وغيره فى عرف اهل اللغة والحديث" (یعنی اہل شرع کی اصطلاح میں سنت سے مراد جناب نبی کریم ﷺ کا ارشاد اور فعل اور کسی چیز کو برقرار رکھنا ہے اور عام معنی کے اعتبار سے سنت کا اطلاق واجب وغیرہ پر بھی اہل لغت اور اہل حدیث کے عرف میں آتا ہے۔) پھر کہتے ہیں کہ "واما فى عرف اهل

الفقه فانما يطلقونها على ما ليس بواجب ويطلق على مايقابل البدعة وقيل هى ماوا ظب على فعله النبى صلعم مع تركه بلا عذر" (یعنی اہل فقہ کی اصطلاح میں سنت کا اطلاق غیر واجب چیز پر ہوتا ہے اور اس کا اطلاق بدعت کے مقابلہ میں بھی کیا جاتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سنت وہ کام ہے جس پر آنحضور ﷺ نے ہیشگی فرمائی ہو اور بلا عذر کبھی چھوڑ دیا ہو۔) اور یہ بھی لکھا ہے کہ "وفى الادلة ماصدر عن النبى صلعم من غير القران من قول او فعل او تقرير" (یعنی دلائل شرعیہ کے اعتبار سے سنت کا اطلاق اس چیز پر ہے جو قرآن کے علاوہ نبی کریم ﷺ کے قول یا فعل یا تقریر سے صادر ہوئی ہو۔)

امام حنفیہ شیخ ابن ہمام فتح القدیر جلد۔ا' ص-۲۰۵ میں لکھتے ہیں "السنة واظبه بنفسه" اور خلاصہ کیدانی ص-۴ میں ہے "السنة ماواظب النبى صلعم" (یعنی سنت وہ کام ہے جس پر نبی کریم ﷺ نے بنفس نفیس مداوت کی ہو۔) ہدایہ میں رفع یدین مع التکبیر پر لکھا' "وهو سنة لان النبى صلعم واظب عليه" (رفع یدین مع التکبیر سنت ہے کیونکہ آنحضور ﷺ نے اس پر ہیشگی کی ہے۔)

میں کہتا ہوں کہ جس چیز پر آنحضور ﷺ نے مداوت کی ہے اور کبھی اس کو ترک نہیں کیا اس کو حنفیہ واجب بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ ادائے جمعہ کی ان کے نزدیک ایک شرط خطبہ ہے۔ اس کو وہ فرض سمجھتے ہیں۔ اس کی دلیل ہدایہ میں یہ لکھی ہے کہ "ماصلاها بدون الخطبة فى عمره" (یعنی آنحضور ﷺ نے اپنی عمر میں کوئی جمعہ بغیر خطبہ کے نہیں پڑھا۔) کفایہ شرح ہدایہ میں اس پر لکھا ہے' "ولوجاز ذالک لترک مرة تعليما للجواز" نیز مولانا عبدالحی لکھنوی حاشیہ ہدایہ میں .... ہیں "فلولم يكن واجبا لتركه مرة تعليما للجواز" (یعنی اگر جمعہ کا خطبہ واجب نہ ہوتا تو آپ جواز کی تعلیم کے لیے ایک بار ضرور چھوڑتے۔)

اب اس سے سنت اور واجب کی تعریف ایک ہو گئی حالانکہ دونوں میں فرق ہے' پھر اس صورت میں لازم آتا ہے کہ فرائض نماز کی چار رکعتوں کی دو آخری رکعتوں اور تین کی ایک آخری رکعت میں سورہ فاتحہ واجب ہو' کیونکہ آنحضور ﷺ نے اس پر ہیشگی کی ہے' ترک ایک بار بھی ثابت نہیں ہے۔ لیکن حنفیہ کہتے ہیں کہ نہ واجب

ہے اور نہ سنت موکدہ بلکہ ان میں تسبیح پڑھنا اور بالکل چپ ہو کر کھڑے رہنا بھی جائز ہے۔ بہرحال سنت سے مراد علماء شرع کے نزدیک وہ طریقہ مشروعہ ہے جو آنحضور ﷺ سے قولاً" یا فعلاً" و تقریراً" ثابت ہو۔ اس کا نام سنت النبی یا سنت الرسول ہے۔ دراسات اللبیت ص-۲۵۹ مطبوعہ کراچی میں ہے "ان السنة کل فعل وعمل اتی به النبی صلعم من امور الدنیا والاخرة ولیست الدنیا اذا طرزت بطراز السنة دینا" (یعنی سنت ہر وہ کام ہے خواہ وہ امور دنیا سے ہو یا آخرت سے' جس کو نبی کریم ﷺ نے کیا ہے' جس کام پر سنت نبوی کا نقش و نگار ہو گیا وہ کام دنیا کا نہ رہا' دین کا ہو گیا۔)

سنت کا اطلاق حدیث پر ⇦ اہل اصول کی اصطلاح میں سنت کا اطلاق حدیث نبوی پر ہوتا ہے کیونکہ دونوں لفظوں کی اصطلاحی تعریف ایک ہی ہے۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ قرآن و سنت یا کتاب و سنت سے تمسک کرو تو اس سے قرآن و حدیث مراد ہوتے ہیں۔ مثلاً فتوح الغیب میں شاہ جیلانی نے فرمایا کہ "اجعل الکتاب والسنة اما مالک وانظر فیهما بتامل وتدبر واعمل بهما ولا تغتر بالقال والقیل والهوس" (یعنی کتاب و سنت کو اپنا پیشوا بنا لو اور ان میں ہی غور و فکر سے نظر کرتے رہو اور ان دونوں پر ہی اپنے عمل کا دارومدار رکھو اور کسی کے قول اور خواہش سے دھوکہ نہ کھاؤ۔ نیز یہ لکھا ہے کہ "والسلامة مع الکتاب والسنة والهلاک مع غیرهما بهما یرتقی العبد الی حالة الولایة والبدلیة" (یعنی انسان کی سلامتی قرآن و حدیث کے ساتھ ہے اور ان کے ماسوا کے ساتھ رہنے میں ہلاکت ہے۔ قرآن و حدیث کے ذریعہ ہی بندہ حالت ولائت اور بدلیت کو پہنچتا ہے۔)

آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ "ترکت فیکم امرین لن تضلوا ماتمسکتم بهما کتاب الله وسنة رسوله" (یعنی میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں' اگر ان کو مضبوط پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو سکو گے' وہ قرآن و حدیث ہیں۔) نور الانوار ص-۱۷۳ میں ہے "السنة تطلق علی قول الرسول وفعله وسکوته وعلی اقوال الصحابة وافعالهم" (یعنی سنت کا اطلاق رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل و تقریر پر اور اقوال صحابہ اور ان کے افعال پر آتا ہے۔) میں کہتا ہوں کہ اسی طرح حدیث کا اطلاق

ہے۔ صرف یہ فرق ہے کہ حدیث نبوی کو مرفوع کہتے ہیں اور قول و فعل صحابی کو حدیث موقوف کہتے ہیں۔ اصول حدیث میں تمام اقسام پر مفصل بحث ہے۔ دراسات اللبیب ص ۴۷ میں ہے "والمراد من قولنا شیئی من السنة یعم الحدیث الضعیف واقوال الصحابة الموقوفة" (یعنی ہماری مراد سنت سے عام ہے جو حدیث ضعیف اور اقوال صحابہ موقوفہ کو بھی شامل ہے) مطلب یہ ہے کہ لفظ سنت اور حدیث کا اطلاق ایک ہی ہے۔ البتہ ان کے اقسام میں مراتب کا فرق ہے۔

ترجمان السنہ میں بحوالہ موافقات ج۔۴' ص۔۱۰ لکھا ہے کہ "فکان السنة بمنزلة التفسیر والشرح لمعانی احکام الکتاب" (یعنی حدیث قرآن کی تفسیر ہے جس سے قرآن کے احکام کی تشریح ہو جاتی ہے۔) نیز یہ لکھا ہے کہ "کون السنة قاضیة علی الکتاب انها مبینه له فلا یوقف علی اجماله واحتماله ..... لا انها مقدمة علیها" (یعنی سلف کے اس قول کا کہ حدیث قرآن پر قاضی ہے یہ مطلب ہے کہ قرآن کے احکام اور اس کے اجمال کی تشریح و تفصیل کرتی ہے۔ جب کئی احتمال کسی لفظ سے ظاہر ہوں تو وہ ایک کا یقین کرا دیتی ہے۔) اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حدیث کا درجہ قرآن پر مقدم ہے۔ اسی وجہ سے امام اوزاعی نے یہ کہا ہے کہ "الکتاب احوج الی السنة" (یعنی قرآن حدیث کی طرف محتاج ہے۔) حدیث حسان میں ہے کہ "کان جبریل ینزل علی النبی صلعم بالسنة کما ینزل علیه بالقران" (یعنی جبرئیل آنحضور ﷺ پر جس طرح قرآن لے کر اترتا تھا اس طرح حدیث لے کر بھی اترتا تھا۔) مثلاً ایک شخص نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ آپ یہ بتائیں کہ اگر میں اللہ کے راستہ میں شہید ہو جاؤں تو کیا میرے گناہ معاف ہو جائیں گے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں' اگر تو صابر اور محتسب رہ کر اور آگے بڑھنے والا ہو کر قتل ہوا اور پشت پھیرنے والا نہ ہوا تو یہ درجہ پائے گا۔ یہ حکم تو قرآن سے ماخوذ تھا۔ آپ نے دوبارہ اسے سوال دھرانے کا حکم دیا اور اس نے سوال دہرایا تو آپ نے وہی جواب ارشاد فرمایا کہ یہ جملہ پھر بڑھایا کہ "لا الدین" یعنی اگر اس شہید مقتول نے کسی کا قرضہ دینا ہو گا تو وہ معاف نہ ہو گا اور پھر آپ نے یہ فرمایا "فان جبریل علیه السلام قال لی ذالک" (یعنی جرائیلؑ نے مجھ سے ابھی ابھی یہ کہا ہے۔) یہ واقعہ صحیح مسلم میں ہے۔ اسی طرح

مشکوۃ کے شروع میں جرائیلؑ کا آنا اور اسلام' ایمان' احسان' علامات قیامت کی بابت سوالات کرنا اور اس طریقہ سے دین سکھلانا مذکور ہے۔ مشکوۃ میں زمین کا بہترین مقام مسجد بتانے میں جرائیلؑ کا ذکر ہے۔ نیز ایک حدیث میں صلوات خمسہ میں امامت کرانا جرائیلؑ کا اور نماز کی کیفیت اور اس کے اوقات بتلانا مذکور ہے۔ ایک حدیث میں ہے "ماجاء نی جبرئیل الا اوصانی بالسواک" (جرائیلؑ جب بھی آیا مجھے مسواک کرنے کی تاکید کرتا رہا۔)

۔۔۔۔۔ بعض احادیث میں جرائیلؑ کا ذکر ہے اور بعض میں نہیں ہے۔ مگر وہ بھی اسی وحی خفی پر محمول ہیں۔ باصول قرآن کریم کہ "وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ" (یعنی ہمارا نبی دینی امور میں بغیر وحی کے کلام نہیں کرتا ہے۔) بعض جگہ آپ نے قرآن سے مسائل کا استخراج کیا' وہ بھی وحی الٰہی پر مبنی ہیں۔ جہاں فہم قرآن میں لغزش ہوئی تو اس کی اصلاح کر دی گئی۔ بہرحال سنت کا اطلاق حدیث پر وارد ہے اور اس لحاظ سے سنت کا معنی حدیث کے مترادف قرار دیا گیا ہے اور محدثین نے جو کتب حدیث میں اعتصام بالکتاب والسنۃ بیان کیا ہے' اس سے قرآن و حدیث ہی سے تمسک کرنا مراد ہے۔ گو سنت کا معنی طریقہ اور عادت اور حدیث کا معنی "مایتحدث بہ وینقل" ہے یعنی وہ چیز جس کو بیان کیا جائے اور جس کو نقل کیا جائے' لغت کے لحاظ سے تو تباین ظاہر ہے' مگر طریقہ مشروعہ' امر مسنون' کلام نبویؐ سے ظاہر ہو گا یعنی آپ کے قول سے یا فعل سے یا تقریر سے۔ اس لیے اس طریقہ کو مسنون اور جس کلام میں سے یہ طریقہ ثابت ہوتا ہے اس کو حدیث کہتے ہیں۔ آپس میں مناسبت صاف ظاہر ہے۔

(سوال نمبر۔۳) سنت اور حدیث کے لفظوں میں کون سی نسبت پائی جاتی ہے؟

(جواب) واضح ہو کہ جب ادلہ ۔۔۔ کی رو سے حدیث کو سنت اور جس کلام سے وہ سنت ثابت ہے اس کو حدیث کہنے کا محاورہ عام ہو گیا تو ان میں نسبت تساوی ظاہر ہو گئی کیونکہ ان میں ترادف پایا گیا اور یہ الفاظ باہم ہم معنی ہو گئے۔ گو خاص خاص صورتوں میں یہ اپنی اپنی جگہ خاص معانی میں بھی استعمال ہوتے رہے لیکن عہد

نبوی سے لے کر اب تک سنت اور حدیث کا ایک دوسرے پر اطلاق چلا آرہا ہے۔ فتح الباری ج-۱، ص-۱۷ میں ہے کہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے تمام صوبوں کے گورنروں کو یہ حکم دیا تھا کہ "انظروا حدیث رسول الله صلعم فاجمعوه" (یعنی رسول اللہ ﷺ کی حدیث تلاش کر کے جمع کرو) اور تذکرۃ الحفاظ میں ہے کہ "امرنا عمر بن عبدالعزیز بجمع السنن فکتبناها دفترا" (یعنی سعد بن ابراہیم کہتے ہیں کہ ہم کو خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے احادیث کے جمع کرنے کا حکم دیا، ہم نے ایک دفتر لکھ ڈالا) سنن جمع سنت کی ہے، اس سے حدیث مراد ہے، پس ترادف پایا گیا۔ علامہ سلیمان لاہوری مفتاح الاصول میں فرماتے ہیں "وکثیرا مایقع فی کلام اهل حدیث ومنهم العراقی مایدل علی ترادفهما" (یعنی کلام اہل حدیث میں جس میں ایک امام عراقی بھی ہیں، ایسا محاورہ بہت واقع ہے جو کہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حدیث اور سنت دونوں مترادف ہیں۔)

نواب صدیق حسن خان صاحب محدث بھوپالی منہج الاصول ص-۹ میں فرماتے ہیں: اولی آنست (یا آلست) کہ لفظ سنت راہمہ مثل لفظ حدیث خاص بجانب نبوت دراند۔

سنت کا اطلاق ⇦ سنت کا اطلاق لغوی لحاظ سے غیر طریقہ نبویہ پر بھی آیا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے "لیس منا من عمل لسنة غیرنا" (یعنی جو غیر مسلم اقوام کے طریقہ پر چلے گا وہ ہم مسلمانوں سے نہیں ہے۔ مشکوۃ میں حدیث ہے "اول من سنن القتل" (یعنی آدم کے اول بیٹے نے قتل کا طریقہ جاری کیا ہے) نیز حدیث میں مبتغ فی الاسلام "سنة الجاهلية" کو مبغوض فرمایا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نماز باجماعت میں ایک بار مقتدی مسبوق تھے۔ انہوں نے بعد فراغت آنحضور ﷺ سے باقی نماز کو کھڑے ہو کر پورا کر لیا۔ تب آنحضور ﷺ نے فرمایا "قدسن لکم معاذ" (یعنی معاذ نے تمہارے لیے طریقہ بنا دیا) اب معاذ رضی اللہ عنہ کا طریقہ جناب کی زندگی میں طریقہ مشروعہ تو نہیں بن سکتا تھا۔ اس لیے آپ نے اس پر عمل کرنے کا حکم دیا کہ "فاصنعوا" تم بھی اسی طرح عمل کرو، اب یہ طریقہ نبویہ ہو گیا۔ ہمارے لیے سنت نبویہ حجت اور واجب العمل ہے۔ اس لیے صحابہ کرام جب سنت کا لفظ مطلق استعمال کریں گے تو اس

سے طریقہ نبویہ مسلوکہ مراد ہو گا۔ جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے "الوتر لیس بحتم کھیئۃ المکتوبۃ ولکنہ سنۃ" (یعنی نماز وتر فرض نہیں ہے' سنت ہے) ابن الزبیر نے کہا "صف القدمین ووضع الید علی الید من السنۃ" (یعنی نماز میں دونوں قدم برابر رکھنے اور ایک ہاتھ کا دوسرے ہاتھ پر رکھنا سنت ہے) اور جگہ ایک صحابی نے کہا "حذف السلام سنۃ" (یعنی اسلام مختصر کہنا سنت ہے) سجدہ میں قدمین پر اقعا کرنے کو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سنت کہا ہے کہ "ھی سنۃ نبیک صلعم" اور ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو کہا "ان سنۃ الصلوٰۃ ان تنصب رجلک الیمن وتثنی الیسری" (یعنی نماز کا سنت طریقہ یہ ہے کہ جب قعدہ کرے تو دایاں پاؤں کھڑا کرے اور بایاں کو موڑے) محمد بن سلمہ نے کہا کہ "السنۃ علی الجنائز ان یکبر الامام ثم یقرا ام القران فی نفسہ ثم یدعو ویخلص الدعا للمیت" (یعنی جنازہ پڑھنے کا طریقہ نبویہ یہ ہے کہ امام پہلے تکبیر کہے پھر فاتحہ آہستہ پڑھے (پھر تکبیر کہہ کر) دعا کرے اور میت کے لیے خالص دعا کرے) اور یہ حدیث مختصر ہے۔ حدیث ابوامامہ میں تمام تکبیرات اور قراۃ القران اور درود اور سلام کا مفصل ذکر بلفظ سنت مذکور ہے۔ تراویح کے متعلق خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "سنت قیامہ" (یعنی میں تمہارے لیے تراویح نماز کو سنت ٹھہراتا ہوں) یہی وجہ ہے کہ بیس تراویح میں سے فقہا حنفیہ آٹھ کو مسنون اور باقی کو مستحب کہتے ہیں۔ درالمختار میں ہے "ان مقتضی الدلیل کون المسنونۃ منھا ثمانیۃ" خلاصہ کلام یہ ہے کہ لفظ سنت کا مطلق ہو تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر محمول ہوتا ہے۔ اکثر علماء کا مذہب یہی ہے۔ دستور العلماء ج-۲' ص-۵۱ میں ہے "ثم ان العلماء اختلفوا' فی ان السنۃ عند الا طلاق ھل تختص لسنۃ الرسول صلعم او تعمھا وغیرھا فذھب المتقدمون منا وھو صاحب المیزان ومن اطتاخرین واصحاب الشافعی رحمہ اللہ وجمھور اھل الحدیث الی الاول والباقون الی الثانی' الا" (یعنی علماء کا اس بارہ میں اختلاف ہے کہ لفظ سنت مطلق بولا جائے تو اس سے خاص سنت رسول مراد ہوتی ہے۔ یا یہ عام ہے اور غیر نبی کے طریقہ کو بھی شامل ہے تو علماء متقدمین مثل امام صاحب المیزان (شعرانی) اور علماء متاخرین اور اصحاب شافعی اور جمہور اہل حدیث تو یہ کہتے ہیں کہ سنت سے سنت رسول ہی مراد ہے اور باقی عام مراد رکھتے ہیں۔)

سنت کی اقسام ⇦ سنت حکم کے اعتبار سے دو قسم ہے۔ ایک فریضہ' دوم غیر فریضہ یعنی مستحبہ۔ چنانچہ مجمع الزوائد میں حضرت ابوہریرہ ﷛ سے مروی ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ سنت کے دو نوع ہیں ایک فریضہ اور دوسری غیر فریضہ۔ فریضہ وہ ہے جس کا اصل کتاب اللہ میں ہے "اخذها هدى وتركها ضلالة" (اس پر عمل کرنا ہدایت ہے اور اس کو چھوڑ دینا گمراہی ہے) اور غیر فریضہ وہ ہے کہ اس کا اصل کتاب اللہ میں نہیں ہے (یعنی وہ عادات کے قسم سے ہیں) "الاخذبها فضيلة وتركها ليس بخطيئة" (ان پر عمل کرنا موجب ثواب ہے اور ان کا ترک کرنا گناہ نہیں ہے) فقہا حنفیہ نے سنت کی تقسیم کئی اعتبار سے کی ہے۔ ایک سنت عین' دوم سنت کفایہ۔ سنت عین کی بابت یہ لکھا ہے "يسن لكل واحد من المكلفين بعينه" (یعنی سنت عین یہ ہے کہ تمام مکلفین کے لیے اس کا ادا کرنا ضروری ہے) اور سنت کفایہ یہ ہے کہ چند شخص ادا کر دیں تو سب کی طرف سے ادا ہو جائے۔ اس کی مثال نماز تراویح ہے کہ مطلق نماز تراویح پڑھنا سنت عینی ہے' جو ہر شخص کو پڑھنی ہو گی اور جماعت سے پڑھنا سنت کفایہ ہے۔ ایک محلہ کے چند شخص جماعت سے پڑھ لیں گے تو سب کی طرف سے یہ سنت کافی ہو گی۔ اگر تمام محلہ یا شہر جماعت تراویح کا تارک ہوا تو سب گنہگار ہوئے پھر سنت حکم کے لحاظ سے دو قسم ہے۔ ایک موکدہ' دوم غیر موکدہ یعنی مستحبہ جس کو سنت الزوائد بھی کہتے ہیں۔

سنت موکدہ وہ ہے جس کو ادا کرنا لازم ہے اور اس کا تارک گنہگار ہے اور سنت مستحبہ کا کرنا موجب ثواب ہے۔ اس کا تارک گنہگار نہیں ہے پھر ایک اور لحاظ سے سنت کی دو قسم ہیں۔ ایک عبادی' دوم عادی۔ جو کام آنحضور ﷺ نے مذہبی طور پر بہ نیت ثواب کیا وہ عبادی ہے اور جو کام ذاتی ضرورت یا دنیا کی مصلحت یا وقتی حاجت کے لیے کیا وہ عادی ہے۔ بہرحال یہ اصولی اور مذہبی اصطلاحات ہیں' لكل ان يصطلح۔

سنت کے تارک کا حکم ⇦ ہر مذہب کے اصول کے لحاظ سے تفصیل مذکورہ بالا سے تارک سنت کا حکم بھی معلوم کیا جا سکتا ہے' مگر یہاں کچھ تفصیل مزید عرض ہے۔

ایک حدیث ابن ماجہ میں ہے کہ "من لم يعمل بسنتى فليس منى" (یعنی جس شخص نے میری سنت پر عمل نہ کیا وہ میری جماعت سے نہیں) یہ حدیث مطلق ہے'

جس میں ہر سنت واجبہ اور مستحبہ آسکتی ہے لیکن مورد سے معلوم کرنا چاہیے کہ یہاں کون سی سنت مراد ہے۔ سو ابن ماجہ نکال کر دیکھیں' آنحضور ﷺ نے فرمایا ہے' "النکاح من سنتی فمن لم یعمل بسنتی فلیس منی" (یعنی نکاح کرنا میری سنت ہے جو میری سنت پر عمل نہ کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے) اس حدیث میں سنت سے مراد طریقہ ہے یعنی میرا شرعی طریقہ نکاح کر کے زندگی گزارنا ہے۔ تبتل اور رہبانیت اسلام میں نہیں ہیں اور نہ تجرد سے زندگی گزارنا شرع محمدی میں جائز ہے' جبکہ نکاح میسر ہو اور اس کے کرنے کی قدرت طبعی حاصل ہو درست ہے (تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں) مطلب حدیث کا یہ ہے کہ "من ترک طریقتی واخذ طریقة غیری من الرهبانية والتبتل فلیس منی" فتدبر۔

حدیث "من رغب عن سنتی" کا بھی یہی مطلب ہے' نکاح وہ سنت فریضہ ہے جس کا اصل قرآن میں ہے۔ اس کا ترک بلاارادہ جرم ہے۔ اس لیے حدیث میں ہے "من کان موسرا لان ینکح ثم لم ینکح فلیس منی (رواہ الطبرانی باسناد حسن) (یعنی جو نکاح کی وسعت رکھتا ہے' پھر نکاح نہیں کرتا تو وہ مجھ سے بے تعلق ہے۔) آنحضور ﷺ نے جن لوگوں کو یہ فرمایا تھا کہ "فمن رغب عن سنتی فلیس منی" جس شخص نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں ہے۔ اس کا مورد بھی یہ ہے کہ ایک شخص نے یہ کہا تھا کہ "انا اعتزل النساء فلا اتزوج ابدا" (یعنی میں عورتوں سے علیحدہ رہوں گا اور کبھی نکاح نہ کروں گا) اس لیے شرح میں اس کا یہ معنی کیا ہے "فمعناه لیس علی طریقتی بل مال بذالک الی طریقة الرهبانية فانهم الذین ابتدعوا التشدید وطریقة اللاسلام علی خلافها" مطلب اس کا پہلے گزر چکا ہے۔

مشکوۃ اور ترغیب میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث مروی ہے کہ چھ شخصوں پر میری اور ہر نبی مستجاب الدعواۃ کی لعنت ہے۔ ان میں آخری یہ بیان ہے' "والتارک لسنتی" (یعنی میری سنت کے تارک پر بھی لعنت ہے) اس سے وہ شخص مراد ہے جو حدیث نبوی کا مطلق تارک ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے' "العلم ثلاثه ایة محکمة اوسنة قائمة او فریضة عادلة" یعنی علم شرعی تین چیزیں ہیں' آیت محکمہ' سنت ثابتہ (اسناد و متن سے) اور فریضہ عادلہ (یعنی علم الفرائض) یہاں

سنت کا اطلاق حدیث پر وارد ہے' کماتقدم' اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ اس حدیث لعن میں ان گمراہ لوگوں کا ذکر ہے جو گمراہ فرقوں میں ہیں۔ مثلاً زائد فی کتاب اللہ۔ چنانچہ مرزائی آیات بڑھا رہے ہیں' رافضی بڑھا رہے ہیں' اہل قرآن وغیرہ بھی اور مکذب بقدر اللہ سے قدریہ فرقہ کے لوگ مراد ہیں' مسلط سے مراد امر ظلم وجور گمراہ فرقوں کے ہیں اور حرم میں بھی گمراہ لوگ شکار کو حلال کر کے بیت اللہ کی بے حرمتی کریں گے اور آنحضور ﷺ کی عزت کے مستحل پیدا ہونے والے بدعتی پیر اور مشرک سید ہیں' جنہوں نے شرعی حرموں کو صاف حلال کر لیا ہے' یہ بھی ملعون ہیں۔ انہی گمراہ فرقوں کے ساتھ تارک سنت وہ لوگ ہیں جو اہل قرآن' نیچری' پرویزی ہیں۔ جنہوں نے احادیث کو عناداً" و استخفافاً" چھوڑ دیا ہے' ورنہ سنت مستحبہ مستحبہ کا تارک بالاجماع ملعون نہیں ہے یا وہ نام کے مسلمان اور اہل سنت کہلانے والے مراد ہیں جو سنت نبوی' شعار اسلام' داڑھی وغیرہ کو استخفافاً" ترک کرتے ہیں اور عاملین پر استہزا کرتے ہیں۔ اس لیے اس کے مقابلہ میں امت کو یہ حدیث سنائی گئی جو ترغیب ج-۱' ص-۴۱ میں ہے' جس کا آخری جملہ یہ ہے کہ "انی ترکت فیکم ما ان اعتصمتم بہ لن تضلوا بعدہ کتاب اللّٰہ وسنۃ نبیہ" (رواہ الحاکم وقال صحیح الاسناد) یعنی میں نے تم میں وہ چیزیں چھوڑی ہیں جن کو تم مضبوط پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے' وہ کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ ﷺ ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مستحل من العترۃ سے مراد خلاف شرع چلنے والے سادات ہیں اور تارک السنۃ سے احادیث کے منکرین اور تارکین بالاستخفاف ہیں' ورنہ نوافل وغیرہ اور مستحبہ کے تارک کو کسی نے ملعون قرار نہیں دیا۔ مثلاً مسواک سنت ہے اگر کوئی مسواک کے بغیر وضو کرے گا تو کسی کے نزدیک بھی ملعون نہیں ہے۔ ہاں جو سنن اسلام شعار اسلام ہیں' ان کا تارک ملعون ہے۔ مثلاً اذان شعار اسلام ہے' اس کا تارک ملعون ہے۔ چنانچہ ایک گاؤں کے سکھوں نے اپنے ماتحت مزارعین سے کہا کہ حقہ یا اذان ان میں سے ایک کو چھوڑ دو' ورنہ تم سے اراضی واپس لے لی جائے گی۔ تب انہوں نے باہم مشورہ کر کے اذان چھوڑ دی اور حقہ پسند کر لیا' پس ایسے لوگ ملعون ہیں۔ اسی طرح آج جنہوں نے قربانی جیسے شعار اسلام کو ترک کر دیا اور کہا کہ اس کے برابر روپیہ صدقہ کر دو' حیوان

ذبح کرنا ضروری نہیں ہے' ایسے لوگ ملعون ہیں۔ الغرض تارک سنت سے مراد معرض اور استخفاف کرنے والے ہیں نہ کہ کسی وقت سستی سے یا غفلت سے چھوڑنے والے' فتفکر۔ یہی مطلب ان احادیث کا ہے "من ترک السنة فقد کفر' لو ترکتم سنة نبیکم لکفرتم" یعنی جس نے سنت کو چھوڑا وہ کافر ہوا۔

(سوال نمبر۔۴) حضور ﷺ نے یہ کیا فرمایا "علیکم سنتی؟" یہ نہ فرمایا "علیکم بحدیثی؟" اس میں کیا راز ہے؟

(جواب) عربی محاورہ میں سنت کا معنی طریقہ مسلوکہ ہے اور ہر دین اور مذہب کے طریقے جدا جدا ہیں۔ جن پر لوگ چلتے ہیں اور ان کی پیروی کرتے ہیں۔ چنانچہ جاہلیت کے کئی طریقے تھے۔ یہودیوں کے الگ' عیسائیوں کے الگ' مشرکین بت پرستوں کے الگ۔ اسلام نے تمام طریقے مردود کر دیئے اور ایک اسلامی طریقہ باقی رکھا جو آنحضور ﷺ کا معمول تھا' پس آپ کو بحکم "لقد کان لکم فی رسول اللّٰه اسوة حسنة" تمام مسلمانوں کے لیے نمونہ عمل بنا دیا گیا۔ اس لیے آپ نے فرمایا کہ "علیکم بسنتی" تم میرے طریقہ کو لازم پکڑ لو' اور دیگر مذاہب کے طریقے چھوڑ دو وہ مبغوض ہیں۔ حدیث میں آنحضور ﷺ نے تین شخصوں کو "ابغض اناس" فرمایا ہے۔ ایک ان میں سے یہ ہے "مبتغ فی الاسلام سنة الجاهلية" یعنی اسلام میں طریقہ جاہلیت کا ڈھونڈنے والا۔ مثلاً جب کسی گھر میں موت واقع ہو تو سنت نبویہ یہ ہے کہ صبر کرے' انالله پڑھے' میت کے حق میں دعا کرے' اس کا جنازہ کفن دفن کرے اور طریقہ جاہلیت یہ ہے کہ نوحہ کرے' گریبان چاک کرے' رخساروں پر ہاتھ مار کر واویلا کرے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت جاہلیت کے چار کام اختیار کرے گی۔ ان میں نیاحت اور استقاء بالنجوم کو شمار کیااور یہ بھی فرمایا کہ "لیس منامن شق الجیوب وضرب الخدود ودعا بدعوی الجاهلية" یعنی وہ شخص ہم سے نہیں ہے جو مصیبت کے وقت گریبان پھاڑے اور رخساروں کو پیٹے اور جاہلیت والے بین کرے' پس جاہلیت کے طریقوں سے بچانے کے لیے طریقہ مشروعہ نبویہ کے لازم پکڑنے کا حکم دینا ہی مناسب تھا۔ نیز "علیکم بسنتی" سے پہلے یہ ارشاد بطور پیشگوئی فرمایا کہ "من یعش منکم بعدی فسیری اختلافا کثیرا" یعنی جو شخص تم میں سے میرے بعد زندہ

رہا تو وہ بہت اختلاف دیکھے گا یعنی لوگ کئی طریقے اختیار کریں گے' کئی نئے رستے نکل لیں گے۔ چنانچہ خوارج حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وقت میں ہی پیدا ہو گئے تھے اور شیعہ مذہب کی بنیاد بھی پڑ گئی تھی۔ اس لیے علیکم بسنتی فرمایا گیا اور جب ہر گروہ سنت نبوی کا دعویٰ کرے تو اس کی تشریح سنة الخلفاء الراشدین کے الفاظ سے کر دی کہ میرے طریقہ کا نمونہ خلفاء راشدین کے مجموعہ عمل سے معلوم کر لینا ہو گا۔ کیونکہ بعض اعمال ذات نبوی سے مخصوص تھے' جیسے نو عورتوں سے بیک وقت نکاح' صوم وصال وغیرہ۔ اس لیے سنة الخلفاء سے جو عمل خاصہ رسول ہے وہ مستثنیٰ ہو جائے گا بلکہ فرقہ ناجیہ کی تعریف میں "ماانا علیه واصحابی" فرما کر آپ نے تمام صحابہ کو بھی اپنے اعمال و اقوال کی تفسیر بنا دیا ہے۔ پس اس حدیث میں علیکم بحدیثی جملہ مناسب نہ تھا کیونکہ حدیث تو اس کلام سے تعبیر ہے جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و فعل اور تقریر مذکور ہوتی ہے اور سنت اس سے عام ہے۔ اس سے وہ طریقہ مسلوکہ بھی مراد ہوتا ہے جس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام بلاشتراک تعامل رکھتے رہے۔ چنانچہ علامہ ابن ملک شرح منار الاصول میں فرماتے ہیں "السنة تطلق علی قول الرسول صلعم وفعله وسکوته وطریقة الصحابة والحدیث والخبر مختصان بالاول کذا فی نور الایضاح" (یعنی سنت کا اطلاق قول و فعل' و سکوت نبوی اور طریقہ صحابہ پر کیا جاتا ہے) اور حدیث اور خبر صرف اقوال و افعال و سکوت نبوی سے خاص ہیں۔ اس کے لیے یہ حکم ہے کہ "فاذا امرتکم بشئی فخذوا منه مااستطعتم واذ نهیتکم عن شئی فانتهوا" (یعنی جب میں تم کو کسی چیز کے کرنے کا حکم کر دوں' تو حتی المقدور اس پر عمل کرو اور جس سے منع کر دوں تو اس سے باز آجاؤ) اس سے ظاہر ہوا کہ حدیث کی تعمیل کے لیے جدا حکم فرمایا کہ اس میں احادیث نہی کی تعمیل بھی داخل ہے اور اوامر کی بھی اور علیکم بسنتی سے طریقہ معمول بہا مراد ہوا جن پر آپ اور آپ کے صحابہ عامل رہے۔ اس کے مقابلہ میں جو طریقہ ہے وہ شرکیہ و بدعیہ ہے۔ اس لیے یہ فرمایا کہ "ایاکم ومحدثات الامور" کہ بدعی امور سے بچو کیونکہ جو نئی چیز ہے وہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ یہ دونوں ارشاد ایک ہی حدیث میں ہیں' جس سے سنت اور بدعت کا تعارف بھی حاصل ہو جاتا ہے کہ بدعت وہی کام ہے

جس پر آنحضور ﷺ اور آپ کے خلفاء راشدین کے عہد میں تعامل نہ ہوا۔ پس عرس مروجہ، میلاد محدثہ، تیسرا، ساتواں، چالیسواں، گیارہویں وغیرہ رسومات بدعات میں شمار ہیں۔ چونکہ احداث بدعت موجب رفع سنت ہے۔ اس لیے علیکم بسنتی فرما کر ایاکم ومحدثات الامور فرما دیا گیا۔ حدیث میں ہے "ماا‌حدث قوم بدعة الا رفع مثلها من السنة فتمسک بسنة خير من احداث بدعة" (یعنی نہیں نکالی کسی قوم نے کوئی بدعت مگر یہ کہ اٹھائی گئی ان سے اس کی مثل ایک سنت، پس سنت کو مضبوط پکڑنا احداث بدعت سے بہترین کام ہے) کیونکہ تمسک بسنہ سے شہادت کا درجہ حاصل ہے اور بدعت سے عبادت کی قبولیت ساقط ہے۔

کتبہ عبدالقادر عارف الحصاری

اہل حدیث سوہدرہ جلد ۱۰، شمارہ ۳۲، ۳۳، بمطابق ۲۴ر اگست و یکم ستمبر سنہ ۱۹۵۸ء

اہل بدعت

اپنے عقائد اور اعمال کی رو سے لوگوں میں دو فرقے مشہور ہیں۔ ایک اہل سنت اور دوم اہل بدعت۔ علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے تلبیس ابلیس کے باب ثانی میں سنت اور اہل سنت کی تعریف اور بدعت اور اہل بدعت کی پہچان بتلاتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ "ان اھل السنۃ ھم المتبعون وان اھل البدعۃ ھم المظھرون شیئا لم یکن قبل لا مستند لہ" (اہل سنت تو وہ ہیں جو قرآن و حدیث نبوی و آثار صحابہ کی اتباع کرنے والے ہیں اور اہل بدعت وہ ہیں جو ایسے کام کرنے والے ہیں جن کا وجود عہد نبوی اور عہد سلف صالحین میں نہ تھا اور وہ کتاب و سنت سے ثابت نہیں ہیں) (نفس وجود کے لحاظ سے یا ہیئت حاصلہ سے)

قرآن کریم میں ہے "ان الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعا لست منھم فی شئی" (الآیۃ انعام) (یعنی جنھوں نے دین میں کئی راہیں نکالیں اور تفریق پیدا کی اور وہ بہت سی پارٹیاں بن گئے (اے نبی) آپ کو ان سے کوئی سروکار نہیں ہے) مجمع الزوائد ج۱' ص-۱۸۷ میں اس آیت کی تفسیر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ھم اصحاب البدع واصحاب الا ھواء لیس لھم توبۃ انامنھم بریئی وھم منی براؤ" یعنی اس سے اہل بدعت اور خواہش پرست لوگ مراد ہیں جن کی توبہ قبول نہیں ہے' میں ان سے بیزار ہوں اور وہ مجھ سے بیزار ہیں۔

حنفیہ کی معتبر کتاب مجالس الابرار میں یہ لکھا ہے کہ ابلیس نے کہا کہ میں نے گناہوں اور برائیوں سے بنی آدم کی پشت توڑ دی' تو انھوں نے اپنے گناہوں سے توبہ کی اور استغفار کر کے میری پشت توڑ دی' تب میں نے ان میں ایسے گناہوں کو رائج کیا کہ وہ ان سے توبہ اور استغفار ہی نہ کر سکیں اور وہ گناہ بدعت کے کام ہیں' جو عبادت کی صورت میں کئے جاتے ہیں۔ نیز یہ لکھا ہے کہ بدعت کے کام شیطان کو تمام گناہوں مثلاً قتل' زنا' چوری' جھوٹ وغیرہ سے زیادہ پیارے ہیں کیونکہ دیگر گناہوں پر ندامت اور توبہ کی جاتی ہے اور بدعت کے افعال سے توبہ نہیں کی جاتی۔ ترغیب و ترہیب میں حدیث وارد ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ان اللہ حجب التوبۃ عن کل صاحب

بدعة حتى يدع بدعته" یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر بدعتی سے توبہ قبول کرنی روک لی ہے' جب تک اس بدعت کو چھوڑ نہ دے پس بدعیوں کی توبہ منظور نہیں ہے کیونکہ وہ بدعتوں کو نیک کام خیال کر کے چھوڑتے نہیں ہیں۔

بدعت بصورت عبادت کی مثال یہ ہے۔ ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ مروان نے عید کے روز عیدگاہ میں منبر رکھا اور نماز پڑھنے سے پہلے خطبہ دیا تو اس کو یہ کہا گیا کہ اے مروان تو نے سنت کے خلاف کیا ہے' عید کے دن تو نے منبر نکالا ہے حالانکہ وہ کبھی نہیں نکالا گیا اور عید کی نماز سے پہلے خطبہ دیا ہے حالانکہ اس طرح پہلے نہیں دیا گیا۔

تلبیس ابلیس ص-۱۷ میں ہے کہ مغرب کے بعد مسجد میں ایک قوم (خاص ہیئت سے) بیٹھی تھی' ان میں ایک شخص (خاص صورت سے) کہتا تھا کہ اتنی دفعہ سبحان اللہ کہو' اتنی دفعہ تکبیر کہو' اتنی دفعہ الحمدللہ کہو' جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو آپ وہاں پہنچے اور ان کے یہ کلمے اس طور سے سنے تو حلف اٹھا کر یہ کہا کہ "لقد جئتم ببدعة ظلما" یعنی تم نے بدعت اور ظلم کا ارتکاب کیا ہے اور فرمایا "عليكم بالطريق" کہ مشروع طریقہ کو لازم پکڑو اور دائیں بائیں نہ جاؤ اگر دائیں بائیں جاؤ گے تو صاف گمراہ ہو جاؤ گے۔

اور کتب فقہ میں اس کی مثال یہ ہے کہ کسی نماز میں خاص سورۃ مقرر کر کے پڑھنی مکروہ ہے اور فتح القدیر میں ہے "والاصل فى الاذكار الا خفاء والجهر بها بدعة" یعنی ذکر الٰہی میں اصل حکم یہ ہے کہ خفیہ ہو تو اسے جہر اور نعرہ مار کر ذکر کرنا بدعت ہے۔ درمختار میں ہے "ان رفع الصوت بالذكر بدعة" کہ بلند آواز سے ذکر الٰہی کرنا بدعت ہے۔

پس اس نکتہ نگاہ سے بریلوی حنفیوں کا نماز احتیاطی پر رہنا' نماز قضا عمری ادا کرنا' صلوۃ غوثیہ پڑھنا' عرس کرنا' میلاد کرنا' گیارھویں پیر کی دینا' ختم پڑھنا' اسقاط کرنا' جمعرات کو طعام کھلانا کہ ارواح حاضر ہوتے ہیں' شب رات کو روح سے روح ملانا' تیا' ساتا' چہلم کلمے قل اناج پر پڑھنا' نماز کی نیت زبان سے کرنا' اذان کے وقت انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگانا' اذان کے بعد محض کلمہ طیبہ پڑھنا' میت کے گھر فاتحہ خوانی کرنا'

بہشتی دروازہ بنا کر یہ کہنا کہ جو اس دروازہ سے گزرے گا وہ جنتی ہے' خانقاہوں کا سفر کرنا' درود ہزارہ' درود لکھی' درود لنڈہ' دعا سریانی' دعا گنج العرش پڑھنا' کفنی پر کچھ لکھنا وغیرہ وغیرہ یہ سب کام بدعات بصورت عبادات ہیں' جن سے کوئی بدعتی توبہ کرنے کو تیار نہیں ہے۔

اہل بدعت سے نفرت ⇦ گزشتہ آیت "ان الذین فرقوا" میں اللہ تعالیٰ نے "لست منهم فی شئی" فرما کر اپنے نبی کا ایسی مفسد جماعت سے مکمل بائیکاٹ کرا دیا ہے کیونکہ احداث فی الدین ایسا شرالامور ہے کہ ایک لمحہ کے لیے بھی قابل برداشت نہیں ہے۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے ان سے جہاد کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ میں حدیث وارد ہے' جس میں یہ ارشاد ہے کہ "فمن جاهدهم بيده فهو مومن ومن جاهدهم بلسانه فهو مومن ومن جاهدهم بقلبه فهو مومن وليس وراء ذالك من الايمان حبة خردل (رواه مسلم) یعنی جس شخص نے ان سے اپنے ہاتھ سے جہاد کیا' وہ مومن ہے اور جس نے اپنی زبان سے جہاد کیا وہ بھی مومن ہے اور جس نے دل سے (برا سمجھ کر) جہاد کیا وہ بھی مومن ہے اور ماسوا اس کے ایک رائی برابر بھی ایمان نہیں ہے۔ پس یہ ضروری ہے کہ اگر استطاعت کاملہ مثل امارت و حکومت یا قوت جماعت حاصل ہو تو ہاتھ سے روکا جائے ورنہ زبان سے امربالمعروف اور نہی عن المنکر کیا جائے۔ اگر یہ بھی غیر ممکن ہو تو دل سے نفرت کر کے اہل بدعت سے علیحدگی کی جائے۔ اگر یہ بھی نہ کیا اور اہل بدعت سے مجالست اور محبت اور اسلامی برتاؤ رکھا اور ان کی تکریم و توقیر کرتا رہا تو پھر اس میں رائی برابر بھی ایمان نہیں ہے۔

مشکوٰۃ میں یہ حدیث منقول ہے کہ من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی هدم الاسلام یعنی جس شخص نے بدعتی کی توقیر کی اس نے اسلام کے مٹانے پر اعانت کی۔ اس لیے صحابہ کرام اہل بدعت سے سخت متنفر اور بائیکاٹ رکھنے والے تھے۔ چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کسی شخص نے کہا کہ فلاں فلاں شخص آپ کو سلام کہتا ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا' مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ اس نے دین میں بدعت نکالی ہے۔ پس اگر اس نے دین میں بدعت پیدا کی ہے تو میری طرف سے اس کو سلام مت کہو۔ اہل بدعت کے

فرقوں میں سے ایک فرقہ قدریہ ہے جن کی بابت آنحضور ﷺ نے حکم فرمایا ہے کہ اگر وہ بیمار ہو جائیں تو عیادت نہ کرو اور اگر مر جائیں تو جنازہ نہ پڑھو اور نہ قدریہ لوگوں سے مجالست کرو۔ جبریہ' مرجیہ وغیرہ تمام گمراہ بدعتی فرقوں کا یہی حکم ہے۔

مشکوۃ مترجم کے حاشیہ مظاہر حق ص۔۲۴۲ میں ہے کہ "علماء کوفہ نے حی علی الفلاح- حی علی الفلاح کہنا شروع کیا درمیان اذان اور تکبیر کے بعد ان کے ہر ایک قوم نے کچھ نہ کچھ موافق عرف کے نکالا لیکن صبح ہی کی نماز میں کہ غفلت اور نیند کا وقت ہے۔ بعد اس کے متاخرین نے سب نمازوں میں پیدا کیا اور مستحسن رکھا۔ متقدمین کے نزدیک یہ مکروہ ہے کہ احداث کی ہے اور بدعت ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کا انکار منقول ہے کہ فرمایا اخرجوا هذا المبتدع من المسجد یعنی نکالو اس بدعتی کو مسجد سے یعنی ایک شخص کو تثویب کہتا تھا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے سنا ایک مؤذن کو کہ تثویب کرتا تھا' غیر فجر میں اور یہ مسجد میں تھے۔ پس مسجد سے نکلے اور فرمایا باہر نکلو' اس مرد کے آگے سے کہ یہ بدعتی ہے۔"

میں کہتا ہوں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ابوداؤد اور ترمذی میں موجود ہے جس میں یہ ذکر ہے ابن عمر رضی اللہ عنہ تثویب سن کر مسجد سے نکل گئے اور کہا کہ باہر نکلو یہ بدعتی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جہاں بدعت ہو اور اہل بدعت' بدعت کے کام کریں تو وہاں سے نکل جانا چاہیے۔ خواہ وہ مسجد ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی مسجد میں بدعت ہوتی دیکھ کر ان کو مسئلہ بتلا کر وہاں سے نکل گئے تھے۔ اب اس زمانہ میں بہت افسوس کی بات ہے کہ اہل سنت اپنے مخالف فرقہ اہل بدعت سے گھل مل رہے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اب بدعات مروجہ اہل سنت میں بھی سرایت کر رہی ہیں اور وہ رفتہ رفتہ اہل سنت سے مسخ ہو کر اہل بدعت بن رہے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص تم میں سے اپنے دین کی قدر کرنا چاہے اسے شیطانی حال اور اصحاب اہوا سے علیحدہ رہنا چاہیے کیونکہ ان کے پاس بیٹھنے سے ان کی بیماری خارش سے زیادہ اڑ کر لگتی ہے۔

ایوب فرماتے ہیں کہ ایک دن ایک شخص ابن سیرین کے پاس گیا اور بولا اے

ابوبکر! میں آپ کے سامنے قرآن کی صرف ایک آیت تلاوت کرنا چاہتا ہوں۔ اسے پڑھ کر بس فوراً چلا جاؤں گا۔ ابن سیرین نے دونوں کانوں میں انگلیاں دے لیں اور فرمایا اگر تو مسلمان ہے تو میں تجھے اللہ کی قسم دیتا ہوں ابھی میرے گھر سے چلا جا۔ اس نے کہا اے ابوبکر! میں آیت پڑھنے کے سوا اور کوئی تقریر نہیں کروں گا۔ انہوں نے فرمایا جا بس تو چلا ہی جا۔ جب وہ چلا گیا تو فرمایا اللہ کی قسم اگر مجھے یقین ہوتا کہ میرا دل ایسا ہی مطمئن رہے گا جیسا کہ اب ہے تو میں اسے آیت پڑھنے کی اجازت دے دیتا' لیکن مجھے اندیشہ یہ تھا کہ کہیں وہ آیت پڑھ کر میرے دل میں کوئی ایسا شبہ پیدا نہ کر دے' جسے میں بعد میں نکالنا چاہوں اور نکال نہ سکوں۔ امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صاحب بدعت سے بات چیت مت کرو اور نہ اس سے جھگڑا کرو۔ وہ تمہارے دل میں فتنہ کا بیج ڈال دے گا۔ (ترجمان السنت جلد اول ص-۵۸ بحوالہ الاعتصام ج-۲' ص-۲۴۱)

ان دلائل سے یہ ثابت ہوا کہ اہل بدعت سے نفرت اور بائیکاٹ رکھنا چاہیے' نہ ان سے رشتہ کریں اور نہ ان کے پیچھے نماز پڑھیں اور نہ ان کا جنازہ پڑھیں اور نہ ان کا وعظ سنیں۔

عبدالقادر عارف الحصاری

اہل حدیث سوہدرہ جلد-۶' شمارہ-۴۲' ۴۳' ۴۴ مورخہ ۸ و ۱۶ و ۲۴ نومبر سنہ-۱۹۵۴ء

اہل سنت اور اہل بدعت کی پہچان

ناظرین کرام! زمانہ حاضرہ میں مدعیان اسلام دن بدن دین اسلام اور شریعت الیہ سے کنارہ کش ہو کر رواج پرستی اور خواہش پرستی کے سیلاب میں بہتے چلے جا رہے ہیں اور اہل سنت کہلانے والے سنت کے نور کو بدعت کی ظلمت سے بدلتے ہوئے رسوم اختراعیہ کے اس قدر پابند ہو گئے ہیں کہ فرائض شرعیہ کے ترک کر دینے کا کوئی غم نہیں۔ سنت کے رہ جانے کا کچھ افسوس نہیں مگر بدعات اور رسوم مروجہ میں سے کوئی بدعت اور رسم رہ جائے تو پریشانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے کو طعن ملامت کرتے ہیں۔ ان بدعات کی برائی دل میں نہیں ہے اور ان کی معصیت کا خیال ذرہ بھر نہیں ہے بلکہ وہ ان کو طاعت اور عبادت اور کار ثواب اعتقاد رکھتے ہیں اور ان پر ایسا جمود ہے کہ اگر کوئی خیر خواہ طریقہ شرعی بتلائے اور ان رسوم اختراعیہ سے ہٹائے تو بجائے حق قبول کرنے کی اپنے دینی خیر خواہوں اور ناصحین کو بری نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور لغو شبہات اور جاہلانہ اعتراضات پیش کرتے ہوئے ان سے الجھتے ہیں' پھر یہ شیوہ محض عوام کالانعام اور جہلاء ہی کا نہیں ہے بلکہ بہت سے ملا' مولوی' پیر' صوفی' درویش' مفتی ان جاہل رواج پرستوں کے المان دین ہیں جو اس گندہ ہوا کے اسیر ہو چکے ہیں۔ جن کا مبلغ علم حصول دنیا اور دنیا داروں سے تعلقات قائم کر کے اپنی عزت اور قدر بڑھانا ہے' یہ علماء جہلا شریعت کو آڑ بنا کر محض رسومات کے ذریعہ دنیا کما رہے ہیں۔ کما قال اللّٰہ تعالیٰ ان کثیرا من الاحبار والرھبان لیاکلون اموال الناس بالباطل یعنی فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ اے مسلمانو! بہت سے ملا' مولوی' پیر' درویش لوگوں کے مال ناجائز طریقہ سے کھا رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ من ارباب العلم کہ اہل علم کون لوگ ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ الذین یعملون بما یعلمون کہ جو لوگ اپنے علم پر عمل کرتے ہیں وہ علمدار ہیں۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ بما اخرج العلم من قلوب العلماء کہ علماء کے دلوں سے علم کو کون سی چیز نکال دیتی ہے؟ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ الطمع۔ علم کو طمع نکال دیتا ہے۔ (مشکوۃ)

نعم ماقال الشاعر ؎

سرکشوں پر کس طرح ہو نصیحت کارگر
زنگ عصیاں سے دل ان کا سخت پتھر ہو گیا
کس طرح پاویں خدا کی راہ بیچارے عوام
مولوی درویش ہر اک طالب زر ہو گیا

علماء یہود کی مغضوبیت کا باعث یہی تھا کہ وہ حق کے ساتھ باطل کو ملتبس کرتے ہوئے اپنی فریب کاریوں سے جائز کو ناجائز اور غیر مشروع کو مشروع بناتے رہتے تھے اور کتمان حق کرتے رہتے تھے۔ وان کثیرا منهم لیکتمون الحق وهم یعلمون
کسی عربی شاعر نے سچ کہا ہے ؎

وما افسد الدین الا الملوک
و احبار سوء و رهبانها

اسی بدعتی فرقہ اہل رائے کی بدعات کو جناب سید المرسلین محمد مصطفیٰ ﷺ نے فتنہ عظیم قرار دیا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے: عن عوف بن مالک مرفوعا تفترق امتی علی بضع وسبعین فرقة اعظمها فتنة قوم یقصبون الدین برایهم یحرمون به ما احل الله ویحلون به ماحرم الله رواه ابن عبدالبر فی کتاب العلم والبیهقی فی المدخل والطبرانی فی الکبیر والبزار والتیمی فی مجمع الزوائد وقال رجال اسناد الحدیث ثقات کلهم یعنی حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کچھ اوپر ستر فرقوں میں متفرق ہو جائے گی۔ ان میں سے بہت بڑا فتنہ اس فرقہ کا ہو گا جو دین کے مسائل میں قیاس آرائیاں کریں گے جس کی وجہ سے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دیں گے۔ اس کی مزید تفصیل اس روایت سے ہوتی ہے جس کو سعید بن منصور نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تعجب کے طور پر دریافت کیا کہ یہ امت کس طرح مختلف اور متفرق ہو جائے گی؟ حالانکہ ان کی کتاب ایک اور نبی ایک اور ان کا قبلہ ایک تب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ اے امیرالمومنین ہم پر قرآن اتارا گیا تو ہم

نے اس کو پڑھا اور اس میں جو احکام الٰہی ہیں ان کو جانا۔ ہمارے بعد ایسی قومیں ظاہر ہوں گی جو قرآن کو پڑھیں گی اور اس میں جو احکام الٰہی ہیں ان کو سمجھیں گے نہیں۔ ہر گروہ الگ قیاس آرائی کرے گا اور اپنی عقل کے گھوڑے دوڑائے گا۔ عوام الگ کریں گے جب ان میں قیاس آرائیاں ہونے لگیں گی تو ان میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ جب ان میں اختلاف ہو گیا تو وہ باہم مقابلہ کریں گے' لڑنے لگیں گے۔ ان دو احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ باطل فرقوں میں کتاب و سنت کے علاوہ قیاس و رائے ہو گا۔ جس سے وہ احکام اور آیات الٰہی کو بدل ڈالیں گے۔ آیات قرآن اور احادیث رسول اللہ ﷺ کو توڑ موڑ کر اپنی عقل سے سانچوں میں ڈھالیں گے۔ یہی اتباع ہوا ہے عہد نبوی اور عہد صحابہ میں تو شریعت ایسہ کو حاکم اور عقل کو شریعت کا محکوم' قرآن کو متبوع اور عقل کو تابع بنایا گیا تھا۔ لیکن باطل فرقے عقل کو حاکم اور شریعت کو محکوم بنائیں گے۔ چنانچہ اصول مقلدین میں حضرت ابوہریرہ ؓ اور انس بن مالک ؓ کو غیر فقیہ قرار دے کر ان کی روایات کو خلاف قیاس کہہ کر چھوڑ دیا گیا ہے (اصول شاشی) اور امام الائمہ امام شافعی ؒ کی کجھل الشافعی (نور الانوار) کہہ کر توہین کی گئی ہے اور ادھر قادیان میں جناب حضرت محمد ﷺ کے بروز (سایہ) بننے والے مرزا نے اپنی عقل کو دخل دیتے ہوئے احادیث معراج کی تکذیب کی اور احادیث نزول مسیح کی تاویل کی اور یہ اصول وضع کیا کہ جو حدیث ہمارے الہام کے خلاف ہو ہم اسے رد کر دیتے ہیں۔ (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ تقطیع کلاں ص-۱۰) پس یہ ایسے فرقے قیاسی ہیں جنہوں نے اپنی آراء اور قیاسات سے اعتقادی' اصولی' فروعی مسائل ایجاد کئے اور کتاب و سنت سے جدا جدا مذہب بنائے اور اپنے مذہب کی کتابیں بنائیں اور پھر ان کتابوں پر اور اپنے قیاسات پر عمل کا دارومدار رکھا اور قرآن و حدیث کے دلائل جو خلاف مذہب پائے گئے ان کی تاویل کی گئی۔ تب اہل حق کا وہ گروہ جو طائفہ منصورین ظاہرین علی الحق ہے جس کی صفت یقاتلون اهل الفتن ہے کہ وہ فتنہ ڈالنے والے فرقوں کا مقابلہ کریں گے۔ جو محدثین اور اہلحدیث کے نام سے چلا آتا ہے۔ اس فتنہ کے مقابلہ کے لیے کھڑا ہو گا اور انہوں نے مخالفین کے غلو کو دور کیا اور باطل والوں کے جھوٹ کو دفع کیا اور جاہلوں کی تاویلوں کا رد کیا۔

ان کے پاس صرف دو ہی ہتھیار ہیں جو رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے گئے تھے۔ فرمایا الا انی اوتیت القران ومثله معه کہ خبردار تحقیق میں قرآن اور قرآن کی مثل (حدیث) اس کے ساتھ دیا گیا ہوں اور یہی آپ امت کے پاس چھوڑ کر دار فانی سے رخصت ہوئے۔ فرمایا ترکت فیکم امرین لن تضلوا ماتمسکتم بھما کتاب اللّٰه وسنة رسوله کہ میں تمہارے پاس دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں جب تک تم ان دونوں کو مضبوط پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے' وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اللہ کے رسول کی حدیث ہے۔

آنحضرت ﷺ انہی دو ہتھیاروں سے اپنے مخالفین سے مذہبی اور روحانی جنگ کرتے رہے۔ انہی ہتھیاروں سے یہ طائفہ صادقہ باطل فرقوں سے جنگ کرتا چلا آیا ہے اور اب کر رہا ہے۔ یہی لوگ اصحاب الحدیث' اہلحدیث' اہل سنت کے نام سے کتب حدیث میں پکارے جاتے ہیں اور یہی سواد اعظم ہیں جن کو عظمت حدیث کی وجہ سے اعظم کہا جاتا ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق حدیث میں فرمایا کہ ھم الذین یصلحون ما افسد الناس من بعدی من سنتی (مشکوۃ) کہ وہ لوگ ہیں جو درست کریں گے اس چیز کو کہ بگاڑیں گے لوگ میرے بعد میری سنت کو۔ اور اسی طائفہ صادقہ اہلحدیث کے علماء کو آنحضور ﷺ نے اپنے حواری اور اصحاب فرمایا ہے جن کی صفت یہ بیان کی ہے کہ یاخذون بسنة ویقتدون بامرہ کہ وہ پکڑتے ہیں سنت رسول کو اور پیروی کرتے ہیں حکم آپ کے کی۔ جو یہ کہتے ہیں کہ ؎

ما اہل حدیثم دغارا نہ شناسیم
باقول نبی چون و چرا نہ کنیم

تمام مسلمانان پر واجب ہے کہ اختلاف کے وقت اس گروہ کو لازم پکڑیں۔ فرمایا رسول خدا ﷺ نے فاذا رایتم اختلافا فعلیکم بالسواد الاعظم کہ جب تم لوگوں میں اختلاف دیکھو تو عظمت والی جماعت کو لازم پکڑو۔ دوسری روایت بصیغہ امر ہے کہ اتبعوا السواد الاعظم کہ قرآن و حدیث والے' عظیم الشان والے گروہ کی پیروی کرو۔ مجمع الزوائد ج-۱' ص-۱۲ میں ہے کہ قالوا یارسول اللّٰه ما السواد الاعظم قال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم من کان علی ما انا علیه و اصحابی یعنی "صحابہ کرام

نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! سواد اعظم کون لوگ ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اس مسلک پر ہیں جس پر اب میں اور میرے اصحاب ہیں۔" فرقہ ناجیہ کی بھی یہی تعریف ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے عن انس بن مالک قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم تفترق امتی علی ثلاث وسبعین فرقتہ کلھن فی النار الا واحدۃ قالوا وما تلک الفرقۃ قال ما انا علیہ الیوم واصحابی رواہ الطبرانی فی الصغیر "یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت تہتر (۷۳) فرقوں میں متفرق ہو جائے گی جو سب جہنمی ہیں صرف ایک فرقہ ان میں سے ناجی ہو گا۔ صحابہ نے دریافت کیا کہ وہ فرقہ کون سا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ فرقہ جو اس مسلک پر ہے جس پر آج کے دن میں اور میرے اصحاب ہیں۔"

اس واسطے محبوب سبحانی حضرت شیخ جیلانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وعلی المومن اتباع السنۃ والجماعۃ مااتفق علیہ اصحاب رسول اللّٰہ علیہ وسلم فی خلافۃ الائمۃ الاربعۃ الخلفاء الراشدین "یعنی مومن پر سنت اور جماعت کی پیروی واجب ہے۔ سنت سے مراد وہ طریقہ ہے جو رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمایا ہے اور قول و فعل و استقرار سے مشروع ٹھہرایا ہے اور جماعت سے مراد وہی طریقہ مسلوکہ جس پر چاروں خلفاء کے وقت صحابہ کرام متفقہ طور پر عمل کرتے رہے۔ سو کچھ شک نہیں کہ وہ صرف کتاب و سنت ہے جس پر وہ عامل رہے ؎

اصل دین آمد کلام اللہ معظم داشتن
پس حدیث مصطفیٰ بر جان مسلم داشتن

فلاح و نجات کا انحصار ⇦ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ لایؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ "کہ تم مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ تمہاری خواہشات قرآن و حدیث کے تابع نہ ہو جائیں۔"

قرآن میں ہے کہ افرایت من اتخذ الہ ھواہ "کہ اے نبی! کیا تو نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا لیا۔" امام حسن بصری اور قتادہ نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جس کے جی میں" دل میں جو کچھ آئے وہی کرنے لگے اور اپنی خواہش کے مطابق عمل کرے۔ پرہیزگاری اور تقویٰ کچھ نہ

رکھے۔ مجمع الزوائد میں ابوامامہ سے مرفوعاً" یہ حدیث وارد ہے کہ ماتحت ظل السماء من الہ یعبد من دون اللہ اعظم عنداللہ من ھوی متبع "یعنی آسمان کے نیچے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا کوئی بڑا معبود نہیں پوجا جاتا جیسے کہ نفسانی خواہش پوجی جا رہی ہے۔" اس سے ثابت ہوا کہ جو لوگ قرآن و حدیث کو نظر انداز کر کے اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے طریقہ کو چھوڑ کر اپنی خواہشات کے پیچھے چلتے ہیں اور ایسی بدعات و رسومات کے مرتکب ہو رہے ہیں جو قرآن و حدیث سے ثابت نہیں ہیں' وہ مشرک ہیں اور نفس کی عبادت کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کو تبع ہوائی کہا جاتا ہے۔ پس اس دین کامل میں امور محدث اور رسوم اختراعیہ کا دخل دے کر کتاب و سنت کی اتباع کا دعویٰ کرنا اور آخرت میں نجات کی امید رکھنا باطل ہے۔ تاوقتیکہ مسلمانوں کا طرز عمل قرآن و حدیث کے موافق اور طریقہ نبویہ و صحابہ کے مطابق نہ ہو گا' اصلاح مابین و فلاح دارین کا حاصل ہونا غیر ممکن ہے۔ دین و دنیا کی ترقی اور عروج کتاب و سنت کی اطاعت میں منحصر ہے اور ان کے خلاف سراسر گمراہی ہے۔ پس کسی امتی شخص کو خواہ وہ عالم ہو یا عامی ایک ہو یا جم غفیر ہو از خود کوئی "مسئلہ دینی" امور شرعی اختراع کرنا حق نہیں ہے۔ بلکہ ہر کام شرعی اور عمل دینی کا بحسہ کتاب و سنت سے ثابت کرنا ضروری ہے۔ اگر وہ ثابت نہ ہوا تو بدعت ہو گا اور اس کا مرتکب ہونا تبع ہوئی ہونا ہے اور اگر وہ کام قرآن و سنت سے ثابت ہو تو پھر اس کے کرنے والا اہل سنت ہو گا۔ چنانچہ حضرت علی ﷛ سے سوال ہوا کہ من اھل السنۃ کہ اہل سنت کون ہیں؟ تو امیرالمومنین نے جواب فرمایا کہ المتمسکون بما سنہ اللہ لھم ورسولہ وان قلوا (منتخب کنزالعمال جز-۱' ص-۳۱۵) یعنی وہ لوگ اہل سنت ہیں جو اس طریقہ کو مضبوط پکڑنے والے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول نے ان کے لیے ٹھہرایا ہے۔ اگرچہ وہ تعداد میں تھوڑے ہوں۔ فرمایا رسول خدا ﷺ کہ من یعش منکم بعدی فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنوا جذو ایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ (مشکوۃ) یعنی "جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت اختلاف دیکھے گا' تم میری اور میرے خلفاء کی سنت کو لازم پکڑ لو اور اس کو خوب

مضبوط کر لو اور دین میں نئے نئے کاموں سے بچو کیونکہ دین میں نیا کام (جس پر میرا اور میرے خلفاء کا عمل نہیں ہے) بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔" پس جب لوگ نئے نئے کام نکال رہے ہوں اور امت میں فساد شروع ہو تو اس وقت جو لوگ طریقہ نبویہ کو مضبوط پکڑے رہیں گے ان کو سو شہید کا ثواب ملے گا۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ من تمسک بسنتی عند فساد امتی فله اجر مائة شهيد ایسے دور بدعت میں آنحضرت ﷺ کی سنت کو محبوب رکھنے والا آنحضور ﷺ کے ساتھ ہو گا۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ من احب سنتی فقد احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنة یعنی "جس نے میری سنت کو محبوب رکھا اس نے مجھے محبوب رکھا اور جس نے مجھے محبوب رکھا وہ میرے ساتھ جنت میں ہو گا۔"

بدعت سے بچو ⇦ جو کام لوگوں نے اپنی عقل سے' قیاس سے' خواہش سے دین میں نکالے ہیں اور نئی نئی صورتوں سے ان کو رواج دے رکھا ہے اور ان کے لیے نئے نام تجویز کئے ہیں اور انہی ہیئتوں سے ان کا التزام کر لیا ہے۔ وہ سب بدعت ہیں کیونکہ وہ ان صورتوں' ناموں' ہیئتوں کے ساتھ قرآن و حدیث میں پائے نہیں گئے اور عہد نبوی اور عہد صحابہ میں ان کا وجود نہ تھا۔ مثلاً تقلید شخصی جو فرقہ بندی کا موجب ہے اور تعیین مذہبی کسی امتی کے نام سے' خانقاہوں پر سالانہ عرس' جمعہ کے دن احتیاطی' قضا عمری' گیارہویں' طعام پر ختم پڑھنا' اسقاط میت' میلاد النبی' جمعرات کی خیرات بطور ایصال ثواب' شب برات میں روح ملانا' عاشورہ کی رسوم' تعزیہ' تیجا' ساتواں' دسواں' چالیسواں' میت کے گھر میں تعزیت کے وقت فاتحہ خوانی کرنا' میت کے گھر میں اجتماعی طور پر قرآن خوانی' نماز کی زبان سے نیت کرنا' اذان کے وقت سچا نام تیرا یاجل جلالہ کہنا' شہادت کلمہ میں نبی کا نام سن کر انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگانا' اذان کے بعد کلمہ طیبہ پڑھنا اور دعا مسنونہ نہ پڑھنا' تصور شیخ' غیروں کے نام درود وظائف پڑھنا' نماز کے بعد یارسول اللہ والا درود پکار پکار کر پڑھنا' درود ہزارہ' درود لکھی' درود تاج' دعا سریانی' دعا گنج العرش' صلوۃ فاطمہ' صلوۃ غوثیہ' صلوۃ العاشقین' نماز معکوس' وظیفہ یاشیخ عبدالقادر جیلانی شیئا للہ پڑھنا اور بغداد کی طرف گیارہ قدم اٹھانا وغیرہ وغیرہ بدعات ہیں جن کا ثبوت ان ناموں کے ساتھ اور مروجہ صورتوں میں قرآن و

حدیث میں نہیں پایا جاتا اور عہد نبوی اور عہد صحابہ میں ان کا وجود ظاہر نہیں ہوا۔ من ادعی فعلیه البیان بالبرهان۔

چنانچہ ان میں سے بعض بدعات کا تو سرے سے وجود ہی نہیں ہے۔ مثلاً تعزیہ اور شیخ جیلانی کا وظیفہ اور بعض کا بنفسہ وجود ہے۔ لیکن خاص قیود اور شرائط اور التزام سے ان کی ہیئت تبدیل ہو چکی ہے۔ اس لیے وہ بھی بدعت ہیں۔ کیونکہ انفرادی چیز کا حکم اجتماعی صورت سے جدا ہے۔ مثلاً فتح القدیر میں ہے کہ والاصل فی الاذکار الاخفاء والجهر بها بدعة کہ ذکر الٰہی میں اصل اخفا ہے۔ بلند آواز سے ذکر الٰہی کرنا بدعت ہے۔ اسی طرح درمختار میں ہے کہ ان رفع الصوت بالذکر بدعة کہ بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے۔

غور فرمایئے کہ نفس ذکر الٰہی تو ثابت ہے۔ لیکن بلند آواز سے خاص شکل کے ساتھ کرنا بدعت ہے۔ کیونکہ کیفیت تبدیل ہو گئی ہے۔ بعض اہل بدعت کہتے ہیں کہ بدعت وہ چیز ہے جس سے شارع نے منع کیا ہو اور پھر اس کو دین بنا لیا جائے۔ سو یہ بالکل غلط ہے۔ دیکھو فتاویٰ عالمگیری میں استنجا کی پانچ قسمیں لکھی ہیں' ان میں سے چار کو جائز لکھا ہے اور پانچویں کو بدعت قرار دیا ہے۔ چنانچہ جلد اول' ص-۱۸ میں ہے والخامس بدعة وهو الاستنجاء من الریح یعنی پانچویں قسم کا استنجا بدعت ہے۔

ہوا خارج ہونے پر استنجا کرنا کسی دلیل سے منع نہیں ہے۔ یعنی اس کی نہی نہیں ہے لیکن بدعت ہے۔ کیونکہ کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں ہے اور اس کا وجود عہد نبوی اور عہد صحابہ میں پایا نہیں گیا۔ اس لیے بدعت کی تعریف شرح مقاصد میں یہ ہے کہ ان البدعة المذمومة هو المحدث فی الدین من غیر ان یکون فی عهد الصحابة والتابعین ولادل علیه الدلیل الشرعی کذا فی کشف البزدوی۔ یعنی بدعت سیئہ دین میں اس نئے پیدا شدہ کام کو کہتے ہیں جو عہد صحابہ اور تابعین میں نہ پایا گیا ہو اور اس پر کوئی شرعی دلیل دلالت نہ کرے۔

محاسن الابرار میں ہے: فمن احدث شیئا یتقرب به الی اللّٰه تعالٰی من قول او فعل من غیر ان یشرعه اللّٰه تعالٰی فقد شرع فی الدین مالم یاذن به اللّٰه یعنی جس شخص نے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے اپنے قول یا فعل سے کوئی ایسی

چیز پیدا کی جس کو اللہ تعالیٰ نے مشروع نہیں کیا' پس وہ دین میں نئی شریعت بنانے والا ہے۔ جس کا اذن اللہ تعالیٰ نے نہیں دیا۔ پھر لکھا ہے فمن تبعه فقد اتخذه شریکا ومعبودا جن لوگوں نے ایسے مبتدع کی پیروی کی' پس انہوں نے اس کو اپنا معبود بنا لیا اور وہ اس آیت کا مصداق ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انہوں نے عالموں اور درویشوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا رب بنا لیا ہے۔ پھر لکھا ہے کہ فعلم من هذا ان کل بدعة فی العبادات البدنية المحضة لا تكون الاسيئة۔ تصریح بالا سے معلوم ہوا کہ عبادات بدنیہ میں بدعت سیئہ ہی ہوتی ہے۔

بدعت کی تعریف ⇦ عن العرباض بن سارية رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ایاکم والمحدثات فان کل محدثة ضلالة یعنی "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم دین میں نئے کاموں سے بچو' کیونکہ ہر نیا کام گمراہی ہے۔" (ترغیب و ترہیب) دیگر حدیث میں ہے کہ من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد کہ جس نے ہمارے دین میں نیا کام کیا' وہ مردود ہے۔

بدعت سے توبہ ⇦ ان انس بن مالک رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الله احتجب التوبة عن کل صاحب بدعة حتی یدع بدعة (ترغیب ترہیب منذری) یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے توبہ کو بدعتی سے روک لیا ہے' یہاں تک کہ اپنی بدعت کو چھوڑ دے۔ اس میں ہر بدعتی مراد ہے۔ خواہ اعتقادی بدعت کرے یا عملی۔

بعض اہلحدیث کسی نفسانی غرض سے بدعتیوں میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور ان کی بدعتوں میں شریک ہوتے ہیں۔ لیکن وہ اعتقاد میں تو ان کاموں کی بدعت سمجھتے ہیں' صرف دنیوی غرض سے اپنا کام نکالنے کے لیے وہ کام کر لیتے ہیں۔ جب اہل حدیثوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ کیا کریں گزارہ کرنا ہے' پاکستان میں کوئی معاش کی صورت نہیں ملتی اور اہل حدیث خشک لوگ ہیں' ان میں کھانے پینے کو کچھ نہیں ملتا۔ ان بدعتیوں میں کام چل جاتا ہے۔ سو ان کو واضح ہو کہ وہ بھی بدعتی ہیں۔ جب تک اس بدعت کو چھوڑیں گے نہیں' توبہ اور عمل قبول نہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کو رازق حقیقی جان کر کوئی اور ذریعہ معاش تلاش کریں۔ ان بدعات میں نہ پڑیں۔ تنگدستی اور

مصیبت کے وقت ہی تو پتہ چلتا ہے کہ کون اس ابتلاء میں حق پر قائم رہتا ہے۔

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

عبدالقادر عارف الحصاری

اہل حدیث سوہدرہ جلد۔۳، شمارہ۔۳۱، ۳۲، ۳۳ مورخہ ــــــــــــ

اہلحدیث ہی اہلسنّت ہیں

سوال اہل حدیث حضرات نے اپنا لقب اہل سنت کی بجائے اہل حدیث کیوں اختیار فرمایا؟

جواب ہم سب مسلمان اور ہمارے نبی کریم ﷺ اور تمام صحابہ اور دیگر امت سابقہ بنی اسرائیل ملت ابراہیمی کی اتباع پر مامور ہیں۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے سب کا نام مسلمان رکھا ہے۔ قرآن میں یہ ذکر ہے' ھو سماکم المسلمین لیکن طرز عمل بنی اسرائیل کا اپنے انبیاء کے عہد میں کتاب اللہ پر' اس لیے نصاریٰ انجیل پر عامل ہو کر اہل انجیل کہلائے اور یہود تورات پر عامل ہو کر اہل تورات کہلائے اور ان دونوں گروہوں کا مشترکہ مذہبی نام اہل کتاب ہوا۔ طرز عمل بگڑ گیا مگر قرآن نے ان کو انہی ناموں سے پکارا ہے۔ اسی دستور پر آنحضور ﷺ نے اپنی امت کے لوگوں کو اہل قرآن کے لقب سے پکارا ہے۔ جب سنت اور حدیث پر عمل ہوا اور لوگ فرقہ فرقہ ہونے لگے اور ہر گروہ قرآن پر عامل ہونے کا مدعی بن گیا تو قرآن کو سنت کے ذریعے سمجھنے والے لوگ اہل سنت کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ چنانچہ شیعہ' رافضی' خارجی' فرقوں کے مقابلہ میں طرز عمل کے لحاظ سے اہل حق کا گروہ اہل سنت والجماعۃ کے نام سے مشہور ہو گیا۔ توضیح تلویح میں اہل سنت کی تعریف یہ لکھی ہے' اهل السنة والجماعة وهم الذين طريقتهم طريقة الرسول عليه السلام واصحابه دون اهل البدع یعنی "اہل سنت و الجماعت وہ لوگ ہیں جن کا طریقہ وہی ہے جو طریقہ رسول اور صحابہ رسول کا تھا۔" ان کا طریقہ کتاب و سنت پر عمل کرنا تھا۔ یہی گروہ ناجیہ کا طرز عمل ہے پھر جب اہل سنت کہلانے والے اماموں کی تقلید کرنے لگے اور مقلد ہو کر ہر گروہ نے اپنے امام کی شخصیت کو مذہب میں داخل کر لیا اور ان کی طرف منسوب ہو کر ان کے ناموں پر اپنے مذہب مشہور کر لیے' کوئی حنفی ہوا اور کوئی شافعی' کوئی حنبلی ہوا' کوئی مالکی تو ایک گروہ نے اپنا طرز عمل رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے مطابق رکھا۔ پس وہ اہل حدیث کے نام سے مشہور ہوئے۔ اہل حدیث کی تعریف یہ ہے' ما انا عليه واصحابی یعنی آنحضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ گروہ

ناجیہ وہ ہے جو اس طریقہ پر قائم ہے جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔ یہی مطلب اہل سنت کا ہے اور یہی اہل حدیث کا۔ دونوں مترادف نام ہیں۔ ہر اہل سنت اہل حدیث ہے اور ہر اہل حدیث اہل سنت ہے۔ سنت اور حدیث ادلہ شرعیہ میں مترادف بولے جاتے ہیں تو ان کی طرف اپنے طرز عمل کی نسبت کرنے والے بھی ایک اور ان کے ناموں کا مفہوم بھی ایک ہو گا۔

غنیہ میں ہے' واما الفرقة الناجية فهى اهل السنة والجماعة وقد بينا مذهبهم واعتقادهم یعنی فرقہ ناجیہ اہل سنت والجماعت ہے۔ جس کا مذہب اور اعتقاد ہم نے بیان کر دیا ہے۔ نیز فرماتے ہیں' وما اسمعهم الا اصحاب الحديث واهل السنة على مابينا یعنی ان کا کوئی نام نہیں' صرف ایک ہی نام ہے اور وہ اہل حدیث اور اہل سنت ہے اور ایک جگہ فرماتے ہیں کہ گمراہ فرقے ان کے فلاں فلاں نام رکھتے ہیں' ولا اسم لهم الا اسم واحد وهو اصحاب الحديث ولا يلتصق بهم مالقبهم به اهل البدع یعنی ان کا تو صرف ایک ہی نام ہے اور وہ اہل حدیث ہے اور اہل بدعت جو ان کے نام برے برے رکھتے ہیں وہ ان کو نہیں لگتے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ اہل سنت اور اہل حدیث باہم مترادف ہیں۔ صرف لفظی فرق ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ بعض لوگ اہل سنت کی روش چھوڑ کر ائمہ اہل سنت میں سے صرف ایک کی تعیین کر کے اس کی رائے اور اقوال اور افعال کی تقلید کرنے لگے اور اس کے نام پر ایک مذہب ایجاد کر لیا اور مقلد کہلانے لگے اور ساتھ ہی دعوئی اہل سنت ہونے کا بھی کرتے رہے تو اس وقت جو لوگ اہل الرائے فقہاء اور ان کے مقلدین سے علیحدہ رہ کر محض کتاب و سنت پر عامل رہے' وہ اہل حدیث کے نام سے مشہور ہوئے۔ یہ لوگ احادیث نبویہ کے جمع کرنے میں معروف رہے اور اتباع سنن کی لوگوں کو رغبت دیتے رہے اور مقلدین اپنے ائمہ کے اقوال اور ان کی رائے کو جمع کرنے میں معروف رہے اور ان کی فقہ کو اپناتے رہے۔ یہاں تک کہ ہر امام کے مقلد نے اس کے اور اس کے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں کے اقوال جمع کر کے کتب فقہ تیار کر لیں۔

چنانچہ علماء حنفیہ نے کتب فقہ حنفیہ تیار کر لیں اور شافعیہ نے کتب شافعیہ اور

مالکیہ نے کتب فقہ مالکیہ اور فرقہ حنبلیہ نے کتب فقہ حنبلیہ تصنیف کر لیں۔ انہی کتابوں کا درس' انہی کتابوں کی اشاعت' انہی کتابوں پر فتوے' انہی کتابوں پر مقدمات کے فیصلے کرنے لگے اور یہ چار فرقے مشہور ہو گئے اور آپس میں مباحثے اور مناظرے کرنے اور خوب جھگڑنے لگے اور تعصب میں آکر انہوں نے اپنے اپنے مذہب کو ایسا مضبوط کیا کہ اگر کوئی اس سے نکل کر دوسرے مذہب میں جاتا تو اس کو تعزیر لگا دی جاتی۔ سراجیہ میں ہے' ارتحل الی مذھب الشافعی یعزر یعنی جو حنفی ہو کر شافعی ہو جائے اس کو سزا دی جائے۔

چنانچہ ایک واقعہ ایسا ہی ہوا کہ ایک حنفی شخص نے اپنا مذہب چھوڑ کر قرات خلف الامام اور رفع الیدین کرنا اختیار کر لیا۔ شیخ ابو حفص کو خبر ہوئی تو وہ سخت ناراض ہوئے اور حاکم شہر سے شکایت کی۔ حاکم نے جلاد کو حکم دیا کہ اس رفع یدین کرنے والے اور قراۃ خلف الامام پڑھنے والے کو برسربازار کوڑے لگائے جائیں۔ پھر کچھ لوگوں کو اس بیچارے پر رحم آگیا تو اسے ساتھ لے کر شیخ ابو حفص کبیر کے پاس گئے اور اس کی سفارش کی۔ آخر اس سے توبہ کرائی گئی' تب اس کو رہائی حاصل ہوئی۔ (فتاویٰ حمادیہ اور تاتار خانیہ بحوالہ الارشاد ص-۱۸۵) اور اسی تعصب کی وجہ سے مقلدین سے دیانتداری بھی رخصت ہو گئی۔ چنانچہ درمختار میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی حنفی سے پوچھے کہ فلاں مسئلہ امام شافعی کا ہے تو اس پر واجب ہے کہ اس کے جواب میں ابوحنیفہ کا قول پیش کر دے یعنی سوال آسمان کا ہو تو جواب ریسمان دے۔ اسی تعصب کی وجہ سے اپنے مذہب کی حد بندی کر لی کہ اصول فقہ الگ' فتاویٰ فقہ الگ' یہاں تک کہ کتب حدیث کے مؤلفین کو شافعی المذہب قرار دے کر ان کی کتابوں پر عمل کرنے سے روک کر کتب فقہ ہدایہ وغیرہ پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا (حقیقتہ الفقہ بحوالہ فتویٰ علما دیوبند) اسی تعصب ہی کا نتیجہ تھا کہ بیت اللہ میں چار مصلے بنائے گئے اور چار مذہبوں کے چار امام بنائے گئے۔ اس لیے ایک گروہ محدثین کا ان مقلدین سے اپنا طرز عمل جدا رکھتا رہا اور وہ صرف کتاب و سنت کے بلا تقلید غیرے پابند رہے۔ اس لیے ان کا نام اہل حدیث' اہل اثر' محدث مشہور ہوا۔ جیسا کسی کا عمل ہوتا ہے ویسا ہی اس کا نام پڑ جاتا ہے۔

شاہ عبدالعزیز مرحوم دہلوی سے کسی نے سوال کیا کہ محدثین فقہ مروجہ پر عمل کرتے تھے یا نہیں؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ علماء محدثین مجتہدین کے مذاہب میں سے کسی ایک مذہب پر نہ تھے۔ بعض اعمال ان کے کسی مذہب کی فقہ کے مطابق ہو جاتے تھے اور بعض کسی دوسرے مجتہد کی فقہ کے موافق ہو جاتے تھے۔ وہ اصحاب الحدیث بالارادہ کسی مجتہد کے مقلد نہ ہوتے تھے۔ (فتاویٰ عزیزیہ جلد-۲' ص-۱۴۱) محدثین ہی کی طرح اب اہل حدیث لوگوں کا طرز عمل ہے کہ سب کا حدیث نبوی ہی سے تعلق وابستہ ہے اور ان کے امام جناب نبی کریم ﷺ ہیں جو حقیقتہ" سب اماموں کے امام ہیں۔ تفسیر ابن کثیر ج-۵' ص-۲۰۷ میں ہے' هذا اكبر اشرف لاهل الحديث لان امامهم النبى صلى الله عليه وسلم یعنی یہ اہل حدیث کے لیے بہت بڑا شرف ہے کہ ان کے اصلی امام جناب نبی کریم ﷺ ہیں۔ اس لیے امام شافعی نے فرمایا عليكم باهل الحديث فانهم اكبر صوابا عن غيرهم (آداب شرعیہ لابن مفلح جلد-۱' ص-۲۳۸) یعنی اہل حدیث کو لازم پکڑ لو' یہ اوروں کی بہ نسبت زیادہ حق پر ہیں۔

حافظ ابن حجر محدث نے بھی یہ شہادت دی ہے کہ ان اهل الحديث افضل الناس فى مدارج الايمان وهم على صراط مستقيم (الاتقان ص-۲۲۸) یعنی ایمانی مدارج میں اہل حدیث سب لوگوں سے افضل ہیں۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ اور مصفی شرح موطا میں فقہائے المحدیث اور فقہائے اہل رائے کا فرق مفصل بیان کیا ہے کہ اہل حدیث تو قرآن و حدیث و آثار صحابہ کو جمع کر کے ان سے مسائل استنباط کرتے تھے اور ان کا وہی طریقہ تھا جو صحابہ اور تابعین کا تھا اور اہل رائے کی بابت لکھا ہے کہ وہ اپنے ائمہ کے قواعد کلیہ مقرر کردہ سے مسائل اخذ کرتے تھے۔ جو مسئلہ پیش آتا انہی قواعد کے لحاظ سے جواب دیتے تھے اور لکھا ہے کہ انه لم يكن عندهم من الاحاديث والاثار مايقدرون على استنباط الفقه على الاصول التى اختارها اهل الحديث یعنی حنفیہ کے علماء اہل رائے کے پاس علم احادیث و آثار نہ تھا۔ وہ اہل حدیث کے پسندیدہ اصول کی رو سے مسائل استنباط کرنے پر قادر نہ ہو سکے۔

علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں بھی یہ لکھا ہے کہ متقدمین میں فقہ کے دو طریقے ہو گئے تھے۔ ایک طریقہ اہل حدیث کا جو اہل حجاز کہ مدینہ والے تھے اور دوسرا اہل رائے کا جو عراق والے تھے' (جن کا مرکز کوفہ تھا) عراق والوں میں حدیث کم تھی' جس کی وجہ ہم نے پہلے بیان کی ہے۔ اس لیے انہوں نے کثرت سے قیاس کیا اور قیاس میں اتنے ماہر ہوئے کہ ان کا نام اہل رائے پڑ گیا۔

میں کہتا ہوں کہ کتب حدیث اور کتب تواریخ میں علماء حنفیہ کو اہل الرائے اور ان کے امام اعظم کو امام اہل الرای لکھا ہے۔ اس لیے حضرت عمرؓ نے یہ فرما دیا تھا کہ اہل رائے سنتوں کے دشمن ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مختلف سائلوں کے جواب سے انکار کرتے ہوئے تو ان کو شرم آتی ہے اور احادیث یاد کرنے کی ان کو توفیق نہیں ہوتی تو پھر رائے سے جوابات دیتے ہیں۔ جب کوئی احادیث پیش کرنے لگے تو ان کا مقابلہ بھی رائے سے کرتے ہیں۔ تم ایسے لوگوں سے بچو۔ (اعلام الموقعین جلد-۱' ص-۴۵)

بس اس سے یہ امر واضح ہو گیا کہ اہلحدیث اس نام کے ساتھ کیسے مشہور ہوئے کہ یہ تمام اہل الرائے کے مقابلہ میں ہے جو اب اپنے آپ کو حنفی کہلاتے ہیں اور اہل سنت بھی۔ یہ نام رافضی' خارجی کے مقابلہ میں ہے کہ وہ اہل سنت کے مخالف ہیں۔ چونکہ حدیث اور سنت کا مفہوم ایک ہی ہے کیونکہ دونوں کی نسبت نبی کریم ﷺ کی طرف ہے۔ اس لیے یہ دونوں نام اسی طائفہ حقہ کے ہی ہیں جو باہم مترادف ہیں۔ عقیدہ صابونیہ جو جامع البیان کے حاشیہ پر شائع ہوا ہے' اس میں یہ لکھا ہے کہ: **لیس فی الدنیا مبتدع الا هو یبغض اهل الحدیث** یعنی دنیا میں جو بھی بدعتی شخص ہے وہ اہل حدیث کو دشمن رکھتا ہے اور ان کو کئی قسم کے لقبوں سے ملقب اور کئی ناموں سے موسوم کرتا ہے۔ **کل ذلک عصبیة ولا للحق اهل السنة الا اسم واحد وهو اصحاب الحدیث** یعنی "یہ سب تعصب کی باتیں ہیں۔ اہل سنت کا تو ایک ہی نام ہے اور وہ اہل حدیث ہے۔" (جامع البیان ص-۳۰۹ حاشیہ)

غنیۃ الطالبین مصری ص-۹۵ میں ہے' **اما الفرقة الناجية فهى اهل السنة والجماعة الملقب به اهل الحديث** یعنی "فرقہ ناجیہ اہل سنت ہے' جن کا لقب اہلحدیث ہے۔" حضرت پیر عبدالقادر جیلانی اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں حنفی کی

تعریف یوں بیان فرماتے ہیں' اما الحنفیة فھم اصحاب ابی حنیفة النعمان بن ثابت (غنیہ) مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی "الرفع والتکمیل" میں فرماتے ہیں' ان الحنفیة عبارة عن فرقة تقلد الامام اباحنیفة فی المسائل الفرعیة۔ ہمارا مذہب امام ابوحنیفہ' مالک وغیرہ' ائمہ اربعہ سے پہلے کا ہے اور قدیمی ہے۔ چنانچہ منہاج السنہ جلد-۱' ص-۲۵۶ میں اسی طرح ہے اور امام ابن حزم اندلسی کا فرمان بھی یہی ہے۔ قال اهل السنة الذین تذکرهم اهل الحق ومن سواهم فاهل الباطل فانهم الصحابة وکل من سلک نهجهم من حبار التابعین ثم اهل الحدیث۔ یعنی اہل سنت جن کو اہل حق کہا جاتا ہے اور ان کے مخالفین کا اہل باطل نام رکھا جاتا ہے' وہ صحابہ کرام ہیں اور جو ان کے طریقہ پر چلے (تابعین تبع تابعین) وہ بھی اہل سنت ہیں پھر اہلحدیث بھی اہل سنت ہیں (کتاب الفصل جلد-۲' ص-۱۱۳) ائمہ اربعہ اور محدثین اور فقہاء متقدمین جو تقلید شخصی سے محفوظ رہ کر فرقہ بندی میں مبتلا نہ ہوئے' وہ سب اہلسنت اور اہلحدیث تھے۔ اگرچہ فقہاء اہل عراق اہل الرائے کے نام سے مشہور تھے مگر ان کو احادیث کم ملیں' اس لیے انہوں نے رائے سے کام لیا مگر ہر ایک نے یہ وصیت کر دی کہ حدیث کے مقابلہ میں ہماری رائے اور قول کو چھوڑ دینا اور حدیث نبوی کو قبول کر لینا ہمارا وہی مذہب ہے۔ گویا ان کو عذر تھا لیکن جب تمام احادیث مدون ہو کر سامنے آگئیں تو اب مقلد کے لیے کوئی عذر نہیں ہے۔

کتبہ عبدالقادر الحصاری

اہل حدیث سوہدرہ جلد-۱۰' شمارہ-۳۳' ۳۴' بمطابق ۸ر ستمبر و ۸ر دسمبر سنہ-۱۹۵۸ء

بدعات بریلویہ

الفقیہ کو جواب

<u>بریلویوں کی مزعومہ بدعت سر منڈانا:</u> حضرات! اخبار الفقیہ امرتسر کے نامہ نگار فیاض الدین نے اپنے مضامین بے براہین میں اہل بدعت کی تسکین کے لیے پرچہ مطبوعہ ۲۱ اپریل سنہ ۱۹۳۸ء میں موحدین کی یہ توہین کی ہے کہ یہ لوگ سر منڈانا اپنا مذہبی نشان جانتے ہیں اور قبضہ سے لمبی داڑھی بڑھا کر صالح آدمی کہلانے کے حق دار ہو جاتے ہیں' حلانکہ عہد رسالت میں مسلمانوں کا شعار مذہبی سر منڈانا نہ تھا' بلکہ اس وقت سر منڈانا منافقین کی علامت تھی' یا کفار عجم کا نشان مذہبی تھا' جس سے حضور ﷺ نے صاف لفظوں سے روک دیا تھا کہ لیس منا من حلق "سر منڈانے والے ہم مسلمانوں میں داخل نہیں ہیں۔"

ہم پہلے اس بات کے کہ اس نامہ نگار کی گفتار ناپائیدار کا جواب عرض کریں' اہلحدیث کا عقیدہ و عمل تحریر کرتے ہیں' تاکہ ناظرین کو مسئلہ کی حقیقت معلوم ہو جائے اور یہ بھی جان لیں کہ بریلوی لوگ بدعات میں مصروف رہتے ہیں اور ان کو خواب میں بھی بدعات ہی نظر آتی ہیں اور یہ بھی علم ہو جائے کہ اس جماعت کے اہل بدعت نامہ نگار "سوکھے ساون روکھے بھادوں" ہیں جن کو سنت کی کچھ حلاوت نہیں' بلکہ ہمیشہ سے عداوت ہے۔

ہمارا مذہب اس مسئلہ میں وہی ہے جو شرح صحیح مسلم میں امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔ چنانچہ وہ جلد اول ص ۳۴۲ میں فرماتے ہیں : استدل به بعض الناس علٰی کراهة حلق الراس ولا دلالة فيه وانما هو علامة لهم والعلامة قد تكون بحرام وقد تكون بمباح كما قال صلى الله عليه وسلم آيتهم رجل اسود احدى عضديه مثل ثدى المراة ومعلوم ان هذا ليس بحرام وقد ثبت فى سنن ابى داؤد باسناد علٰى شرط البخارى ومسلم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم راى صبيا قد حلق بعض راسه فقال احلقوه كله اواتركوه كله وهذا صريح فى اباحة حلق الراس لايحتمل تاويلا قال اصحابنا حلق الراس جائز بكل حال لكن ان شق عليه تعهده بالدهن والتسريح استحب حلقه وان لم يشق استحب تركه انتهٰى۔ یعنی "بعض لوگ رسول اللہ ﷺ

ہے کہ اس فرمان سے کہ خارجیوں کی علامت سر منڈانا ہے سر منڈانے کے مکروہ ہونے پر دلیل لیتے ہیں' حالانکہ یہ قول ان کی دلیل نہیں ہو سکتا' کیونکہ علامت کبھی حرام ہوتی ہے' کبھی مباح۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے خارجیوں کی ایک یہ بھی علامت بیان فرمائی ہے کہ ان میں ایک کالا شخص ہو گا' جس کا ایک بازو عورت کے پستان کے مثل ہو گا۔ ظاہر ہے کہ یہ علامت حرام نہیں ہے۔ ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لڑکے کو دیکھا جس کا کچھ سر منڈا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا! اس کا تمام سر مونڈ دو یا تمام چھوڑ دو اس حدیث کی سند بخاری و مسلم کی شرط پر ہے۔ یہ حدیث کل سر منڈانے کے جائز ہونے پر صریح دلیل ہے' جس میں تاویل کی گنجائش نہیں ہے۔ ہمارے اصحاب الحدیث نے کہا کہ ہر حال میں سر منڈانا جائز ہے' لیکن اگر کسی شخص کو سر کے بالوں کی خدمت تیل ڈالنا' کنگھی وغیرہ کرنا شاق ہو تو ایسے شخص کو سر منڈانا مستحب ہے اور اگر شاق نہ ہو تو بال رکھنا مستحب ہے۔" انتھی

فتاویٰ نذیریہ جلد ثانی ص۔۵۳۵ میں ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ سر پر بال رکھنا سنت ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور حضرت علی بڑاٹیز کے سوا تمام صحابہ بڑاٹیز ہمیشہ سر پر بال رکھتے تھے اور بجز حج کے کبھی سر نہیں منڈاتے تھے' مگر سر منڈانا حرام وناجائز نہیں' بلکہ جائز ورخصت ہے' جیسا کہ یہ حدیثیں اس پر دلالت کرتی ہیں : عن علی رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ قال نھی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان تحلق المراۃ راسھا رواہ نسائی۔ یعنی "حضرت علی بڑاٹیز سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ عورت اپنے سر کے بال کو منڈائے۔" اس حدیث سے مفہوم معلوم ہوا کہ مرد کو سر منڈانا منع نہیں ہے۔

ملا علی قاری حنفی اس حدیث کی شرح کے تحت میں لکھتے ہیں : فیہ بطریق المفھوم جواز حلق الرجل ولا خلاف فیہ بل فیہ انہ سنۃ لما فعلہ علی کرم اللّٰہ وجھہ وقررہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وقال علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء راشدین ولیس بسنۃ لانہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مع سائر اصحابہ واظب علی ترک حلقہ الا بعد فراغ احد النسکین والحق انہ رخصۃ وھوا لا ظھر۔ انتھی یعنی "کہ حضور ﷺ کے اس فرمان سے کہ عورت سر نہ منڈائے یہ مسئلہ مفہوم ہوا کہ مرد کو ممانعت نہیں ہے' بلکہ جائز ہے۔

اس بات میں کسی عالم کا اختلاف نہیں ہے' کیونکہ حضرت علی بناٹھ نے یہ کام کیا ہے اور آنحضور ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ علیکم بسنة الخلفاء الراشدین یعنی میری سنت اور میرے خلیفوں کی سنت کو لازم پکڑو۔ یہ سنت تعبدیہ نہیں ہے' کیونکہ آنحضور ﷺ اور صحابہ کرام بناٹھ نے ترک حلق پر مواظبت کی ہے' لیکن اگر حج وغیرہ سے فارغ ہو کر یہ سر منڈائے تو سنت ہو گا۔ پس حق بات یہ ہے کہ سر منڈانا سنت نہیں رخصت ہے۔ یہی غالب مذہب ہے۔"

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ "رسول اللہ ﷺ نے جعفر بناٹھ کے اہل وعیال کو تین دن مہلت دی' پھر آپ ﷺ ان کے پاس آئے اور فرمایا کہ میرے بھائی پر آج کے بعد نہ رونا' پھر فرمایا میرے بھتیجوں کو بلاؤ' پھر ہم لوگ حاضر کئے گئے' گویا کہ ہم لوگ چوزے تھے' تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ حلاق کو بلاؤ' پھر اس کو آپ ﷺ نے حکم کیا تو اس نے ہمارے سروں کو مونڈ دیا۔" (اس حدیث کو ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا)

ایک شخص کے سر میں جوئیں تھیں اور وہ حالت احرام میں تھا فامرہ ان یحلق راسہ "آپ ﷺ نے حکم دیا کہ وہ اپنا سر منڈا لے۔" اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کی وجہ سے سر منڈانا جائز ہے۔ ملا علی قاری حنفی مرقاۃ شرح مشکوۃ میں لکھتے ہیں: ان الرجل مخیر بین الحلق وترکہ لکن الافضل الا یحلق الا فی احدالنسکین کما کان علیہ صلی اللہ علیہ وسلم مع اصحابہ وانفرد منھم علی کرم اللہ وجھہ یعنی "آدمی کو اختیار دیا گیا ہے کہ سر منڈائے یا نہ منڈائے' لیکن افضل بات یہ ہے کہ سر نہ منڈائے مگر حج یا عمرہ میں' جیسے آنحضور ﷺ اور صحابہ بناٹھ کا معمول تھا' صرف حضرت علی بناٹھ ان سے منفرد ہیں کہ وہ بالوں کو کٹایا کرتے تھے۔"

شیخ عبدالحق دہلوی رطیٹیہ نے حدیث سیماھم التحلیق یعنی "علامت خارجیوں کی سر منڈانا ہے" کے تحت فرمایا ہے: "شاید کہ ایں بداں جہت فرمودند کہ تحلیق درآں زماں درعرف متعارف نبود۔"

امام نسائی نے باب باندھا ہے: "باب الرخصة فی حلق الراس۔" اسی طرح امام ابوداؤد نے باب باندھا ہے: "باب فی الحلق۔" اسی طرح دیگر محدثین رطیٹیہ نے تصریح کی ہے' جس سے ثابت ہوا کہ سر منڈانے کی رخصت ہے' لیکن افضل بالوں کا رکھنا ہے بشرطیکہ ان

کا اکرام کرے یعنی خوب صفائی رکھے اور تیل وغیرہ لگا کر کنگھی کرتا رہے۔

بعض اہل بدعت کا یہ طریقہ ہے کہ ان کے سر کے بال پراگندہ ہو کر اڑتے رہتے ہیں اور وہ اپنے حال میں مست رہتے ہیں اور لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ فقیر ہیں' ولی ہیں ان کو دنیا کی زینت منظور نہیں ہے' حلانکہ ایسے لوگوں کے حق میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے : کانه شیطان "گویا کہ وہ شیطان ہے۔"

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اہلحدیث تمام سر کے بال رکھنے افضل اور سنت جانتے ہیں اور قصر اور حلق جائز کہتے ہیں۔ چنانچہ اخبار تنظیم اہلحدیث روپڑ میں "داڑھی مونچھ" کے نام سے ایک رسالہ بطور ضمیمہ شائع ہو چکا ہے۔ اس کے ص-۲۲ میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یا تو سارے سر کے بالوں کو بڑھاؤ' یا سب کو منڈاؤ۔ (مسلم) مگر منڈانے سے رکھنا افضل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے سوائے حج اور عمرہ کے کبھی اپنے سر کے بال نہیں منڈوائے۔ (نیل الاوطار) اسی طرح "گلدستہ محمدیہ" مؤلف مولوی محمد صاحب جوناگڑھی میں ہے۔ ۔ اس سے اہلحدیث کا عقیدہ معلوم ہو گیا کہ وہ سر کے بالوں کا رکھنا (جس کو ۔ کہتے ہیں) افضل جانتے ہیں اور منڈانا جائز اور رخصت کہتے ہیں۔ کیوں کہ ان کی بابت حدیث آچکی ہے جس کا ماننا بھی ضروری ہے۔

اب اہلحدیث کا تعامل لیجئے کہ اکثر اہلحدیث لوگوں کے سر پر بال رکھے ہوئے ہیں۔ ہمارے ضلع حصار میں جس قدر اہلحدیث اور عوام الناس ہیں ان سب کے پٹے ہیں۔ ضلع لائل پور' گوجرانوالہ' فیروزپور' امرتسر' لاہور وغیرہ میں اکثر اہلحدیثوں کو ہم نے دیکھا ہے ان کے بال رکھے ہوئے ہیں۔ پس "الفقیہ" کے نامہ نگار کا یہ کہنا کہ گروہ اہلحدیث کا امتیازی نشان یہ ہے کہ سر منڈاتے ہیں' سراسر جھوٹ اور افتراء ہے : انما یفتری الکذب الذین لا یومنون۔ یعنی "جھوٹ بولنا اور افتراء کرنا بے ایمانوں کا کام ہے۔"

ہاں اگر سر کے بال منڈانا جائز کہنا وہابیت کا نشان ہے' تو حنفی علماء بھی وہابی ہو جائیں گے۔ جنھوں نے سر کا منڈانا جائز لکھا ہے۔ نیز اب زمانہ حال میں اکثر مقلدین بوڑھے' جوان' لڑکے سر منڈاتے ہیں' وہ سب وہابی قرار پائیں گے' جس سے بریلوی گروہ کو نقصان پہنچے گا اور ان کی اقلیت ہو جائے گی' حلانکہ وہ ان سر منڈوں کو ملا کر اکثریت بناتے ہیں۔ باقی رہا داڑھی بڑھانے کا مسئلہ' سو وہ ٹھیک ہے کہ اہلحدیث کا واقعی امتیازی نشان اور علامت صلحاء

یہ ہے کہ داڑھی بڑھاؤ' کیونکہ صحیح حدیث میں امر وارد ہے : ارخوا اللحٰی واعفوا اللحٰی واوفوا اللحٰی ان سب کے معنے یہ ہیں کہ داڑھی کو بڑھاؤ۔ پس یہ امر ہے جو وجوب کے لیے ہے اور مطلق ہے جو اپنے اطلاق پر رہے گا۔ کسی حنفی کے لیے بروئے اصول فقہ یہ جائز نہیں ہے کہ کسی ضعیف حدیث یا قول سے اس کو قبضہ کے ساتھ مقید کر سکے۔

درمختار میں جو یہ لکھا ہے : والسنة فیھا القبضة۔ یعنی "داڑھی میں مقدار قبضہ سنت ہے یہ صریح جھوٹ ہے۔"

مبلغ دس روپے انعام: اگر مقلدین صحیح سند سے کوئی حدیث پیش کر دیں جو قبضہ پر نص ہو اور اس سے سنت ثابت ہو جائے تو مبلغ دس روپے انعام حاصل کریں' ورنہ یاد رکھیں کہ سنت جان کر جو لوگ بقدر قبضہ داڑھی رکھتے ہیں یہ سب بدعتی ہیں۔ امام ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں لکھتے ہیں : قال الطبری ذھب قوم الی ظاھر الحدیث فکرھوا تناول شئی من اللحیة من طولھا وعرضھا وقال النووی ان الاخذ من طولھا وعرضھا مخالف لظاھر الخبر فی الامر بتوفیرھا والمختار ترکھا علی حالھا۔ انتھی۔ یعنی "علامہ طبری رحمہ اللہ نے کہا کہ ایک گروہ ظاہر حدیث کی طرف گیا ہے' وہ کہتے ہیں داڑھی کے طول عرض سے کوئی بال نہ لینا چاہیے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے کہا کہ طول وعرض سے بال لینا ظاہر حدیث کے خلاف ہے کیوں کہ ظاہر حدیث میں بڑھانے کا حکم ہے۔ مختار یہی بات ہے کہ داڑھی کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے۔"

ہم کہتے ہیں کہ قبضہ کے مدعی جو عمرو بن شعیب رحمہ اللہ کی حدیث پیش کرتے ہیں' وہ ضعیف ہونے کے علاوہ نص نہیں ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کا فعل نسک کے ساتھ مخصوص ہے' جہاں حلق راس بھی مسنون ہے۔ پھر مقلدین کے پاس کون سی دلیل ہے جو مٹھی بھر داڑھی رکھنے کے مسنون ہونے پر دلالت کرتی ہے' اگر ہے تو پیش کریں اور ہمارا تحریر کردہ انعام حاصل کریں۔ ودونہ خرط القتاد۔

احیاء العلوم میں ہے : وکرھہ الحسن وقتادة قالا ترکھا عافیة بحالھا احب الینا لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم اعفوا اللحٰی۔ یعنی "حسن رحمہ اللہ اور قتادہ رحمہ اللہ داڑھی سے بال لینے مکروہ جانتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ ہم کو داڑھی کا بحال رکھنا محبوب ہے' کیونکہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ داڑھی بڑھاؤ۔" بعض فقہ میں جو داڑھی کو مشت بھر رکھنے کو سنت قرار دے

کر اس پر موضوع روایات پیش کی گئی ہیں' یہ منبع مردود ہے' اگر مرد میدان ہیں تو ہمارے مقابلہ میں کوئی صحیح حدیث مرفوع پیش کریں جو قبضہ پر نص ہو۔ فقہی روایات کا کچھ اعتبار نہیں ہے' خود علماء احناف نے ہی تصریح کر دی ہے کہ کتب فقہ اور صحیح فتاوے اور ان کی شروح موضوع روایات سے مملو ہیں' جن کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ داڑھی بڑھانا مسنون ہے اور امت محمدیہ ﷺ اس امر سے مامور ہو چکی ہے۔ اب اس کا عمداً خلاف کرنے والا عاصی ہے جو لائق تنبیہہ ہے۔

کیا سر منڈانا بدعت ہے؟: گزشتہ اوراق میں ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ اہلحدیث بالوں کو منڈوانا ازروئے ضرورت مشروع و مسنون اور بلا ضرورت جائز و رخصت سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اہلحدیث کی کتابوں اور ان کے رسالوں میں یہ مسئلہ صاف لکھا ہوا موجود ہے اور ان کا تعامل بھی اس کا شاہد عدل ہے' لیکن "الفقیہ" کا نامہ نگار جس کی کوشش یہ ہے کہ خصم کی ہربات میں نقیض نکل کر جدال وفساد کو طول دیتے ہوئے فخر ونامور ی حاصل کرے۔ تلبیس کی بنا پر لکھتا ہے کہ وہابیوں کی چھٹی بدعت سر منڈاتے رہنا ہے' حالانکہ سر منڈانا بروئے حدیث جائز ہے۔ حکم وارد ہے : احلقوہ کلہ او اترکوہ کلہ۔ "یا کل سر منڈاؤ یا کل سر رکھو۔" پس اس سے اجازت پائی گئی۔

بدعت وہ ہے جو بعض حنفی فقراء نے سر پر بڑی بڑی جٹا رکھی ہوئی ہے' جو شانوں سے نیچے گزر کر پشت پر پہنچ گئی ہے' وہ بال کھولے ہوئے خانقاہوں میں ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں اور طرح طرح کے اخلاقی جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ عورتیں ان کی فرضی پارسائی کے دام تزویر میں پھنس کر اپنی عفت وعصمت سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہیں۔ یہ لوگ ہاتھوں میں لوہے کے چھلے اور گلے میں منکوں کی بلا ڈالے ہوئے "یاعلی مولا مشکل کشا" کے نعرے لگاتے پھرتے ہیں' یا بدعتی وہ ہیں جو ملنگ کہلاتے ہیں۔ بغل میں نلو یعنی سنکھ دبائے ہوئے اور یاعلی کا نعرہ مارتے ہوئے قبروں' میلوں اور عرسوں میں موجود ہوتے ہیں۔ سر بھی منڈائے ہوئے اور داڑھی مونچھ وغیرہ سب ہی صفا چٹ کرائے ہوئے علی رضی اللہ عنہ کی امت کہلاتے ہیں۔ بدعتیوں کی یہ سوسائٹی جب دیہات میں گشت لگاتی ہے' تو ہندوؤں' سکھوں کی طرح سنکھ بجاتی ہے اور اہل بدعت کا مصنوعی عشق ظاہر کرنے کو بھنگ پی کر خاک پر لیٹتی ہے۔ نماز' روزہ کا نام نہیں لیتی۔ جب ان کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا جاوے تو صاف کہتے

ہیں کہ "او تم خشک ملاں ہو۔" وہابی لوگ عشق الٰہی کے رموز کو کیا جانیں۔ اس پر جھوم جھوم کر یہ شعر پڑھتے ہیں۔

نہ رکھ روزہ نہ مر بھوکا نہ جا مسجد نہ دے سجدہ
وضو کا توڑ دے کوزہ شراب شوق پیتا جا

عوام کالانعام ان کو فقیر' ولی' اللہ کے لاڈلے جانتے ہیں اور ہم کو جو ایسوں کو کافر و منکر شرع کہتے ہیں' فقیروں' بزرگوں کا منکر قرار دیتے ہیں' اگر بریلویوں کے یہی ولی ہیں تو ایسے ولیوں اور ان کے معتقدوں کے کیا کہنے ہیں۔ یہ پیر ولی اور ان کے مرید و معتقد خانقاہوں میں ہی رہیں تو بہتر ہے۔ موحد لوگ تو ان کی شکلیں بھی پسند نہیں کرتے' اگر اتفاقیہ ان بدوضع لوگوں میں موحد کا گزر ہو جائے' تو وہ ضرور اس کو دیکھ کر انگشت نمائی کرتے ہیں اور اس کی شریفانہ داڑھی کو دیکھ کر مخول اڑاتے ہیں' یہ تو صرف ایک گروہ اہل بدعت کا حال ہے جو سوتر کی انٹی سے یوسف کے خریدار بنتے ہیں' باقی ان بدعتیوں کا ایک گروہ دوسری ہیئت کا ہے۔ وہ چلہ گاہوں میں بیٹھ کر درود و وظائف کرتے ہیں اور جو کی روٹی کھاتے ہیں۔ گلے میں تسبیحاں ڈالے ہوئے اور خاکی رنگ کے چولے پہنے ہوئے اور ظاہر میں صوفیانہ رنگ میں رنگے ہوئے مسجدوں اور خانقاہوں یا بیابانوں کے حجروں سے' یا پہاڑوں کے کھنڈروں سے نمودار ہوتے ہیں۔ ان کی داڑھی تو ہوتی ہے' لیکن سر پر بال نہیں ہوتے' صرف ہلکی سی ٹوپی ہوتی ہے' یا سر پر کوئی خاص رنگ کا کپڑا لپٹا ہوتا ہے۔

ابوالفرج ابن جوزی رحمہ اللہ نے ایسے اہل بدعت کی تلبیس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

وقد كان في صوفية من يجعل على راسه خرقة مكان العمامة وهذا ايضا شهرة لانه على خلاف لباس اهل الشرع۔ یعنی "صوفیہ میں بعض ایسے ہوتے ہیں جو بجائے عمامہ کے سر پر ایک خرقہ لپیٹ لیتے ہیں اور یہ بھی شہرت ہے' کیونکہ یہ لباس اہل شرع کے خلاف ہے۔"

میں کہتا ہوں کہ اہل بدعت کی خانقاہوں میں گیرو سے رنگے ہوئے چولے والوں کا کوئی شمار نہیں ہے' ان کے سر بھی منڈے ہوئے ہیں اور وہ غیراللہ کا نعرہ مارنے والے قبروں کی پرستش کرتے ہیں اور فقیری کا دعویٰ رکھتے ہیں' حالانکہ بروئے شرع علماء دین نے ان کو کافر قرار دیا ہے۔ چنانچہ کتب اہل اسلام میں ان کا ذکر موجود ہے۔

• خلاصہ یہ کہ اہل بدعت کا یہ گروہ صرف ٹوپی منڈے ہوئے سر پر پہننے والا شریعت کے خلاف چلنے والا ہے' اگر اہل شریعت ہوتا تو سر پر بال رکھتا اور ٹوپی پر دستار باندھتا' کیوں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں : فرق ما بیننا وبین المشرکین العمائم علی القلانس۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد) یعنی "ہمارے اور مشرکین کے درمیان یہ فرق ہے کہ ہماری ٹوپیوں پر عمامے باندھے ہوئے ہیں۔" اسی طرح ان اہل بدعت کے بہت گروہ مداری' قلندر' منڈے فقیر' پیر' مجاور سر داڑھی منڈے ہوئے پھرتے ہیں' بلکہ ضلع ملتان اور ضلع ساہیوال میں تو امتیازی نشان یہی ہے کہ جو داڑھی والا ہے اور آہستہ آہستہ نماز پڑھتا ہے' وہ وہابی ہے اور جو بالکل نماز نہ پڑھے' یا پڑھے تو جلدی جلدی کوے کی طرح ٹھونگے مارے اور داڑھی صفا چٹ ہو' یا خشخاشی ہو تو وہ پورا مجسم اہل سنت ہے اور اگر عورتوں میں بیٹھ کر عاشقانہ غزلیں پڑھتا اور جھومتا ہو تو وہ ان کے نزدیک ولی ہے' پھر سب مرد عورتیں اس کے پاؤں کو چوم کر تبرک حاصل کرتے ہیں۔ پھر حقیقت اصلیہ کا پتہ اس وقت لگتا ہے جب کسی مریدنی کو اغواء کر کے لے جاتا ہے' لیکن ان بیوقوف لوگوں کی ایسی حسن ظنی ہے کہ ان کو اہلحدیثوں سے اچھا جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری لڑکی نہایت ہی خوش نصیب تھی' جس کو پیر صاحب کی مصاحبت و مجالست و مجامعت وغیرہ کا شرف حاصل ہوا' شاید ہماری اس کے طفیل سے ہی نجات ہو جائے گی۔ (تف ہے ایسے مذہب وعقیدہ پر)

"الفقیہ" کے نامہ نگار فیاض الدین نے سرمنڈانے کے منع ہونے پر یہ حدیث بطور دلیل پیش کر کے اپنی جہالت کا ثبوت دیا ہے کہ لیس منا من حلق۔ "سر منڈانے والا ہم مسلمانوں میں شامل نہیں ہے۔" اس سے یہ تو بات ظاہر ہوئی کہ فرقہ بریلویہ کے نزدیک سر کے بال رکھنے فرض ہیں' ایسے فرض کہ جن کے ترک سے اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ نعوذ باللّٰہ من ھذہ العقیدۃ الفاسدۃ۔ شرح سفر سعادت میں ہے۔ "ہرگاہ کہ سر تراشیدی ہم سر تراشیدن فرمودے۔" یعنی تمام سر منڈانے کا بھی آنحضور ﷺ نے حکم فرمایا۔ اس کے حاشیہ پر لکھا ہے۔ تراشیدن موئے سر مرداں را باتفاق جائز است۔ یعنی سر کے بالوں کا مردوں کے لیے منڈانا' کٹانا سب کے نزدیک باتفاق جائز ہے۔ پہلے ہم لکھ چکے ہیں کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ بروئے حدیث انسان مخیر ہے کہ سر منڈائے یا رکھے' لیکن رکھنا افضل ہے' اگر آج فرقہ بریلویہ کا ایک نامہ نگار جس کو علم حدیث سے دور کا تعلق بھی معلوم

نہیں ہوتا' یہ لکھتا ہے کہ سر منڈانے والے مسلمانوں سے خارج ہیں۔ خیر ہمیں تو کوئی نقصان نہیں ہے' اہل بدعت کے ہی وہ گروہ جو سر' منہ بھدرا کرا کر یاعلی کے نعرے لگانے والے ہیں مسلمانوں سے خارج ہو جائیں گے' جس سے اہل بدعت کی اکثریت کا جس کو وہ صداقت کی دلیل جانتے ہیں خسارہ پہنچے گا ورنہ ہم تو ایسی باتوں کو اس شعر کے مصداق جانتے ہیں۔

پیاں نہیں جدال کا انصاف شرط ہے
بے اصل بات اشتر گربیں کا ضرط ہے

دوسری یہ بات نمایاں ہو گئی کہ الفقیہ کا نامہ نگار علم حدیث سے بالکل کورا ہے' کیونکہ نہ تو حدیث کا یہ مورد ہے اور نہ سیاق و سباق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جرم سر منڈانے کے متعلق وارد ہوا ہے۔ متکلم کے خلاف منشاء معنے کرنا مارد اور متمرد لوگوں کا کام ہے' اسی واسطے کہا گیا ہے : تاویل الکلام بما لا یرضی به القائل باطل۔

ناظرین کرام! اللہ غور کریں' اس نامہ نگار نے حدیث میں خیانت سے کام لیا۔ ایک تو اس کے پورے الفاظ نہیں لکھے۔ صرف لا تقربوا الصلوٰۃ پڑھ کر نماز ترک کرا دی اور دوسرا معنی و مطلب غلط کیا۔ اصل حدیث ابوداؤد میں یوں ہے : لیس منا من حلق ومن سلق ومن خرق۔ حضرت ابو موسیٰ بناٹھ کے فوت ہونے پر یزید بن اوس بناٹھ نے ان کی بیوی کو سنائی کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی کسی کے مرنے پر سر منڈائے اور چلا کر روئے اور کپڑے پھاڑے وہ ہمارے طریقہ پر نہیں ہے۔ پس یہ حدیث نوحہ' جزع فزع اور سوگ ناجائز کرنے کے متعلق وارد ہے۔ بے علم نامہ نگار نے کہیں کی بات کہیں لا کر جوڑ دی۔ کسی نے سچ کہا ہے :

کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا
بھان متی نے کنبہ جوڑا

اسی واسطے علماء اصول نے لکھا ہے کہ فا لادلة الاربعة انما یتوصل بها المجتھد لا المقلد۔ یعنی "ادلہ اربعہ کو مقلد نہیں پہنچ سکتا" مقلد کے لیے اس کے اماموں کا قول دلیل ہے۔" استدلال مجتہد کا کام ہے نہ کہ مقلد لوگوں کا۔ مقلد تو ناحق استدلال کی جرات کرتے ہیں اور پھر اپنی جہالت کی وجہ سے منہ کے بل گرتے ہیں۔"

سنئے! اس حدیث کے حاشیہ ابوداؤد پر جو مرقاۃ شرح مشکوۃ سے مستفاد ہے۔ یہ لکھا ہے :
قال ابن الملک وکان من عادۃ العرب اذا مات واحد هو قریب ان یحلق راسه کما ان عادۃ بعض العجم قطع بعض شعر الراس۔ یعنی "عرب کے جاہلوں کا یہ دستور تھا کہ جب ان میں کوئی مر جاتا تو ان کا قریبی سر منڈوا دیتا' جیسے بعض عجمیوں کی بھی یہ عادت ہے کہ بعض سر کا حصہ منڈوا دیتے ہیں۔" اس پر آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا ہے۔ چنانچہ الفاظ سلق اور خرق اس معنی پر صاف دلالت کرتے ہیں اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کا مرض موت میں اپنی عورت کو یہ حدیث سنانا اور یزید بن اوس رضی اللہ عنہ کا اس کو دوبارہ واضح کرنا' جیسے کہ ابوداؤد میں مذکور ہے' اس امر کی صاف دلیل ہے کہ یہ حدیث میت کے نوحہ کے متعلق وارد ہے۔ "الفقیہ" کے نامہ نگار کا مطلقاً ہر حالت میں سر منڈانے پر اس کو چسپاں کرنا تلبیس کی وجہ سے ہے۔

حاشیہ ابوداؤد میں ہے : وقیل اراد به التی تحلق وجهها للزینة قلت هذا الا خیر بعید من المقام۔ یعنی "بعض نے کہا کہ اس منڈانے سے منہ کا زینت کے لیے منڈانا مراد ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ اخیری مقام سے بعید ہے۔"

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ ابن ماجہ کی حدیث میں وارد ہے : انا بری ممن حلق وسلق وخرق۔ یعنی "میں میت پر سر منڈانے والے' اور کپڑے پھاڑنے والے اور چلانے والے سے بیزار ہوں۔" محدثین کرام رحمہم اللہ نے یہی مطلب سمجھ کر اس حدیث کو کتاب الجنائز میں بیان کیا ہے' اگر بریلوی گروہ اپنی بددیانتی کی وجہ سے اس کو میت پر نوحہ کرنے پر چسپاں نہ کرے اور عموم لفظ کا اعتبار نہ کرے تو یہ بتلائے کہ حلق مطلق وارد ہے۔ اس کے ساتھ راس کی قید کہاں؟ یہ بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس سے داڑھی منڈانا مراد ہے' زیر ناف کے بال منڈوانا مراد ہے' خط کرانا مراد ہے' جیسے عموماً حنفی کراتے ہیں' پیشانی کے بال منڈوانا مراد ہے۔ کوئی مونچھ کا بیری یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ اس سے مونچھوں کا منڈا دینا مراد ہے۔ غرض عموم لفظ سے ہر شخص اپنے من مانے معنی مراد لے گا' کون اس کو روک سکتا ہے' کیونکہ حلق مطلق مراد ہے اور حنفیہ کے نزدیک عموم اور اطلاق کا اعتبار ہے۔

نیز یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ خارجیوں کی علامت میں جو حدیث وارد ہے : سیماهم التحلیق۔ اس کے معنے ہیں کہ حلقے باندھ باندھ کر لوگوں کو بٹھلائیں گے اور حلق کو باتشدید

پڑھ کر بھی یہ معنے کر سکتا ہے کہ جو حلقے باندھے وہ ہم میں سے نہیں۔ اب حلقہ کا مطلب خرق وسلق سے ظاہر ہو گا کہ چلانے وپھاڑنے والے حلقے' جیسے تعزیوں میں مل کر نوحہ کرتے ہیں اور تحلیق سے مراد بدعتیوں کے وہ حلقے مراد لئے جائیں جو اپنے چالیسویں وغیرہ بدعات پر منعقد کر کے چلا چلا کر پڑھتے ہیں' تو بدعتی اس کا کیا جواب دے سکتے ہیں۔ اسی طرح سلق سے بدعتیوں کا وہ صنیع مراد ہو جو بلند آواز سے کلمہ طیبہ کے نعرے لگاتے ہیں' یا غیراللہ کے نام لے کر نعرے مارتے ہیں' تو عموم لفظ میں یہ سب شامل ہو سکتے ہیں۔ اگر اہل بدعت کو یہ سب معانی ومطالب منظور نہ ہوں تو پھر حدیث کے سیاق وسباق اور الفاظ سے قرائن سے وہی مطلب مراد لیں جو ائمہ محدثین رحمہم اللہ نے سمجھا ہے کہ اس سے مراد میت پر ناجائز ماتم کرنا' سر منڈانا' چیخنا چلانا' کپڑے پھاڑنا مراد ہے اور "الفقیہ" کے نامہ نگار کا اس کو علی الاطلاق ہر حالت میں سر منڈانے پر پیش کرنا جہالت ہے اور وہ حدیث من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار کے مصداق ہیں' کیونکہ آنحضور ﷺ نے تو سر منڈانے کی اجازت دی ہے اور وہ آنحضرت ﷺ کا یہ حکم قرار دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نے سر منڈانے والوں کو مسلمانوں سے خارج کر دیا ہے۔ سو یہ آنحضور ﷺ پر صریح بہتان ہے۔ ناظرین کرام دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اس سے بچائے اور خاتمہ بالخیر کرے' آمین ثم آمین۔

سر منڈانے کے متعلق پیران پیر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ: "الفقیہ" کے دفتر بہتان سے جو اکاذیب واباطیل شائع ہوئے ہیں' ان میں سے ایک جھوٹ یہ بھی ہے کہ اہلحدیث کا امتیازی نشان سر منڈانا ہے۔ گزشتہ اوراق میں ہم نفس مسئلہ پر روشنی ڈال کر اخبار مذکور کے نامہ نگار کو بیمار جان کر شربت دینار پلا چکے ہیں۔ اب اس کے خمار کے جواب میں یہ گفتار ہے کہ اس نے سر منڈانے کے ناجائز ہونے پر جو حدیث نقل کی ہے وہ "غنیۃ الطالبین" سے نقل کی ہے اور غنیہ اس بزرگ کی کتاب ہے جس کو فرقہ بریلویہ اپنی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے وقت پوجا کرتا ہے۔ یعنی اس کے نام کا وظیفہ بھی کرتا ہے اور مل سے گیارہویں بھی دیتا ہے۔ اس کے شہر بغداد کی طرف گیارہ قدم بھی چلتا ہے۔ آج اس بزرگ سے استدلال کیا جاتا ہے کہ سر منڈانا ناجائز ہے' اس کا جواب سنئے۔

غنیۃ الطالبین کے مصنف پیر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہوں' یا کوئی اور ولی اللہ ہوں' صوفی بزرگ ہوں' یا شیخ الطریقت ہوں' مجتہد مطلق ہوں' یا مجتہد منتسب ہوں سب کے متعلق ہمارا یہ

خیال ہے کہ ان سے غلطی ممکن ہے' کیونکہ سوائے انبیاء کرام علیہم السلام کے کوئی معصوم نہیں ہے۔ علامہ ابوالفرج ابن جوزی رحمہ اللہ نے کیا عمدہ فرمایا ہے : ویکون الرجل من الاولیاء واھل الجنة وله غلطات فلا یمنع منزلتهٗ بیان ذالک وان من نظر الی تعظیم شخص ولم ینظر بالدلیل الی ما صدر عنه کان کمن نظر الی ماجری علی ید المسیح علیه السلام من الامور الخارقة ولم ینظر الیه فادعی فیه الا لوھیة ولو نظر الیه وانه لا یقوم الا بالطعام لم یعطه ما لا یستحقه (تلبیس ابلیس) یعنی "بسا اوقات انسان اولیاء اللہ اور اہل جنت سے ہوتا ہے اور غلطیاں کرتا ہے' اس کی لغزشوں کا ظاہر کرنا اس کے مرتبہ کا مانع نہیں جاننا چاہیے کہ جو شخص ایک آدمی کی تعظیم کا خیال کرے گا اور اس کے افعل پر دلیل کے ساتھ غور نہ کرے گا' وہ ایسا ہے جیسے ایک شخص نے ان خوارق وکرامات کو دیکھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے سرزد ہوئیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر غور نہ کیا اور ان کی الوہیت کا دعویٰ کر بیٹھا۔ اگر وہ خیال دوڑاتا کہ وہ بھی فقط کھانے پینے سے زندہ ہیں' تو ہرگز ان کو وہ منصب نہ دیتا' جس کے وہ مستحق نہیں ہیں۔"

بنابریں یہ عرض ہے کہ پیر صاحب محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ عظیم الشان شخص ہیں' لیکن نہ ان کو خدائی کا درجہ حاصل ہے' جیسا کہ فرقہ بریلویہ کا خیال ہے اور نہ ہی منصب رسالت حاصل ہے۔ لہٰذا ان سے غلطی ممکن ہے۔ چنانچہ مسئلہ ہذا میں جو پیر صاحب موصوف نے یہ فرمایا ہے کہ سر منڈانا مکروہ ہے اور اس پر حدیث لیس منا من حلق پیش کی ہے یہ ان کی لغزش ہے جو ناقابل قبول ہے اور نہ یہ خارجیوں کی علامت ہونے سے مکروہ ہو سکتا ہے' کیونکہ علامت کسی کی مباح کام بھی ہو سکتا ہے۔ کما مرا وسیاتی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اور یہ پیر صاحب رحمہ اللہ نے امام احمد رحمہ اللہ کی پہلی روایت کی بنا پر لکھا ہے' مگر دوسری روایت اس کے خلاف ہے اور یہ واضح ہے کہ "الفقیہ" کے نامہ نگار نے حسب عادت "غنیۃ الطالبین" کا فیصلہ پیش کرنے میں خیانت کی ہے۔ شیخ صاحب موصوف نے غنیہ میں امام احمد رحمہ اللہ سے دو روایتیں نقل کی ہیں۔ ج ومھو ایک میں مکروہ روایت کیا ہے اور دوسری میں جائز ہونا لکھا ہے۔ فیاض نے آخری فیصلہ کو یہود کی طرح چھپا کر کتمان حق کا ثبوت دیا ہے۔

اب ہم اس کو نقل کر کے ناظرین پر اصل حقیقت کا انکشاف کرتے ہیں : والروایة

الاخریٰ لا یکرہ ذلک لما روی ابوداؤد باسنادہ عن عبداللّٰہ بن جعفر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ قال ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ارسل الی جعفر بلا لا ان یاتیھم ثم اتاھم فقال لا تبکوا علی اخی بعدالیوم ثم قال صلی اللّٰہ علیہ وسلم ادعوا لی بنی اخی فجی بنا کانا افراخ فقال صلی اللّٰہ علیہ وسلم ادعو الی الحلاق فامرہ فحلق رؤسنا وقد روی ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم حلق راسہ فی اخر عمرہ بعد ان کان شعرہ یضرب منکبیہ و فی حدیث علی رضی اللّٰہ عنہ کان شعر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الی شحمتی اذینہ ولان الناس عصرًا بعد عصر یحلقون ولم یظھر علیھم نکیرو لان فی ذلک مشقۃ جری فیھا کما عفی عن سورالھرت وحشرات الارض۔ انتھٰی کلامہ یعنی "دوسری روایت میں ہے کہ سر منڈانا مکروہ نہیں ہے' کیونکہ امام ابوداؤد نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ کو آل جعفر رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا کہ وہ حاضر خدمت ہوں۔ چنانچہ وہ حاضر ہوئے تو فرمایا ان کو مت روؤ میرے بھائی پر آج کے دن کے بعد' پھر فرمایا میرے بھتیجوں کو حاضر کرو۔ چنانچہ وہ حاضر ہوئے گویا کہ مرغی کے بچے تھے۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کے سر مونڈ دو۔ چنانچہ ان کے سر مونڈ دیئے اور روایت میں ہے کہ خود نبی اکرم ﷺ نے آخری عمر میں اپنے سر کو منڈایا' جبکہ آپ کے بال کندھوں پر پڑتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کے بال کانوں کی لو تک تھے (اس وقت سر منڈایا) اور اس سبب سے منڈانا جائز ہے کہ لوگ زمان بعد زمان یعنی ہر زمانہ میں ہمیشہ سر منڈاتے رہے اور ان پر کسی عالم نے انکار نہیں کیا اور اس سبب سے بھی جائز ہے کہ منع قرار دینے میں سختی اور تنگی ہے' اس لئے معافی دی گئی جیسے بلی کے جھوٹے اور زمین میں رہنے والے جانوروں (کیڑے مکوڑے) کے جھوٹے سے معافی کی گئی ہے۔"

ناظرین کرام! للہ اس تصریح پر غور کریں اور پھر فیاض کی مندرجہ ذیل تحریر پڑھیں۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ کتاب غنیۃ الطالبین میں جناب حضرت پیران پیر محبوب سبحانی قطب ربانی جناب شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے باب المجالسۃ میں مذکور الصدر حدیث لکھ کر آثار صحابہ سے اور بھی اس کی کراہیت ثابت کی ہے اور فیصلہ دیا ہے کہ مسلمانوں کو سر منڈانا مناسب نہیں ہے' بلکہ مکروہ ہے اور کفار عجم سے مشابہت ہے : من تشبہ بقوم فھو

منہم۔

آخر میں لکھتے ہیں کہ سر کے بل قینچی سے لئے جائیں تو اس کی مخالفت نہیں ہے۔ یہ فیصلہ ہے ان پیران پیر صاحب کا جن کی کتاب غنیتہ الطالبین کو بارہا خود وہابی شائع کر چکے ہیں اور اس کا ترجمہ کر کے خوب پیسے بٹور چکے ہیں' کیونکہ جناب کے نام لیوا ہندوستان میں بہت ہیں اور کتاب متبرک سمجھ کر خریدنا اپنا فخر سمجھتے ہیں۔ انتھی۔

ہم کہتے ہیں کہ آخری فیصلہ وہی ہے جو ہم نے نقل کیا ہے۔ چنانچہ غنیہ میں موجود ہے اب ناظرین ملاحظہ کر کے انصاف کر سکتے ہیں۔ پس پیر صاحب کا یہ آخری ہی فیصلہ ہمیں منظور ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آخری عمل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر منڈایا تھا۔ پس ممانعت منسوخ ہو گئی اور جواز قائم ہوا۔ پیر صاحب نے سر منڈانے کو حدیث اور اجماع امت اور قیاس صحیح اور دلیل عقل سے جائز ثابت کر دیا ہے اور آخر میں یہ لکھ کر یہ ظاہر کیا ہے کہ اصلی فیصلہ یہ ہے۔ اب جو شخص سر منڈانے کو ناجائز کہتا ہے وہ جاہل ہے' منکر حدیث ہے' منکر اجماع ہے' منکر اجتہاد ہے۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

ہاں جناب! یہ آخری فیصلہ جو پہلے فیصلہ کا ناسخ ہے' ان پیر صاحب کا ہے' جن کے نام کی آپ کے بھائی گیارہویں دیتے اور مشکل کشا اور عالم الغیب جانتے ہیں۔ انہوں نے (علی زعمکم) غیب سے جان لیا ہو گا کہ سر منڈانے کی ممانعت پر ہماری کتاب سے فیاض امرتسری استدلال کرے گا' اس لئے آخری فیصلہ حدیث اور اجماع امت سے آخر بحث مسئلہ کے لکھ دوں' تاکہ ہمارا ہمنام اہلحدیث اس فیصلہ کو پیش کر کے ہمارے مریدوں پر ثابت اور واضح کر دے کہ اہلحدیث تو کتاب غنیہ کو شائع بھی کرتے اور بیچتے بھی ہیں اور خریدتے بھی ہیں اور پڑھاتے بھی ہیں' اس کا ترجمہ کر کے دنیا پر پیر صاحبؒ کے عقائد و اعمال پھیلاتے بھی ہیں' لیکن پیر صاحب کے جھوٹے نام لیوا اول تو پیر صاحب کی کتاب کو پیر صاحب کی تصنیف ہی نہیں جانتے' اگر جانتے ہیں تو اس کو مانتے نہیں۔

کہتے ہیں کہ پیر صاحب حنبلی تھے' ہم حنفی ہیں' لیکن مشکلات کے وقت پیر صاحب کے دروازہ پر بھیک مانگتے ہیں' حالانکہ وہ اپنی کتاب میں اعلان کر چکے ہیں کہ انما المخلاتق

لو جھدوا ان ینفعوا المرء بما لم یقضہ اللّٰہ تعالٰی لم یقدروا علیہ ولو جھدوا کما فی خبر ابن عباس او قال اللّٰہ تعالٰی وان یمسسک اللّٰہ بضر فلا کاشف لہ الا ھو وان یردک بخیر فلا راد لفضلہ یصیب بہ من یشاء من عبادہ۔ (غنیتہ الطالبین) یعنی "اگر تمام مخلوق مل کر کوشش کرے یہ کہ نفع پہنچائے کسی آدمی کو اس چیز سے جو نہیں مقدر اور قضا کی اللہ تعالٰی نے تو نہ قادر ہوں گے اس پر اور اگر کوشش کریں کہ تکلیف پہنچادیں اس کو اس چیز سے جو نہیں قضا کی تو نہیں کر سکیں گے۔ جیسے حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ میں وارد ہے اور اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے' اگر لگائے اللہ تعالٰی تجھ کو کوئی برائی پس نہیں کوئی کھولنے والا اس کو' مگر اللہ اور اگر ارادہ کرے تیرے ساتھ بھلائی کا تو نہیں کوئی پھیرنے والا اس کے فضل کو اور وہ اپنا فضل اپنے بندوں سے جس کو چاہتا ہے پہنچا دیتا ہے۔" اس سے ثابت ہوا کہ یہ کہنے والے

امداد کن امداد کن از بند غم آزاد کن
در دین دنیا شاد کن یا شیخ عبدالقادرا

مشرک ہیں۔ پس ایسے مشرکوں کو جو منہ سے پیر صاحب کے عاشق بنتے ہیں' غنیہ کی حقیقت کا کیا پتہ ہے؟ پیر صاحب کی غنیہ کا کلمہ کلمہ' حرف حرف فرقہ بریلویہ کے عقیدہ وعمل کی جڑ کاٹتا ہے۔ چنانچہ ہمارا ایک مضمون اخبار تنظیم میں شائع ہو چکا ہے' جس میں ہم نے ثابت کیا ہے کہ فرقہ بریلویہ پر پیران پیر محبوب سبحانی کا فتویٰ کفر ہے' اگر بریلوی اہل بدعت پیر صاحب کی کتاب کو صحیح معنوں میں پڑھتے ہیں تو اس مضمون کو قبول کر کے حق کی طرف رجوع کریں' یا مرد میدان بن کر اس کا جواب باصواب تحریر کریں ورنہ منہ سے کچھ کہنا اور عمل کچھ کرنا منافقین کا شیوہ ہے۔

سنو اے بریلویو! ہم تو پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کسی لغزش اور خطا کا اظہار کر سکتے ہیں' کیونکہ ایک تو ہم ان کو عالم الغیب نہیں جانتے' دوم ہم کو شریعت کی پاسداری منظور ہے۔ چنانچہ تلبیس ابلیس میں ہے کہ ہم صوفیاء کی بعض غلطیاں جو ہم کو پہنچی ہیں بیان کریں گے اور اللہ تعالٰی اس کو خوب جانتا ہے کہ غلط گو کی غلطی بیان کرنے سے ہمارا مقصود فقط یہ ہے کہ شریعت پاک ہو جائے اور لوگوں کو شرع پر غیرت دلائی جائے۔ ہم کو اس بیان کی کوئی حاجت نہیں صرف اتنی بات ہے کہ علمی امانت ادا کی جاتی ہے اور علماء میں سے ہر ایک کا یہ قاعدہ

رہا ہے کہ ایک دوسرے کی غلطی ظاہر کرتا رہا ہے جس کا مطلب یہ نہیں ہوتا تھا کہ غلط گو کے عیب ظاہر کئے جاوے' بلکہ اس لئے کہ حق ظاہر ہو جائے' اگر کوئی جاہل کہے کہ بھلا فلاں زاہد متبرک پر کیوں کر اعتراض کر سکتے ہیں تو اس کے قول کا کچھ اعتبار نہیں' کیونکہ اطاعت صرف احکام شریعت کی کی جاتی ہے' لوگوں کی اطاعت نہیں ہوتی۔ انتھی مترجمہ

مگر جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ پیر صاحب عالم الغیب ہیں' کلی جزئی سب علوم غیبیہ کے مالک ہیں اور مختار مطلق ہیں وہ پیر صاحب کی غلطی نہیں نکال سکتے اور ان کی کتب کو پس پشت نہیں ڈال سکتے۔ ان کی کتب اور ان کے کسی بیان کردہ مسئلہ کا انکار کرنا گویا اللہ کا اور اللہ کے علم کا انکار کرنا ہے' کیوں کہ پیر صاحب ان کے عقیدہ میں خدائی کے درجہ میں ہیں۔ یعنی قادر ہیں' رازق ہیں' محی ہیں' ممیت ہیں' خیر و شر کے عالم ہیں' قاضی الحاجات ہیں۔ پس اے بدعت کے متوالو! تمہارا فرض ہے کہ سورۃ فاتحہ کو نماز کا رکن مانو' رفع یدین کو نماز میں سنت قرار دو' آمین بالجہر کے عامل ہو جاؤ' ہر چالیس آدمیوں پر خواہ وہ شہر میں ہوں یا گاؤں میں ہوں جمعہ فرض جانو اور حنفیہ کو مرجیہ قرار دے کر اس مذہب کو چھوڑ دو اور ایمان' قول و فعل اور تصدیق و عمل کو قرار دو' ذات الٰہی کو عرش معلی پر اعتقاد کرو اور مریدوں کے مال ناجائز طریقہ سے نہ کھاؤ اور قبروں کو پختہ نہ بناؤ اور ماسوائے ذات الٰہی کے کسی سے مدد طلب نہ کرو اور ان اعمال کو ترک کر دو جو شریعت سے ثابت نہیں۔ مثلاً روٹی پر ختم' میت کا تیجا' ساتواں' چالیسواں' ششماہی' عرس وغیرہ اور گیارہوں پیران پیر وغیرہ وغیرہ۔

وہ مسائل جو غنیۃ الطالبین وغیرہ میں ہیں' تسلیم کر کے سچے پکے مسلمان ہو جاؤ ورنہ پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ قیامت کے دن تمہارے دامنگیر ہوں گے۔

بریلوی : وہابی فرقہ جب قول صحابہ اور عمل صحابہ کو حجت شرعی نہیں مانتا اور ایسے موقعہ پر صرف طرز عمل نبوی ﷺ اور قول نبی ﷺ پر عمل پیرا ہونے کا دعویدار ہے' تو اس کا کوئی حق نہیں کہ عمل نبوی اور قول نبوی ﷺ کے خلاف اپنی رائے سے کوئی استدلال پیش کرے۔

عبدالقادر :

کون سنتا ہے کہانی تیری اے یار غلط
کیوں بغل میں لئے پھرتا ہے تو طومار غلط

قول نبوی ﷺ' عمل نبوی ﷺ اور عمل صحابہ رضی اللہ عنہم سے سر کا منڈانا جائز ثابت ہو چکا ہے' جس کو اہل علم سمجھ گئے ہیں' اب آپ کے سب اعتراض لایعنی ہیں۔ کسی صحابی نے سر منڈایا کسی نے رکھایا۔ آنحضور ﷺ نے کبھی سر منڈایا اور کبھی رکھایا تو اس میں کوئی تعارض نہیں ہے' سب جائز ہیں۔ صرف افضل وفضول کا فرق ہے۔ محدثین کتب احادیث میں اس کی تصریح کر چکے ہیں' لیکن مثل مشہور ہے کہ "گدھا کیا جانے زعفران کی بہار۔" آپ کو اس تحقیق کا کیا علم؟ سنئے! بریلوی پیر' فقیر' ملاں' مولوی علم حدیث سے ناآشنا ہیں۔ فقیر جاہل شیطان کا گھوڑا ہوتا ہے' اس لئے تم پر وہی سوار ہے' جو تم بے پر کی اڑاتے چلے جاتے ہو۔

چند مسائل جن میں مقلدین نے فرمان نبوی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا خلاف کیا: اہلحدیث تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے قول وفعل نبوی ﷺ اور عمل سلف رحمہم اللہ کا خلاف نہیں کر سکتے' کیوں کہ وہ اہلحدیث ہیں' یہ وصف تو مقلدین کو حاصل ہے۔ چنانچہ چند مسائل کا موازنہ دکھلایا جاتا ہے' تاکہ ناظرین اہل انصاف کو معلوم ہو جائے کہ یہ الٹے چور کوتوال کو ڈانتے ہیں۔ ذیل میں بطور نمونہ چند مسائل ملاحظہ ہوں۔

(۱) ہدایہ میں ہے : ولیس فیه عدد مسنون۔ یعنی "استنجاء میں ڈھیلوں کا عدد مسنون نہیں ہے۔" لیکن حدیث مرفوع ہے سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں : نهانا رسول الله صلی الله علیه وسلم ان نستنجی باقل من ثلاثة احجار۔ (مسلم) یعنی "آنحضرت ﷺ نے ہم کو تین ڈھیلوں سے کم استنجاء کرنے سے منع فرمایا ہے۔" ابن ماجہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ امر بثلاثة احجار۔ یعنی تین ڈھیلوں سے استنجاء کرنے کا حکم دیا۔ اسی وجہ سے امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ ائمہ دین کہتے ہیں کہ تین ڈھیلوں سے استنجاء کرنا واجب ہے' لیکن حدیث کے بالمقابل رائے سے کام لینے والا فرقہ اہل رائے کہتا ہے کہ اس

بارہ میں کوئی عدد مسنون نہیں ہے۔ نعوذ باللہ من ھذہ الخرافات۔

(۲) سجدہ شکر عندہ الحنفیہ مکروہ ہے : وعند ابی حنیفۃ ومالک لیس بسنۃ بل ھی مکروھۃ (ھدایہ) یہ خلاف حدیث ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذ جاءہ امر سرور اویسر بہ خر ساجداً شاکراللہ تعالٰی۔ (ابوداؤد وترمذی وغیرہ) یعنی "آنحضرت ﷺ کو جب کوئی امر خوشی کا پیش آتا' یا آپ ﷺ کسی چیز سے خوش ہوتے تو شکریہ ادا کرتے ہوئے سجدہ میں گر پڑتے۔" لیکن حدیث نبوی کے مخالف اور رائے کے عاشق کہتے ہیں کہ فعل نبوی ﷺ مکروہ ہے۔ (نعوذ باللہ)

(۳) ہدایہ میں ہے : لا باس بانزاء الحمیر علی الخیل۔ یعنی "گدھے کو گھوڑی پر چڑھانے کا کوئی ڈر نہیں ہے' جائز ہے۔" لیکن صحابہ کرام حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کہتے ہیں : امرنا ان نسبغ الوضوء وان لا ننزی حماراً علی فرس۔ (ترمذی' نسائی) یعنی "آنحضور ﷺ نے حکم دیا کہ وضو خوب درستی سے کیا کریں اور گھوڑی پر گدھے کو نہ چڑھائیں۔" دیگر حدیث میں ہے کہ آنحضور ﷺ کو خچر بطور تحفہ بھیجی گئی' تو ہم نے کہا کہ ہم بھی گدھے کو گھوڑی پر چھوڑ کر ایسی خچر حاصل کریں' تو آنحضور ﷺ نے فرمایا : انما یفعل ذلک الذین لا یعلمون۔ "کہ ایسا کام تو جاہل لوگ کیا کرتے ہیں۔" (مشکوٰۃ) لیکن حدیث نبوی ﷺ کا مقابلہ کرنے والے کہتے ہیں کہ ایسے جاہلانہ فعل کا کچھ ڈر خطرہ نہیں' بیشک کرتے رہو اور حدیث نبوی کی کچھ پرواہ نہ کرو۔

(۴) چوپایہ کے پیٹ سے جو بچہ بعد ذبح کے نکلے وہ حلال ہے۔ چنانچہ حیوۃ الحیوان مصری جلد اول' ص۔۸ میں ہے : فھو حلال باجماع الصحابۃ کما نقلہ الماوردی فی الحاوی وبہ قال مالک والاوزاعی والثوری وابویوسف ومحمد واسحاق والامام احمد وتفرد ابوحنیفۃ بتحریم اکلہ۔ یعنی "وہ بچہ باتفاق صحابہ حلال ہے' جیسا کہ ماوردی نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے اور یہی مذہب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور احمد' اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ' ثوری' اسحاق اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ اکیلے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تمام اہل علم کے خلاف اس کا کھانا حرام کہتے ہیں۔"

اب مقلدین ایک امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہو کر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ دین کا خلاف کرتے ہیں۔

یہ چند مسائل کا نمونہ دکھلا کر ہم نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ مقلدین عمل نبوی اور

تعامل صحابہ کے کچھ نہیں لگتے۔ صرف رائے اور اہل رائے کے عاشق ہیں اور جو ان میں خود پایا جاتا ہے' اس کا الزام اہلحدیث کو دیتے ہیں' جیسے ناک کٹی لڑنے کے وقت پہلے ہی ناک والیوں کو نکٹیاں کہنے لگتی ہے۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر وشیر

فیاض : ہاں اگر کوئی حنفی اس قسم کا استدلال پیش کرے تو البتہ اس کے واسطے کچھ گنجائش ہو گی۔

عبدالقادر : "موشے اندر خواب خود راشتر دید۔" اے مقلد صاحب!

گر بدنیا ہمیں مقلد است
کار ملت تمام خواہد شد

اگر حنفی مقلد ہو کر استدلال کریں گے تو حنفی نہ رہیں گے۔ چنانچہ ہم گزشتہ اوراق میں یہ ثابت کر چکے ہیں کہ ادلہ اربعہ سے استدلال کرنا مقلد کا کام نہیں ہے' مجتہد کا کام ہے۔ مقلد کا کام صرف قول امام پیش کرنا ہے' اگر سر منڈانے کے ناجائز ہونے پر قول امام ہے' تو پیش کریں ورنہ خاموش رہیں۔ ایں شور وفغان چیزے نیست۔

اگر حنفی کے لیے گنجائش ہے تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فعل پر عمل کر کے سب حنفیوں کو سر منڈے بن جانا چاہیے' اس روڑے شاہ گروہ کے سروں پر ہم بھی ہاتھ پھیر دیا کریں گے۔

فیاض : مگر حضرت پیران پیر رحمہ اللہ کا فیصلہ پھر بھی ناطق رہے گا کہ سر منڈاتے رہنا خارجیوں کی علامت ہے۔

عبدالقادر :

ٹھوکریں مت کھایئے چلئے سنبھل کر' دیکھ کر
چال سب چلتے ہیں' لیکن بندہ پرور دیکھ کر

بیشک پیران پیر رحمہ اللہ کا فیصلہ ناطق ہے' مگر وہی جس پر انہوں نے خاتمہ بالخیر کیا ہے' پہلا نہیں جو منسوخ ہے۔ پہلی روایت سے دوسری روایت معتبر ہو گی' کیونکہ اس پر قرنا بعد قرن مسلمانوں کا تعامل ثابت کر دو اور منہ بولا انعام لو' ورنہ پیر صاحب کا نام لیتے وقت چٹکی میں ناک ڈال لیا کرو۔ پیر صاحب سے مرادیں مانگنا تمہارا کام ہے اور ان کے صحیح فرمان پر

عمل کرنا ہمارا کام ہے' تمہارا ان سے کیا تعلق؟ نہ ان کی نماز کے مشابہ تمہاری نماز' نہ ان کے عقائد کے مطابق تمہارے عقائد ہر طرح مشابہت تمہ ہمارے ساتھ ہے۔

بلائیں زلف جاناں کی اگر لیں گے تو ہم لیں گے
بلا یہ کون لے گا جان پر لیں گے تم ہم لیں گے

خوارج کی علامت ہونے سے سر منڈانا ممنوع نہیں قرار دیا جا سکتا' کیوں کہ ان کی علامتیں مباح بھی ہیں۔ مثلاً قرآن کا پڑھنا' نماز روزہ خوب کرنا' تو کیا اب قرآن اور نماز روزہ چھوڑ دیا جائے؟ پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ نے غنیہ میں ان کا یہ مسئلہ بھی بتلایا ہے کہ والنکاح بغیر ولی۔ یعنی نکاح بغیر ولی کے بھی ان کا مذہب ہے۔ سو یہی مذہب حنفیہ کا ہے' پس مطابقت پائی گئی' یا احناف کو چاہیے کہ نکاح میں ولی کو شرط قرار دیں' جیسے کہ اہلحدیث کا مذہب ہے' لیکن پھر اہلحدیث ہو جانے کا اندیشہ ہو جائے گا۔

اب ہم یہاں موقعہ محل کے مناسب ایک بات عرض کر دینا چاہتے ہیں۔ فیاض اور ان کے اعوان ناراضگی نہ کریں' کیونکہ بات ہماری پوری سولہ آنے ہو گی۔ سنئے! بیشک یہ بات واجب التسلیم ہے کہ کسی گمراہ فرقہ کے مجموعی اوصاف کوئی شخص یا گروہ اپنے اندر پیدا کرے گا' تو وہ اسی گمراہ فرقہ میں ہی شمار ہو گا' لیکن ایک آدھ وصف پایا جائے اور وہ شریعت الٰہی میں ممنوع نہ ہو تو پھر اس سے گمراہی کا اطلاق یا اس سے گمراہ فرقہ کی مشابہت ثابت نہیں ہو سکتی' ورنہ سب مسلمان گمراہ قرار پائیں گے' کیونکہ ایک نہ ایک بات تو ہر گمراہ فرقہ کی مسلمانوں میں پائی جاتی ہو گی' جس کو شرع نے مستحسن رکھا ہو گا۔ مثلاً اہل بیت سے محبت رکھنا از روئے شرع ضروری ہے' لیکن عام طور پر رافضی شیعہ اہل بیت سے بہت محبت ظاہر کرتے ہیں' تو کیا اہل بیت سے محبت رکھنا منع ہو جائے گا؟ ہرگز نہیں۔ بس اسی طرح سب فرقوں کی باتیں لیتے جائیں' کوئی نہ کوئی ان کا وصف اہل سنت میں بھی پایا جاتا ہو گا' لیکن از روئے شریعت منع نہ ہو گا' برخلاف اس کے جو مجموعی اوصاف گمراہ فرقہ کے ہوں گے' خاص کر وہ اوصاف جو بروئے شرع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ممنوع ہیں' ان کو اختیار کرنا اس گمراہ فرقہ کا مصداق ہونا ہے۔ بس اس اصول کو یاد رکھ کر اس مسئلہ پر غور کریں۔

نالہ بلبل شیدا تو سنا ہنس ہنس کر
اب جگر تھام کے بیٹھو میری باری آئی ہے

جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : قیامت سے پہلے میری امت پہلے لوگوں کا طریقہ اختیار کرلے گی۔ صحابہ کرام ؓ نے دریافت کیا کہ پہلے لوگوں سے آپ ﷺ کی مراد یہود ونصاریٰ ہیں؟ فرمایا ہاں وہی اور کون؟ (بخاری) آنحضور ﷺ کی یہ پیشگوئی حرف بحرف سچی ہو گئی ہے۔ چنانچہ مقلدین خصوصاً بریلوی حضرات نے باوجود امت مسلمہ کہلانے کے یہود ونصاریٰ کی خصلتیں اختیار کرلی ہیں' جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

یہودیوں کی پہلی خصلت رائے وقیاس سے فتویٰ دینا: آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہودیوں کی حالت درست رہی' یہاں تک کہ ان میں قیدیوں کی اولاد پیدا ہوئی' جنہوں نے رائے سے فتویٰ دے کر دوسروں کو گمراہ کیا اور خود بھی گمراہ ہوئے۔ بعینہ یہی امت محمدیہ ﷺ میں فتنہ قائم ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سب سے بڑا فتنہ میری امت میں وہ لوگ قائم کریں گے جو دینی امور میں اپنی رائے سے قیاس کریں گے۔ (مجمع الزوائد)

قال عمر وایاکم واصحاب الرای فانھم اعداء السنن۔ (فتح الباری) یعنی "اہل الرای فرقوں سے بچو' کیونکہ یہ لوگ حدیث کے دشمن ہیں۔" چنانچہ مقلدین حنفیہ اہل رائے ہیں' ان کا اہل رائے ہونا گزشتہ اوراق میں خوب ثابت کر چکے ہیں۔ میزان الاعتدال جو نہایت معتبر کتاب ہے اس میں امام ابوحنیفہ ؒ کو اہل رائے کا امام قرار دیا گیا ہے' کیونکہ امام صاحب موصوف اتوکو اقولی کہہ کر بری الذمہ ہو چکے ہیں' اس لئے اب ان کی رائے پر اڑنے والے اور ان کی رائے سے اپنی رائے کا دخل دے کر کتب فقہ تصنیف کرنے والے اور ان کو پڑھنے پڑھانے والے' عمل کرنے والے سب اہل رائے ہیں' جو حدیث نبی ﷺ کے دشمن ہیں۔ خلاف قرآن کہہ کر یا خبر واحد کہہ کر یا غیر فقیہ کی روایت کہہ کر حدیثوں کو چھوڑ دیتے ہیں' یا خلاف ظاہر کے تاویل کر کے اس کی تکذیب کر دیتے ہیں۔

یہودیوں کی دوسری خصلت تقلید: "ترمذی میں ہے' عدی ؓ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا کہ یہودیوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو سوائے اللہ کے رب بنالیا۔ آپ نے فرمایا یہودی اپنے علماء کو پوجتے نہ تھے' بلکہ ان کے علماء جس چیز کو حلال کہہ دیتے اسے حلال جانتے اور جسے حرام کہہ دیتے اسے حرام جانتے۔" اس سے معلوم ہوا کہ ائمہ اور علماء کے اقوال کو بے دلیل مان لینا یہود کی روش ہے اور یہی تقلید کی تعریف ہے کہ کسی کا قول بلا دلیل محض حسن ظنی سے مان لینا۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم سیکون فی امتی رجال یدعون الناس الی اقوال امامھم ورھبانھم ویعملون بھا ویحسدون المسلمین علی التامین خلف الامام الا انھم یھود ھذہ الامۃ ثلاثاً (رواہ ابن القطان وصححہ ابن السکن - جمع الجوامع فی الحدیث للسیوطی) یعنی "آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ عنقریب میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو سب کو اپنے اماموں اور پیروں کے اقوال کی طرف بلائیں گے اور اس پر عمل کریں گے اور سچے مسلمانوں سے آمین کہنے پر حسد کریں گے، وہ میری امت کے یہود ہیں۔ تین بار یہ فرمایا تھا۔"

شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فوزالکبیر کے ص-۲۷ میں فرماتے ہیں کہ اگر آجکل یہودیوں کا نمونہ دیکھنا ہو تو ان لوگوں کو دیکھو جو پہلوں کی تقلید کے عادی ہیں۔ یہ صفت بھی مقلدین احناف میں ظاہر وباہر ہے۔ یہ خود مقلد ہیں اور لوگوں کو اپنے اماموں اور پیروں کے اقوال کی طرف بلاتے ہیں۔

یہود ونصاریٰ کی تیسری خصلت غلو در مدح نبی ﷺ: آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے تم حد سے نہ بڑھانا، جس طرح نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حد سے بڑھا دیا۔ میں تو صرف اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں اور اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہنا ہو گا۔ (مشکوٰۃ وغیرہ) یہ صفت مقلدین بریلویہ میں اکثر پائی جاتی ہے کہ وہ آنحضور ﷺ کا مرتبہ حد سے بڑھانے لگے، کسی نے کہا کہ احمد بلا میم ہے اور کسی نے کہا کہ

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر
اتر پڑا وہ مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر

یہ لوگ آنحضرت ﷺ کا عالم الغیب والشہادۃ، دافع البلاء، قاسم الرزق جانتے ہیں، حالانکہ یہ اوصاف ذات الٰہی کے ہیں۔ پس انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو حد سے بڑھا دیا ہے۔

یہودیوں کی چوتھی خصلت قبروں پر سجدے کرنا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان یہود ونصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ بے شک یہ صفت مقلدین کے فرقہ بریلویہ میں صاف طور پر عیاں ہے کہ وہ قبروں کو پختہ کر کے ان پر سجدے کرنے لگے، طواف، نذر نیاز وغیرہ سب کام وہاں خلاف شرع ہونے لگے۔ ان بدعتیوں کی کئی خانقاہیں ہیں۔ اجمیر میں خواجہ

معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کی ہے' سرسہ میں خواجہ عبدالشکور سالمی کی ہے' پاکپتن میں شیخ فرید رحمۃ اللہ علیہ کی ہے' لاہور میں علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی ہے' دہلی میں نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی ہے اسی طرح ہزاروں خانقاہیں اور قبے ہیں جن کے اوپر رکوع' سجود' نذر نیاز وغیرہ کئے جاتے ہیں۔

یہودیوں کی پانچویں خصلت تصوف وگوشہ نشینی: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! مسلمانو! اپنی جانوں کو مشقت میں نہ ڈالو۔ یہود ونصاریٰ نے اپنی جانوں کو مشقت میں ڈالا تھا' اللہ تعالیٰ نے ایسی ہی سختی ان پر کر دی۔ ان کی نسل آج معبدوں اور گرجوں میں موجود ہے۔ انہوں نے درویشی کی بدعت خود ہی بنالی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض نہیں کیا تھا۔ (مشکوۃ) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغیر حکم شریعت کے تصوف' گوشہ نشینی' چلہ کشی' جنگلوں میں رہنا' ترک دنیا' نئی نئی رسومات' درود وظائف' ہمیشہ روزہ رکھنا' گوشت دودھ بند کرنے کا اپنے نفس کو مکلف کرنا جیسے عموماً مقلدین اور ان کے بہت سے پیروں فقیروں کی علامتیں ہیں اور انہوں نے مصنوعی ولیوں کے افسانے لکھے گئے ہیں۔ یہ سب امت محمدی کے یہود ہیں' جنہوں نے یہود کی روش اختیار کر کے اپنے نفس پر خواہ مخواہ کی مشقت ڈالی۔

یہودیوں کی چھٹی خصلت تاویل وحیلہ سازی کرنا: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ یہود کو ہلاک کرے۔ ان پر اللہ تعالیٰ نے مردہ جانوروں کی چربی حرام کی تھی' انہوں نے یہ حیلہ کیا کہ اس کو گرم کر کے بیچ کر اس کی قیمت کھائی۔ (مشکوۃ) یہود نے چربی سے روغن نکال کر فروخت کر دیا اور قیمت کھائی۔ یہ حیلہ کیا اور اسی طرح ہفتہ کے شکار میں حیلہ کیا تھا۔ پس مقلدین کی کتابوں میں بھی باب الحیل حیلوں سے مملو ہے۔ کسی جگہ شراب بنانے کا حیلہ ہے کہ مسلمان عیسائی کو حکم کر دے وہ شراب بنا دے تو یہ تجارت جائز ہے۔ (ہدایہ) کسی جگہ سود حلال کر لیا گیا ہے' کسی جگہ زنا کی اجرت' کسی جگہ مردار' کسی جگہ شراب پینا' کسی جگہ زکوٰۃ نہ دینے کا حیلہ تجویز کیا گیا ہے۔ علی ہذا القیاس فقہ کی کتابیں حیلوں سے بھری پڑی ہیں۔

یہودیوں کی ساتویں خصلت عقیقہ نہ کرنا: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہود لڑکیوں کا عقیقہ نہیں کرتے' تم لڑکے لڑکیوں کا عقیقہ کیا کرو۔ حنفی مذہب یہودیوں سے بھی ایک ہاتھ آگے بڑھ گیا' انہوں نے عقیقہ کو سرے سے ہی اڑا دیا۔

چنانچہ حنفیوں کے امام محمد رحمہ اللہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے خاص شاگرد ہیں' جامع صغیر میں لکھتے ہیں :
(امام محمد رحمہ اللہ اور سب ملاں دین خلاف حدیث اور اپنی تقلید سے منع کر کے بری ہو گئے۔) لا یعق عن الغلام ولا عن الجاریة یعنی "لڑکی لڑکے کسی کا بھی عقیقہ نہ کیا جائے"

یہودیوں کی آٹھویں خصلت : حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مونچھیں پست کرو اور داڑھیاں بڑھاؤ اور داڑھیاں کترا کر یا منڈوا کر یہود کی مشابہت نہ کرو۔ (رواہ الطحاوی فی شرح معانی الآثار۔ جامع صغیر سیوطی) یہ مشابہت برخلاف فرمان نبوی مقلدین نے اختیار کی ہے۔ چنانچہ اکثر داڑھی منڈے پیر فقیر' عوام الناس مجاور' بھنڈ' قوال' نقل' کنجر وغیرہ وغیرہ مقلدین بالخصوص بریلوی ہیں۔ ان میں جو زیادہ صالح اور ولی اللہ بنتے ہیں اور سجادہ نشین ہیں' جن کے قدموں کو مستورات چوم کر روحانی وجسمانی نور حاصل کرتی ہیں۔ ان کی داڑھیاں عموماً کتری ہوئی ہوتی ہیں اور خشخاشی کر کے زنانی صورت بنائی ہوئی ہوتی ہے۔ وہ مونچھیں بڑی بڑی رکھتے ہیں' بلکہ بعض ملکوں میں تو ان کا مذہبی نشان ہی داڑھی منڈانا ہے اور مونچھیں بڑھانا ہے۔ جس کی داڑھی ہے وہ وہابی شمار کیا جاتا ہے' یہ خصلت بھی ان کی یہودیانہ ہے۔

یہودیوں کی نویں خصلت سر اور ہاتھ سے سلام کرنا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم یہود کی طرح سلام نہ کیا کرو' ان کا سلام ہاتھوں اور سر کے اشارے سے ہے۔ (رواہ النسائی) اکثر بریلویوں کا یہ معمول ہے کہ سر اور ہاتھ کے اشارے سے سلام کرتے ہیں اور بعضے سینہ کو بھی ہاتھ لگا لیتے ہیں۔

یہودیوں کی دسویں خصلت ترک سلام: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں دشمنی کرتے تم سے یہود جس قدر کہ وہ دشمنی کرتے ہیں السلام علیکم کہنے پر اور آمین کہنے پر۔ (ابن ماجہ)
یہی عادت مقلدین کی ہے کہ آمین کہنے پر بھی ان کی لڑائی ہے اور سلام بطریق سنت کہنے پر بھی یہ گھبراتے ہیں اور اس گروہ میں اب نئی روشنی کے لوگ پیدا ہو گئے ہیں' انہوں نے بجائے سلام مسنونہ کے آداب' علی مشکل کشا' پنجتن پاک وغیرہ الفاظ گھڑ لئے ہیں۔

یہودیوں کی گیارہویں خصلت جوتیوں سے نماز نہ پڑھنا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہود جوتا پہن کر نماز نہیں پڑھتے' تم ان کا خلاف کرو۔ (ابوداؤد) چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

اور صحابہ کرام ؓ کی اکثر عادت تھی کہ آپ جوتے سے نماز پڑھتے تھے۔ گاہے برہنہ پا بھی پڑھ لیتے تھے تاکہ جواز ظاہر ہو جائے۔ جوتے سے نماز پڑھنے کو برا جاننا اور جو پڑھے اس سے مزاحم ہونا' جیسے مقلدین کی عادت ہے یہ یہود کی خصلت ہے' ورنہ بلا جوتا بھی نماز ہو جاتی ہے' مگر مقلدین جوتا سے نماز جائز نہیں جانتے۔

(نوٹ) : اس سے آگے ساتویں قسط دستیاب نہیں ہو سکی' بنابریں آٹھ خصائل کا تذکرہ نہیں ہو سکا۔ (خلیل)

انیس خصائل یہود پر اکتفا کرنے کی وجہ: ویسے تو یہود کی بہت سی خصلتیں ہیں جو مقلدین بریلویہ میں موجود ہیں۔ ہم نے صرف انیس پر اکتفا اس لئے کیا ہے کہ آیت کریمہ وعلیها تسعة عشر سے مناسبت ہو جائے اور یہ مترشح ہو کہ یہود کی طرح بریلوی فرقہ بھی جہنمی ہے۔ جن کی سزا کے لیے انیس فرشتے دوزخی ہیں۔ من یتفکر یعلم۔

آمدم بر سر مطلب! "الفقیہ" کا نامہ نگار فیاض اپنے مضمون میں رقم طراز ہے :

فیاض : اس موقعہ پر ایک لطیفہ یاد آیا کہ ایک وہابی ایک مسلمان کو نصیحت کر رہا تھا کہ پیشانی کے بال مت رکھا کرو' کیونکہ یہ کفار کی علامت ہے اور جو مسلمان ان سے تشبہ حاصل کرتا ہے' وہ ان میں شامل ہو جاتا ہے۔

عبدالقادر : اگر فی الواقع اس موحد نے اس نام کے مسلمان کو یہ کہا ہے کہ پیشانی کے بال مت رکھا کر' تو یہ درست ہے' کیونکہ صرف پیشانی کے بال رکھنا ہیئت یہود کی ہے' ان کو "قصتان" کہا جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ایک لڑکے کے یہ بال دیکھ کر فرمایا : احلقوا هذين او قصوهما فان هذا ذی الیهود۔ (رواہ ابوداؤد) یعنی "ان کو منڈوا دو' یا کٹا دو۔" کسی نام کے مسلمان نے یہود کی یہ عادت اختیار کر کے اپنی شکل ایسی بنالی ہو گی۔ اس پر اس سچے مسلمان نے جو کہا ہے وہ بالکل بجا کہا ہے' یا اس نام نہاد بریلوی مسلم نے پیشانی کے بال بصورت قزع رکھے ہوں گے کہ حلق بعضہ وترک بعضہ۔ یعنی "بعض حصہ سر کا منڈا ہوا اور بعض حصہ سر کا چھوڑا ہوا۔" سو اس صورت میں قزع سے بھی شارع نے منع فرمایا ہے۔ بہرصورت پیشانی کے بال بڑھا کر پٹے کی صورت میں رکھنے ممنوع ہیں۔ اس اظہار حق کرنے والے موحد نے جو روکا بہت اچھا کیا۔ من شاء فلیومن ومن شاء فلیکفر۔

فیاض : علاوہ اس کے قرآن مجید میں آیا ہے کہ ہم کفار کے بالوں کو پیشانی سے پکڑ کر جہنم

میں ڈالیں گے۔ اس پر اس مسلمان نے یوں عذر کیا کہ حضور ﷺ نے سر منڈانے والے کو اسلام سے خارج سمجھا ہے' جیسے کہ غنیتہ الطالبین میں مذکور ہے اور پیشانی کے بال تو سارے سر کے بال رکھنے کی صورت میں بھی موجود ہوتے ہیں۔

عبدالقادر : حضور ﷺ نے سر منڈانے والے کو اسلام سے خارج نہیں کیا۔ یہ اس بریلوی کا سراسر جھوٹ ہے۔ پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر جہنم میں ڈال دیا جانا قرآن میں مذکور ہے۔ باقی رہا اس بدعتی حیلہ ساز کا یہ کہنا کہ پیشانی کے بال تو سارے سر کے رکھنے کی صورت میں بھی ہوتے ہیں' تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر وہ مسنون طریقہ سے ہوں گے تو ہرگز نہ پکڑے جائیں گے۔ حدیث میں ہے بلکہ وہ عالم سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں : لوسلت ناصیته بین عینیه۔ یعنی "میں مانگ نکالتی ہوئی آنحضور ﷺ کے پیشانی کے بالوں کو دونوں آنکھوں کے درمیان چھوڑتی تھی۔" جب اس طرح کے بال ہوں گے یا بدعتیوں کے خلاف شرع گیسو اور پٹے جو ہوں گے وہ پکڑے جائیں گے۔ وہ قصان یا قزع یا سکھوں کی طرح غیر مشروع طریق سے جن مشرکوں کے بال ہوں گے یا بدعتیوں کے خلاف شرع گیسو اور پٹے ہوں گے وہ پکڑے جائیں گے' فافهم وتذکر فانه نفیس۔

فیاض : تو تمہاری نصیحت سے یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ جس طرح صرف پیشانی کے بال لمبے رکھنے ممنوع ہیں' اسی طرح سارے سر کے بال بھی ممنوع ہوں گے۔

عبدالقادر :

بہ نطق آدمی بہتر است از دواب
دواب از تو بہ گر نہ گوئی صواب

صرف پیشانی کے بال تو ممنوع ہیں' کیونکہ حدیث میں قزع اور قصتان سے ممانعت وارد ہے اور یہ حکم ہے کہ سارا سر منڈواؤ یا سارا سر رکھو۔ جب صرف پیشانی کے بال رکھے تو یہ حکم نبی کا عصیان ہوا جس کی سزا جہنم ہے اور اس کے یہی بال پکڑے جائیں گے۔ اب اس پیشانی کے بالوں پر تمام سر کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کہے کہ خزانۃ الروایات میں ہے کہ یومر الناس یوم القیامة بالسجود فمن کان شاربه طویلا صارت الشعور کاکام الحدید لا یستطیع ان یسجد له۔ یعنی "جس وقت اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سب لوگوں کو سجدہ کرنے کا حکم دے گا' تو سب لوگ سجدہ میں چلے

جائیں گے' مگر جن کی مونچھیں بڑی ہوں گی وہ سجدہ نہ کر سکیں گے' کیونکہ ان کی مونچھیں لوہے کی سلاخوں کی طرح ہو جائیں گی۔ پس مونچھ نہ بڑھانا چاہیے۔" اس پر کوئی بریلوی کہے گا کہ پھر داڑھی بھی نہ بڑھانی چاہیے' کیونکہ جب مونچھوں کے بال لوہے کی سلاخیں بن گئے تو داڑھی جو ان سے بڑی ہے ضرور بڑی بڑی سلاخیں ہو جائیں گی' تو اس بریلوی کو ہر کوئی بیوقوف کہے گا۔ اسی طرح یہ بدعتی پیشانی کے بال والا بیوقوف ہے جو تمام سر کے بالوں کو پیشانی پر قیاس کر رہا ہے۔ کیا بیوی اور ماں ایک حکم میں ہیں؟

فیاض : حالانکہ تم خود ہی کہا کرتے ہو کہ سر کے بال سارے رکھو یا سارے منڈاؤ۔

عبدالقادر : اب تو زلیخا نے یوسف کو پاک دامن ثابت کر دیا۔ ناظرین غور کریں کہ یہی فیاض سر منڈانے کو ہمارا مذہبی نشان بناتا ہے اور بال رکھنے کو ناجائز سمجھنا ہماری طرف نسبت کرتا تھا' اب خود یہ بتلا رہا ہے کہ تم دونوں کو جائز کہتے ہو۔ اپنی ساری تقریر پر پانی پھیر دیا۔

فیاض : اور یہ بھی تسلیم شدہ امر ہے کہ حضور ﷺ نے ہمیشہ سر کے بال رکھے تھے' کبھی سر نہیں منڈایا۔

عبدالقادر : تم بے ادب اور گستاخ ہو کہ اپنے پیر مسلمہ کے خلاف چھوٹے منہ سے بڑی بات کرتے ہو' وہ لکھ چکے ہیں کہ سر منڈایا تھا۔

فیاض : علاوہ ازیں سورۃ الرحمٰن میں بھی مذکور ہے کہ کفار کو ٹانگوں سے پکڑ کر دوزخ میں ڈالا جائے گا' تو کیا ہم ٹانگیں بھی کٹوا ڈالیں؟

عبدالقادر : خلاف شرع بالوں کو سزا ملی' تو خلاف شرع کام کرنے والے قدموں کو بھی سزا ملے گی۔ ٹخنہ سے نیچے ازار یا پاجامہ کرنا شرک و کفر کے کاموں جیسے عرس' میلہ' قبر پرستی' چوری' ڈکیتی' شیطانی تماشے وغیرہ شرکی وبدعتی کام کی طرف چلتے رہنا قدموں کا گناہ ہے' یہ گناہ تم چھوڑ دو ورنہ سزا ضرور ملے گی۔ قدموں کو بالوں سے باندھنے کے لیے پکڑا گیا ہے۔ اصل پہچان چہرہ سے ہوگی' قدموں سے نہیں۔ یعرف المجرمون بسیمھم۔ یعنی "مجرمین چہرہ کی علامت سے پہچانے جائیں گے۔" نیز بدعتی عموماً وضو میں پیشانی کے بالوں پر ہی مسح کرتے ہیں' حالانکہ بروئے قرآن وحدیث تمام سر کا مسح کرنا فرض ہے۔ خواہ تمام سر کے بالوں کا ہو' یا پیشانی اور پگڑی کا ہو دونوں طرح تمام سر کا مسح متصور ہوگا۔ پس حنفیہ کا وضو نہیں ہوتا۔

اسی طرح شیعہ قدموں کا مسح کرتے ہیں' حالانکہ ان کا دھونا فرض ہے' تو ان کا بھی وضو

نہیں ہوتا۔ جب بروز محشر شناخت ہوئی تو موحدین کے اعضاء چہو وقدم نور سے چمکتے ہوں گے۔ گمراہ فرقوں کے وضو قرآن وحدیث کے مطابق نہیں' ان کے اعضاء سیاہ ہوں گے اور کفار وضو کرتے ہی نہیں' ان کے اعضاء بھی سیاہ ہوں گے' اس لئے ان سب کو پیشانی اور قدموں سے پکڑا جائے گا اور جہنم میں گرا دیا جائے گا۔ اب ان بدعتیوں کی مرضی ہے کہ پیشانی اور قدم کٹوا دیں' یا رکھیں۔

من نہ گویم ایں مکن آں کن
مصلحت بین وکار آساں کن

حنفیوں کے سر کا وضو معتبر نہ ہوا' تو قدموں کا وضو بھی کالعدم جان کر پیشانی سے قدموں کو ملا دیا اور وضو شیعہ کے قدموں کا نہ ہوا تو ان کو پیشانی سے ملا کر سب کو ایک ہی (ان مشرکین کی سی) سزا دے دی۔ یہ بالکل وضو کرتے ہی نہیں۔ حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں: یوخذ بناصیۃ وقدمیہ فیکسر کما یکسر الحطب فی التنور۔ یعنی "یہ مجرم پیشانی اور قدموں سے پکڑا جائے گا اور اس کو توڑ کر جہنم میں ڈالا جائے گا' جیسے لکڑی دونوں جانب سے پکڑ کر توڑ کر تنور میں ڈالی جاتی ہے۔"

فیاض: یہ سن کر بدعتی وہابی سر منڈانے کی ترغیب سنانے سے ایسا دم بخود ہو گیا کہ کوئی جواب نہ بن آیا۔

عبدالقادر: اب تم میرے جواب سے ایسے شرمندہ اور دم بخود ہو جاؤ گے کہ سوائے منہ چڑانے کے کچھ جواب نہ دے سکو گے' خواہ اپنے پیروں کے اجتماع سے دن رات مدد طلب کرتے رہو۔ فبھت الذی کفر۔

فیاض: حج کے موقعہ پر سر منڈانا ایک خاص حکم ہے۔

عبدالقادر: قبضہ کے مقدار داڑھی کا حکم بھی موسم حج کا وقتی حکم ہے' عام حکم نہیں۔ ما ہو جوابکم فھو جوابنا۔

حررہ ابو الشکور عبدالقادر عارف از گنگا ضلع حصاری

تنظیم اہلحدیث روپڑ جلد ۹' شمارہ ۳۴ تا ۴۴ مورخہ ۲۱ جون تا ۲۰ ستمبر سنہ ۱۹۴۰ء

بدعات بریلویہ

قول فیاض "ان سر منڈے بدعتیوں سے جب یوں کہا جاتا ہے کہ عہد رسالت میں یہ طرز عمل کسی صحابی نے اختیار نہیں کیا تھا اور تم تو اپنے آپ کو اتنا مقدس سمجھتے ہو کہ عمل صحابی کو بھی حجت شرعی تسلیم نہیں کرتے ہو تو بتاؤ کہ حضور ﷺ کا اپنا طرز عمل کیا تھا؟"

عبدالقادر مثل مشہور ہے "پھولوں ماری گر پڑی اور لٹھوں ماری اٹھ بیٹھی" موحدین میں سے کسی نے سر منڈا لیا تو وہ بدعتی ہو گیا لیکن دن رات بدعت کا پانی' بدعت کا طعام' بدعت کا لباس' بدعت کا مکان استعمال کرنے والے خانقاہوں کے مہنت' بدعت کی صورت رکھنے والے' بدعت کی چال چلنے والے' بدعت کا قیام' بدعت کا قومہ' بدعت کا رکوع' بدعت کا سجدہ' بدعت کی نماز' بدعت کا خشوع اور تصور شیخ کا ارتکاب کرنے والے گیسوؤں والے فقراء و مشائخ' بدعت کی مٹھائیاں' بدعت کی کملیاں' بدعت کے بکرے چھترے اور بدعت کی دولت جمع کرنے والے زلف دراز سجادہ نشین' بدعت کی پیری مریدی کر کے مستورات کو خلوت میں تبرک دینے والے پیر اور ان کی قدم بوسی کرنے والے "فیاض" جیسے خدام آج اہل سنت بنے بیٹھے ہیں۔ جو "ممبر کو بتائیں اور مسجد کو ڈھائیں" کے مصداق ہو کر حقیقی اہل سنت گروہ پر اعتراض کرتے ہیں۔ "سو چوہا کھا کر بلی حج کو چلی" تعجب ہے کہ پاؤں کی جوتی سر کو آتی ہے لیکن کسی نے یہ بھی سچ کہا ہے کہ "تھوتھا چنا باجے گھنا۔" کم ظرف آدمی شیخیاں ہی بگھارا کرتے ہیں۔

مرد جاہل در سخن باشد دلیر
زانکہ آگہ نیست از بالا و زیر

اچھا جی! اگر سر منڈے بدعتی ہیں تو پھر بریلویوں کے جاہل فقیر ہی زیادہ تر اس کے مصداق ہیں۔

برنگ بیضہ کو روز توڑے دل اس نے
ہزاروں میں یہ ہمارا ہے کس قطار میں دل

پھر خانقاہوں میں عرسوں کے موقعوں پر جا کر دیکھئے کہ وہاں کتنے سر منڈے قبروں پر اوندھے منہ پڑے ہوں گے۔ یہ جوگیوں کا ڈنڈا بیراگیوں کے سر۔ ہمارے تو مسنون بال ہیں' ہمیں کیا ڈر۔ پھر یہ بھی معتبر روایات سے ثابت ہو چکا ہے کہ خانقاہوں میں چکنے چپڑے منہ والوں' لمبے دار بال والوں اور چکنے منہ والیوں اور زلف والیوں کے وہ سر منڈے بدعتی مجاور' فقیر' مہنت' پیر منہ چومتے ہیں۔ یہ ظاہر میں تو تبرک کا حصول ہے لیکن باطن میں کچھ اور معمول ہے جس پر زمانہ حاضرہ کے واقعات شاہد عدل ہیں۔ بہرکیف جن سر منڈوں کے بال جسمانی تبرک میں گئے' ان کی مسلمانی اور ان بال والے حنفیوں' بدعتیوں کی بمع مستورات حالت ایمانی کیسی ہے؟ پہلے اپنے گھر کا پتہ دیں پھر دوسروں کو بدعتی کہیں۔

تو بر اوج فلک چہ دانی کہ چیست
چوں نہ دانی کہ در سرائے تو کیست

ہاں اب اصل بات کا جواب سنیئے! کہ ہم اقوال صحابہ کو حجت جانتے ہیں جو لوگ نہیں جانتے اور اپنی رائے پر چلتے ہیں ان کے ساتھ ہم ہمیشہ مقابلہ کرتے رہتے ہیں لیکن سلف کے اقوا حجت ہونے میں بھی یہ شرط ہے کہ وہ حدیث کے مخالف نہ ہوں۔ خود اصول حنفیہ میں بھی یہ امر مسلم ہے' چنانچہ لکھا ہے۔ **قول الصحابی حجة مالم ينفه شئى من السنة** (فتح القدیر وغیرہ) پھر قول و فعل صحابی کے تم خود منکر بن رہے ہو کیونکہ تم نے تسلیم کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سر منڈایا تھا' سو اب تمہاری ہی زبان سے سر منڈانا سنت خلفاء میں سے ہو گیا پھر اس صورت میں کہ یہ کام بقول شما باجازت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوا تو سنت نبوی بھی ہوا۔ اب اس سے انکار کرنے والا کافر ہے یا نہیں؟ اس کا جواب جلدی عنایت کریں۔

رہا تمہارا یہ سوال کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا طرز عمل کیا تھا؟ سو اس کا جواب تمہارے معنوی معبود نے دے دیا ہے کہ آخری عمل سر منڈانا تھا۔ اب بتلایئے آخری عمل اول کا ناسخ ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو ابتداء اسلام کے منسوخ شدہ سب کام کرو۔ اگر

تلخ ہے تو پھر سر منڈاؤ اور پیر صاحب کی پیش کردہ حدیث منظور کرو یا پیر کا نام لینے سے باز آؤ اور شرک سے توبہ کرو۔

فیاض "آپ کا سر منڈانا تم کبھی ثابت نہیں کر سکتے۔"

عبدالقادر اور کوئی ثابت نہ کر سکے تو شائد نہ کر سکے۔ وہ شیخ الشائخ تو ثابت کر سکتے ہیں جو تمہاری ڈوبی ہوئی ناؤ کو دریا سے صحیح سلامت نکل سکتے ہیں۔ تمہاری معذب روحوں کو فرشتوں سے رہائی دلا سکتے ہیں۔ تمہاری ہر حاجت پوری کر سکتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ثابت کر بھی دیا جیسا کہ غنیہ کے حوالہ سے اوپر گذر چکا اور کیسے ثابت نہ کر سکتے جبکہ بقول اہل بدعت ان پیر صاحب نے ایک عقیمہ بریلون جو حقیقی قادر قیوم کی طرف سے اولاد سے محروم ہو چکی تھی نو بچے اور بہ روایت دیگر ۱۲ بچے دے دیئے تھے۔ وہ پیر جو اہل بدعت مستورات کے شکموں میں بچے پیدا کر سکتا ہے وہ سر منڈانے کا ثبوت بھی دے سکتا ہے' فتذکر۔

فیاض "اگر بالفرض کبھی اتفاقیہ طور پر ایسا ہو بھی گیا ہو گا تو اس کو طرز عمل نبوی نہیں کہا جا سکتا۔"

عبدالقادر ـــ

باز آتا ہی نہیں وہ کجروی سے کج نہاد
بات سیدھی کا بھی الٹا ہی وہ دیتا ہے جواب

آنکھوں کے آگے ناک سوجھے کیا خاک۔ فیاض کی آنکھوں میں بصارت نہیں۔ دل میں بصیرت نہیں' اس کے سامنے سب جہان تاریک ہے ورنہ اگر بینائی ہوتی تو اسی غنیہ میں اس کا ثبوت موجود تھا' دیکھ لیتے اور اپنے زعم فاسد میں موجود کو معدوم تصور نہ کرتے۔ لکھتے ہیں "بالفرض" اور ان کو مرادیں دینے والے پیر صاحب کہتے ہیں۔ ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم حلق راسه فی اخر عمره۔ یعنی "حضور ﷺ نے آخر عمر میں سر منڈا دیا تھا۔"

پھر اپنے پیر صاحب کے مقابلہ میں گستاخانہ ژاژ خواہی کرتے ہیں کہ یہ اتفاقیہ ہوا۔ حالانکہ انبیاء کرام کے افعال تشریعی ہوتے ہیں' بالخصوص اس صورت میں کہ اس کے متعلق قولی احادیث بھی آ چکی ہے کہ احلقوه كله او اتركوه كله یعنی "یا کل سر

منڈاؤ یا کل سر رکھاؤ۔" تو پھر اتفاقیہ کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟ نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی بقول فیاض اجازت دے دی تو پھر اتفاقیہ کیوں ہوا؟ جواز کے ظاہر کرنے کے لیے ہوا تاکہ کوئی بریلوی ناواقف عمر کے بال رکھنا رکھانا فرض واجب' سنت موکدہ نہ جان لے' فتدبر۔

فیاض بلکہ طرز عمل نبوی یہی تھا کہ آپ کے بال کبھی کانوں کی لو تک ہوتے تھے کبھی ذرا نیچے اور کبھی کاندھوں تک پڑتے تھے۔"

عبدالقادر یہ ہم کو تسلیم ہے لیکن گاہے چنے گاہے چناں۔ پیر صاحب کو بھی جھوٹا نہ بناؤ' بالکل منڈائے بھی ہوں گے مگر ہم تم سے ایک بات پوچھتے ہیں کہ یہ کیا بات ہے کہ اہلحدیث کے تو صحیح عمل کو بھی برا جانتے ہو اور اپنے بدعتی پیروں کے استنجاء کے ڈھیلوں کو بھی متبرک سیپاری سمجھتے ہو۔ یہ تمہارے پیر' بہیت' لمبے لمبے گیسوؤں والے حد سے زیادہ بال کیوں بڑھاتے ہیں۔ عورتوں کی طرح ان کی زلفیں کندھوں سے گذر کر پشت پر بل کھا رہی ہیں اور وہ مستانہ چال چلے جا رہے ہیں۔ جب غزلیں' کافیاں اور راگ سن کر وجد میں آتے ہیں تو مور کی طرح ان کے بال پھیل جاتے ہیں اور وہ چھوچھو' علی علی' حق حق پکار رہے ہوتے ہیں اور ہوش میں آکر دور کی خبریں دیتے ہیں۔ رہیں جھونپڑوں میں خواب دیکھیں محلوں کا۔ "نہ خاک نہ دھول بکائن کے پھول" مست الست فقیر کہلاتے ہیں۔

بریلوی شاف بتلائے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال کندھوں تک تھے تو ان کے حد سے زیادہ کیوں ہیں؟ یہ لوگ بدعتی ہیں یا نہیں؟ ان مسبل' مسرف' مبذر پیروں فقیروں اور ان کے چیلوں چانٹوں کو پہلے تلقین کرنا تمہارا فرض تھا۔

فیاض "عامل بالحدیث اور تابع رسول کا لفظ کہہ لینا تو آسان ہے مگر اس پر عمل پیرا نہ ہونے کی جرات اور ہٹ دھرمی چھوڑنا وہابی کا کام نہیں۔"

عبدالقادر ؎

بے خبرا ترک حسد کن باشماں
ورنہ ابلیسے شوی اندر جہاں

افسوس! ایک تو چوری دوسرے سینہ زوری لیکن فیاض کے بھی کچھ اختیار کی بات

نہیں۔ آپ مزاج میں پہلے ہی کریلے تھے اور اس پر مستزاد بریلوی نیم پر چڑھ گئے۔ اپنے زعم میں شیر بن کر بکتر پہن لیا۔ اب کیوں نہ اینٹھ اینٹھ کر چلیں۔ لینڈی بینڈی سنائیں۔ اگرچہ اینٹھنا اور لینڈی بینڈی سنانا شرافت کے خلاف ہے مگر بریلوی بھٹیار خانہ میں تو یہی شور و شر سکھلایا جاتا ہے۔

فیاض صاحب! آپ کا مزاج مرض تعصب سے متعفن ہو چکا ہے۔ جب تعصب کے بخار سے آفاقہ ہو گا تو بات کو آپ سمجھ جائیں گے کہ اہل حدیث واقعی عامل بالحدیث ہیں۔ صرف منہ کی بات نہیں ہے بلکہ حقیقت ہی یہی ہے۔ تابع رسول ہونا تو ان سجادہ نشینوں کو مشکل جو بمصداق "رام رام جپنا پرایا مال اپنا" دنیا کا مال باطل طریقہ سے کھا رہے ہیں مگر آپ کو وہ بہت محبوب ہیں۔ سچ کہا ہے کسی نے "رانی کو رانا پیارا کانی کو کانا۔" اس لیے آپ ان کی طرف سے سپہ سالار بن کر موحدین سے جنگ بالقلم کرنے آئے ہیں۔ مگر "کانوا ثوبد ھو نفر۔"

فیاض "کیونکہ سر منڈانے کا مذہبی نشان ان کو محمد بن عبدالوہاب سے عنایت ہوا ہے۔ وہ کسی کو جب اپنا مرید کرتا تھا تو سر منڈوا ڈالتا تھا۔ عورتوں کو بھی یہی حکم تھا کہ بیعت کر کے سر منڈا ڈالیں۔"

عبدالقادر "الفقیہ" کے نامہ نگار مقصور العلم، محدود النظر ہونے کے علاوہ ایسے مطلق العنان، سلیط اللسان، الدا الخصام ہیں کہ اپنے مضمون مطرود میں ابطل الباطلات بلا حوالہ لکھتے چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ بریلوی بھٹیار خانہ کا یہ بھی ایک جھوٹ ہے جو بلا ثبوت ا[illegible] دیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ تلک امانیکم هاتوا برهانکم ان کنتم صادقین۔

مثل مشہور ہے "شیطان کا طوفان اللہ نگہبان۔" یہ فیاض بریلوی کا بہتان ہے جس کا نام ہے نہ نشان۔ ہم نے تو محمد بن عبدالوہاب نجدی کا یہ طرز عمل کہیں پڑھا سنا نہیں ہے۔ اہل بدعت لوگ تو بمصداق "کوا ناک لے گیا، ناک نہیں دیکھتے، کوے کے پیچھے دوڑے جاتے ہیں۔" کسی بات کی تحقیق تو کرتے نہیں بلا تحقیق بات کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔

گر یہی بے خبری حضرت والا ہو گی

تار و پود پدری سب ته و بالا ہو گی

ہاں البتہ علی پور کے شیش محل میں آپ کے ایک مشہور بزرگ ہیں جو فرقہ اہل بدعت کے راہنما ہیں۔ ان کا یہ طرز عمل ہو تو ممکن ہے کیونکہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شیدائی بنتے ہیں۔ شاید ان کی سنت سے تمسک کر لیا ہو تو تعجب کی بات نہیں۔ ہاں اس میں فیاض نے اذن لینے کی شرط لگائی ہے سو اذن تو یہ لوگ عالم ارواح سے بھی اپنے تصور و تخیل میں انہیں حاضر ناظر جان کر حاصل کر لیتے ہوں گے کیونکہ سنت علی رضی اللہ عنہ کو پورا کرنا علی رضی اللہ عنہ کی جماعت، کو ضروری ہے ورنہ وہ جماعت علی نہیں۔ ہاں اگر گھوڑے گئے اور گدھوں کے راج ہو گئے تو پھر خواہ بغیر سنت علی کے "جماعت علی" بنے پھریں' علی کا نام لینا آسان ہے لیکن عمل پیرا ہونے سے ان کے ایمان کا نقصان ہے۔

اچھا اگر تسلیم کر لیا جائے کہ محمد بن عبدالوہاب نجدی نے یہ کام کیا تھا تو ہمیں کسی گروہ کے پیشوا سے کیا نسبت۔ خواہ وہ نجد کا ہو یا بریلی کا' کوفہ کا ہو یا بصرہ کا۔

مارا چہ ازیں قصہ کہ گاؤ آمد و خر رفت

"شیر شاہ کی داڑھی بڑی یا سلیم شاہ کی۔" ہمارا تو معاملہ صاف ہے کہ ہم کسی کے مقلد نہیں ہیں اور نہ ہمارا یہ مذہبی نشان ہے۔ صاف رہ بیباک رہ۔ "آں را کہ حساب صاف است از محاسبہ چہ باک۔" کریں نجد والے' اس کا اعتراض ہم پر۔ کرے داڑھی والا پکڑا جائے مونچھ والا۔

اصل بات یہ ہے کہ بریلوی گروہ کی عادت قدیمہ ہے کہ کوئی مسئلہ ہو اس میں نجد کے پرانے یار کا ذکر کر دیا۔ "ہاتھی نکل گیا دم باقی رہ گئی۔" صرف ایک سر منڈانے کا مسئلہ رہ گیا تھا' یہ بھی ان کے ذمہ لگا دیا اور تمام حنفی سر منڈوں کو وہابی بنا دیا۔ لیکن ہمارا سوال ہے کہ جب اہلحدیث ان سے اپنی برات ظاہر کر چکے ہیں کہ ہم ان کے مقلد نہیں ہیں تو پھر آپ لوگ ناحق ان کی طرف منسوب کیوں کرتے ہیں۔ قاضی جی! دبلے کیوں ہو گئے شہر کے اندیشے سے۔" اہل بدعت کو دن رات اندیشہ رہتا ہے کہ یہ کہیں وہی نہ ہوں جنہوں نے ہمارے جیسوں کی گردنیں ماری تھیں۔ سنو! وہ تمہارے مذہبی مقابل حنبلی تھے' ہم اہلحدیث ہیں۔ مگر افسوس یہ ہے کہ تم تو سب کو ہی وہابی بنائے چلے جاتے ہو۔

"کل کے ہاتھ کمان نہ بوڑھا بچے نہ جوان"

فیاض "اس فرقہ کی یادگار قائم رکھنے کے لیے یہ فرقہ ہمیشہ سر منڈاتا ہے۔"

عبدالقادر ۔

تیری لعنت ہو اے اللہ اس پر
بڑا بنتا ہے جو تہمت لگا کر

لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ اے فیاض! ۔

فخر کیا کرتا ہے ایسی بوجھ پر
روئے گا محشر میں ایسی سوجھ کر

جناب من! ہم نے تو آپ کی دیگ میں ایک ہی چاول ٹٹول کر جزو سے کل کا حال معلوم کر لیا تھا اور آگے جواب نہیں دینا چاہتے تھے کیونکہ "روپیہ پر کہن بار بار' آدمی پر کہن ایک بار۔" لیکن بعض احباب نے فرمایا کہ تمام مضمون غیر موزوں کا جواب دینا چاہیے تاکہ عوام ان کے مغالطہ سے غلطی نہ کھائیں۔ نیز بریلی کے سبھا پتی فیاض کو ممتاز نامہ نگار خیال کرتے ہیں۔ اس لیے سب بریلوی سٹاف کی حقیقت علمی دنیا پر آشکارا کر دینی چاہیے۔ لہذا ہمیں اس طویل مضمون شیطان کی تانت کا تانت توڑنا پڑا اور سنار کی اس کٹ پر ایک چوٹ لوہار کی مارنی پڑی۔ اگر اب بھی باز نہ آیا تو دانا سمجھ لیں گے کہ یہ لاتوں کا دیو ہے باتوں سے نہیں مانتا۔ ہم اس سے اپنی برات ظاہر کر چکے ہیں کہ ہم اس فرقہ کی یادگار سے ایسا کام نہیں کرتے بلکہ ہم بال رکھنا مستحب اور منڈانا بروئے شرح محمدی جائز جانتے ہیں۔ منڈانے سے رکھنا افضل ہے۔ اب کوئی بریلوی عالم جس کا ظاہر رحمان کا اور باطن شیطان کا ہو' خواہ مخواہ الزام لگائے تو موحدین کو اس سے پناہ مانگنی چاہیے۔

فیاض "اول یہ کہ حج کے موقعہ پر قرآنی حکم کے مطابق سر منڈانا حکم شرعی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قینچی سے بال کٹوانے کا بھی اس کے ساتھ ہی حکم ہے تو پھر کیوں اس کو ناجائز سمجھا جا رہا ہے؟"

عبدالقادر ۔

جو کہنا ہے سو کہہ لیکن سمجھ کر مرد نعمانی
چوں کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی

حج کے موقعہ پر ہم بال کٹانا' منڈانا دونوں جائز جانتے ہیں۔ ناجائز کہنے کا الزام تمہاری طرف سے ہے جو بالکل جھوٹا ہے اور مفتری پر لعنت وارد ہے۔ مگر تم یہ تو بتاؤ کہ تمہارے امام نے بجائے قینچی سے کٹانے کے سر کیوں منڈایا تھا؟ چنانچہ تاریخ ابن خلکان میں ہے کہ وکیع کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ نعمان بن ثابت نے کہا کہ حج کے مسائل میں پانچ جگہ میں نے غلطی کھائی ہے۔ وہ مسئلے مجھے حجام نے سکھائے۔ وہ یہ ہیں کہ میں نے کہا کہ میری سر منڈائی کا کیا لے گا؟ اس نے کہا کہ کیا تو دیہاتی ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ اس نے کہا عبادت کے کاموں میں مزدوری شرط نہیں کی جاتی' تو بیٹھ جا۔ پس میں بیٹھ گیا مگر قبلہ کی طرف نہ بیٹھا۔ اس نے مجھے قبلہ کی طرف منہ کرنے کو کہا۔ میں نے چاہا کہ بائیں جانب سے سر منڈاؤں' اس نے کہا کہ دائیں جانب سے منڈاؤ۔ میں نے دائیں طرف آگے کر دی۔ وہ میرا سر موںڈنے لگا اور میں چپ چاپ بیٹھا تھا۔ اس نے کہا کہ تکبیر کہتا رہ۔ میں تکبیر کہنے لگ گیا۔ جب میں سر منڈا کر جانے لگا تو اس نے کہا کہ کہاں جاتا ہے؟ میں نے کہا اپنے ڈیرے پر جاتا ہوں۔ اس نے کہا کہ دو رکعات پڑھ لے پھر اس کے بعد جانا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ ایسے حجام سے کام لینے والا ایسا آدمی چاہیے جس کو علم ہو۔" انتھی مترجما"

میں کہتا ہوں کہ یہ امام صاحب موصوف ہی کی دیانتداری تھی کہ اس حجام کی اتباع سے یہ سب کچھ کرتے رہے۔ اگر فرقہ بریلویہ کا کوئی ہوتا تو حجام کو "وہابی" کہہ کر سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ جاتا اور ایک بھی نہ مانتا لیکن امام صاحب نے ہر مسئلہ مان لیا اور حجام کو اپنا استاد بنا کر حنفیوں کو شرمندہ کر دیا کہ مرشد پکڑنے کے لیے سادات کا ہونا کوئی شرط نہیں ہے' فافہم۔

ہاں اصل مطلب کی بات یہاں یہ تھی کہ امام صاحب نے حج کے موقعہ پر سر منڈایا تو یہ حنفیہ کے لیے نعمانی سنت بن گئی۔ اب ان کو تو قینچی سے کٹانے کا نام بھی نہ لینا چاہیے۔ اصل الفاظ عربی کے یہ وارد ہیں۔ "وجعل یحلق راسی۔" اب مقلدین غور کر لیں بلکہ ہدایہ میں ہے کہ جو سر منڈانے میں تاخیر کرے اس پر دم لازم ہے۔

فیاض "دوم یہ کہ ایک بچہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش ہوا تھا تو آپ نے فرمایا کہ سارا سر منڈا ڈالو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے فوری علاج یہی سمجھا تھا کہ گنج کی علامت مٹ جائے۔"

عبدالقادر موحدین پر تو بہتان لگانے کے عادی تھے ہی اب نبی ﷺ کی کلام میں بھی خیانت کرنے لگے۔ آپ نے اس لڑکے کا سر دیکھ کر یہ فرمایا تھا کہ احلقوه كله او اتركوه كله یعنی "یا سارے سر کو منڈاؤ یا سارے سر کو چھوڑ دو۔" دونوں طرح کا اختیار دے دیا تھا۔ منڈانا تو فوری علاج تھا' چھوڑنا تو فوری علاج نہیں تھا۔ یہ کیوں فرمایا؟ اس فرمانے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حکم عام ہے جو سب کے لیے ہے۔ نیز پھر آپ نے اپنے بھتیجوں کا سر منڈایا تھا۔ ان کا تو بعض حصہ مونڈا ہوا نہیں تھا کہ فوری علاج کی ضرورت ہوئی۔ اب اس کا جواب آپ کے پاس نہیں ہے۔ فبهت الذی کفر۔ نیز خود آپ نے آخری عمر میں کیوں سر منڈایا؟ پھر زمانہ بعد زمانہ اس پر (بقول پیر صاحب) تعامل کیوں ہوا؟ بس صم بكم عمى فهم لا ينطقون۔

فیاض کبھی کہا جاتا ہے کہ حضرت امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور علیہ السلام نے اجازت دی تھی کہ سر منڈایا کریں تو اس کا جواب بھی یوں ہے کہ اجازت حاصل کرنا خود اس امر کا ثبوت ہے کہ صحابہ کا طرز عمل سر منڈانا نہ تھا۔

عبدالقادر ع "بریں عقل و دانش بباید گریست۔" صحابہ کا یا خود آنحضور ﷺ کا طرز عمل نہ ہو نہ سہی' ہم خود بال رکھنے افضل رکھتے ہیں۔ بحث تو اس بات پر ہے کہ سر منڈانا جائز ہے یا نہیں؟ ہم کہتے ہیں تم انکاری ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سر منڈنے اور آپ کے جائز رکھنے سے جائز ثابت ہو گیا اور دیگر دلائل سے بھی جائز ثابت ہو کر تمہاری بات کا رد ہو گیا۔ دیکھو! آنحضور ﷺ اور صحابہ کرام کا عام طور پر طرز عمل یہ تھا کہ مسواک سے وضو کرتے تھے۔ اب اگر کوئی بغیر مسواک کے وضو کرے تو کیا کوئی بریلوی یہ کہہ سکتا ہے کہ اس کا وضو بدعت ہوا؟ اسی طرح جمعہ کا خطبہ ہمیشہ کھڑے ہو کر کیا گیا تھا۔ قرون ثلاثہ کا تعامل یہی تھا لیکن فقہ میں بیٹھ کر بھی جائز ہے تو کیا فقہ کا یہ حکم بدعت ہے؟ جلدی جواب دیں۔

حررہ العاجز عبدالقادر عارف حصاری از گگا ضلع حصار

بحوالہ تنظیم اہلحدیث روپڑ جلد ۷' شمارہ ۴۰' ۴۱

کلمات صوابیہ بجواب "بدعات وہابیہ"

اخبار "الفقیہ" کے ایک دل آزار مضمون کا جواب

حمد و صلوٰۃ کے بعد علمائے والا شان و بتدین ذی العرفان پر واضح ہو کہ دین اسلام کی تباہی و بربادی کا سب سے بڑا سبب بدعت ہے۔ اسی وجہ سے بیسیوں فرقے پیدا ہوئے۔ اسی باعث اہل اسلام میں اختلافات پڑے اور فتنہ و فساد کے دروازے کھلے۔ موجودہ اہل اسلام کی دینی و دنیوی حالت جو خراب و خستہ اور ابتر ہو رہی ہے' اس کا موجب بدعت ہی ہے۔ اس کی بدولت قرآن و حدیث کو چھوڑا اور توحید و سنت سے منہ موڑا جا رہا ہے۔ آج دین محمدی کے دعویدار اور مذہب اسلام کے نام لیوا دن بدن جادہ شریعت غرا و ملت بیضاء سے کنارہ کش ہوتے چلے جا رہے ہیں اور آئے دن نئی نئی باتیں ایجاد کر کے صراط مستقیم سے دور ہو رہے ہیں۔

رسم و رواج اور نفس پرستی نے کچھ ایسا زور پکڑا ہے کہ دین اکمل میں امور محدثہ اور افعال مخترعہ کو داخل کر کے محبت انبیاء و اولیاء کا دعویٰ کیا جا رہا ہے اور علماء سوء حق پرستی کے نور کو باطل پرستی کی ظلمات میں چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اگرچہ سطح ارض پر ائمہ دین و علماء حقانی کی حق پرست' حق شعار' حق شناس ہستیاں موجود ہیں جو بنصرت ایزدی تلقین الٰہی میں توحید و سنت کی سرگرم تبلیغ کر رہے ہیں اور بدعات و اہل بدعات کی تردید میں حتی الوسع مصروف ہیں لیکن عوام کالانعام جو علم کتاب و سنت سے ناواقف ہیں وہ حق و باطل میں امتیاز نہیں کر سکتے۔ اس لیے وہ ہر سو بدعات کی دھوم اور رسومات کا ہجوم دیکھ کر حیلہ تراش علماء اور بدعتی مفتیوں کی چکنی چپڑی باتوں سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ ان کو یہ معلوم نہیں کہ آزادی زمانہ سے مولویت کا حلقہ وسیع ہو گیا ہے اور خود ستائی کا بازار گرم ہے۔ بدعات کے گرداب میں غرق شدہ علماء ہتھی بن رہے ہیں جو پاک اور بے عیب دین محمدی کو فریب و حیل سے ملوث کر رہے ہیں اور قرآن و حدیث کو اپنی آراء کے مطابق ڈھال کر مطلب بنا رہے ہیں کہ ہر ایک کی طاقت نہیں جو ان کی کارستانی کو سمجھ سکے۔

ایسے لوگوں میں ایک نمایاں ہستی بریلوی اخبار "الفقیہ" کی ہے جو اس قسم کے مضامین

شائع کرتا رہتا ہے جن کو دیکھ کر عوام غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں- چنانچہ اس نے ماہ اپریل سنہ ۱۹۳۸ء سے جون سنہ ۱۹۳۸ء تک ایک دلآزار مضمون "بدعات وہابیہ" کے عنوان سے شائع کیا ہے- اصلیت اس کی کچھ بھی نہیں' صرف بدعات کی تردید سے تنگ آکر فیاض الدین نامہ نگار بدعتی نے اہل حق کا منہ چڑایا ہے اور اپنی دریدہ دہنی سے موحدین کی دل آزاری کی ہے- تمام مضمون کو پڑھ کر ایک عقلمند شخص اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ اہل بدعت جماعت لہابیہ' موحدین کے دلائل سے عاجز آگئی ہے اور پریشان حواس' کھسیانی اور مایوس ہو کر طعن و تشنیع پر اتر آئی ہے- اب ان کے پاس سوائے طعن اور گالیاں دینے کے اور کچھ بھی نہیں رہا- حق تو یہ تھا کہ اپنے ان عقائد اور اعمال کا ثبوت قرآن مجید اور حدیث نبوی سے پیش کرتے جن کو اہلحدیث نے بدعات قرار دے کر موجبین و مجوزین کو اہل بدعت کا لقب عطاء کیا ہے لیکن نامہ نگار اور ان کے اعوان نے اپنے عقائد کی کمزوری کو محسوس کرتے ہوئے ان کے ثبوت سے لاچار ہو کر اب جماعت حقہ اہلحدیث پر اعتراضات شروع کر دیئے ہیں جو "کھسیانی بلی کھمبا نوچے" کا مصداق ہے- چونکہ عوام بوجہ عدم علم احکام شرعیہ سے بے خبر ہیں اور ان کو سنت نبوی اور حکم شرعی کی جھلک دکھلانا اور حیلہ تراش اور فریب دینے والے مفتیوں کے فریب سے آگاہ کرنا علماء کا فرض ہے- بدیں وجہ راقم الحروف بوجہ خادم العلماء ہونے کے اس فرض کو سرانجام دیتا ہے' وباللہ التوفیق-

بریلوی نامہ نگار کی طرز استدلال: "الفقیہ" کے نامہ نگار مسمی فیاض الدین ناقابل اعتبار کی طرز استدلال دل آزار' موجب عار' شرعاً بے مقدار ہے- اس کا دارومدار تعصب و تنگ نظری پر ہے- تمام اہل علم صغار و کبار کے علمی معیار سے یہ استدلال بالکل ناپائیدار ہے- بدعات مروجہ کا ثبوت نہ ملنے پر صرف غلط مبحث کے لیے تکرار بد اطوار ہے جس کا انجام جیت نہیں بلکہ ہار ہے- ہاں یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ کج رفتار' ناہنجار کے غلط افکار مثل خیالات بیمار ہیں جو قابل مسمار ہیں- اگر اہل بدعت کے نزدیک یہی طرز استدلال مستحسن ہے تو پھر نصوص شرعیہ کو الٹ پلٹ کر جو چاہیں ثابت کریں یہ تو بات ہی آسان ہو گئی ہے-

افسوس جو لوگ کل یہ کہتے تھے کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے' آج وہی لوگ سنت کو بدعت اور بدعت کو سنت ثابت کرنے کے لیے مجتہدانہ طریق اختیار کرنے کی ناکام کوشش

کر رہے ہیں۔ جو لوگ کل دجوب تقلید شخصی کے مدعی تھے' وہی آج اپنے عمل سے طرز استدلال سے ابطال تقلید کے درپے ہو گئے ہیں۔ جس کتاب و سنت کی بابت نہایت زور سے کہا جاتا تھا کہ ان کے سمجھنے والا کوئی نہیں ہے' بس ائمہ اربعہ ہی ان کو سمجھ گئے۔ آج ان کے مقلدین نصوص شرعیہ کے کماحقہ سمجھ لینے کے مدعی بن رہے ہیں۔ جن لوگوں کی مذہبی کتابیں سلسلہ اسانید سے خالی تھیں' آج وہ سند حدیث میں دخل دینے لگے ہیں۔ کل جو بدعات مروجہ کے ثبوت سے عاجز تھے' آج وہ دینی مسائل ثابت شدہ کو بدعت قرار دینے لگے ہیں ؎

بت کریں آرزو خدائی کی
شان ہے تیری کبریائی کی

اب ہم مقالہ نگار کے مضمون پر تفصیلی نظر ڈالتے ہوئے اس کی مزعومہ بدعات کی تنقید کرتے ہیں' وباللہ التوفیق۔

اہل بدعت فرقہ لہابیہ کی دریدہ دہنی:

بد نہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سنے
ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسے سنے

آج کل بریلوی فرقہ لہابیہ جماعت اہل حدیث کے خلاف سخت دلآزار مضامین اخبار "الفقیہ" میں شائع کر رہا ہے۔ بہت سے اشتہارات اور رسائل تقسیم ہو رہے ہیں اور اس کا نام "تبلیغ احناف" "تبلیغ اسلام" "تبلیغ اہل سنت" رکھا ہوا ہے۔ محدثین عظام و فقہائے کرام کے طرز عمل کو اول سے آخر تک یہ لوگ وہابیت کا عنوان دے رہے ہیں۔ گو اخبارات "تنظیم" "اہلحدیث" "محمدی" وغیرہ میں ان کی ہر ایک نکتہ چینی اور اینچ پینچ کا جواب بارہا دیا جا چکا اور دیا جا رہا ہے مگر اس وقت جہاں ان کو دندان شکن جواب سے خاموش کرانے کا طریق ضرورت وقت کو پورا کر رہا ہے وہاں اس امر کی طرف بھی اہل قلم حضرات اہل حدیث کو متوجہ کرنے کی سخت ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ اہل بدعت کے مذہب کا بھی جائزہ لیا جائے کہ یہ دوسروں کو غیر مقلد' وہابی وغیرہ ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ خود یہ اہل سنت ہیں یا اہل بدعت لہابی ہیں جو نت نئے نئے بہتانات اور الزامات ابولہب کی طرح لگاتے رہتے ہیں۔

حنفیت کے پردہ میں بدعات و اختراعات: فرقہ بریلویہ نے حنفیت کا لباس پہن کر بدعات ایجاد کر رکھی ہیں۔ ان کا نام سنت اور طریق نبوی رکھا ہوا ہے اور حقیقی اہل سنت گروہ کے اعمال مسنونہ کو بدعات کا مصداق ٹھہرایا ہوا ہے جو ان کی کج فہمی اور گمراہی کی بین دلیل ہے۔ امید ہے اہل قلم اہل حدیث ان کی اس مذموم روش پر خامہ فرسائی فرمائیں گے۔ بالخصوص اخبار تنظیم' اخبار محمدی و الحدیث و صحیفہ اہلحدیث جو پہلے بھی سرگرمی کے ساتھ اہل بدعت کے عقائد باطلہ کی تردید اور توحید و سنت کی اشاعت میں مصروف ہیں۔

اب اس امر کی ضرورت ہے کہ اہل بدعت فرقہ بریلویہ لہابیہ کی حقیقت اور ان کے مزعومہ مسائل کی اصلیت طشت از بام کرنے میں یہ سوال کریں کہ اے اہل بدعت! بتلاؤ بدعت کیا ہے؟

کیوں کہ آج کل عام محاورۂ اہل بدعت میں بدعت ہر اس امر کو کہہ دیا جاتا ہے جو ان کے خیالات فاسدہ کے خلاف ہو یا ان کا طرز عمل اس کی تردید کرتا ہو۔ خواہ نفس الامر میں وہ کام مسنون ہو یا یوں کہو کہ بدعت کا لفظ اس فرقہ بدعیہ کے ہاں ان تمام طرز عمل کے اقسام پر اطلاق ہوتا ہے جو محدثین کرام سے مخصوص ہیں اور احادیث سے ثابت ہیں مگر اہل حدیث کے نزدیک حسب تحقیق بدعت کی یہ تعریف درست ہے۔

ان البدعة المذمومه هو المحدث فی الدین من غیر ان یکون فی عهد الصحابة والتابعین ولا دل علیه الدلیل الشرعی۔ (شرح مقاصد) یعنی "بدعت سیہ دین میں وہ نیا کام ہے جو زمانہ صحابہ کرام اور تابعین عظام میں نہ پایا گیا ہو اور اس پر کوئی دلیل شرعی دلالت نہ کرے۔"

بس اس تعریف کے رو سے عرس' قوالی' گیارہویں' تیسرا' ساتواں' چہلم' مولود ختم مروجہ' احتیاطی' صلوٰۃ معکوس' تقلید شخصی' صلوٰۃ غوثیہ وغیرہ وغیرہ جو کام رضائی بریلوی خصوصیت کے ساتھ کرتے ہیں اور ان کا ثبوت قرآن و حدیث و زمانہ سلف سے نہیں ہے' وہ سب بدعات ہیں۔ چنانچہ اس کی تائید خود نامہ نگار فیاض الدین امرتسری بھی کرتا ہے کہ:

"وہ خیال یا طرز عمل بدعت ہے کہ جس کی اصلیت عہد رسالت یا خیر القرون میں نہیں پائی جاتی۔"

پس ہم کہتے ہیں کہ عقائد اختراعیہ اور اعمال بدعیہ جن کو خصوصیت کے ساتھ فرقہ

بریلویہ اختیار کئے ہوئے ہے' عہد رسالت اور خیر القرون میں نہیں پائے جاتے۔ من ادعی فعلیہ البیان بالبرھان۔

اور ہر ایک نئی بات یا مذہب بھی اس میں داخل ہے جو اصول اسلام کے خلاف آج کل کے مذہب فروشوں' شکم پرستوں نے اہل اسلام کے سامنے پیش کیا ہے لیکن ان پر کوئی دلیل قرآن و حدیث سے پیش نہیں کی اور نہ ان کا وجود عہد رسالت اور خیر القرون سے ثابت کیا ہے۔ صرف معلم الملکوت کی طرح قیاس کر کے وہ عقائد اور اعمال اس فرقہ بریلویہ نے اختراع کئے ہیں۔ جن کا مردود ہونا اہل حدیث نے روز روشن کی طرح ثابت کر دیا ہے۔ اب یہ لوگ ان کے جواب سے تنگ آکر اہل حدیث کے عقائد و اعمال پر اعتراض کرنے لگے ہیں اور ان کو بدعت قرار دینے لگے ہیں' جس سے سادہ لوح عوام غلط فہمی کا شکار ہو رہے ہیں۔ اس لیے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اہل بدعت کا لفظ کن پر استعمال ہوا ہے اور وہ کون ہیں؟

اہل بدعت کون ہیں؟: مخفی نہ رہے کہ حقیقت میں صرف وہی لوگ اہل بدعت اور اہل ہوا ہیں جو اسلام میں صرف اپنے آپ کو داخل سمجھتے ہیں اور اہل حق کو اسلام سے خارج تصور کر کے کسی نئی نبوت' نئی شریعت' نئے عقائد اور تجدید اسلام کے مرتکب ہیں۔ کتب متقدمین اہل سنت میں ان کو ملاحدہ' زنادقہ' مرجیہ' جہمیہ' حلولیہ کے القاب سے ملقب کیا گیا ہے۔ ظاہر میں تو یہ لوگ حنفی مذہب کے مدعی ہوتے ہیں اور حقیقت میں کوئی معتزلی' کوئی مرجیہ' کوئی شیعہ' کوئی جہمیہ ہوتا ہے۔

مولانا عبدالحی صاحب حنفی لکھنوی اپنے رسالہ الرفع والتکمیل مطبوعہ "انوار محمدی" کے صفحہ۔۲۷ میں لکھتے ہیں: فالحنفیۃ لھا فروع باعتبار اختلاف العقیدۃ فمنھم الشیعۃ ومنھم المعتزلۃ ومنھم المرجئۃ' انتھی۔ یعنی "حنفیہ کی بہ اعتبار اختلاف کئی شاخیں ہیں۔ پس ان میں شیعہ ہیں اور معتزلہ ہیں اور مرجیہ ہیں۔"

چنانچہ زمخشری جار اللہ مؤلف الکشاف معتزلہ تھے اور نجم الدین زاہدی مؤلف قنیہ' علوی' مجتبیٰ شرح مختصر قدوری بھی معتزلہ تھے۔ لیکن یہ اپنے آپ کو حنفی کہلاتے تھے۔ اسی وجہ سے امام غزالی رحمہ اللہ نے احیاء العلوم نو لکشوری ص۔۲۳ میں فرمایا ہے: بل جمیع دقائق الفقہ بدعۃ لم یعرفھا انسان۔ یعنی "فقہ کے جتنے نکات اور باریکیاں ہیں یہ سب بدعت ہیں

سلف صالحین یہ باتیں نہیں جانتے تھے۔" پس یہ بدعتیں انہی لوگوں نے کتب فقہ میں درج کی ہیں جو ظاہر میں حنفی کہلاتے تھے اور باطن میں گمراہ تھے۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الموسوم بہ عقیدہ ابی حنیفہ میں لکھتے ہیں: "معلوم ہو کہ کتب فقہ میں نہ صرف تمام ابوحنیفہ کے اقوال جمع ہیں بلکہ معتزلہ' قدریہ' شیعہ' روافض اور خوارج وغیرہ کے اقوال سے کتب فقہ مملو ہیں۔"

مولانا عبدالقادر بدایونی حنفی نے بوارق شیخ نجدی میں لکھا ہے: "اندراج خوارج و معتزلہ وقدریہ در کتب حنفیہ از حد است ہزاراں ہزار خوارج و معتزلہ وقدریہ در فروع فقہ حنفی مذہب بودہ اند۔" انتہی یعنی ہزاراں ہزار خارجی' معتزلہ' قدریہ فروع میں حنفی مذہب تھے۔

اسی طرح منہاج السنۃ جلد۔۲' ص۔۲۶ میں ہے کہ مذہب ابوحنیفہ کے ساتھ معتزلہ' کرامیہ' کلابیہ نے اپنے اصول کو ملا دیا ہے۔

کاش حضرات شاہ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جن کے نام کی اہل بدعت گیارہویں دیتے اور ان کے نام کا وظیفہ کرتے ہیں۔ شاہ صاحب غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں امت محمدیہ تہتر(۷۳) گروہ ہو گئی ہے۔ وہ سب گمراہ اور جہنمی ہیں مگر ایک طائفہ ہے۔ وہ اہل اسلام اور ان کی جماعت ہے۔" (ص۔۱۸۹)

پھر ص۔۱۹۲ میں فرماتے ہیں واما الفرقۃ الناجیۃ فھم اھل السنۃ والجماعۃ یعنی "فرقہ ناجیہ اہل سنت والجماعت ہے۔" اہل سنت کہلانے والے تو بہت فرقے ہیں' اس کا ازالہ فاھل السنۃ طائفۃ واحدۃ یعنی "اہل سنت ایک طائفہ ہے' کہہ کر کر دیا اور دوسری جگہ اس کی تشریح کر دی کہ اھل السنۃ فرقۃ واحدۃ وھو اصحاب الحدیث یعنی "اہل سنت کا ایک ہی فرقہ ہے اور وہ اہل حدیث ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اہل سنت اور حدیث مترادف باہم ہیں۔ پھر گمراہ فرقوں کا شمار کرتے ہوئے ان کے بارہ فرقے قرار دیئے اور حنفیہ کو مرجیہ اہل بدعت گمراہ قرار دیا فرمایا اور اہل بدعت کو للکار کر کہہ دیا والحنفیۃ منھم پھر تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا الحنفیۃ فھم اصحاب ابی حنیفۃ النعمان بن ثابت مرجیہ ہیں جن کا ایک فرد حنفیہ ہیں جو امام ابوحنیفہ کے پیرو ہیں تو اہل بدعت کو بدعتوں کی گیارہویوں نے کچھ بھی فائدہ نہ دیا اور یہ بھی یاد رہے کہ پیر صاحب نے ایک حدیث ذکر فرما کر ان کی بیخ کنی کی ہے کہ ازروئے فتنہ بڑا فرقہ ہو گا جو یقیسون الامور برایھم یعنی

مسائل اپنی رائے سے کریں گے۔ پیر جیلانی نے اور معتبر مورخین نے واضح کر دیا ہے کہ یہ فرقہ اہل ہوا کا ہے۔

تاریخ ابن خلدون جلد ۱، ص-۳۷۳ میں ہے: انقسم الفقه فيهم ال طريقين طريقة اهل الراى والقياس وطريقة اهل الحديث وهم اهل الحجاز۔ یعنی فقہ دو طریقہ پر منقسم ہو گئی۔ ایک طریقہ اہل رائے و قیاس والے ہیں اور ایک طریقہ اہل حدیث کا جو حجاز (مکہ مدینہ) والے ہیں۔ پھر لکھا ہے فلذلك قيل اهل الرائى ومقدم ملذهبهم الذى استقر المذهب فيه واصحابه ابو حنيفة یعنی قیاس کرنے کے سبب سے ان کا نام اہل رائے ہوا ان کی جماعت کے سردار امام ابوحنیفہ ہیں۔ جن میں یہ مذہب سرایت کر گیا۔

پیر صاحب نے اعلان کر دیا ہے کہ فرقہ ناجیہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ایک تھا۔ فرقہ بندی حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ اور فقہائے سبعہ کے بعد ہوئی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ میں فرماتے ہیں: ان الناس كانوا قبل المائة الرابعة غير مجتمعين على التقليد الخالص لمذهب واحد یعنی "چوتھی صدی سے پہلے کے لوگ ایک مذہب کی تقلید پر جمع نہ تھے۔"

اعلام الموقعين جلد اول ص-۲۲۲ میں ہے: انما حدثت هذه البدعة فى القرن الرابع المذموم على لسانه صلى الله عليه وسلم یعنی "یہ تقلید کی بدعت چوتھی صدی میں جاری ہوئی ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ جس کی مذمت رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے ثابت ہو چکی ہے۔"

پس پیر صاحب نے حدیث سے فرقہ ناجیہ کی یہ صفت نقل کی ہے: قالوا وما تلك الواحدة قال صلى الله عليه وسلم من كان على مثل ما انا عليه واصحابى یعنی "صحابہ نے کہا کہ اس فرقہ کی صفت کیا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ میرے اور میرے صحابہ کے طریق پر ہوں۔" چونکہ صحابہ کے زمانہ میں قرآن و حدیث پر عمل تھا، مذاہب اربعہ اور ان کی فقہ کی کتابوں کا وجود نہ تھا بلکہ یہ فرقہ بندی بعد میں ہوئی، لہذا یہ سب سلسلہ بدعت ہوا اور اہل حدیث فرقہ ناجیہ قرار پایا۔ فللّٰہ الحمد۔

مخفی نہ رہے کہ حضرت شیخ جیلانی رحمہ اللہ نے حنفیہ کو مرجیہ قرار دیا ہے اور مرجیہ کی بابت فیصلہ نبوی یہ ہے: صنفان من امتى ليس لهما فى الاسلام نصيب المرجية والقدرية۔

یعنی "فرمایا آنحضور ﷺ نے کہ میری امت کے دو گروہوں کو اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ ایک منکرین تقدیر اور دوم مرجیہ۔"

مقلدین اہل بدعت اللہ تعالیٰ کا بذاتہ عرش معلی پر ہونا اور اس کا آسمان دنیا پر نزول فرمانا نہیں مانتے اور یہ عقیدہ سلف کے خلاف ہے۔ شیخ الصوفیہ مولف حلیۃ الاولیاء امام ابو نعیم اپنے عقیدہ میں لکھتے ہیں: طریقنا طریق السلف المتبعین للکتاب والسنۃ واجماع الامۃ۔ یعنی "ہمارا مذہب سلف کا مذہب ہے جو قرآن و حدیث و اجماع امت کی پیروی کرنے والے تھے۔" (مقلدین اس سے خارج ہوئے)

پھر عقائد ذکر کئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر اترتا ہے۔ فمن انکر النزول او تاول فھو مبتدع ضال وسائر الصفوۃ العارفین علی ھذا۔ یعنی "جو شخص اللہ کے اترنے کا انکار کرے یا اس کی تاویل کرے وہ بدعتی گمراہ ہے۔ تمام صوفیاء عارفین اسی عقیدہ پر تھے۔"

پھر لکھا ہے وان اللہ استویٰ علی العرش بلا کیف۔ یعنی "اللہ تعالیٰ عرش پر بلاکیف بلند ہے۔ وانہ سبحانہ بائن من خلقہ وخلقہ بائنون منہ۔ یعنی "اللہ تعالیٰ خلقت سے جدا ہے اور خلقت اس سے جدا ہے۔ کسی کا کسی میں حلول نہیں ہے۔" پھر فرمایا مما اعتقدوہ ان اللہ فی سمائہ دون ارضہ۔ یعنی "تمام سلف نے یہ اعتقاد کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں پر ہے، زمین پر نہیں ہے۔" یہی عقیدہ پیر جیلانی رحمہ اللہ کا غنیہ میں ہے۔ پس اس کے خلاف عقیدہ رکھنے والے بدعتی ہوئے۔

فرقہ بریلویہ اور مرزائی: "الفقیہ" کے نامہ نگار فیاض الدین نے جماعت اہلحدیث پر یہ افتراء اور جھوٹ باندھا ہے کہ اہلحدیث جماعت کے ذریعہ مرزائی وغیرہ مذاہب کی زہریلی ہوا پھیلی ہے۔ حالانکہ خود ہی لکھتے ہیں کہ اہلحدیث کا نشان انگریزی حکومت سے پہلے نہیں ملتا جس کا صاف نتیجہ یہ ہے کہ اہلحدیث کا تو نام و نشان نہ تھا۔ مقلدین یہاں موجود تھے، انہی سے وہابی بنے اور انہی سے شیعہ، انہی سے مرزائی اور انہی سے چکڑالوی۔ چنانچہ مرزا قادیانی جس کی ایک شاخ قادیان ضلع گورداس پور میں ہے اور دوسرا شعبہ لاہور میں ہے۔ یہ چشمہ ضلالت بھی اسی "تقلیدی دریا" سے نکلا ہے۔ ہم فیاض الدین بدعتی کی طرح صرف زبانی جمع خرچ نہیں رکھتے بلکہ ہر امر کا ثبوت دیتے ہیں۔ ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ مرزا صاحب پہلے حنفی المذہب تھے اور تھے بھی احمد رضا خاں بریلوی کے عقائد پر۔ چنانچہ سیرت مہدی مصنف

پسر مرزا کے ص-۳۳ میں ہے- میاں عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ "میں نے حضرت (مرزا) صاحب کو کبھی رفع الیدین کرتے یا آمین بالجہر کہتے نہیں سنا اور نہ کبھی بسم اللہ بالجہر پڑھتے تھے-" انتھی

اس سے معلوم ہوا کہ مرزا صاحب اہلحدیث کے امتیازی مسائل کے عامل نہ تھے- حکیم نور الدین خلیفہ اول قادیان کی شہادت ہے وہ لکھتے ہیں- "حضرت مرزا صاحب اہل سنت والجماعت خاص کر حنفی المذہب تھے-" (نور الدین ۲۹ اگست سنہ-۱۹۳۲ء مندرجہ اخبار پیغام صلح لاہور ۲ جنوری سنہ-۱۹۳۶ء) دیگر ثبوت کہ مرزا صاحب اہل بدعت فرقہ بریلویہ کے خیالات پر تھے- سیرت المہدی ص-۱۴۵ میں ہے- "میاں عبداللہ سنوری ہی نے بیان کیا کہ ایک دفعہ یہ ذکر تھا کہ یہ جو چہلم کی رسم ہے یعنی مردے کے مرنے سے چالیسویں دن کھانا تقسیم کرتے ہیں' غیر مقلد اس کے بہت مخالف ہیں- اس پر حضرت (مرزا) نے فرمایا کہ چالیسویں دن کھانا تقسیم کرنے میں یہ حکمت ہے کہ یہ مردے کی روح کے رخصت ہونے کا دن ہے-" اس سے معلوم ہوا کہ مرزا صاحب فرقہ بریلویہ کی بدعات مخصوصہ کے بھی قائل اور مقلد تھے اور اہلحدیث کے مخالف تھے- اب ہم واقعات سے ثابت کرتے ہیں کہ اہل بدعت بریلویوں اور قادیانی مرزائیوں کے عقائد اور اعمال میں مشابہت تامہ ہے-

(۱) مرزائیوں نے بہت سی آیات و احادیث کو مرزا صاحب کی تقلید میں آکر ملیا میٹ کر دیا ہے اور مقلدین نے امام ابوحنیفہ کی تقلید میں آکر اکثر آیتوں اور احادیث کو ترک کر دیا ہے-

(۲) جیسے مرزائیوں کا "بہشتی مقبرہ" ہے' ویسے مقلدین بریلویہ کا "بہشتی دروازہ" ہے- طابق النعل بالنعل-

(۳) مرزائی مرزا کی نبوت کے قائل ہو کر شرک فی الرسالت کے مرتکب ہوئے اور مقلدین تقلید شخصی کو فرض جان کر غیر نبی کی باتوں کو بے دلیل دین اور مذہب بنا کر شرک فی الرسالت کے مرتکب ہوتے ہیں- دراسات اللبیب ص-۲۵۰ میں ہے فانه متی اعتقدانه یجب علی الناس اتباع واحد بعینه من هذه الائمة دون الاخرین فقد جعله بمنزلة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم وذلک کفر- یعنی "جب اس نے اس بات کا اعتقاد کیا کہ واجب ہے لوگوں پر ایک شخص کی تقلید کرنی ان اماموں میں سے سوائے اوروں کے تو ٹھہرایا اس نے اس امام کو بمنزلہ نبی کے اور یہ کفر ہے-"

(۴) مرزا قادیانی کے مریدوں نے ایک نظم میں یہ شعر پڑھا۔
کل اولیاء سے افضل بعض انبیاء سے بہتر
یہ مصطفیٰ ہمارا یہ دل ربا ہمارا
("دل ربا" سے مراد مرزا قادیانی)

پیر جماعت علی شاہ کے مریدوں نے یہ شعر بنایا۔
حور و ملک فلک پر فرش زمیں پہ تیرے
غلام ہیں دست بستہ چاروں کتب والے

(۵) رسالہ برکات علی پور میں پیر جماعت علی شاہ کو درود میں شامل کیا گیا۔ چنانچہ لکھا ہے: اللّٰھم صل علی محمد وعلی جماعت علی صاحب۔ اور مرزائی اخبار "الفضل" ۸/ دسمبر سنہ ۱۹۲۵ء کے ص-۸ میں لکھتے ہیں: "ہم مختلف اوقات میں آنحضرت ﷺ پر درود پڑھیں اور اس درود میں خلیفہ مسیح اور مہدی کو بھی شامل کریں۔" انتھی

اسی طرح بہت سے اعتقادی اور عملی امور میں بریلوی حنفیوں اور مرزائیوں میں مشابہت ہے کیونکہ مرزا حنفی المذہب تھا۔ بریلوی دوستو!
نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریاد یوں کرتے
نہ کھلتے راز سربستہ نہ یہ رسوائیاں ہوتیں!

"وہابی" مذہب کی اصلیت: متعصبین اہل بدعت عاملین بالقرآن والحدیث کو "وہابی" کہتے ہیں۔ اس سے ان کا مقصد محض دل آزاری ہے ورنہ اہل حدیث "وہابی" نہیں ہیں۔ اہل بدعت کے خیال میں یہ انتساب شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی حنبلی کی طرف ہے۔ جو واقعات کے رو سے بالکل غلط ہے۔ نہ ہم ان کے مقلد نہ ان کے اقوال و افعال کو مقلدین کی طرح مستند جاننے والے۔ نہ مقلدین کی طرح ان کی کتابوں کو درسی سمجھ کر پڑھنے پڑھانے والے اور نہ ان کے اقوال کو وعظ درس میں بحث و مناظرہ میں پیش کرنے والے۔ ہاں ان کو ایک عالم دین جانتے اور توحید و سنت کا حامی سمجھتے ہیں۔ لیکن ہم ان کی تقلید نہیں کرتے بلکہ براہ راست قرآن و حدیث پر عمل کرتے ہیں۔ پھر اہلحدیث کو "وہابی" کہنا جھوٹ اور افتراء نہیں تو اور کیا ہے؟ اگر "وہابی" کوئی فرقہ ہے تو وہ اہلحدیث سے جدا ہے۔

مشہور مورخ علامہ امین بن ابراہیم رحمہ اللہ اپنی تاریخ وانی کے ص-۹۳ میں لکھتے ہیں: کانت

الوهابية نسبة الٰی عبداللّٰہ بن وهب الواهبی اول من بویع منهم امام علی بن ابی طالب ولهم علماء وعلوم شائعة فی معتقدهم ما یخالف اهل السنة انتهی۔ یعنی "فرقہ وہابیہ میں نسبت عبداللہ بن وہب واہبی کی طرف ہے جس کے ہاتھ پر حضرت علی بنٹھ کے زمانہ میں مخالفانہ بیعت کی گئی۔ ان میں بڑے بڑے علماء تھے اور ان کے علوم عقائد جو اہل سنت کے مخالف تھے شائع ہوئے۔"

اس تصریح سے معلوم ہوا کہ یہ وہابی فرقہ دراصل خارجی تھا جو حضرت علی بنٹھ کے وقت میں ظاہر ہوا۔ باقی رہا محمد بن عبدالوہاب کا ہم عقیدہ فرقہ' سو وہ حنبلی تھا۔ چنانچہ حنفیہ کو یہ تسلیم ہے۔

رد المختار عرف شامی میں ہے کانوا ینتحلون مذهب الحنابلة۔ یعنی "عبدالوہاب اور ان کے اتباع حنبلی مذہب تھے۔" اہل حدیث کا شامی میں جدا ذکر ہے۔ قال ابن منذر ولا اعلم احداً وافوا اهل الحدیث علی تکفیرهم۔ "میں نہیں جانتا کہ اہلحدیث کے سوا کسی نے ان عبداللہ بن وہب کی طرف منسوب وہابیوں کو کافر کہا ہو۔" اہلحدیثوں کو "وہابی" کہنا اور ان سے نفرت کرنا بھی مرزا قادیانی کی سنت چنانچہ اخبار "البدر" قادیان ۲۰/ شعبان سنہ ۱۳۲۰ھ میں خود مرزا صاحب کا اپنا قول ہے۔ "میں ہمیشہ ان خشک وہابیوں سے متنفر رہا ہوں۔" "سب اہل بدعت ان سے متنفر ہیں۔" تشابهت قلوبهم۔

مذہب اہل حدیث اور اس کا تعارف

متعصبین مخالفین نے غلط بیانیوں اور زیادتیوں سے کام لے کر جماعت اہلحدیث کو بدنام کر رکھا ہے اور ان کے عقائد و اعمال کو نہایت بدعنوانی سے بیان کر کے ظاہر بینوں کو غلطی میں ڈال دیا ہے اور تل کو پہاڑ اور صحیح بات کو بری صورت بنا کر عوام کے سامنے پیش کیا ہے۔ جس سے ان کو خواہ مخواہ نفرت پیدا ہو گئی ہے۔ علماء سوء اپنے وعظوں اور لکچروں میں یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا جھوٹ بولنا جائز رکھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی حقارت کرتے ہیں۔ شفاعت سے انکار کرتے ہیں۔ اولیاء اللہ کے منکر ہیں۔ اماموں کو گالیاں دیتے ہیں۔ پھوپھی اور دادی سے نکاح جائز کہتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ خرافات بکتے ہیں۔ اس قسم کی جھوٹی برائیاں مشہور کرنے سے لوگوں کے دلوں میں اس جماعت حقہ کا برا نقشہ ذہن نشین

ہو گیا۔ حالانکہ یہ سب بہتانات ہیں۔ جو اہلحدیث کے ساتھ بیجا تعصب رکھنے کی وجہ سے اہلحدیث پر لگائے گئے ہیں۔ مبتدعین محض توحید الٰہی اور سنت نبوی کی اشاعت و تبلیغ سے اور بدعات کی تردید سے چڑتے ہیں۔ اور دوسری باتوں کا بہانہ بناتے ہیں۔ ورنہ اہل حدیث ان تمام الزامات سے بری ہیں۔

اہلحدیث کا مذہب ہے قرآن و حدیث جو قرآن و حدیث سے ثابت ہو گا وہی ان کا عین عقیدہ ہو گا۔ ان کے عقائد و اعمال وہی ہیں جو صحابہ کرام' تابعین عظام' ائمہ محدثین' اولیاء عارفین رحمتہ اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہیں۔ اور ان پر ادلہ شرعیہ ناطق ہیں۔ قرآن و حدیث کے خلاف کوئی رسم و رواج یا کسی بزرگ یا عالم کا قول ہو تو اس کو وہ نہیں لیتے ہیں۔ غرض ان کا مذہب اور ان کا طریقہ وہی ہے جو اسلام کی اصل تعلیم ہے۔ جس کا نقشہ اعتقادی و عملی زمانہ صحابہ' تابعین اور چاروں اماموں کے وقت میں تھا۔ اور چوتھی صدی تک رہا پھر تقلید کی آندھی چلنے اور غیر نبی کی بلا دلیل پیروی کرنے کا عموماً رواج ہونے کے سبب سے عام لوگ اس راہ سے بے خبر ہو گئے اور خواص لوگوں کی ایک جماعت ہمیشہ سے اس سڑک پر چلی آئی جو اللہ کے فضل سے اب پھر ترقی پر ہے۔ کتب شرعیہ مستندہ میں اس جماعت کے عملی نام حسب ذیل ہیں جو سب باہم مترادف ہیں:

اہل سنت' اہل اثر' اصحاب الحدیث' اہل الحدیث' اصحاب السنن۔ ان کے مقابلہ میں یہ لوگ ہیں: اہل الرائی' اہل ہویٰ' اہل بدعت' اہل تقلید۔ پھر جس امام کی تقلید کی طرف ان کی نسبت ہوئی کوئی حنفی ہوا' کوئی شافعی ہوا' کوئی حنبلی ہوا' کوئی مالکی ہوا۔ غرض ہر شخص عملی حیثیت سے اپنے معمول بہ کی طرف منسوب ہو گیا۔ چونکہ اہلحدیث کا طرز عمل وہی تھا جو قرآن و حدیث سے منصوص اور خیر القرون میں جاری تھا۔ اس لیے ان کی نسبت عملی حیثیت سے حدیث کی طرف رہی کیوں کہ اس طرح منسوب کرنا سنتہ اللہ کے مطابق ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اھل الانجیل' اھل الکتاب کے نام سے لوگوں کو پکارا ہے جو اس کو مستند جان کر قابل عمل جانتے تھے۔

بس یہ ہے ہمارا مذہب باقی جو کچھ مخالفین ان اہل حق جماعت کے نام رکھتے ہیں۔ اور ان کے ذمے الزامات لگاتے ہیں وہ سب عداوت مذہبی پر مبنی ہیں۔ چونکہ یہ جماعت بدعات مروجہ عرس' گیارہویں' میلاد' ختم' چہلم وغیرہ کی تردید کرتی ہے اور ان کے عاملین کو گمراہ

خارج عن الاسلام جانتی ہے۔ اس لیے مبتدعین ان کو بدنام کرتے ہیں۔ لیکن حق پسند، منصف مزاج، حق و باطل میں امتیاز کرنے والے حق کو قبول کرتے اور باطل کو چھوڑ دیتے ہیں۔ صرف عوام کالانعام اور علماء سوء اہل عناد حق کے خلاف ہو کر الحاد و کجروی پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور باطل کی حمایت میں بد عنوانیوں اور غلط بیانیوں سے کام لے کر اشتعال پیدا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کے شر سے بچائے، آمین۔

مذہب "اہل حدیث" منصوص نام ہے: امت محمدیہ میں جو بہتر(۷۲) فرقے اور ان کی شاخیں ہیں، ان سب کے نام اختراعی ہیں۔ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، جہمیہ، شیعہ، مرزائی وغیرہ سب اسی قبیل سے ہیں۔ لیکن تہتروں فرقہ جو ایک ہے جس کو شارع کی طرف سے ناجیہ قرار دیا گیا ہے، اس کا نام نصی ہے۔ اول اہل سنت ہے۔ قیل ومن اهل السنة والجماعة قال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ما انا علیه الیوم واصحابی (ملل ونحل مصری ص-۵) وفی روایة ان الناس کانوا فی حیوة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم اهل سنة۔ (منتخب کنزالعمال برحاشیہ مسند احمد جلد-۵، ص-۲۴۰) یعنی "صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! اہل سنت والجماعت کون لوگ ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ لوگ ہیں جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر آج کے دن ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں لوگ اہل سنت تھے۔"

منتخب کنزالعمال جلد-۶، ص-۳۱۵ میں ہے: قیل لعلی من اهل السنة قال المتمسکون بما سنه اللّٰه لهم ورسوله وان قلوا یعنی "حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ اہل سنت کون ہوتے ہیں تو فرمایا امیرالمومنین نے کہ جو اللہ اور رسول کی سنت کے تمسک کرنے والے لوگ ہیں۔ اگرچہ وہ تھوڑے ہوں۔" (منقول از اربعین محمدی)

مقلدین حنفیہ کی معتبر کتاب تکملہ بحر الرائق جلد-۸، ص-۸۲ میں ہے: وفی خبر عبداللّٰه بن عمر عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال من کان علی السنة والجماعة استجاب اللّٰه دعاءه یعنی "عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اہل سنت والجماعت ہے، اس کی اللہ دعا قبول کرتا ہے۔"

امام محمد بن سیرین تابعی فرماتے ہیں: فینظر الی اهل السنة فیوخذ حدیثهم وینظر الی اهل البدع فلا یوخذوا۔ (صحیح مسلم جلد-۱، ص-۱۱) یعنی "اہل سنت کی حدیث قبول

کی جائے اور بدعتیوں کی نہ لی جائے۔" ان تصریحات سے ثابت ہوا کہ عہد نبوی اور عہد صحابہ اور عہد تابعین میں اہل سنت ایک مذہب تھا۔ تقلید چہارم صدی میں پیدا ہوئی ہے۔ اس لیے مقلدین کا وجود ان زمانوں میں نہ تھا۔ یہ سب بعد کی پیداوار ہیں جو اہل سنت کے علاوہ ہیں۔ اہل سنت ایک جماعت ہے اور مقلدین مذاہب اربعہ کے قائل ہیں۔ غرض یہ کہ "اہل سنت" منصوص نام ہے۔

دوسرا نام اس کے مترادف اہل حدیث ہے۔ جیسا کہ صواعق الہیہ ص ۲۸ میں ہے: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان یوم القیامۃ جاء اصحاب الحدیث مابین یدی اللّٰہ ومعھم المحابر فیقال لھم انتم اصحاب الحدیث کنتم تصلون علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ادخلوا الجنۃ یعنی "آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے اہل حدیث آئیں گے اور ان کے ساتھ دواتیں ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ ان کو فرمائے گا کہ تم لوگ اہلحدیث ہو جو نبی ﷺ پر درود پڑھا کرتے تھے (یعنی پڑھتے لکھتے وقت' نام سنتے وقت اور دیگر مسنون جگہ) جاؤ جنت میں چلے جاؤ۔" اس سے درود کی عظمت ثابت ہوئی لیکن جو مسنون ہے اور مسنون جگہ پڑھا جائے۔ نہ اہل بدعت کا درود کیونکہ وہ خود اور ان کا درود مردود ہے۔ اسی واسطے اس حدیث میں اہل حدیث کی خصوصیت ہے۔

نیز مذہب اہلحدیث عہد نبوی میں ثابت ہوا۔ حدیث میں وارد ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا لا تزال طائفۃ من امتی منصورین (وفی روایۃ علی الحق) لا یضرھم من خالفھم حتی تقوم الساعۃ یعنی "میری امت میں سے ایک طائفہ حق پر رہے گا۔ بے عزتی کرنے والے لوگ ان کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔" اس حدیث سے ایک گروہ کا حق پر ہونا ثابت ہوا تو اس کا نام کیا ہے؟ ائمہ محدثین کی شہادت درج ذیل ہے جو مخالفین کے نزدیک بھی معتبر ہیں۔

امام ابوحنیفہ صاحب کے شاگرد عبداللہ بن مبارک جو اپنے زمانہ میں اعلم تھے اور عظیم الشان تابعی تھے۔ سنہ ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ فرماتے ہیں ھم عندی اصحاب الحدیث "وہ گروہ میرے نزدیک اہل حدیث ہے۔"

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جو چاروں اماموں میں مشہور ہیں وہ فرماتے ہیں ان لم یکونوا اصحاب الحدیث فلا ادری من ھم۔ یعنی "اگر اس طائفہ سے مراد اہلحدیث نہیں تو میں

نہیں جانتا کہ پھر یہ کون سا گروہ مراد ہے۔" اسی طرح یزید بن ہارون نے بیان فرمایا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد امام علی بن مدینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ھم اصحاب الحدیث۔ "وہ فرقہ اہلحدیث ہے" خود امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی "اصحاب الحدیث۔"

محمد بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضور ﷺ کو خواب میں دیکھا اور سوال کیا کہ تہتر (۷۳) فرقوں میں سے ناجی فرقہ کون ہے؟ تو فرمایا انتم یا اصحاب الحدیث۔ یعنی "اے اہلحدیثو! وہ تمہارا گروہ ہے۔" حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہم کو وصیت کی۔ فرمایا ان توسع لکم فی المجلس وان نفھمکم الحدیث فانکم خلوفنا واھل الحدیث بعدنا۔ "کہ مجلس میں ہم تمہارے لیے فراخی کریں اور حدیث تم کو سمجھائیں۔ کیونکہ تم ہمارے خلیفہ ہو اور ہمارے بعد اہلحدیث ہو۔"

یہ تمام روایات رسالہ شرف اصحاب الحدیث مؤلفہ امام خطیب بغدادی میں ہیں۔ ان دلائل سے واضح ہو گیا کہ گروہ قائم علی الحق اہل حدیث ہے اور یہ ان کا عملی نام ہے۔

قدامت مذہب اہل حدیث!: فتح الباری میں ہے قال القاضی عیاض اراد احمد اھل السنة ومن یعتقد مذھب اھل الحدیث۔ یعنی "امام احمد کی مراد وہ لوگ ہیں جو مذہب اہل حدیث کا اعتقاد رکھتے ہیں۔"

قاضی عیاض نے فیاض بدعتی کی ناک کاٹ دی کہ اہل حدیث مذہبی عنوان تھا' اسلامی تعلیم کی ڈگری کا نام نہ تھا۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وکان یقول اھل الحدیث فی کل زمان کالصحابة فی زمانھم وکان یقول اذا رایت صاحب الحدیث فکانی رایت احدا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (میزان کبریٰ جلد۱' ص۴۹) یعنی "اہلحدیث ہر زمانہ میں مثل صحابہ کرام کے ہیں' اپنے زمانہ میں جب میں کسی اہلحدیث کو دیکھتا ہوں تو کہتا ہوں گویا نبی ﷺ کا صحابی دیکھ لیتا ہوں۔"

میزان کبریٰ ص۔۴۸ میں ہے: کان ابوبکر بن عیاش یقول اھل الحدیث فی کل زمان۔ یعنی "امام ابوبکر بن عیاش فرماتے ہیں اہل حدیث ہر زمانہ میں موجود ہیں۔"

امام ابن تیمیہ منہاج السنہ جلد۱' ص۔۲۴۰ میں ایک کلام میں لکھتے ہیں: من اصحاب

ابی حنیفة ولا الشافعی ولا احمد بن حنبل لامن اهل الحدیث۔ یعنی "نہ حنفیوں سے نہ مالکیوں سے نہ شافعیوں سے نہ حنبلیوں سے نہ اہلحدیث سے۔" امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اہلحدیث کا ذکر مذاہب اربعہ کے علاوہ کیا ہے۔ اس سے "فیاض" کی جڑ کٹ دی کہ مذاہب اربعہ کے سوا اہل حدیث کوئی مستقل مذہب نہ تھا۔

مخفی نہ رہے کہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سنہ ۷۰۰ھ میں ہوئے ہیں۔ جس سے ثابت ہوا کہ اہلحدیث پہلے سے موجود تھے۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان ظالموں نے تو ایسے مجتہد مطلق مجدد وقت' امام العصر' یحییٰ محی الملت کو بھی برا کہنے سے نہ چھوڑا۔ ایک ظالم گلشن آبادی "تحفہ محمدیہ" میں لکھتا ہے کہ "جاننا چاہیے کہ سنہ ۷۰۰ھ میں حنبلی مذہب سے ایک شخص ابن تیمیہ نامی گمراہ بد مذہب نکلا۔" (نعوذ باللہ) بدی کی باتوں کو ان ظالموں نے جزو ایمان ٹھہرایا ہوا ہے۔ اس کا جواب قاضی عینی شارح بخاری نے عمدہ دیا ہے کہ جو شخص ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے مراتب علیہ' علم و عمل' اجتہاد و امامت سے انکار کرتا ہے وہ یا تو مجنون لایعقل ہے یا کمل سفیہ و پلید یا سخت شریر و مفسد ہے۔"

میں دعوئی سے کہتا ہوں کہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ جیسا امام اعلم و افقہ حنفی دنیا میں نہ ہوا ہے اور نہ انشاء اللہ ہو گا۔ اہل بدعت ان کو حنبلی قرار دیتے ہیں۔ بہرکیف ان کی شہادت ہمارے حق میں معتبر ہوئی کہ اہلحدیث تھے۔ فتح القدیر ص ۱۴۳ میں ہے کما ھو قول الحنابلة وبعض اهل الحدیث۔ یعنی "جیسے حنبلیوں اور بعض اہلحدیثوں کا قول ہے۔"

تلویح شرح توضیح بحث اجماع میں ہے وعلیه عامة اهل الحدیث والشافعیة۔ یعنی "اس پر عام اہل حدیث اور شافعی لوگ ہیں۔"

مسئلہ تعریف ایمان میں عینی شرح بخاری میں لکھتا ہے اصحاب الحدیث والشافعی واحمد۔ دیکھو اس میں بھی اہلحدیث کا الگ ذکر ہے۔ کیدانی کتب فقہ میں ابتدائی کتاب مقلدین کی مسلمہ ہے۔ اس میں نماز کے محرمات کا ذکر کرتا ہوا مصنف لکھتا ہے والاشارة بالسبابة کاهل الحدیث۔ یعنی "انگشت سبابہ سے اشارہ کرنا حرام ہے جیسے اہلحدیث کرتے ہیں۔" اس سے بھی معلوم ہوا کہ اہلحدیث قدیم سے مقلدین کو کھٹکتے ہوئے چلے آتے ہیں۔ اشارہ کے حرام ہونے کا جواب ملا علی قاری حنفی نے ہماری طرف سے دے دیا ہے' وہ کافی ہے۔ ملاحظہ ہو شرح کیدانی ملا علی قاری۔

فتح الباری میں ہے والی استحبابھا ذھب احمد واسحاق واصحاب الحدیث۔ یعنی "مغرب کی نماز سے پیشتر دو رکعت کو احمد اور اسحاق اور اہل حدیث مستحب کہتے ہیں۔"

الغرض کتب حدیث اور شروح اور کتب فقہ اور شروح میں جماعت اہلحدیث کا دیگر فرقوں سے الگ ذکر چلا آتا ہے۔ مذہب اہلحدیث کے استمرار کا ایک یہ ثبوت بھی ہے کہ تمام صوفیاء' اولیاء اہلحدیث ہوئے ہیں۔ چنانچہ تحصیل التعرف میں صوفیاء کی بابت لکھا ہے انھم یاخلون من المذاھب بما یوافق الحدیث۔ یعنی "صوفی لوگ مذاہب میں سے وہ مسائل لیتے ہیں جو حدیث کے موافق ہوتے ہیں۔" بس یہی اہلحدیث کا مسلک ہے۔

شیخ عبدالوہاب شعرانی دسویں صدی میں ہوئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایک جماعت عظیم اصحاب مذاہب سے لے کر اس وقت تک بلا التزام مذہب معین فتویٰ دیتے اور عمل کرتے تھے۔ (عقد الجید) اس تقریر سے فیاض الدین بدعتی کا' کذب ہونا ثابت ہوا کہ اہل حدیث فرقہ جدیدی ہے حالانکہ یہ قدیم سے چلا آتا ہے' فتذکر۔

اہل حدیث خلفاء رسول اللہ ﷺ ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں آنحضور ﷺ نے فرمایا اللّٰھم ارحم خلفائی قال قلنا یارسول اللّٰہ ومن خلفاء ک قال صلی اللّٰہ علیہ وسلم الذین یأتون من بعدی یروون احادیثی وسنتی ویعلمونھا الناس۔ یعنی "اے اللہ! ہمارے خلیفوں پر رحم فرما۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے کہا کہ آپ کے خلفاء کون ہیں؟ فرمایا وہ لوگ جو میرے بعد میری احادیث کو روایت کریں گے اور لوگوں کو حدیث پڑھائیں گے۔" بس اس سے مراد اہلحدیث ہیں جو علم حدیث پڑھتے پڑھاتے ہیں۔ نہ مقلدین جو اقوال رجال کتب فقہ میں پڑھتے ہیں۔

چالیس حدیث پڑھنے پڑھانے والے بھی عالم ہیں!: فرمایا آنحضرت ﷺ نے من حفظ علی امتی اربعین حدیثا من امر دینھم بعثہ اللّٰہ یوم القیامۃ فقیھا عالما۔ یعنی "جو شخص میری امت سے چالیس احادیث دینی امور میں حفظ کر لے گا' اس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن عالم فقیہ اٹھائے گا" اس سے فیاض بدعتی کا قول باطل ہوا جو بلوغ المرام اور مشکوۃ پڑھنے والوں کو عالم قرار نہیں دیتا۔ دراصل یہ شخص دشمن حدیث ہے' اہلحدیث جماعت کے علم کی شکایت کرتا ہے اور اپنے مذہبی مقلدین کی علمیت کو نہیں دیکھتا۔ جن کی نسبت خود حنفیہ ہی کا فتویٰ ہے کہ لیسوا من المحدثین۔ "یہ حدیث جاننے والوں میں سے

نہیں ہیں۔" کتب فقہ اور شروح کتب فقہ احادیث سے بھری پڑی ہیں جن کا اقرار خود حنفیہ کو ہے۔ اصول شاشی والے نے ایک موضوع حدیث جو زندیقوں نے گھڑی ہے' لکھ کر اس سے استدلال کیا ہے اور وہ یکثرلکم الاحادیث من بعدی تا آخر ہے۔ صاحب تلویح نے اس جھوٹی حدیث کو بخاری کی کہہ دیا ہے۔ حلانکہ امام بخاری ایسی احادیث سے بری ہیں۔
نور الانوار والے نے الخمر لھم کالخل لنا والخنزیر لھم کالشاۃ لنا قول صاحب ہدایہ کو حدیث بنا لیا۔ ایک حنفی عالم نے دربار شاہی میں کہہ دیا کہ بخاری و مسلم پر امام ابوحنیفہ نے جرح کی ہے جس سے اس کی علمیت کا مظاہرہ ہوا (التاج المکلل ص-۱۳۳) ہدایہ کو حنفی مثل قرآن جانتے ہیں۔ حلانکہ اس میں ائمہ کے مذہب میں غلط بیانیاں اور احادیث کی نقل میں ہزاروں غلطیاں ہیں۔ یہ راز مقلدین کا اہلحدیث نے طشت از بام کر دیا ہے۔ اس لیے اب بیچارے عوض معاوضہ کے طور پر اہلحدیث کو جاہل کہہ کر اپنا دل ٹھنڈا کرتے ہیں۔

کیا محدثین مقلد تھے؟

اخبار "الفقیہ" کے مضمون "بدعات وہابیہ" کا جواب

محدثین کرام مذاہب اربعہ میں ہرگز داخل نہیں تھے۔ جو شخص یہ کہتا ہے وہ جھوٹا ہے اور اس کا محدثین پر افتراء ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے محدثین کا طرز عمل اپنے رسالہ انصاف کے ص-۲۵ میں بیان فرمایا ہے: لم یکن عندھم من الرای ان یجمع علی تقلید رجل ممن مضی مع ما یرون من الاحادیث والاثار المناقضة لکل مذھب من تلک المذاھب فاخذوا یتبعون احادیث النبی صلی اللہ علیه وسلم واثار الصحابة والتابعین والمجتھدین علی قواعدا حکموھا فی نفوسھم یعنی "اہلحدیث کی یہ رائے نہ ہوئی کہ سابقین میں سے کسی ایک کی تقلید کی جائے کیونکہ انہوں نے احادیث اور آثار مذاہب میں سے ہر ایک مذہب کے خلاف رویت کی پس وہ احادیث نبی ﷺ اور آثار صحابہ اور تابعین اور مجتہدین کی ان قواعد کے مطابق تحقیق کرنے لگے جس کو انہوں نے اپنے دلوں میں مستحکم کر لیا تھا۔"

اس سے واضح ہو گیا کہ وہ مقلد نہ تھے بلکہ اہل حدیث تھے۔ انہوں نے یہ طرز عمل اسی واسطے پسند کیا کہ ایک کی تقلید کرنے سے بہت سی احادیث اور اقوال صحابہ کو چھوڑنا پڑتا ہے جو خلاف حق ہے۔ بس یہی اب اہلحدیث کا طرز عمل ہے جس کی بابت رسالہ انصاف کے ص-۵۹ پر ہے۔ امام البخاری وان کان منتسبا الی الشافعی موافقاله فی کثیر من الفقه فقد خالفه فی کثیر ولذلک لا یعد ما تفرد به من مذھب الشافعی یعنی "امام بخاری اگرچہ امام شافعی کی طرح منسوب ہیں اور فقہ کے بہت سے مسائل میں امام شافعی کے موافق ہیں لیکن بہت سے مسائل میں مخالف ہیں۔" اسی واسطے جن مسائل میں امام بخاری منفرد ہوئے ہیں وہ امام شافعی کے مذہب سے نہیں شمار کئے جاتے اور منسوب ہونے کی وجہ ص-۵۰ میں بیان کر دی کہ معنی انتسابه الی الشافعی انه جری علی طریقته فی الاجتھاد واستقراء الادلة وترتیب بعضھا علی بعض ووافق اجتھاده اجتھاده یعنی "شافعی کی طرف منسوب ہونے کے

یہ معنی ہیں کہ وہ اجتہاد اور دلائل کی تفتیش اور ترتیب میں امام شافعی کے طریق پر چلے ہیں اور ان کا اجتہاد ان کے موافق ہے۔" سو اس طرح اہلحدیث کو بھی کوئی شافعی کہہ لے تو کہہ سکتا ہے لیکن تقلید نہ محدثین سابقین میں تھی اور نہ اب متاخرین میں ہے۔ جن محدثین کو اہل بدعت مقلد قرار دے رہے ہیں وہ مجتہد تھے۔ جیسے انصاف میں ہے۔ اما ابوداؤد والترمذی فهما مجتهد ان منتسبان الی احمد واسحاق وکذالک ابن ماجة والدارمی فیما تری۔ یعنی "ابوداؤد اور ترمذی مجتہد تھے جو احمد اور اسحاق کی طرف منسوب ہیں۔ اسی طرح ابن ماجہ اور دارمی ہیں۔"

اب اہل بدعت بتلائیں کہ محدثین مجتہد تھے یا مقلد؟ اور امام اسحاق کی طرف منسوب ہونے والے کوئی "اسحاقی" مذہب کے لوگ بھی محدثین تھے؟ اگر تھے تو تمہارا حصر کہ مذاہب اربعہ کے علاوہ کوئی مذہب نہ تھا' باطل ہوا۔ ہاں یہ یاد رہے کہ اس نسبت کی وجہ تقلید نہیں ہے بلکہ توافق ہے۔ چنانچہ رسالہ انصاف کے ص-۵۱ میں صاف لکھا ہے۔ المجتهد لا یقلد مجتهد وانما ینسبون الیه لجریهم علی طریقته فی الاجتهاد واستعمال الادلة وترتیب بعضها علی بعض۔ یعنی "مجتہد مجتہد کی تقلید نہیں کر سکتا اور وہ لوگ مجتہد کی طرف صرف اس سبب سے منسوب ہوئے ہیں کہ وہ اجتہاد اور دلائل کے استعمال اور ترتیب میں اس مجتہد کے موافق ہیں۔" رسالہ انصاف ص-۵۹ میں ہے۔ اما مسلم وابوالعباس الاصم جامع مسند الشافعی والام ذکرناهم بعده فهم منفردون لمذهب الشافعی یناصلون دونه۔ یعنی "مسلم اور ابوالعباس اصم جامع مسند شافعی اور کتاب الام کہ جن کا بعد کو ہم نے ذکر کیا ہے امام شافعی کے مذہب سے جدا ہیں۔ انہوں نے امام شافعی کے اصول کے سوا اور اصول مقرر کئے ہیں۔"

قسطلانی شرح بخاری جلد-۵' ص-۲۵۸ میں ہے۔ والبخاری رحمه الله تعالیٰ لم یتحر مذهب امام بعینه بل اعتمد ماصح عنده من الحدیث ثم اکده من الآثار۔ یعنی "امام بخاری نے کسی خاص امام کے مذہب کا قصد نہیں کیا بلکہ جو حدیث صحیح ان کے نزدیک ثابت ہوئی اسی پر اعتماد کیا پھر اس کو آثار سلف سے مؤید کیا۔

انور شاہ فاضل مدرس دیوبند العرف الشذی کے ص-۵ میں لکھتے ہیں۔ ولکن

الحق ان البخاری مجتہد وکثیر اما یکون اجتہادہ موافق الاحناف الا انه وافق فی المسائل المشھورۃ بین اھل العصر الامام الشافعی- یعنی "حق بات یہ ہے کہ امام بخاری مجتہد تھے- کسی کے مقلد نہ تھے اور ان کا اجتہاد بہت مرتبہ ہمارے حنفیہ کے موافق ہوتا ہے اور مسائل مشہورہ میں وہ امام شافعی کے موافق تھے-" العرف الشذی ص-۶ میں ہے- فلا اعلم مذھبه بالتحقیق- یعنی "میں تحقیق کے ساتھ نہیں جانتا کہ امام مسلم کس مذہب کے تھے-"

ان تصریحات سے بخوبی واضح ہو گیا کہ محدثین کسی مذہب کے مقلد نہ تھے- ان کا مطمع نظر صرف فرمان نبوی اور آثار صحابہ ہوتا ہے' باقی اقوال محض آگاہی کے لیے یا تائید یا تردید کے لیے نقل کر دیتے ہیں- فافھم وتدبر ولا تکن من المعاندین-

کیا مقلدین اہل حدیث کہلاتے تھے؟ ⇐ لقب اہلحدیث چونکہ محبوب اور پسندیدہ ہے' اس لیے مقلدین بھی اس کا مصداق بننا چاہتے ہیں- چنانچہ فیاض الدین بدعتی امرتسری جو اہل حدیث کہلانا بدعت کہتے ہیں' ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "خود مقلدین بھی اہل حدیث کہلاتے تھے-" (الفقیہ ۷/ اپریل سنہ ۱۹۳۸ء) اگرچہ یہ بات ہم کو مفید ہے کہ پہلے لوگ مقلدین اور غیر مقلدین سب اہل حدیث کہلاتے تھے- اب ہم کو بھی چاہیے کہ سب مل کر اہل حدیث کہلائیں اور محدثین کی ان کتابوں پر عمل کریں' جن میں احادیث نبویہ و آثار صحابہ ہیں- بس اتفاق ہو گیا لیکن اہل بدعت مقلدین کی یہ صرف زبانی باتیں ہیں- حقیقت میں یہ اہلحدیث سابقہ اور موجودہ کے سخت ترین مخالف ہیں- نہ یہ اہلحدیث ہیں اور نہ وہ اہلحدیث کیونکہ اہل تقلید اور اہلحدیث میں تبائن ہے کہ اہلحدیث تو وہ ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ اور جو ان کے موافق ہو اس پر عمل کرے اور اہل تقلید وہ شخص ہے جو بلا دلیل کسی شخص کی رائے پر عمل کرتا چلا جائے- چنانچہ ملا علی قاری اپنی کتاب شرح قصیدہ امالی میں لکھتے ہیں والتقلید قبول قول الغیر بلا دلیل یعنی "تقلید قبول کرنا ہے قول غیر کا بغیر دلیل کے-"

اہل حدیث تو تمام شریعت الٰہی پر عمل کر سکتا ہے کیونکہ اس کا مذہب قرآن و حدیث ہے اور شریعت بھی ساری کی ساری قرآن و حدیث میں ہے لیکن مقلد کا عمل تمام شریعت پر نہیں پایا جاتا- میزان شعرانی ص-۲۳ میں ہے- لا یکمل لمؤمن

العمل بالشریعة کلها وھو متقلد بمذھب واحد ابدا۔ یعنی "مومن کا عمل تمام شریعت پر کبھی نہیں ہو سکتا جبکہ وہ کسی خاص مذہب کا مقلد ہے۔

میزان الکبریٰ مصری ص ۲۸ میں امام شعرانی لکھتے ہیں۔ والمذھب الواحد لا یحتوی علی جمیع احادیث الشریعة ابدا۔ یعنی "ایک مذہب کوئی بھی تمام احادیث شرعیہ کا احاطہ نہیں کر سکتا۔" جب تمام احادیث پر مقلد عمل نہیں کر سکتا تو وہ اہلحدیث کیسے ہو سکتا ہے؟ اہل حدیث تو وہ ہے جو بلا لحاظ مذہب ہر حدیث پر عمل کرے۔ پس مقلد کبھی اہلحدیث نہیں ہو سکتا۔ جو اقوال امام کا پابند ہے۔

دلاتا بزرگی نیاری بدست

بجائے بزرگاں نباید نشست

اسی واسطے مؤرخین نے مقلدین کو اہل رائے میں شمار کیا ہے کماحررناہ سابقا۔ اور اہل حدیث کو جدا ذکر کیا ہے۔ تاریخ الخلفاء مصری ص ۱۰۱ میں ہے۔ صنف ابوحنیفة الفقه والرای یعنی "ابوحنیفہ نے فقہ اور رائے کو تصنیف کیا ہے۔" بس اس رائے پر چلنے والے مقلد ہیں۔ اصحاب الرای وھم اھل العراق ھم اصحاب ابی حنیفة۔ یعنی "اہل رائے عراق والے ہیں جو ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں کے مقلد ہیں۔"

اس سے یہ امر روشن ہو چکا کہ مقلدین اہلحدیث نہ تھے بلکہ اہل الرائے تھے یعنی اہل رائے کے مقلد ہونے کی وجہ سے ان کو اہل رائے کہا جاتا ہے ورنہ خود ان کی رائے کوئی چیز نہیں ہے، فتدبر۔

مقلد عالم نہیں ہوتا!

ناظرین! مقلدین اہل بدعت عام طور پر قرآن و حدیث سے بے خبر ہوتے ہیں۔ پکی روٹی' مسی روٹی' نجات المومنین' انواع زیادہ سے زیادہ ملابد' نیت کیدانی' قدوری رٹ لیتے ہیں اور قرآن و حدیث کو جھٹلانا شروع کر دیتے ہیں۔ شرعی طور پر جاہل وہی ہے جو قرآن و حدیث کے مسائل سے ناواقف ہو اور ان کی تکذیب کرے۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ میرے استاذ صاحب خاتمۃ المحققین و المجتہدین نے فرمایا۔ قد شاهدت جماعة من مقلدة الفقهاء قرات عليهم ايات كثيرة من كتاب الله تعالٰى فى بعض المسائل وكانت مذاهبهم بخلاف تلك الايات فلم يقبلوا تلك الايات ولم يلتفتوا اليها وبقوا ينظرون الى كالمتعجب (تاآخر) ولوتا ملت حق التامل وجدت هذا الداء ساريافى عروق الاكثرين من اهل الدنيا انتهٰى۔ یعنی "میں نے ایک جماعت مقلدین کا مشاہدہ کیا' میں نے بعض ان مسائل میں جو ان کے مذہب کے خلاف تھے' ان کے سامنے قرآن کی آیتیں پیش کیں۔ انہوں نے ان آیتوں کو نہ مانا اور کچھ توجہ نہ کی بلکہ تعجب کی نگاہ سے مجھے دیکھنے لگے۔ (حیران ہو گئے کہ یہ غیر مقلد کہاں سے آگیا) گویا ان کا خیال یہ ہوا کہ ان آیتوں پر کیسے عمل ہو سکتا ہے جبکہ ہمارے سلف اس کے خلاف کہہ گئے ہیں۔ اگر ٹھیک طور پر غور کیا جائے تو ایک جماعت مقلدین کی کیا اکثر میں یہ بیماری ہے جو اہل دنیا سے ہیں۔" انتھی۔ اہل دنیا جاہل ہی ہوتے ہیں' اس سے عام مقلدین کا قرآن و حدیث سے جاہل ہونا ثابت ہوتا ہے جو اپنے فقہاء کے اقوال کے مقابلہ میں قرآن و حدیث کو چھوڑ جاتے ہیں۔

ان کے علمائے خواص کا حال یہ ہے کہ بزعم خود بڑے عالم فاضل مشہور ہوتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ تعلیم اسلامی جو سلف صالحین میں جاری تھی' اس سے متنفر ہو کر قرآن و حدیث کی نشرواشاعت کو مٹا رہے ہیں اور اس کی بجائے اقوال و آراء رجال پڑھ پڑھا رہے ہیں۔ آج مقلدین اہل بدعت کا یہ فرقہ اس انتہا تک پہنچ چکا ہے کہ اس میں جو لوگ بزعم خود اہل علم کہلاتے ہیں جن کے بل بوتے پر رضائیہ' نظامیہ'

جماعیہ' کرامیہ' فاخریہ' مورتیہ' ثناریہ' مشتاقیہ' کچھوچھیہ' دیداریہ وغیرہ فرقوں کی بنیاد ڈالی جا رہی ہے۔ یہ سب قرآن و حدیث سے جاہل اہلحدیث کو گالیاں دینے والے علم نحش کے عالم ہیں۔ اگرچہ ان جماعتوں کے مرشد اور پیر جو اپنے مریدوں کے "مشکل کشا" بن کر ہر حاجت پوری کرتے ہیں باوجود مقلد ہونے کے ہر ایک اپنی جگہ معلم الملکوت سے بڑھ کر قیاسی استدلال پیش کر سکتا ہے لیکن ان کو قرآن و حدیث سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ ان کو اتنی بھی تحقیق نہیں کہ تقلید علم ہے یا جہل؟

المستصفیٰ للغزالی جلد-۲' ص-۳۸۵ میں ہے۔ التقلید لیس طریقا الی العلم لا فی الاصول ولا فی الفروع۔ یعنی "تقلید علم کا راستہ نہیں ہے' نہ اصول میں اور نہ فروع میں۔"

اب ان گدی نشینوں' دستار بندوں' جبے قبے والے پیروں مرشدوں اور ان کے پاؤں کو چومنے چاٹنے والے مریدوں سے کوئی دریافت کرے کہ جب تم تقلیدی دعویٰ رکھتے ہو تو پھر عالم کس طرح بن سکتے ہو؟ اور از خود قرآن و حدیث سے استدلال کس طرح کر سکتے ہو؟ سنو! خواجہ ابوشکور سالمی جن کی خانقاہ سرسیہ میں ہے اور جن کی قبر کو اہل بدعت پوجتے ہیں' وہ اپنی مشہور کتاب تمہید میں لکھتے ہیں۔ فالتقلید ضد الاستدلال یعنی "تقلید استدلال کی ضد ہے۔" جو کسی دلیل شرعی سے استدلال کرے گا وہ مقلد نہ رہے گا۔ نامی شرح حسامی میں ہے انما الاستدلال فعل المجتھد یعنی "استدلال کرنا مجتہد کا کام ہے۔" اسی واسطے توضیح تلویح کی شرح مرجان میں لکھا ہے لیس التقلید بعلم ولا المقلد بعالم یعنی "نہ تقلید علم ہے نہ مقلد عالم ہے۔" الروضۃ الندیہ میں ہے کہ مقلد حق و باطل نہیں پہچان سکتا اور اس کو علم کی طرف نسبت نہ کیا جائے۔ پھر لکھا ہے نقل عضد الدین الاجماع علی انہ لایسمیٰ المقلد عالما یعنی "امام عضدالدین نے اجماع نقل کیا ہے کہ مقلد کو عالم نہ کہا جائے۔" اس سے ثابت ہوا کہ سب مقلدین جاہل مطلق ہیں۔ اگر عالم ان کو مان بھی لیا جائے تو پھر یہ مقلد نہیں رہ سکتے' مجتہد ہو جائیں گے۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ اعلام الموقعین ص-۳' و ص-۱۶ میں لکھتے ہیں لا خلاف بین الناس ان التقلید لیس بعلم وان المقلد لا یطلق علیہ اسم عالم انتھی۔ یعنی

"لوگوں کا اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ تقلید علم نہیں ہے اور مقلد پر عالم کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا۔"

ہماری تائید "النجم" کے اس مضمون سے بھی ہوتی ہے جو عبدالواحد خان صاحب رامپوری نے ۷؍ اپریل سنہ ۱۹۳۸ء کے پرچہ میں تقلید شخصی کے متعلق لکھا ہے۔ مقلد ہو کر آیت فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون سے استدلال کیا ہے اور ہر بے علم کو عالم سے سوال کرنے کا حکم بصیغہ امر ہوا ہے" انتہی۔

اس سے ظاہر ہوا کہ مقلدین بے علم ہیں اور امام ابوحنیفہ عالم ہیں۔ یہ لوگ ان سے سوال کرتے ہیں پھر اس نامہ نگار نے عقد الجید سے نقل کیا ہے۔ وان لم یکن من اهل الاجتهاد لایحل له ان یفتی الا بطریق الحکایة فیحکی مایحفظ من اقوال الفقهاء یعنی اگر مجتہد نہ ہو تو اس کو جائز نہیں کہ فتویٰ دے مگر بطور نقل کے، پس مجتہدین کے جو اقوال اسے یاد ہوں وہ بیان کرے۔"

اس سے ثابت ہوا کہ مقلد عالم نہیں ہوتا اور دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ اہل بدعت کے لیے حرام ہے کہ اپنی طرف سے کوئی فتویٰ دیں۔ اب فرقہ بریلویہ جو بدعات کے ثبوت میں ازخود استدلال کرتے ہیں اور ائمہ فقہاء کے اقوال بطور حکایت پیش کرتے ہیں، ان کا یہ صنیع حرام اور باطل ہے۔ اگر سچے مقلد ہیں تو اپنے مندرجہ ذیل عقائد پر اپنے امام کے اقوال پیش کریں، جن کی وہ تقلید کرتے ہیں اور ہم سے منہ مانگا انعام لیں، مسائل یہ ہیں:

(۱) حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے نائب مطلق ہیں اور تمام جہان حضور ﷺ کے زیر حکومت و تصرف ہے۔ (۲) رسول اللہ ﷺ بشر نہیں ہیں، اللہ کے نور سے ایک نور ہیں۔ (۳) یاشیخ عبدالقادر جیلانی شیئا للّٰہ کا وظیفہ کرنا اور درود شریف کبریت احمر پڑھنا۔ (۴) تمام انبیاء و اولیاء کو علم غیب کلی ماکان وما یکون کا ہے۔ (۵) استمداد و استعانت غیر اللہ سے طلب کرنا جائز ہے۔ (۶) پیر کے نام کی گیارہویں کرنی جائز ہے۔ (۷) قبروں پر سالانہ عرس کرنا اور وہاں کھانے پکا کر کھانا کھلانا جائز ہے۔ (۸) سجدہ تعظیمی جائز ہے۔ (۹) کھانے پر ختم مروجہ پڑھنا جائز ہے۔ (۱۰) تقلید شخصی واجب ہے۔ تلك عشرة كاملة۔

اگر فرقہ غالیہ مندرجہ بالا دس مسائل کا جواب مجتہدین کے اقوال سے بطور حکایت پیش کر دے تو مستحق انعام ہے' ورنہ اہل ہوا جاہل ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کے شر سے بچائے' آمین۔

فرقہ بریلویہ کی حقیقت

یہ بات یاد رہے کہ اہل حدیث اور اہل رائے مقلدین دو فرقے عرصہ سے بالمقابل چلے آتے ہیں جن کا حال کتب حدیث اور کتب فقہ سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے۔ مگر اہل بدعت فرقہ بریلویہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مخالف ہے۔ ان کا ذکر کتب متقدمین میں نہیں ملتا۔ نہ یہ مذاہب اربعہ میں داخل ہے اور نہ اہل حدیث ہے۔ یہ مذہب جدید ہے جو تمام مذاہب باطلہ کی کھچڑی ہے۔ ان کے دام تزویر سے اہل حدیث اور مقلدین حنفیہ سب کو بچنا چاہیے۔ کیونکہ اس فرقے کے عقائد نہایت گندے ہیں۔ جو کفر اور شرک سے بھرے ہوئے ہیں۔ اس فرقہ کا موجد ہندوستان میں احمد رضا خاں بریلوی ہے۔ اس سے پہلے اس فرقہ کا وجود بحیثیت فرقہ نہیں ملتا۔ لہٰذا اس فرقے کا نام رضائیہ مناسب ہے۔

ان کے عقائد عرب کے بت پرستوں جیسے ہیں۔ غیر اللہ سے مدد مانگنا جائز رکھتے ہیں۔ غیر اللہ کو سجدہ تعظیمی جائز جانتے ہیں۔ بزرگوں کے ارواح کا تصرف دنیا میں اعتقاد رکھتے ہیں اور ان کو حاضر و ناظر جانتے ہیں۔ بزرگوں کو عالم الغیب کہتے ہیں۔ قبروں کو چومنا چاٹنا ثواب جانتے ہیں' وغیرہ وغیرہ۔ بس یہی مذہب اہل ہنود کا ہے۔ وہ بھی اہل بدعت کی طرح اہل اسلام کو کہتے ہیں کہ ہندوستان میں پہلے مسلمانوں کا نام و نشان نہ تھا۔ یہ اسلامی فرقہ بعد میں آیا ہے۔ یہی قول اہل بدعت کا ہے کہ انگریزی حکومت سے پہلے اہل حدیث کا نام و نشان نہ تھا۔ مطلب دونوں کا ایک ہے کہ پہلے ہند میں بت پرست اور قبر پرست تھے۔ توحید و سنت پھیلانے والے بعد میں ملک اسلام سے آئے۔ جنہوں نے تبلیغ کے ذریعہ کفار کو مسلمان بنایا۔ اب ہندوستان میں جو مسلمان موجود ہیں' وہ بت پرستوں اور قبر پرستوں کی اولاد ہیں۔ اگر اہل بدعت مشرکین فخر کر سکتے ہیں کہ ہم پہلے اس ملک میں موجود تھے' اہلحدیث بعد میں ہوئے ہیں اور ہمارے ہی لوگوں کو انہوں نے مسلمان بنایا ہے۔ اگر دونوں کا فخر صحیح سمجھا جائے تو مشرکین عرب بھی یہ کہنے کا حق رکھتے ہیں کہ ملک عرب تمام بت پرست اور قبر پرست تھا۔

مسلمانوں کے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے سب کو مسلمان بنایا لہٰذا یہ دین نیا ہے اور ہمارا دین قدیم ہے۔ پس اس فرقہ رضائیہ کی اعتقاداً وعملاً' قولاً وفعلاً ہر طرح کی مناسبت فرقہ اہل ہنود سے ہے۔ جیسے مشرکین آنحضرت ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو "صابی" کہتے تھے' یہ فرقہ بالکلیہ اہل حدیث کو "وہابی" کہتا ہے۔ طابق النعل بالنعل۔

عہد حاضر کے اہل حدیث محدثین کے طرز عمل پر ہیں

فیاض امرتسری نامہ نگار "الفقیہ" کو عقل سلیم اور اعتقاد مستقیم حاصل نہیں ہے۔ کسی جگہ تو اپنے مضمون میں لکھتا ہے کہ "پہلے محدثین کی جماعت مذاہب اربعہ میں داخل تھی۔" اور کسی جگہ یوں رقمطراز ہے کہ "صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث کے مصنف تمام کے تمام مذاہب اربعہ میں داخل ہیں۔"

پھر اپنی بات کو بے حد کمزور محسوس کر کے لکھتا ہے کہ "یا ان میں سے کسی خاص ایک مذہب کے طرف دار ہیں۔" پھر اپنا جھوٹا ہونا محسوس کر کے ایک شق اور بڑھاتا ہے کہ "چند ایسے بھی ہیں جو خود مجتہد ہیں۔"

ناظرین! دیکھا یہی فرقہ کل کہتا تھا کہ اجتہاد ائمہ اربعہ پر ختم ہے' پھر کوئی مجتہد نہیں ہوا' سب مقلد ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ صحاح ستہ اور کتب حدیث کے مؤلف بھی امام شافعی وغیرہ کے مقلد تھے۔ لیکن آج اہل حدیث علماء کی ٹھوکریں کھا کر تسلیم کر رہے ہیں کہ ان میں مجتہد بھی تھے۔

راہ پہ لے آئے ہیں اس شوخ کو ہم باتوں میں
اور کھل جائیں گے دو چار ملاقاتوں میں

اب ہم اس نامہ نگار سے دریافت کرتے ہیں کہ جو محدثین مجتہد تھے' ان کا کیا مذہب تھا؟ یا کہ وہ لا مذہب تھے۔ نہ وہ کسی مذہب کے طرف دار تھے اور نہ ہی مقلد تھے۔ صرف عامل بالحدیث تھے۔ مذہب کی طرف داری میں تارک حدیث ہونا پڑتا ہے سو وہ ایسا نہیں کرتے تھے۔ جبکہ مذاہب اربعہ کی تقلید کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا بلکہ تقلید کی بدعت بعد قرون ثلاثہ کے جاری ہوئی ہے تو پھر محدثین مذاہب اربعہ میں داخل ہو کر بدعت کے مرتکب کیوں ہوتے تھے؟ ان کا طرز عمل تو یہ تھا کہ ہر امر میں حدیث نبوی تلاش کر کے

اس پر عمل کیا کرتے تھے۔ چنانچہ علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ جو علمائے حنفیہ میں بڑے پائے کے سمجھے جاتے ہیں' وہ شرح درمختار مصری ص-۱۵۳ میں لکھتے ہیں:

فان قلت ما وقوفک --- علی انک علی صراط مستقیم وکل واحد من هذه الفرق یزی انه علیه قلت لیس ذلک بالاقاویل بل بالنقل عن جهابذة الصنعة وعلماء اهل الحدیث الذین جمعوا صحاح الاحادیث فی امور رسول الله صلی الله علیه وسلم واحواله وافعاله وحرکاته وسکناته واحوال الصحابة والانصار والذین اتبعوهم باحسان مثل الامام البخاری ومسلم وغیرهما من الثقات المشهورین الذین اتفق اهل المشرق والمغرب علی صحة ما اوردوه فی کتبهم من امور النبی صلی الله علیه وسلم واصحابه ثم بعد النقل ینظر الی الذی تمسک بهدیهم واقتفی اثرهم واهتدی فی الاصول والفروع فیحکم بانه من الذین هم هم وهذا هو الفارق بین الحق و الباطل- انتهی

(ترجمہ) "اگر تو یہ کہے کہ تجھ کو کس طرح معلوم ہے کہ تو سیدھے رستہ پر ہے۔ زبانی دعویٰ تو ہر فرقہ کا یہ ہے کہ ہم راہ مستقیم پر ہیں تو میں کہتا ہوں کہ یہ بات زبانی دعویٰ سے نہیں ثابت ہو سکتی بلکہ علماء ماہرین اہل حدیث کی نقل سے ثابت ہو گی جنہوں نے آنحضرت ﷺ کی صحیح احادیث کو جو آنحضرت ﷺ کے جملہ امور اور احوال و افعال و حرکات و سکنات پر دلالت کرتی تھیں اور صحابہ کرام اور انصار اور تابعین کے احوال پر دلالت کرتی تھیں جمع کیا ہے۔ جیسے امام بخاری اور مسلم وغیرہ ثقات مشہورین تھے۔ جن کی کتب حدیث پر تمام دنیا کا اجماع ہے کہ وہ صحیح ہیں پھر بعد نقل کے دیکھا جائے گا کہ اصول اور فروع میں کون ان کے نقش قدم پر چلتا ہے پس جو شخص ان ائمہ حدیث کی روایات کے مطابق اصول و فروع میں نبی ﷺ اور سلف صالحین کا پیرو ہے وہی حق پر ہے اور جو نہیں ہے' وہ باطل پر ہے۔ اسی چیز پر حق و باطل کی تمیز کا دارومدار ہے۔"

طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت سے ایک تو یہ واضح ہو گیا کہ فرقہ ناجیہ اہل حق اہل حدیث ہیں۔ دوسرا یہ کہ اہل حدیث قدیم کا طرز عمل اتباع احادیث نبویہ و آثار صحابہ تھا۔ اب بھی

جس کا طرز عمل یہ ہو گا وہی حق پر ہو گا۔ چنانچہ الحمد للہ عہد حاضر کے اہلحدیثوں کا بھی یہی طرز عمل ہے جیسے کہ ان کی کتابوں' رسالوں' اخباروں سے واضح ہو رہا ہے۔ تیسرا یہ امر واضح ہو گیا کہ کتب حدیث پر صحیح و غلط مسئلہ کا مدار رکھنا چاہیے 'کتب فقہ پر نہیں۔ کیونکہ کتب فقہ میں قیاسات باطلہ اور آراء فاسدہ ہیں۔ چوتھا یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ یہ ائمہ حدیث اہلحدیث تھے' مقلد نہ تھے۔ کیونکہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے اقوال و افعال و حرکات و سکنات کو صحیح احادیث سے تلاش کر کے لکھا ہے جو اہل حدیث کا اصل مقصد ہے۔ کسی امام کے اقوال کو یا اس کے شاگردوں کے اقوال کو جمع کر کے فتوے نہیں دیئے جیسے کہ مقلدین کا طرز عمل کتب فقہ میں ہے۔ پس اہل حدیث کا یہ فرض ہے کہ کتب صحاح ستہ اور ما والق بھا کو اپنا نصاب مذہبی سمجھیں۔ کیونکہ ان کے مولفین اہل حدیث غیر مقلد تھے۔ انہی کی کتابیں حق و باطل کا معیار ہیں۔

باقی رہے مقلدین سو ان کو چاہیے کہ کتب حدیث سے دستبردار ہو جائیں اور کتب اقوال الرجال کو سنبھالیں جن میں موضوع اور جھوٹی احادیث بھری پڑی ہیں۔ جن میں گوز مارنا بھی سلام کے قائم مقام رکھا ہے اور سور (خنزیر) کی کھل رنگ لینے سے پاک لکھی ہے اور اس کا جانماز بنا کر اس پر نماز پڑھنا بھی جائز لکھا ہے۔ اسی طرح کتا ذبح سے پاک ہو جاتا اور اس کا گوشت بیچنا جائز لکھا ہے۔ ان کتابوں میں بجائے اقوال و افعال نبویہ کے آراء ابوحنیفہ درج کر کے لکھ دیا ہے ؎

فلعنة ربنا اعداد رمل

علی من رد قول ابو حنیفة

یعنی "ابوحنیفہ کے قول کی تقلید کو رد کرنے والوں پر ریت کے ذروں کے برابر لعنتیں برستی ہیں۔"

پس کتب حدیث کو جن میں اہل الرائے کے مسائل کی تردید کی گئی ہے' مقلدین کا پڑھنا بے سود ہے اور ان کا کوئی حق نہیں ہے کہ ان کو اپنا نصاب تعلیم مقرر کریں۔ اسی واسطے سابقہ مقلدین اور عہد حاضر کے مقلدین ان کو پڑھنا یا ان پر عمل کرنا ناجائز جانتے ہیں۔

علامہ عبدالرحمٰن بن اسماعیل ابوشامہ فرماتے ہیں: وقد حرم الفقهاء فی زماننا النظر فی کتب الحدیث والآثار والبحث عن فقهها ومعانیها ومطالعة الکتاب النفیسة

المصنفة فی شروحها وغریبها بل افنوا زمانهم وعمرهم فی النظر فی اقوال من سبقهم من متاخری الفقها وترکوا النظر فی نصوص نبیهم المعصوم عن الخطاء صلی اللّٰہ علیہ وسلم وآثار الصحابة الذین شهدوا الوحی وجالسوا المصطفٰی وفهموا نعائس الشریعة فلا جرم حرم هتولاء رتبة الاجتهاد وبقوا مقلدین علی الاباء انتهٰی (الارشاد) یعنی "ہمارے زمانہ کے فقہاء --- حدیث و آثار میں نظر کرنے اور ان کے معنوں سے بحث کرنے اور شروح حدیث میں جو نفیس کتابیں لکھی گئی ہیں ان کو دیکھنے سے محروم ہیں بلکہ انہوں نے اپنے اوقات اور اپنی عمروں کو متاخرین فقہاء کے اقوال میں فنا کر دیا ہے اور اپنے نبی ﷺ معصوم عن الخطاء کے نصوص میں نظر اور آثار صحابہ میں جنہوں نے وحی اترتی دیکھی اور پیغمبر ﷺ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور مغز شریعت کو سمجھا' چھوڑ بیٹھے۔ بلاشبہ یہ لوگ رتبہ اجتہاد سے محروم رہ کر اپنے باپوں کی تقلید پر ہی اڑے رہے۔"

اس سے واضح ہو گیا کہ مقلدین کتب حدیث سے من حیث الجماعت دستبردار ہیں۔

مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی کا ایک فتویٰ حقیقتہ الفقہ کے ص-۴۲ پر چھپ چکا ہے جو یہ ہے:

"کتب مذکورہ (یعنی صحیح بخاری' صحیح مسلم' ترمذی' نسائی' ابوداؤد' ابن ماجہ وغیرہ جن کا ذکر سوال میں ہے) میں ہر ایک قسم کی احادیث ہیں۔ نہ تمام صحیح ہیں نہ تمام ضعیف اور نہ تمام معمول بہا ہیں نہ غیر معمول بہا اور اکثر مؤلفین مذکورین شافعی المذہب ہیں۔ پس حنفی المذہب کو اپنے مذہب کی فقہ کی کتابیں معمول بہا بنانی چاہیے اور مسائل فقیہہ پر عمل کرنا چاہیے۔ فقط کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ مفتی دارالعلوم دیوبند۔"

اصل جھلک تقلید کی اس فتویٰ میں ہے جو مقلدین کے بھائی صاحب نے دیا ہے۔ اب دیوبندی تو اس کے پابند ہیں۔ باقی رہے بریلوی سو بحیثیت مقلد ہونے کے ان کا بھی یہی مذہب ہے کیونکہ اما المقلد فمستنده قول مجتهده لا ظنه۔ یعنی "مقلد کے لیے اس کے امام کا قول ہی مستند ہے۔"

مخفی نہ رہے کہ قدیم زمانہ سے ہی مقلدین اور ان کے اماموں کا شغل علم حدیث سے کم تھا۔ شاہ ولی اللہ صاحب "انصاف" میں فرماتے ہیں کہ "امام ابوحنیفہ کے مذہب میں مجتہد

مطلق منتسب کا انقطاع تیسری صدی میں ہو گیا تھا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ مجتہد محدث ماہر کے بغیر ہو نہیں سکتا اور حنفیہ کو علم حدیث میں ہمیشہ سے شغل کم رہا ہے۔" (ص-۵۷)

حنفیہ کے ائمہ کی بابت رسالہ انصاف کے ص-۳۳ پر شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں: لم یکن عندھم من الاحادیث والاثار ما یقدرون به علی استنباط الفقه علی الاصول التی اختارھا اھل الحدیث۔ یعنی "ان کے پاس احادیث اور آثار نہ تھے کہ وہ اہل حدیث کے اصول کے مطابق فقہ کا استنباط کر سکتے۔"

ان تصریحات سے واضح ہو گیا کہ مقلدین علم حدیث سے دست بردار ہیں۔ پہلوں کو تو علم حدیث ویسے کم تھا اور پچھلے بوجہ تقلید کے محروم ہیں۔ پس یہ ورثہ اہل حدیث کا ہو گیا' للہ الحمد۔

فلنا الحدیث وراثة نبویة

ولکل محدث بدعته احداثه

جب علم حدیث سے مقلدین قدیماً وحدیثاً کورے رہے تو کتب حدیث اہل حدیث کا ورثہ ہو گیا۔ مقلدین کے لیے کتب فقہ رہ گئیں جو مذاہب باطلہ کی کھچڑی ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب رسالہ انصاف میں رقمطراز ہیں: ووجدت بعضھم یزعم ان بناء المذھب علی ھذه المحاورات الجدلیة المذکورة فی مبسوط السرخسی والھدایة والتبین ونحو ذلک ولا یعلم ان اول من اظھر ذلک فیھم المعتزلة ولیس علیه بناء مذھبھم۔ یعنی "میں نے بعض حنفیہ کو پایا جن کا گمان یہ ہے کہ مذہب حنفی کی بناء انہی جدلی محاورات پر ہے جو مبسوط سرخسی اور ہدایہ اور تبین وغیرہ میں مذکور ہیں اور وہ لوگ یہ بات نہیں جانتے کہ جن لوگوں نے حنفیہ میں اس بات کو اولاً ظاہر کیا ہے وہ معتزلہ ہیں اور ان محاورات پر حنفیہ کے مذہب کی بناء نہیں ہے۔"

اس سے واضح ہوا کہ کتب فقہ میں تو غیر مذہب کی ملاوٹ ہے اور کتب حدیث سے مقلدین کو بوجہ ناقابلیت کچھ سروکار نہیں ہے۔ نیز بقول ان کے وہ شافعی المذہب کی کتابیں ہیں جن میں ہر قسم کی احادیث ہیں تو پھر اب ان مقلدین کے پاس کیا رہا؟ امام ابوحنیفہ کی اپنی کوئی کتاب بھی دنیا میں موجود نہیں ہے۔ (ملاحظہ ہو سیرۃ النعمان وغیرہ) اور نہ ہی کوئی حدیث کی کتاب حنفیہ ہے جو مستند قرار دی جائے پس یہ مقلدین صاف کورے رہ گئے۔ ان

کے پاس سوائے خرافات کے کچھ بھی نہ رہا"

لیا عقل و دیں سے نہ کچھ کام انہوں نے
کیا دین برحق کو بدنام انہوں نے

شاید کوئی یہ خیال کرے کہ کتب حدیث پر اگرچہ مقلدین عہد حاضر کا عمل نہیں ہے۔ تقلید کے ماتحت جو حدیث ان کے موافق ہوتی ہے اس کو لے لیتے ہیں اور دوسری احادیث کو شافعی' مالکی' حنبلی مذہب کی تصور کرتے ہیں گویا انہوں نے بزعم باطل احادیث کو مذاہب میں تقسیم کیا ہوا ہے لیکن پڑھتے پڑھاتے تو سب کے سب ہیں۔ جب ان کا عمل کتب حدیث پر نہیں تو پڑھتے پڑھاتے کیوں ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حیلوں سے ظاہر قرآن و حدیث کو رد کرنے کے لیے پڑھتے پڑھاتے ہیں۔ چنانچہ رسالہ علامہ محمد حیات سندھی میں ہے:

وتراهم يقرؤن كتب الحديث ويطالعونها لا ليعملوا بها بل ليعلموا دلائل من قلده وتاويل ماخالف قوله ويبالغون فى المحامل البعيدة واذا عجزوا عن الحمل قالوا من قلدناه هو اعلم منا بالحديث ... واذا مر عليهم حديث يوافق قول من قلدوه انبسطوا واذا مر عليهم حديث يخالف قوله او يوافق مذهب غيره انقبضوا یعنی "یہ جو تم ان مقلدین کو کتب حدیث پڑھتے پڑھاتے دیکھتے ہو یہ اس لیے نہیں پڑھتے کہ ان پر عمل کریں بلکہ اس لیے پڑھتے ہیں کہ جس امام کے مقلد ہیں اس کے دلائل (مخالفین پر پیش کرنے کی غرض سے) معلوم کرلیں اور جو احادیث اپنے امام کے خلاف ہیں' ان کی تاویل کر دیں۔ چنانچہ اپنے خلاف احادیث کے دور کے معنی لیتے ہیں۔ جب یہ بھی نہ کر سکیں تو کہتے ہیں کہ ہمارا امام ہم سے زیادہ حدیث جاننے والا تھا۔ اور اگر کوئی حدیث ان کے امام کے موافق آجائے تو خوش ہو جاتے ہیں اور اگر مخالف آجائے تو تنگدل ہو جاتے ہیں۔"

اس سے ثابت ہوا کہ ان کو اصل غرض حدیث سے نہیں بلکہ اپنے امام سے ہے جس کا مذہب معین کر چکے ہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے حجتہ اللہ البالغہ میں ایک قول نقل کیا ہے' جس میں لکھا ہے: بل يحتل لدفع ظاهر الكتب والسنة ويتاولها بالتاويلات البعيدة الباطله عضالا عن مقلده۔ یعنی "مقلدین ظاہر کتاب اور حدیث کو رد کرنے کے لیے حیلے ڈھونڈتے ہیں اور ان

میں غلط سلط تاویلیں کرتے ہیں تاکہ اپنے امام کی طرف سے جواب دیں۔"

پس مقلدین کے کتب حدیث پڑھنے کی یہی غرض ہے جس کی تصریح اوپر ہو چکی ہے ۔

نوحہ گر باشد مقلد در حدیث

جز طمع نہ نبود مراد آں خبیث

مقلدین فرقہ بریلویہ کا شمار اہل بدعت میں ہے

اہل بدعت فرقہ غالیہ میں ایک شخص بھی قرآن و حدیث کا تعلیم یافتہ نہیں' سب عامی جاہل سے بھی بدتر ہیں اور ابلہ مغرور ہیں۔ اپنے آپ کو بڑے عالم اہل سنت والجماعت حنفی المذہب کہلاتے ہیں۔ خواہ کنجروں کے گھر بچہ پیدا ہو یا بھنڈوں کے گھر' نقلیوں کے گھر پیدا ہو یا مداریوں کے گھر' بھنگ نوش فقیروں کے گھر پیدا ہو یا گانے بجانے والے میراثیوں کے گھر' حنفی مذہب میں اضافہ سمجھا جاتا ہے۔ بریلوی مذہب کا ہو' تب بھی حنفی اور دیوبندی ہو تب بھی حنفی۔ اہل حدیث تو بے نماز کو کافر کہتے ہیں' ان کے ہاں فرقہ مرجیہ کی طرح زبانی کلمہ گو سب مومن مثل انبیاء اور ملائکہ کے ہیں۔ خواہ ساری عمر نماز روزہ سے الگ رہیں۔ حج نہ کریں' زکوۃ نہ دیں' ایمان میں کمی نہیں آتی کیونکہ لایزید ولا ینقص ان کا مذہب ہے۔ ہاں ان کے نزدیک ایک چیز جزو ایمان ہے کہ اہلحدیث جماعت کو وہابی' لامذہب' غیر مقلد وغیرہ نام لے لے کر گالیاں نکالے اور قبروں کو اور زندہ پیروں کو پوجے' مونچھیں بڑھا کر یہودی بنے' داڑھی منڈا کر مجوسی ہو' رات دن راگ سن کر حال کھیلے اور وجد و رقص کرے تو وہ پکا سنی حنفی رضائی ہے۔

ایک طفل نوزائیدہ جو آج کل کی تعلیم سے متاثر ہو کر اپنے والدین کو گالیاں نکالے تو وہ اہل سنت کا نام حاصل کر لیتا ہے کیونکہ وہ حنفی بریلوی باپ کا لڑکا ہے چونکہ اس طرح ہر نابکار' بدکار کا حنفی کا حنفی کہلانا اور حنفی کہلانے کو ہی امر شرعی سمجھنا بدعت ہے۔ لہذا یہ فرقہ غالیہ پکا بدعتی ہے۔ جناب نبی ﷺ اور صحابہ کرام کے عہد میں اس نام کے لوگوں کا نام و نشان نہ تھا اور نہ ان کا یہ طرز عمل تھا۔ فرقہ غالیہ تو اہلحدیث پر بے ثبوت بات کہتا ہے ہم بموجب **شهد شاهد من اهلها** خود مقلدین حنفیہ کی شہادت سے ثابت کرتے ہیں۔ کتاب شرح عین العلم میں ملا علی قاری لکھتے ہیں **ومن المعلوم ان الله سبحانه وتعالىٰ ماكلف احدا ان يكون حنفيا اومالكيا او شافعيا او حنبليا بل كلفهم ان يعملوا بالسنة** یعنی "یہ تو معلوم ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کسی کو یہ تکلیف نہیں دی کہ حنفی بنے یا مالکی بنے یا شافعی بنے یا حنبلی بنے بلکہ

سب کو یہ تکلیف دی ہے کہ وہ سنت نبوی پر عمل کرتے رہیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ حنفی شافعی وغیرہ کہلانا شرعی امر نہیں ہے اور یہ شرع میں کوئی مذہب نہیں ہے۔ صرف حدیث پر عمل کرو جو کلام اللہ کی شرح ہے۔ رسالہ عمل بالحدیث میں قاضی ثناء اللہ صاحب فرماتے ہیں۔ ومن تعصب بواحد بعينه دون الباقين كالرافضى والناصبى والخارجى فهده طريق اهل البدع والاهواء الذين ثبت بالكتاب والسنة والاجماع انهم مذمومون خارجون عن الشريعة یعنی "جس کسی نے رافضیوں' ناصبیوں' خارجیوں کی طرح اور اماموں کو چھوڑ کر ایک مذہب کا تعصب کیا (جیسے حنفی وغیرہ آج کل کرتے ہیں) تو یہ طریقہ اہل بدعت اور نفسانیت کا ہے جن کے حق میں قرآن و حدیث اور اجماع سے ثابت ہو چکا ہے کہ ملامتی ہیں اور شریعت سے خارج ہیں۔" خود نامہ نگار فیاض "الفقیہ" نمبر-۱۳' ماہ اپریل میں لکھتا ہے کہ:

"وہ خیال یا طرز عمل بدعت ہے کہ جس کی اصلیت عہد رسالت یا خیر قرون میں نہیں پائی جاتی اور وہ ہر ایک نئی بات یا مذہب بھی اس میں داخل ہے جو اصول اسلام کے خلاف آج کل کے مذہب فروشوں نے اہل اسلام کے سامنے پیش کئے ہیں۔" انتہی۔

اس بناء پر حنفی مقلدین بدعتی ہیں کیونکہ نام اور طرز عمل کے لحاظ سے عہد رسالت اور خیرالقرون میں ان کی اصلیت نہیں پائی گئی اور ان کے مسائل اعتقادی اور فروعی اصول اسلام کے خلاف ہیں جو مذہب فروشی کی بناء پر اہل اسلام کے سامنے پیتل کو سونا بنا کر پیش کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ خود بریلوی فرقہ یہ مانتا ہے کہ عہد رسالت اور خیرالقرون میں جو چیز نہ ہو وہ بدعت ہے اور مقلد کا کام یہ ہے کہ فقہاء کا کلام بطور حکایت نقل کرے۔ سو یہ امر محدث ہے۔

خطیرۃ القدس کے ص-۷۹ میں ہے۔ "پیش از صدی چہارم تقیید۔ بمذہب واحدنہ داشت۔" ابوطالب کی قوت القلوب میں لکھتے ہیں۔ ان الكتب والمجموعات محدثة والقول بمقالات الناس والفتيا بمذهب واحد من الناس واتخاذ قوله والحكاية له فى كل شئى والتفقه على مذهبه لم يكن الناس قديما على ذلك۔

انتہیٰ یعنی "چار سو برس سے پہلے کسی مخصوص مذہب کی پابندی نہ تھی۔ کتابیں لوگوں کی (جن میں آراء رجال ہیں) اور جماعتیں ان کی (یعنی جو آراء رجال کے تقلیداً" پابند ہیں) نئی بنائی ہوئی ہیں۔ پہلے زمانہ میں لوگوں کا قولوں کو لینا اور فتوئی ایک مذہب پر دینا اور ایک ہی کا قول لینا اور اسی کی حکایت کرنا اور اسی مذہب کی فقاہت حاصل کرنی نہ تھی۔" انتہی

جب یہ امر محدث ہے تو شرالامور میں داخل ہوا کیونکہ شرالامور محدثاتھا حدیث نبوی میں وارد ہے اور کل محدث کا بدعت ہونا بھی منصوص ہے۔ پس حنفی مذہب کا بدعت ہونا اور خیر القرون کے بعد اس کا رائج ہونا ثابت ہو گیا چونکہ بدعتی سب دوزخی ہیں۔ لہٰذا سب حنفی دوزخی ثابت ہوئے۔ خواہ دیوبندی ہوں یا بریلوی جو بھی تقلید کی مرض میں مبتلا ہے وہ دوزخی ہے کیونکہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے۔ کشف الغمہ مصری ص ۱۱ میں ہے۔ فمن ادعی تحضیمها بما ذهب الیه امامه من المقلدین فقد اتی بابا من الکبائر۔ یعنی "جس مقلد نے اپنے امام کے قول و مذہب کی خصوصیت کا دعوئی کیا تو وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا۔"

قاضی ثناء اللہ صاحب کی عدالت کا بھی عمل بالحدیث میں یہی فیصلہ ہے۔ فمن یتعصب بواحد معین غیرالرسول صلی اللّٰه علیه وسلم ویری ان قوله هو الصواب الذی یجب اتباعه دون الائمة الاخرین فهو ضال جاهل۔ یعنی "جو کوئی سوا رسول اللہ ﷺ کے کسی اور شخص کے مذہب پر اڑا رہے اور اسی کی کتاب کو واجب الاتباع جانے، وہ شخص جاہل گمراہ ہے اور یہ کبیرہ گناہ اور گمراہی بھی ایسی ہے جو کفر کو پہنچاتی ہے۔"

ملا معین حنفی دراسات اللبیب میں لکھتے ہیں۔ متی اعتقد انه یجب علی الناس اتباع واحد بعینه من هذه الائمة دون الاخرین فقد جعله بمنزلة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم وذلک کفر۔ یعنی "جب یہ اعتقاد کیا کہ واجب ہے لوگوں پر اتباع ایک شخص کی اماموں میں سے سوائے اوروں کے تو ٹھہرایا اس کو بمنزلہ نبی ﷺ کے اور یہ کفر ہے۔" حنفی کا یہی مذہب ہے کہ تقلید ایک امام کی واجب ہے اگر دوسرا مذہب اختیار کرے تو اس پر تعزیر لگانی چاہیے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب کیا تھا؟

اہل بدعت کہا کرتے ہیں کہ "اہلحدیث" کا لفظ بدعت ہے۔ یہ ان کا کہنا مردود ہے کیونکہ اہلحدیث کا وجود خیرالقرون سے ثابت ہے۔ خود امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اذا اصح الحدیث فھو مذھبی یعنی "صحیح حدیث میرا مذہب ہے۔" جس کا حاصل مفہوم یہ ہے کہ میں اہلحدیث ہوں۔ شیخ عبدالوہاب علماء کی جماعت عظیمہ سے نقل کرتے ہیں۔ انھم کانوا یعملون ویفتون من غیر التزام مذھب معین من زمن اصحاب المذھب الی زمانہ۔ یعنی "وہ عمل کرتے تھے اور فتویٰ دیتے تھے بغیر قید ایک مذہب معین کے زمانہ اصحاب مذاہب سے لے کر شیخ کے زمانہ تک۔" بس یہی مسلک اہلحدیث کا ہے کہ جس مذہب کا مسئلہ موافق قرآن و حدیث ہے وہ لے لو' باقی چھوڑ دو' ایک کو معین نہ کرو۔ چنانچہ اہلحدیث کا طرز عمل شاہ صاحب نے انصاف میں یہی فرمایا ہے۔ باقی اہلحدیث کو مذاہب اربعہ سے خارج قرار دے کر پھر محمد بن عبدالوہاب نجدی کا مقلد قرار دینا اور اس کا حنبلی ہونا اپنے مضمون میں تسلیم کرنا صریح ظلم اور تحکم ہے۔ بس یہی اہل بدعت کی خباثت اور شرارت عجیبہ ہے کہ ایک طرف سے ایک بات کو مانتے جاتے ہیں۔ دوسری طرف سے کاٹتے جاتے ہیں۔

؎ دروغ گو را حافظہ نہ باشد

ہمارا طرز عمل محدثین کے مطابق ہے اور صحاح ستہ کو ہم مانتے ہیں اور ان کا مقلد نہ ہونا ہم ثابت کر چکے ہیں۔ اب بدعیوں کو چاہیے کہ اہلحدیث کی کتابوں کو چھوڑ کر اور محدثین کی تالیف کردہ صحاح ستہ سے منہ موڑ کر کوئی حدیث کی معتبر کتاب نصاب تعلیم میں ثابت کریں اور دنیا کے سامنے پیش کریں کہ یہ کتاب حدیث ہے جس پر ہمارے مذہب کا دارومدار ہے۔ کتب حدیث تو اہلحدیثوں کی ہیں یا بقول ان کے شافعیوں کی ہیں۔ حنفیوں کو اس سے دست بردار ہو جانا چاہیے۔ یہ محدثین تو مقلدین کو جہمیہ اور مرجیہ قرار دے کر کتب حدیث میں جا بجا احادیث لا کر تردید کرتے ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تو بعض الناس کے لفظ سے حنفیہ کا رد کرتے ہیں دیکھو صحیح بخاری مع فتح الباری۔ ہاں پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے حنفیہ کو مرجیہ کہا ہے۔ اب پیر

صاحب کے عطا کردہ لقب سے مقلدین بالخصوص بریلوی فرقہ غالیہ کو تنفر کا اظہار نہ کرنا چاہیے بلکہ بصد شکریہ منظور کر لینا چاہیے۔ مرجیہ کے اور جہیہ کے عقاید مردودہ حنفیہ مقلدین میں پائے جاتے ہیں۔ خیر اگر حنفی لقب کو بھی لیا جائے تو بھی اس سے دین میں نقصان کی ثبوتی ظاہر ہے کیونکہ کتاب انوار الاتقیاء سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورتوں کے ایک سوال میں امام نعمان نے فیل ہو کر اپنی لڑکی کے جواب صحیح دینے کی وجہ سے ان کے نام پر کنیت رکھی ہے۔ اس سے حنفیہ کا دینی مسائل میں فیل رہنا ظاہر ہوتا ہے۔ اسی واسطے قرآن و حدیث اس مذہب میں بہت کم ہے۔ صرف رائے قیاس ہے' وہ بھی خلاف معقول و منقول ہے۔ امام محمد بن نصر مروزی قیام اللیل میں فرماتے ہیں۔ ھؤلاء اصحاب ابی حنیفۃ لیس لھم بصر بشئی من الحدیث الا الجراۃ یعنی "حنفیوں کو علم حدیث کی کچھ جانچ پرکھ نہیں ہے۔ ان کا اس علم میں دخل دینا محض زبردستی ہے۔" ؎

نوحہ گر باشد مقلد در حدیث
جز طمع نہ بود مراد آں خبیث

شیعہ مذہب کا مصلیٰ

قسط گذشتہ میں ہم چار مصلوں کا بدعت ہونا ثابت کر چکے ہیں۔ درمختار میں بدعت کی تعریف ہے: اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعاندۃ بل بنوع شبھۃ انتھی۔ یعنی "بدعت اس کو کہتے ہیں جو دین میں مخالفت کے طور پر نہیں بلکہ اشتباہ کے طور پر نکلی جائے۔"

رد المختار میں شمنی سے نقل کرتے ہیں ما احدث خلاف الحق المتلقی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من علم او عمل او حال بنوع شبھۃ واستحسان وجعل دینا قویما۔ یعنی "جو چیز اشتباہ کے طور پر یا استحسان کے طور پر نئی نکلی جائے اور وہ خلاف اس حق کے ہو جو آنحضور ﷺ سے منقول ہے اور پھر اس چیز کو دینی امر قرار دیا جائے۔"

اس تعریف کے رو سے بھی مصلات اربعہ صاف بدعت ہیں کیونکہ مصلات اربعہ کا ثبوت آنحضرت ﷺ اور قرون ثلاثہ سے تو ہے نہیں' بعد میں یہ حکومت نے کسی خوبی یا مصلحت سے نکال کر مشروع ٹھہرائے ہیں۔ پس یہی بدعت ہے اور اسی طرح تمام بدعتیں

نکلی گئی ہیں- جو چیز تعلیم شارع سے باہر ہو اور اپنی خاص وضع اور ہیئت اور نئی صورت نوعیہ کی وجہ سے حکم شرعی کا مصداق نہ ہو' وہ بدعت قرار دی جاتی ہے-

رجب کے مہینہ میں جو اول جمعہ ہوتا ہے اس کی شب میں نوافل پڑھنا پانچویں صدی میں مروج ہوا جو مختلف شہروں میں پھیل گیا لیکن علماء نے اس کو بدعت قرار دیا ہے- (ملاحظہ ہو شامی وغیرہ) بس اسی طرح مصلات اربعہ بدعت ہیں- "الفقیہ" کے بریلوی نامہ نگار فیاض امرتسری نے مقلدین کے مصلات اربعہ کے ہمراہ مصلی شیعہ کا بھی ذکر کیا ہے اور تاریخ کو اس پر شاہد قرار دیا ہے- کیوں نہ ہو؟ شیعہ بھی تو ان کے بھائی مقلد ہی ہیں- نیز اعتقاد اور عملاً ان سے بہت ملتے جلتے ہیں بلکہ حنفیت کے مدعی بہت لوگ اعتقاداً شیعہ ہیں- جو تعزیوں میں شامل ہوتے ہیں- اس لئے شیعہ مذہب کی دلجوئی ضروری تھی تاکہ وہ ناراض ہو کر فروعات میں بھی حنفی مذہب کو ترک نہ کر دیں- جب شیعہ مصلی تسلیم کیا گیا تو اب مصلات اربعہ نہ رہے بلکہ خمسہ ہو گئے اور نہ مذاہب اربعہ رہے یہ بھی خمسہ ہو گئے کیونکہ مصلی شیعہ' مذہب شیعہ حرم میں تسلیم کیا جا چکا اور حکومت وقت نے کمال رواداری سے شیعہ مذہب کو تسلیم کر کے اس کے لیے مصلی قائم کیا- پس حکومت کا یہ فعل حنفیہ پر حجت ہو گا جیسے حکومت وقت کے دوسرے مصلے قائم کردہ مشروع اور امر دین یقین کئے جائیں گے' اسی طرح شیعہ مصلی بھی شاہی حکم کے ماتحت تسلیم کیا جائے گا- جب یہ بات تسلیم ہو چکی تو مذاہب خمسہ اور مصلات خمسہ کو دینی امر تسلیم کرنا چاہیے-

اس سے حنفیہ کا یہ حصر باطل ہو گیا جو کہا کرتے ہیں کہ اہل سنت کے چار فرقے ناجیہ ہیں کیونکہ اب تو پانچ ہو گئے- مگر اہل سنت اور شیعہ ہر دو مذہب میں تضاد ہے- پس دونوں فرقہ ناجیہ نہیں بن سکتے- اب یا تو فرقہ شیعہ کو بہتر (۷۲) فرقوں میں شمار کر کے گمراہ کہیں اور اہل سنت کو ان سے جدا کریں یا اہل سنت کی ایک شاخ اور بنائیں یا مذاہب خمسہ کو شرعی قرار دیں- اگر شق اول ہے تو ان کا مصلی حرم میں تجویز کرنا باطل ہوا کیونکہ وہ فرقہ اہل سنت کے نزدیک گمراہ ہے- اگر شق ثانی ہے تو پھر اعتقاد اور عمل میں ان کا اتحاد ثابت کریں- اگر شق ثالث ہے تو مقلدین کا حصر باطل ہوا کہ فرقہ ناجیہ کو چار میں تقسیم کرتے چلے آئے ہیں- اگر کہو کہ فرقہ شیعہ گمراہ ہے اور ان کا مصلی بھی ناقابل قبول ہے تو پھر جس وجہ سے ان کا تجویز کردہ مصلے نامنظور ہوا' اسی وجہ سے مقلدین کے چاروں مصلے نامنظور ہو کر مردود ہو

جائیں گے۔ پس جیسے حکومت کی رواداری شیعہ مصلی کے لیے حجت نہیں ویسے مقلدین کے مصلات اربعہ کے لیے بھی حجت نہیں۔ نامہ نگار کا اپنی کمال جہالت سے شیعہ مصلے کو حرم میں تسلیم کرلینا مصلات اربعہ کی "مشروعیت" کو بھی باطل کر دیتا ہے۔

اب ہم نامہ نگار سے ایک بات دریافت کرتے ہیں کہ شیعہ مذہب کا مصلی مسجد حرام میں کس جگہ تھا؟ اور یہ جو تم نے کہا ہے کہ الگ مصلی قائم کیا' اس سے کیا مطلب ہے؟ مصلے تو سب ہی ایک دوسرے سے الگ تھے۔ اگر کہو کہ الگ ایسے ہی تھا جیسے شیعہ نام کا مصلی تو پھر یہ حکومت کی رواداری شرعی حکم ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟

ناظرین! اصل بات یہ ہے کہ یہ مصلات خمسہ باطل ہیں اور جس حکومت نے ان کو قائم کیا' اس کا یہ فعل شرعاً مردود ہے۔ اسی وجہ سے اہل حدیث کا مستقل مصلی نہ تجویز کیا گیا اور نہ وہ اس چپقلش میں پڑے۔ کیونکہ بحکم قرآن واتخذوا من مقام ابراهيم مصلى صرف ایک ابراہیمی مصلی کافی سمجھا گیا' جس کے قریب مصلی شافعی تھا چونکہ شافعی مذہب کے مسائل اہلحدیث کے مسائل سے اکثر ملتے جلتے ہیں۔ اس لیے یہ جماعت اہل حق شافعی مصلے کے پاس نماز پڑھتی رہی' کیونکہ وہ ابراہیم کا مصلی تھا۔ یہیں وجہ حکومت نے ان کا علیحدہ مصلی تجویز نہیں کیا۔ مصلی علیحدہ تجویز نہ کئے جانے سے ان کے وجود کی نفی لازم نہیں آتی۔

دیکھو! اس وقت مذاہب خمسہ ہی نہ تھے بلکہ تاریخ شاہد ہے کہ بہت فرقے اسلام کے مدعی اس وقت موجود تھے۔ جن میں سے معتزلہ' مرجیہ' خارجیہ وغیرہ کے نام کتب سیرو تاریخ میں درج ہیں تو پھر ان کے مصلے قائم کیوں نہ ہوئے؟ کیا گمراہ سمجھ کر چھوڑ دیئے گئے یا مذاہب اربعہ میں جذب کر دیئے گئے یا ان کا وجود ہی نہ تھا؟ اگر شق اول ہے تو ممکن ہے اہل حدیث فرقہ اہل حق کو بھی اثر ملوک جرا کہ نے گمراہ خیال کر لیا پھر ان کے وجود سے مطلقاً نفی کی گئی ہے۔ اگر شق دوم ہے تو پھر مقلدین کا گمراہ فرقوں کی کھچڑی ہونے سے اہل باطل ہونا لازم آیا اور ہے بھی دراصل اسی طرح' فافهم۔ اگر شق سوم ہے تو یہ کتب تواریخ اور کتب رجال کے سراسر خلاف ہے کیونکہ بہت سے فرقے خود ائمہ اربعہ کے زمانہ میں ظاہر ہو چکے تھے پھر چھٹی صدی یا نویں صدی میں مفقود کس دلیل سے ہو گئے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سلطان ناصر فرج بن برقوق جو سنہ ۸۰۱ھ میں تخت مصر پر بیٹھ کر سنہ ۸۱۵ھ میں مار ڈالا گیا' اس نے مصلّات کی بدعت جاری کی تھی۔ جو کسی مصلحت وقت پر

مبنی تھی اور مقلدین آپس میں لڑ بھڑ کر مرتے تھے' نہ کہ مصلحت دین کے لیے ایسا کیا گیا۔ اس مصلحت میں شیعہ مذہب بھی داخل کر لیا ہو گا ورنہ شیعہ مذہب اور شیعہ مصلی خود مذاہب اربعہ کے نزدیک مردود ہے۔ جب وہ خود شیعہ مذہب اور شیعہ مصلی کو مستحسن نہیں جانتے تو اہلحدیث مصلات اربعہ کو کسی طرح حجت جان سکتے ہیں؟ اہل حدیث کے نزدیک تو یہ سب بدعت اور مردود ہیں۔ دین حنیف کے چار ٹکڑے ہو جانے' بیت اللہ شریف کے چار پانچ ٹکڑے ہو جانے یہ سب امور زبون ہیں۔

اسی طرح آگے مقلدین نے "طریقت" کے سلسلے قادری' چشتی' سہروردی' نوشاہی' صلاتی' توکلی وغیرہ جو تجویز کئے وہ بھی سب اختراعی ہیں۔ شرع محمدی میں کسی کا بھی وجود ثابت نہیں ہے بلکہ یہ سب موجب تکرار جماعت و افتراق ہیں۔ اسی واسطے اہل حدیث بدعت کی سب نجاستوں سے پاک ہیں کیونکہ فرقہ ناجیہ یہی لوگ ہیں جو سبیل ما انا علیہ واصحابی کے تابع ہیں۔ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام بلکہ تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں ان بدعات کا نام و نشان نہ تھا۔ تقلید جو وسیلہ گمراہی اور ذریعہ تعصب اور تفرقہ جماعت ہے' چوتھی صدی میں پھیل گئی۔ جس نے اکثر لوگوں کو شاہراہ محمدی سے چار مختلف طریقوں میں متفرق کر کے باہمی مغائرت اور منافرت پیدا کر دی۔ حتیٰ کہ خانہ کعبہ میں ایک مصلی ابراہیمی کو جو وحدت کا نشان تھا' اس کو نظرانداز کر کے دیگر مصلے علیحدہ علیحدہ قائم کر لئے گئے۔ صرف اہلحدیث مصلی ابراہیمی پر قائم رہے جن کا کوئی مصلی جدا تجویز نہیں ہوا۔ یہ فرقہ حقہ اس بدعت میں نہیں پڑا۔ اس سے اہل ہوا یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کا اس وقت وجود ہی نہ تھا جو بالکل غلط بات ہے۔ جب آنحضرت ﷺ نے فرما دیا ہے کہ ایک گروہ ہمیشہ حق پر رہے گا تو پھر یہ گروہ کیسے مفقود ہو گیا۔ اگر کہو کہ وہ مقلدین مذاہب اربعہ ہیں تو یہ فرمان نبوی کے خلاف ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ایک فرمایا ہے چار نہیں فرمائے اور طرز عمل ان کا ما انا علیہ واصحابی بتلایا ہے۔ سو یہ طرز عمل مذاہب اربعہ کا نہیں ہے کیونکہ تقلید اور تعیین مذاہب قرون ثلاثہ کے بعد ظہور ہوا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ وہ فرقہ اہلحدیث ہی کا ہے جو اعتقاداً و عملاً آج تک ایک ہی چلا آ رہا ہے۔ ان کو اس امر کی ضرورت نہیں ہے کہ ابراہیمی مصلی کے سوا ہمارا کعبہ میں کوئی مصلی تیار ہو۔ یہ بدعت اہل بدعت ہی کو مبارک رہے' خاص کر حنفیوں کو جن کا مصلی اس مقام پر ہے جہاں دارالندوہ مشرکین عرب کا تھا۔

جہلی ابوجہل وغیرہ کفار حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے خلاف مشورے کیا کرتے تھے۔ (تاریخ نبوی ص ۵۷)

یہی وجہ ہے کہ اس بدعت سے متاثر ہو کر مقلدین اب تک محمدیوں' موحدوں کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ بالآخر حق ظاہر ہوا اور وہ بدعت جو علیحدہ علیحدہ جماعتوں کی صورت میں تھی اٹھا دی گئی اور ایک جماعت حکومت وقت نے کر دی۔ اگر یہ امر شرعی ہوتا تو اس میں کسی طرح تبدیلی نہ کی جاتی ؎

آنچہ نہ قال اللہ نہ قال الرسول
ہست بر اہل فضیلت فضول

تقلید شخصی

جب حضرت محمد ﷺ نے فرض رسالت و حق نبوت ادا کرنا شروع کیا تو بہت گم گشتہ راہ انسانوں نے راہ پائی لیکن کئی لوگ جو محروم القسمت اور ازلی اشقیاء تھے' وہ بدستور اپنے باپ دادا کے غلط طریق اور باطل رسم و رواج پر اڑے رہے اور قرآن و حدیث کے مقابلہ میں یہی کہتے رہے کہ ہم تو آبائی طریق پر ہی چلیں گے۔ چنانچہ پارہ-۷' رکوع-۳ میں ہے واذاقیل لھم تعالوا الی ما انزل اللّٰه والی الرسول قالوا حسبنا ماوجدنا علیه اباءنا اولو کان اباؤھم لا یعلمون شیئا ولا یھتدون یعنی "جب ان کو کہا گیا کہ اللہ نے جو کچھ اتارا ہے اس کی طرف اور رسول کی طرف آجاؤ تو انہوں نے کہا کہ ہم کو تو وہی طریق کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا' بھلا اگر ان کے باپ دادے نرے بے علم اور گمراہ ہوں (تب بھی)؟" اور ان کا حسن ظن ہوتا کہ ہمارے باپ دادے بڑے بزرگ ہیں۔ انہوں نے جو کچھ کیا ہے وہی اللہ کا حکم ہے۔ چنانچہ لکھا ہے واذا فعلوا فاحشة قالوا وجدنا علیھا اباءنا واللّٰه امرنا بھا۔ یعنی "جب وہ مقلد کافر کوئی برا کام کرتے تو کہتے کہ ہم نے اپنے بڑوں کو ایسا ہی کرتے پایا اور اللہ نے ہم کو اس کا حکم کیا ہے۔" پس ان کافروں نے قرآن و حدیث کے مقابلہ میں اپنے بڑوں کی تقلید کر کے جہنم کا رستہ لیا۔

خواجہ ابو شکور سالمی نے تمہید میں لکھا ہے والکفر کله بالتقلید وھذا فحش (ص-۱۹) یعنی "سب کفر تقلید کے سبب سے پھیلا ہے اور یہ بے حیائی ہے۔" الفقیہ کے بریلوی نامہ نگار فیاض امرتسری نے آیت کے مفہوم مخالف سے غلط استدلال کیا ہے کہ اگر باپ دادا گمراہ نہ ہوں تو اس وقت باپ دادا کے دین پر چلنا قابل اعتراض نہیں ہوتا۔ ہم کہتے ہیں کہ ان کا گمراہ نہ ہونا کس طرح معلوم ہو گا؟ قرآن و حدیث کے ساتھ ان کے طرز عمل کا مقابلہ کرنے سے یا اپنی عقل سے۔ اگر قرآن و حدیث کے ساتھ مقابلہ کرنے سے معلوم ہوا تو یہ اتباع قرآن و حدیث کی ہوئی نہ کہ باپ دادوں کی۔ پھر اس کو تقلید کہنا حماقت ہے کیونکہ دلیل کا علم ہو گیا اور تقلید کی ماہیت میں عدم علم داخل ہے۔ اگر اپنی عقل سے گمراہ نہ ہونا خیال کر لیا تو یہ بعینہٖ تقلید ہے

جو طریقہ کفار ہے۔ پس مقلدین عہد حاضر کی تقلید اسی قسم کی ہے۔ وہ اپنے باپ دادوں کو (جو مقلد تھے) اہل سنت والجماعت قرار دے کر ان کی تقلید کر رہے ہیں۔ حالانکہ تقلید شخصی اور اہل سنت والجماعت میں تخالف ہے۔ چنانچہ شخصی اور جماعت کے الفاظ اس پر دال ہیں۔ (یعنی تقلید شخصی کی تعریف چاہتی ہے کہ ایک شخص کی مانی جائے اور لفظ "جماعت" چاہتا ہے کہ بہتوں کی مانی جائے' یہ تخالف ہے۔)

یوسف علیہ السلام کے قول سے جو نامہ نگار نے استدلال کیا ہے' یہ غلط ہے۔ استدلال کرنا مجتہد کا کام کیا ہے۔ مقلد اگر استدلال کرے گا تو ضرور غلطی کا مرتکب ہو گا۔ سنیئے! یوسف علیہ السلام نبی تھے اور نبی مقلد نہیں ہوتا جو شخص نبی کو مقلد کہے وہ نبی کو گالی دیتا ہے اور بدکار ہے کیونکہ تقلید کی تعریف قول سدید حنفی ص-۴ میں ہے التلقید الاخذ بالرای من غیر دلیل یعنی "بغیر دلیل کے کسی کی رائے پر عمل کرنا تقلید ہے۔" سو یوسف علیہ السلام ایسی تقلید سے پاک تھے۔ کیونکہ ان کے باپ دادے انبیاء تھے اور انبیاء کی پیروی کا نام اتباع ہے تقلید نہیں۔

مسلم الثبوت جلد-۳' ص-۳۵۱ میں ہے لان الاخذ عن المعزید بالوحی لیس تقلیدا یعنی "صاحب الوحی کی بات ماننا تقلید نہیں۔" ان تصریحات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ مقلدین جس بدعت کے عادی ہیں' وہ کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے اور اس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے عمل نہیں کیا بلکہ انبیاء کی شان میں یہ ایک انتہائی گستاخی ہے کہ اپنے باپ دادوں کو حضرت یوسف علیہ السلام کے باپ دادوں پر قیاس کیا جائے۔

؎ چہ نسبت خاک را با عالم پاک

انبیاء معصوم ہوئے ہیں' جن کی اتباع کی جاتی ہے اور باقی سب غیر معصوم ہیں' جن کی تقلید مذموم ہے۔ میزان الشعرانی ص-۵۲ میں ہے فان التقلید لغیر المعصوم مذموم وفیه عمی البصیرة یعنی "غیر معصوم کی بات بلا دلیل ماننا جس کو تقلید کہتے ہیں بری بات ہے کیونکہ اس میں اندھا پن ہے۔"

کشف الغمہ میں امام شعرانی نے فرمایا ہے فمن ادعی تخصیصها بما ذهب اليه امامه من المقلدين فقد اتى بابا من الكبائر (ص-۱۱) یعنی "جس مقلد نے اپنے امام کے مذہب و قول کی خصوصیت کا دعویٰ کیا وہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہو گیا۔" پس مقلدین

اور ان کے آباء و اجداد سب کبیرہ گناہ کے مرتکب ہوئے اور اللہ جانے اس کبیرہ گناہ کا سلسلہ کہاں پہنچ کر ختم ہو گا۔ اللہ ان کی تقلید سے بچائے' آمین۔

اگر بالفرض تسلیم کیا جائے کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ دادوں کی تقلید کی تو ہماری شریعت میں یہ کس طرح جائز ہو گئی؟ ہم کو تو ہمارے نبی ﷺ کا یہ حکم ہے لو اتاکم موسیٰ فاتبعتموه وترکتمونی لضللتم (او کما قال) یعنی "اگر تمہارے پاس موسیٰ علیہ السلام خود آ جائیں اور تم ان کی تابعداری کرنے لگ جاؤ اور مجھے چھوڑ دو تو گمراہ ہو جاؤ۔"

جب ہمارے سامنے قرآن و حدیث موجود ہے تو ہم کو کسی دوسرے نبی کے فعل کو لینے کی اور پیش کرنے کی ضرورت کیا ہے؟ جب جلیل القدر معصوم حضرت یوسف علیہ السلام کی اتباع آنحضور ﷺ کے مقابلہ میں حرام ہے تو اماموں اور باپ دادوں کی بالاولیٰ حرام ہو گی۔ مقلدین صاحبان! جب تم اس تقلید کے باعث جہنم کی آگ کا ایندھن بنائے گئے تو کہو گے یا لیتنا اطعنا اللہ واطعنا الرسولا یعنی "کاش کہ ہم اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کرتے۔" لیکن اب تم کو کہا جائے تو نہایت بیباکی سے کہہ دیتے ہو کہ یہ تو "وہابیوں" کا مذہب ہے' ہم تو اپنے بڑے بزرگوں کے طریقہ پر چلیں گے۔ پھر جہنم میں تمہارا افسوس کے ساتھ یہی اقرار ہو گا ربنا انا اطعنا سادتنا وکبراء نا فاضلونا السبیلا یعنی "اے رب ہمارے! بیشک ہم اپنے بزرگوں اور سرداروں اور پیروں کی اطاعت کرتے رہے' جنہوں نے ہم کو قرآن و حدیث کے سیدھے رستہ سے گمراہ کر دیا۔" مگر یہ افسوس تم کو کچھ فائدہ نہ دے گا۔ سنو۔

عبادت بتقلید گمراہی است
خنک راہرو را کہ آگاہی است

فیاض "الفقیہ" کا بریلوی نامہ نگار اپنے مضمون "بدعات وہابیہ" میں کہتا ہے کہ "تقلید شخصی دو قسم ہے۔ ایک یہ کہ بغیر ثبوت حاصل کرنے کے امام کے قول کو حجت تسلیم کرنا۔" (الفقیہ جلد-۲۱' نمبر-۱۴' مطبوعہ ۱۴ اپریل سنہ-۱۹۳۸ء)

عبدالقادر اسی کو جہالت کہتے ہیں کہ بغیر ثبوت کے کسی کے قول کو حجت تسلیم کر لینا اور یہی شرک فی الرسالت ہے کیونکہ امام کا قول حجت شرعی نہیں ہے۔ قرآن

میں ہے اتبعوا ماانزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونه اولیاء یعنی "اے امت محمدی! جو چیز تمہاری طرف نازل کی گئی ہے (قرآن و حدیث) اسی کی پیروی کرو اور اس کے سوا اولیاء کی پیروی نہ کرو۔" یہی طریقہ یہود ونصاریٰ کا تھا کہ اپنے علماء اور اماموں کی بغیر ثبوت کے تقلید کرتے تھے اور ان کے قول کو بغیر ثبوت شرعی حجت جانتے تھے۔ تب فرمایا اتخذوا احبارهم ورهبانهم اربابا من دون الله یعنی "ٹھہرا لیا انہوں نے اپنے علماء اور بزرگوں کو الہ ماسوا اللہ کے۔" اس آیت کی تفسیر حدیث میں یہی ہے ملاحظہ ہو ترمذی۔ اسی بناء پر ائمہ اربعہ بالخصوص امام ابوحنیفہ نے اپنی تقلید سے منع کر دیا' ملاحظہ ہو۔ عقد الجید کے ص-۷۰ میں ہے قال ابوحنيفة لا ينبغى من لم يعرف دليلى ان يفتى بكلامى- میزان شعرانی ص-۴۸ میں ہے قال ابوحنيفة حرام على من لم يعرف دليلى ان يفتى بكلامى یعنی "امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس کو میرے قول کی دلیل معلوم نہ ہو اس کو میرے قول پر فتوی دینا حرام ہے۔"

مقدمہ عمدۃ الرعایہ کے ص-۹ میں ہے قال ابوحنيفة لا يحل لاحد ان ياخذ بقولى مالم يعلم من اين قلته ونهى عن التقليد یعنی "ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کہا کہ کسی شخص کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ میرے قول کو پکڑے جب تک یہ نہ جانے کہ میں نے کہاں سے لے کر کہا ہے اور تقلید سے منع کر دیا۔" اس تصریح سے صاف معلوم ہو گیا کہ تقلید ناجائز ہے اور خود امام نے بلاثبوت قول کو حجت تسلیم کرنے سے روک دیا ہے لیکن یہ مقلدین ایسے نالائق قسی القلب' سینہ زور واقع ہوئے ہیں کہ اللہ اور رسول اور اماموں کے منع کرنے کے باوجود تقلید کے چاہ ضلالت میں گر کر ہلاک ہو رہے ہیں۔

فاهرب عن التقليد فهو ضلالة
ان المقلد فى سبيل الهالك

فیاض اول یہ کہ مقلد اس قابل نہ ہو کہ وہ قول امام کو قرآن و حدیث کے معیار پر پرکھ سکے بلکہ جاہل ہو۔

عبدالقادر امام کا قول لینا کسی کو بھی جائز نہیں ہے۔ جب تک اس کا ثبوت نہ ملے کما مرفى قول الامام جب تک لوگ علم حدیث پڑھتے رہے تب تک درست

رہے۔ جب اقوال رجال کا علم حاصل کیا تو بگڑ گئے۔ خود تمہارے تسلیم کردہ امام صاحب شہادت دیتے ہیں لم یزل الناس فی صلاح ما دام فیہم من یطلب الحدیث فاذا طلبوا العلم بلا حدیث فسدوا (میزان ص-۴۹) اس سے ثابت ہوا کہ اہلحدیث صلاحیت پر ہیں اور اہل تقلید بگڑے ہوئے ہیں جو بلا حدیث دوسرے علوم پڑھتے ہیں۔

؎

اے مقلد! تو مجو بیشی برآں
کو بود منبع ز نور آسماں

یہ بھی سن رکھو! کہ ایسے عامی جاہل کا کوئی مذہب نہیں ہے اگرچہ وہ اپنے منہ سے "میاں مٹھو" بنتا رہے۔ تحریر مع شرح تقریر جلد-۳' ص-۳۵۱ میں ہے لا یصح للعامی مذہب ولو تمذہب بہ لان المذہب انما یکون لمن لہ نوع نظر واستدلال یعنی "عامی جاہل کا کوئی مذہب نہیں ہے اگرچہ وہ مذہب بنائے کیونکہ مذہب اس شخص کا ہوا کرتا ہے جس کو نظر اور استدلال کی کوئی قسم حاصل ہو۔"

اور یہ بات بھی سن لو کہ ایسے جاہل کا تقلید کرنا اور شیطانی وسوسہ کی پیروی کرنا یکساں ہے۔ تفسیر کبیر جلد دوم' ص-۸۷ میں ہے لا فرق بین متابعۃ وساوس الشیطان وبین متابعۃ التقلید۔ ؎

پس خطر باشد مقلد را عظیم
از رہ و رہزن ز شیطان رجیم

فیاض حسن ظن رکھتا ہو کہ اس کا امام اسلام کے خلاف کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔ عبدالقادر تفسیر عزیزی میں آیت کریمہ انہم لا یظنون کے تحت لکھا ہے' "بر ہر عالم فرض است کہ موافق علم خود عمل نماید واز دروغ گفتن و تحریف کتاب کردن احتراز کند وبر عامی فرض ست کہ بر تقلید وظن اکتفاء نہ کند بلکہ تحصیل یقین را قصد نماید۔" یعنی "ہر عالم پر فرض ہے کہ اپنے علم کے موافق عمل کرے اور غلط بیانی اور تحریف سے بچا رہے اور عامی پر فرض ہے کہ صرف ظن اور تقلید پر کفایت نہ کرے بلکہ یقین حاصل کرنے کی کوشش کرے۔"

مجالس الابرار میں ہے لان المقلد لا یقین له اصلا یعنی "مقلد کو یقین کا مرتبہ نہیں حاصل ہوتا۔" اس تصریح سے معلوم ہوا کہ دین میں ظن سے کام چلانا درست نہیں اور وہ مقلدین کافر ہیں جن کا دارومدار ظن پر ہے۔ سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے وما یتبع اکثرھم الا ظنا ان الظن لا یغنی من الحق شیئا۔

فیاض امرتسری: وہی قول امام اس (مقلد) کے لیے حجت شرعی بن کر واجب التسلیم سمجھا جائے گا۔

عبدالقادر: اپنے گھر میں اپنے دل میں خواہ کچھ سمجھتے رہو بادشاہ بنتے رہو، شیخ چلی کے خیالی پلاؤ پکاتے رہو لیکن اس پر شرعی دلیل یا علماء سلف کی شہادات پیش نہیں کر سکو گے۔ ہاں میں تم کو علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ کے کلام سے ہی دندان شکن جواب دیتا ہوں۔ وہ تحریر مع شرح تقریر جلد ۳، ص ۳۵۰ مطبوعہ مصر میں فرماتے ہیں: لا واجب الا ما اوجبه الله ورسوله ولم یوجب الله ولا رسوله علی احد من الناس ان یتمذھب بمذھب رجل من الامة فیقلده فی دنیه فی کل مایاتی ویذرون غیره۔ یعنی "اللہ اور اس کے رسول نے جو کچھ فرما دیا بس وہی واجب ہے اس کے سوا اور کوئی چیز واجب نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے کسی شخص پر یہ واجب نہیں کیا کہ امت میں سے کسی ایک شخص کا مذہب اختیار کر لے اور اپنے ہر دینی کام میں خواہ وہ کرنے کا ہو یا چھوڑنے کا بس ایک شخص کی ہی تقلید کرتا رہے۔"

علاوہ ان کے اب تمہارے مصنوعی معبود سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تقلید کے شجرہ خبیثہ کی اس طرح جڑ کاٹتے ہیں، فرماتے ہیں: واجعل الکتاب والسنة امامک وانظر فیھما بتامل وتدبروا عمل بھما ولا تغتر بالقال والقیل والھوس۔ (فتوح الغیب) یعنی "قرآن و حدیث کو اپنا پیشوا بنا لے اور خوب غور و فکر سے ان میں نظر کر اور ان دونوں پر ہی عمل کرتا رہ اور کسی کے قول یا خواہش کے ساتھ دھوکا نہ کھا۔"

اب بتلاؤ! تم تقلید کا بت بنانے والے سچے یا تمہارے بت کو توڑنے والے بزرگ سچے؟ وہ تو صاف کہہ رہے ہیں کہ قرآن و حدیث پر عمل کرو اور کسی کے قول سے دھوکا نہ کھاؤ۔ اور تم کہتے ہو کہ قول امام واجب التسلیم سمجھا جائے گا۔ افسوس ؎

گرچہ تقلید است مرسوم جہل
ہست رسوا ہر مقلد زامتحان

(آج فیاض بھی رسوا ہو گیا)

فیاض: یہ وہ طریق تقلید ہے کہ جس کو جاہل وہابی بھی اپنے رہنماؤں کے سامنے سر تسلیم کرتے ہوئے صحیح مانتے ہیں۔

عبدالقادر: قرآن میں ہے: انما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون۔ یعنی "جھوٹ وہی باندھتے ہیں جو بے ایمان ہیں۔" میاں فیاض صاحب! آپ تو بعینہ اس شعر کا نمونہ ہو ؎

فسو نہائے کج در دلہائے کج!
میر دو چوں کفش کج در پائے کج!

سنو! ہم شرعی طور پر کسی کا قول حجت نہیں جانتے۔ بفضلہ تعالیٰ تقلید کی شومی سے کوسوں دور ہیں۔ اندھے کی لکڑی اندھے ہی کے ہاتھ زیب دیتی ہے۔ مقلدین کی شان یہ ہے: لا یفتی ویعمل الا بقول الامام الاعظم۔ (درمختار) یعنی "مقلد کا فرض ہے کہ بغیر قول امام اعظم (ابوحنیفہ) کے نہ فتویٰ دے اور نہ عمل کرے۔" ایسا کوئی شخص جماعت اہلحدیث سے آپ پیش کر دیں تو مبلغ دس (۱۰) روپے انعام ہم سے لیں ورنہ سن لیں ؎

نطق آدمی بہتر است از دواب
دواب از تو بہ گرنہ گوئی صواب

فلعنة اللّٰہ علی الکذاب۔

فیاض: دوسرا طریق تقلید کا یہ ہے کہ مقلد اہل علم ہو۔ قرآن و حدیث کا ماہر ہو اور یہ یقین کرتا ہو کہ اس کا امام قرآن و حدیث کے خلاف دیدہ دانستہ فتویٰ نہیں دیتا تو اس صورت میں یہ تقلید شخصی قابل اعتراض نہ ہو گی۔ (الفقیہ نمبر ۱۳ مطبوعہ ۱۴ اپریل سنہ ۱۹۳۸ء)

عبدالقادر: ؎

آں مقلد صد دلیل و صد بیاں
بر زباں آرد ندارد ہیچ جاں

کوئی دانا اس مقلد ناداں سے دریافت کرے کہ بھلا جو شخص اہل علم قرآن و حدیث کا ماہر ہو وہ تقلید کیوں کرتا ہے۔ تقلید کے ثبوت میں تو احمق فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون آیت پیش کرتے ہیں۔ جس میں عدم علم کی شرط ہے اور یہاں اہل علم ماہر کو مقلد

بنا رہے ہیں ؎

اِیں چہ بوالعجبی است؟

امام طحاوی رحمہ اللہ کہتے ہیں: هل يقلد الاعصبي او غبي- (مفاتيح الاسرار والتراويح) یعنی "تعصب والے اور کند ذہن کے سوا کوئی شخص تقلید نہیں کرتا۔" تقلید کی تعریف ہی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو عالم ہے' وہ مقلد نہیں اور جو مقلد ہے وہ عالم نہیں جیسے ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں ؎

آں مقلد ہست چوں طفل علیل
گرچہ دار و بحث باریک و دلیل

بھلا یہ خوب کہی کہ یہ یقین کرتا ہو کہ اس کا امام قرآن و حدیث کے خلاف دیدہ دانستہ فتویٰ نہیں دیتا۔ کیا دیدہ دانستہ فتویٰ نہیں دیتا تو غلطی بھی نہیں کرتا؟ مقولہ مشہور ہے المجتهد يخطى ويصيب- یعنی "مجتہد کبھی خطا کرتا ہے اور کبھی درست کہتا ہے۔ جب فتویٰ محتمل ہوا تو اس سے استدلال اور اس کو حجت شرعی ماننا باطل ہوا۔ اسی واسطے امام صاحب نے خود فرمایا کہ حرام على من لم يعرف دليلى ان يفتى بكلامى- یعنی "جو شخص میرے کلام کی دلیل نہ پہچانے اس پر فتویٰ دینا حرام ہے"

فیاض: ائمہ اربعہ کے شاگردوں نے کمل بحث و تمحیص کے بعد معلوم کر لیا تھا کہ ان کے امام قرآن و حدیث کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں دیتے۔

عبدالقادر: تمہارے اس کلام سے ایک تو تقلید کی تردید ہو گئی کیونکہ تقلید کے معنی منجد ص-۶۸۷ میں یہ لکھے ہیں قلده فى كذا اى تبعه من غير تامل ولا نظر- یعنی "تقلید کے معنی ہیں کسی کی بات کو بغیر سوچے سمجھے مان لینا۔" چنانچہ شاگردوں نے اپنے اماموں کی بات کو بغیر سوچے سمجھے محض حسن ظن کی بناء پر نہیں مانا۔ بلکہ کمل بحث و تمحیص کے بعد مانا باقی رہا تمہارا یہ کہنا کہ "معلوم کر لیا کہ ان کے امام قرآن و حدیث کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں دیتے۔" یہ غلط ہے اور واقعات کے خلاف ہے۔ کیونکہ چاروں اماموں کے اکثر مسائل باہم مخالف و متضاد ہیں۔ کوئی ایک چیز کو حلال کہتا ہے اور کوئی حرام۔ مثلاً گھوڑے کو امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ حلال کہتے ہیں اور تمہارے امام حرام۔ گوہ کو ائمہ ثلاثہ حلال کہتے ہیں اور تمہارے امام حرام۔ سورۃ فاتحہ کو امام شافعی رحمہ اللہ مقتدی وغیرہ کے لیے فرض کہتے ہیں اور تمہارے امام

نہیں۔ تو یہ چار مذہب کیوں ہیں؟ اور باہم جھگڑے کیوں ہیں؟ الگ مصلے چار کیوں ہیں؟

دیگر یہ کہ ہر امام کے شاگرد اپنے امام کے مخالف ہیں۔ مثلاً امام ابوحنیفہ ؒ کے شاگرد ان کے مخالف ہیں۔ شرح درمختار جلد اول صفحہ ۵۰ میں ہے: فحصل المخالفة من الصاحبين في نحو ثلث المذهب۔ یعنی "امام کے دونوں شاگردوں امام ابویوسف اور امام محمد کی ایک تہائی مذہب میں امام جی سے مخالفت ہے۔" امام غزالی نے کتاب منخول میں دو تہائی بتلائی ہے۔ مقدمہ شرح وقایہ میں ہے: قال الامام الغزالي في كتابه المنخول انهما خالفا ابا حنيفة في ثلثي مذهبه۔ یعنی دونوں شاگردوں ابویوسف اور محمد نے دو تہائی مذہب میں اختلاف کیا ہے۔"

بعض فیاض ایسے ناواقف بے علم کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ فروعی اختلاف معمولی تھا حالانکہ اصولی تھا۔ چنانچہ علامہ تاج الدین سبکی ؒ طبقات سبکی جلد ۱، ص ۲۴۳ میں فرماتے ہیں: فانهما (اى ابا يوسف و محمدا) تخالفان اصول صاحبهما انتهى۔ یعنی "امام ابویوسف اور امام محمد دونوں شاگرد اپنے استاذ امام ابوحنیفہ کے اصول میں بھی مخالف تھے۔" اسی طرح مقدمہ شرح وقایہ میں اس امر کو تسلیم کیا گیا ہے۔ پس فیاض امرتسری کا قول باطل ہوا۔

اور اس تصریح سے ثابت ہوا کہ ان کے بڑے لوگ بھی غیر مقلد تھے جو اپنے امام کی بات بلا دلیل نہ مانتے تھے۔ معلوم ہوا کہ تقلید مروجہ تقلید کفار میں داخل ہے۔ اور شاگردوں کا طرز عمل سلف کے مطابق تھا گو بوجہ انسان ہونے کے ان سے کچھ خطا ہوئی۔

فیاض: شاگردوں نے وہی تعلیم جو اپنے اپنے استادوں سے حاصل کی تھی ممالک اسلامیہ میں پھیلائی۔

عبدالقادر: لیکن شاگردوں نے تقلید کی تعلیم نہیں دی۔ صاف کہا کہ لا يحل لاحد ان يفتي بقولنا مالم يعلم من اين قلنا۔ یعنی "ابویوسف، زفر وغیرہ نے کہا کہ کسی کو حلال نہیں ہے کہ ہمارے قول پر فتویٰ دے جب تک یہ خبر نہ ہو کہ ہم نے کہاں سے کہا ہے۔" (عقد الجید) یعنی دلیل تلاش کرے پس ان کا ذمہ پاک ہوا۔ مقلدین ان کے قول کو بلا دلیل نہ مانیں۔ سب کی دلیل معلوم کریں ورنہ فتویٰ حرام ہے۔

فیاض: ساری دنیائے اسلام مذاہب اربعہ کی تابعدار بن گئی۔

عبدالقادر: یہ جھوٹ ہے' کئی فرقے خود ائمہ کے وقت میں موجود تھے اور بعد میں بھی برابر رہے- چنانچہ کتب فقہ میں ان فرقوں کی ملونی ہے- اسی طرح ایک فرقہ اہلحدیث برابر ہمیشہ سے چلا آتا ہے- جیسے ہم ثابت کر چکے ہیں- تمہاری باتیں تو بغیر ثبوت کے اور پھیکی ہیں- جن میں ذرہ بھی تحقیق کی مٹھاس نہیں ہے-

فیاض امرتسری: یہی وہ فیصلہ ہے جو سلف صالحین نے مذاہب اربعہ کے متعلق دیا تھا کہ حقانیت ائمہ اربعہ کے مذاہب میں منحصر ہے- باقی مذاہب اس سے خالی ہیں-

عبدالقادر: مقدمہ عالمگیری اردو جلد ۱' ص ۸۶ ملاحظہ کرو- اس میں لکھا ہے کہ سلف صالحین سے مراد خصوصاً صحابہ ہیں اور عموماً صحابہ و تابعین ہیں- سو اگر تم مذاہب اربعہ کا وجود یا ان کی حقانیت کا فتویٰ ایسے سلف سے ثابت کر دو تو میں اقرار نامہ دیتا ہوں کہ آج ہی حنفی ہو جاؤں گا ورنہ بولو لعنۃ اللّٰہ علی الکاذبین- اور جو لوگ تمہارے زعم و گمان میں سمائے ہوئے ہیں' وہ علماء کی اصطلاح میں سب سلف صالحین کے مصداق نہیں ہیں- نیز یہ فتویٰ کہ "حقانیت مذاہب اربعہ میں منحصر ہے" کسی مجتہد کا نہیں ہے' مقلد کا ہو تو ہو- سو اس کا اعتبار نہیں ہے- نیز ساری دنیا کا علم محل ہے پھر فتویٰ کیسے دیا گیا- دیگر یہ کہ آنحضور ﷺ نے ایک فرقہ ناجیہ بتلایا' یہ تقسیم کیوں کی گئی؟ دیگر یہ کہ جب حقانیت ائمہ اربعہ کے مذاہب اربعہ میں منحصر ہوئی تو سوال یہ ہے کہ یہ حقانیت پوری کی پوری چاروں میں مل کر ہے یا ان میں سے الگ الگ انفرادی طور پر ہے- اگر چاروں میں مل کر ہے تو پھر چاروں پر عمل کرنا فرض ہوا- صرف ایک مذہب مثلاً حنفی پر عمل کیا گیا تو حقانیت حاصل نہ ہوئی' صرف چہارم حصہ کی حقانیت ملی-

اسی واسطے میزان شعرانی ص ۲۳ میں ہے: لا یکمل لمومن العمل بالشریعۃ کلھا وھو متقلد بمذھب واحد ابدا ۔۔ وھذا من ذلک المقلد عمی فی البصیرۃ عن طریق- یعنی "مومن کا عمل تمام شریعت پر کبھی نہیں ہو سکتا- (کیونکہ مقلد بہت سی احادیث کو امام کی مخالفت کی وجہ سے چھوڑے گا) یہ اس کا اندھاپن ہے طریق حق سے-"

ہاں چاروں پر بایں طور عمل کرے کہ جس کا مسئلہ دلیل شرعی سے مل گیا' مان لیا اور جس کا مخالف ہوا چھوڑ دیا- تو پھر عمل چاروں پر ہو سکتا ہے لیکن یہ حق چاروں میں علی سبیل الدوران ہو گا- یہ نہیں کہ ہر مسئلہ میں چاروں کا بیان متضاد حق ہو پھر تو حق و باطل

میں امتیاز نہ رہا' اگر چاروں انفرادی طور پر حق ہیں تو پھر مستقل طور پر چار متضاد حقوں کا وجود قائم ہوا حالانکہ حق ایک ہے۔ قرآن مجید میں ماذا بعد الحق الا الضلال وارد ہے۔ یعنی "حق کے مخالف گمراہی ہوا کرتی ہے۔"

پس ثابت ہوا کہ حق مذہب اہلحدیث ہے جس کو یا تو سب سے علیحدہ محض قرآن و حدیث میں مان لو یا ائمہ اربعہ کے ضمن میں بایں طور مان لو کہ سب کے مسائل پر تحقیقی نظر کرتے رہو۔ جس کا مسئلہ قرآن و حدیث کے مطابق ہوا' اس پر عمل کر لیا اور دوسرے کا چھوڑ دیا۔ ایک کی خصوصیت نہ رکھی جائے' تب بھی کامل شریعت پر عمل ہو جائے گا۔ ورنہ ایک کی تخصیص سے چوتھائی حصہ حقانیت کا ملے گا۔ مثلاً ایک روپیہ کی چار چوانیاں ہیں اور چار ریت کی ڈھیریاں کر کے ایک ایک چوانی ڈال دی جائے تو جو جماعت ایک ایک ڈھیری پر قابض ہو کر چوانی کی تلاش کر کے روپیہ پورا کر لے گی وہ پورے روپیہ کی مالک کہلائے گی۔ بس یہ اہلحدیث کا طریق ہے جس سے ائمہ اربعہ کے اقوال کی چھان بین کی جاتی ہے' فتذکر۔

فیاض: یہ خوب چال چلی کہ اہل سنت کا اجماعی اور متفقہ فیصلہ توڑ کر اپنی پارٹیوں پر چسپاں کر لیا۔

عبدالقادر: شاہ ولی اللہ صاحب عقد الجید میں فرماتے ہیں: وقد صح اجماع الصحابة کلهم اولهم عن أخرهم واجماع التابعین اولهم عن أخرهم واجماع تبع التابعین اولهم عن أخرهم علی الامتناع والمتع من ان یقصد احد الی قول انسان منهم او عن قبلهم فیاخذه کله۔ یعنی "بیشک تمام صحابہ کا اجماع اول سے آخر تک اور تابعین کا اجماع اول سے آخر تک اور تبع تابعین کا اجماع اول سے آخر تک اس بات سے روکنے اور منع کرنے پر ثابت ہو چکا ہے کہ کوئی شخص اپنے میں سے یا اپنے سابقین میں سے کسی انسان کے قول کی طرف رجوع کرے پھر اس کے تمام قول لے لے۔"

امام شوکانی رحمہ اللہ القول المفید میں فرماتے ہیں: قد علم کل عالم انهم (اهل القرون الثلاثة) لم یکونوا مقلدین ولا منتسبین الی فرد من افراد العلماء۔ یعنی "ہر عالم جانتا ہے کہ صحابہ و تابعین و تبع تابعین قرون ثلاثہ کے بزرگ کسی کے مقلد نہ تھے اور نہ کسی عالم کے نام کے مذہب کی طرف منسوب تھے۔"

اس سے ثابت ہو گیا کہ سلف صالحین اہل سنت کا اجماعی اور متفقہ فیصلہ منع تقلید شخصی

کا تھا۔ مقلدین اہل بدعت نے بعد از قرون ثلاثہ یہ خوب چال چلی کہ قرون مشہودلہا بالخیر کا اجماعی فیصلہ توڑ کر قرون مشہودلہا بالشر کا فیصلہ اپنی پارٹیوں پر چسپاں کر لیا۔ حالانکہ منار میں لکھا ہے: فلا قوی اجماع الصحابة نصا فانه مثل الایة والخبر المتواتر ثم الذی نص البعض وسکت عنه الباقون ثم اجماع من بعدھم۔ یعنی "زیادہ قوی صریح اجماع صحابہ کرام کا ہے جو آیت اور خبر متواتر کی طرح ہے پھر وہ اجماع سکوتی ہے کہ جس میں بعض صراحت کر دیں اور باقی خاموش رہیں۔ پھر اجماع بعد کے لوگوں کا ہے۔"

نیز یہ بھی یاد رہے کہ اجماع کی تعریف میں مجتہدین کی قید ہے جس سے مقلدین نکل گئے۔ پس مقلدین کا اجماع میں اعتبار نہیں ہے اور نہ کافروں کا اعتبار ہے۔ چنانچہ مسلم الثبوت میں لکھا ہے: لا عبرة بالکافر ولا بالمقلد فی الاجماع عند الاکثر ولو کان عالما۔ (ص ۲۲۰) یعنی "اجماع میں نہ کافر کی شرکت عدم شرکت کا اعتبار ہے اور نہ مقلد کا اگرچہ وہ عالم ہو۔"

دیکھو! علماء اصول نے مقلدین کو کافروں کے برابر رکھ دیا ہے اور ان کا اعتبار نہیں کیا۔ خواہ وہ عالم ہوں کیونکہ تقلید ان کو بے اعتبار کر رہی ہے۔ جب صحابہ کرام' تابعین اور تبع تابعین کا اجماع تقلید کے بطلان پر ہے تو ائمہ اربعہ کے بعد کے لوگوں کا جو مقلد تھے' اجماع میں کیا اعتبار ہے؟ پس انحصار مذاہب اربعہ کا باطل ہوا۔ نیز اجماع متاخر اجماع متقدم کا ناسخ نہیں ہو سکتا۔ نور الانوار میں ہے: کذ الاجماع عند الجمهور لا یصلح ناسخا بشئی من الادلة۔ یعنی "جمہور علماء کا یہ مذہب ہے کہ اجماع کسی شرعی دلیل کو خواہ وہ قرآن ہو یا حدیث یا اجماع منسوخ نہیں کرتا۔"

پس اس بناء پر بھی انحصار مذاہب کا ائمہ اربعہ میں صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ سابق اجماع تقلید شخصی کی ممانعت پر اور تعیین مذہب کے منع پر ہے۔ اور مذاہب اربعہ پر بقول خود مقلدین چہارم صدی میں اجماع ہوا۔ تو یہ اجماع موخر اجماع مقدم کا (جو سلف صالحین کا ہے) ناسخ نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اہل حدیث سلف صالحین کی روش پر ہیں۔ اور مقلدین عہد حاضرہ کے مقلدین کے فرضی اجماع پر ہیں۔ جن کے اجماع کا شرع میں اعتبار نہیں ہے۔

دیگر یہ بات بھی یاد رکھیں کہ صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کا اجماع سب کے نزدیک معتبر ہے اور ان کے بعد کا جو اجماع ہو وہ سب کے نزدیک معتبر نہیں ہے۔ تفصیل اس کی

معلومات میں ہے' یہاں مزید بحث کی گنجائش نہیں ہے۔

صاحب نور الانوار نے مذاہب اربعہ کے حصر کو خود بے اعتبار کر دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو نور الانوار ص-۲۴۳ مبحث الاجماع) جہاں کہا ہے والجواب عنه صعب۔

فیاض: یہ کتنا بڑا جھوٹ ہے کہ مذاہب اربعہ عامل بالقرآن اور عامل بالحدیث نہیں ہیں۔

عبدالقادر: ؎

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنہ پاکاں برد

نامہ نگار صاحب! آپ اپنی کور باطنی کا ثبوت دے رہے ہیں اور بزرگوں کی شان میں دریدہ دہنی کر کے فساق و فجار کی فہرست میں اپنا نام درج کرا رہے ہیں۔ ورنہ یہ بدیہی بات ہے کہ مذاہب اربعہ کے مقلدین انفرادی طور پر اپنے اپنے امام کی تقلید کرتے ہوئے عامل بالقرآن والحدیث نہیں بن سکتے۔ کیونکہ تمام احادیث ایک مذہب میں نہیں پائی جاتیں اور تمام مسائل ایک مذہب کے قرآن و حدیث کے موافق نہیں ہیں۔ چنانچہ مذاہب کا باہمی اختلاف اس کی دلیل ہے۔

کشف الغمہ ص-۳ میں امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: والمذهب الواحد بلا شك لا يحتوى على كل احاديث الشريعة- یعنی "ایک مذہب تمام احادیث شریعت پر حاوی نہیں ہو سکتا۔"

جب یہ ثابت ہوا تو اب ایک مذہب کے مقلدین یا تو دوسرے مذہب کی احادیث کو ان کی کتابوں سے لے کر تسلیم کریں گے اور ان کے مخالف مسائل کو ترک کریں گے یا نہیں کریں گے۔ اگر کریں گے تو غیر مقلد ہو کر اہلحدیث ہو جائیں گے۔ اگر نہ کریں گے تو عامل بالحدیث نہ ہونا لازم آئے گا۔ بتلاؤ! اس میں جھوٹ کون سا ہے؟ المرء يقيس على نفسه کی بناء پر دوسروں کو بھی جھوٹا سمجھتے ہو۔

فیاض: اس لیے ہم کہتے ہیں کہ حنفی مذہب کی تقلید کو تقلید کفار کے برابر سمجھنا یہ وہ بدعت ہے جو وہابیوں نے اس ملک میں رائج کی ہے۔

عبدالقادر: ؎

نامہ نگار "الفقیہ" میاں فیاض بے محابا ہو کر بات بات میں رنگ بدلتے، بس گھولتے ہیں اور دریدہ دہنی سے باز نہیں آتے۔ اور نہ ہی اپنی بے علمی پر شرم کرتے ہیں۔ اپنے قلم اور منہ سے جو چاہتے ہیں کہتے ہیں۔ اس پر کوئی دلیل یا کسی محقق کی شہادت پیش نہیں کرتے۔ سنو! اول تو تقلید سے نفرت کرنے اور اس کو برا سمجھنے کا نام بدعت رکھنا ہی خود بدعتیوں کی اصطلاح ہے۔ کل کو تم زنا کو برا سمجھنے کا نام بدعت رکھدو گے تو تمہاری جاہلانہ باتیں کون سنتا ہے۔ سنو! قرآن و حدیث کے موجود ہوتے ہوئے اس کے مقابلہ میں اماموں، اپنے پیروں اور مرشدوں کے اقوال و افعال، چال چلن کو لینا مشرکین عرب، یہود و نصاریٰ کا شیوہ تھا۔ جس کا ذکر قرآن میں صاف موجود ہے۔ یہی مقلدین کہتے ہیں اور کرتے ہیں۔

دیباچہ درمختار میں ہے: یفتی علی قول الامام مطلقًا۔ یعنی "ہمیشہ اور ہر حال میں امام کے قول پر فتویٰ دیا جائے گا" اور لکھا ہے: لا یفتی ویعمل الا بقول الامام الاعظم۔ یعنی "بغیر قول امام اعظم کے نہ کوئی فتویٰ دے اور نہ کوئی عمل کرے۔" کفار کے نزدیک ان کے آباء و اجداد کے چال چلن اور اقوال و افعال منتہائے بحث تھے اور مقلدین کے نزدیک منتہائے بحث امام کے اقوال ہیں۔ پس دونوں فریقوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ولا تتبعوا من دونہ اولیاء کی دونوں نافرمانی کرتے ہیں اور اتخذوا احبارھم الایہ کے دونوں مصداق ہیں ورنہ کسی دلیل سے فرق کر دیں۔

امام فخر الدین رازی ؒ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں: ان اللّٰہ ذم التقلید فمن دعا الی النظر والاستدلال کان علی وفق القراٰن ودین الانبیآء ومن دعا الی التقلید کان علی خلاف القراٰن وعلی وفاق الکفار۔ (جلد۱، ص۲۰۵) یعنی "تحقیق اللہ تعالیٰ نے قرآن میں تقلید کی مذمت کی ہے پس جس شخص نے نظر اور استدلال کی طرف بلایا، اس نے قرآن اور دین انبیاء علیہم السلام کی موافقت کی اور جس نے تقلید کی طرف بلایا اس نے قرآن کی مخالفت کی اور کفار کی موافقت کی۔"

اب بتلایئے! میاں فیاض صاحب! امام رازی ؒ وہابی بدعتی ہیں؟ یا مفسر اور محقق اہل سنت ہیں؟ اگر وہ محقق اہل سنت ہیں تو پھر اہل حدیثوں کو کس عداوت سے بدعتی کہتے ہو؟ ان کو بھی محققین اہل سنت تسلیم کر لو اور ذاتی اور مذہبی عداوت چھوڑ دو ورنہ یاد رکھو ؎

ہر کہ با فولاد بازو پنجہ کرد
ساعد سیمین خود را رنجہ کرد

خلاصہ یہ ہے کہ امام رازی کا فیصلہ اور واقعات کی بناء پر اہلحدیث قرآن اور دین انبیاء کے موافق ہیں فللّٰہ الحمد۔ اور مقلدین جو تقلید کے حامی ہیں' قرآن اور دین انبیاء کے مخالف ہیں اور کفار کے موافق ہیں۔ نعوذ باللّٰہ منہم۔

فیاض امرتسری: اب بھی ہندوستان کے علاوہ دیگر ممالک میں یہی اصول تسلیم کیا جا رہا ہے اور وہابی فرقہ کو ایک بدعتی فرقہ خیال کیا جاتا ہے۔

عبدالقادر حصاری: یہ بھی جھوٹ اور افتراء ہے ؎

باندھی ہے سب نے زیر فلک جھوٹ پر کمر
شاید بگڑ گیا ہے کہیں پاٹ نیل کا

مذہب اہل حدیث کو کسی ملک میں بدعتی خیال نہیں کیا گیا۔ ملک ہندوستان میں اہلحدیث کو اسلامی فرقہ تسلیم کیا گیا ہے اور گورنمنٹ ہند نے باتفاق رائے لفظ "وہابی" کا استعمال آئندہ سرکاری خط و کتابت میں ممنوع قرار دے دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو مراسلہ نمبری-۱۷۵۸' مورخہ ۳/ دسمبر سنہ-۱۸۸۹ء) دیگر ممالک میں بھی کوئی حکومت اہلحدیثوں کو بدعتی قرار نہیں دیتی کیونکہ ان کا عقیدہ اور عمل سنت کے مطابق ہے جو شخص ایسا دعویٰ کرتا ہے' اس کے ذمے ثبوت لازم ہے۔ ہاں اہل بدعت کے اغواء سے کسی حکومت اہل بدعت نے اہل حدیث کو برا جانا تو اس سے کچھ حرج نہیں۔ کیونکہ حکومت اگر خلاف شرع کرے تو اس کا فعل کون مانتا ہے۔ وہ بھی تو حکومت ہی تھی جس نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو قید کر دیا تھا' فتامل فیہ۔

فیاض امرتسری: ہندوستان میں مذہب سازی کا آغاز وہابیوں نے ہی کیا ہے۔

عبدالقادر حصاری: تو پہلے ہندوستان میں حنفی تھے یا اور مذہب کے لوگ؟ اگر حنفی تھے تو پھر وہی بگڑ کر (علیٰ زعمکم) "وہابی" ہو گئے۔ "امام الزمان" ہو گئے۔ "مسیح موعود" یا "نبی وقت" ہونے کا بھی دعویٰ کر دیا۔ مگر مقلدین اہل بدعت یاد رکھیں کہ ان تمام "مذاہب باطلہ" کے ذمہ دار آپ ہیں۔ کیونکہ پہلے حنفی موجود تھے پھر وہ خراب ہو کر دوسرے مذاہب میں چلے گئے۔ پس تمام مذاہب باطلہ کا مخرج اور منبع حنفی مذہب ہے۔ سچ ہے ؎

بد نہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سنے
ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

یہ تو الزامی جواب تھا' تحقیقی یہ ہے کہ اہل حدیث قدیمی مذہب ہے۔ اگر اس سے بگڑ کر لوگ مذاہب باطلہ میں چلے گئے تو وہ قرآن و حدیث کو چھوڑ کر اہل ہوا ہو کر رہ گئے۔ اس سے مذہب کا کیا قصور! اول آدم اور ثانی آدم اہل اسلام تھے۔ ان سے پیدا ہونے والے لوگ اگر اہل کفر ہو گئے تو قصور کس کا؟ سوچ کر جواب دیں۔

فیاض: وہابیوں کی تیسری بدعت حنفی مذہب کی توہین۔

عبدالقادر: یہ تمہارا اپنا قیاس ہے جو معلم الملکوت کی تعلیم سے ملا ہے۔ تمہارے معنوی معبود نے تو یہ فرمایا ہے کہ بدعتیوں کے تہتر (۷۳) فرقے ہیں۔ بہتر (۷۲) گمراہ بدعتی ہیں جن میں ایک حنفیہ کا ہے جو مقلدین نعمان بن ثابت ہیں اور بدعتیوں کی پہچان یہ ہے کہ وہ اہلحدیث کی برائی کرتے ہیں۔ (غنیہ) اور قسم قسم کے نام رکھتے ہیں۔ حالانکہ ان کا نام اہلحدیث ہے اور ان کے نام اسی عداوت پر مبنی ہیں جس عداوت کی بناء پر کفار آنحضرت ﷺ کو ساحر' شاعر' مجنون وغیرہ کہتے تھے۔ حالانکہ آپ کا نام محمد اور احمد ﷺ تھا۔

حدیث مذاہب اربعہ اور فیاض کی پریشانی: ناظرین! حدیث میں ہے نبی ﷺ نے ایک خط سیدھا کھینچا اور دو خط اس خط مستقیم کے دائیں جانب کھینچے اور دو خط اس کے بائیں جانب کھینچے۔ پھر اپنا دست مبارک خط مستقیم پر رکھا اور فرمایا یہ اللہ کا راستہ ہے اور یہ آیت پڑھی وان هذا صراطی مستقیما فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ یعنی "یہ ہے میرا سیدھا راستہ' اس کی پیروی کرو اور ان راستوں کی پیروی نہ کرو ورنہ تم کو سیدھی راہ سے جدا کر دیں گے۔ (سنن ابن ماجہ)

خطوط کا نقشہ حسب ذیل ہے:

خط مستقیم

مذہب نمبر۔۱ — مذہب نمبر۔۳
مذہب نمبر۔۲ — مذہب نمبر۔۴

(راہ راست پر ایک مذہب ہے)
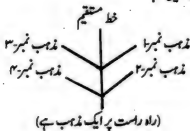
اس حدیث پر بحث

اس حدیث سے روز روشن کی طرح ثابت ہو رہا ہے کہ فرقہ ناجیہ ایک ہے اور وہی ہے جو خط مستقیم پر کھڑا ہے جس پر آنحضرت ﷺ کا ہاتھ ہے اور یہی اللہ کا راستہ ہے جس پر خود آنحضور ﷺ اور آپ کے صحابہ چلتے رہے جبکہ حنفی' شافعی وغیرہ مذاہب کا نام و نشان نہ تھا باقی چار راستے جو اس صراط مستقیم سے نکل کر ترچھے گئے ہیں' یہ چاروں گمراہ ہیں۔ اسی واسطے کسی اہل دل نے کہا ہے ؎

دین حق را چار مذہب ساختند
رخنہ در دین نبی انداختند

اب ہم تو کہتے ہیں کہ چار مذہب یہی حنفی' شافعی' مالکی' حنبلی ہیں جن کے مصلے کعبہ میں تجویز کئے گئے۔ خط مستقیم کو کعبہ خیال کر لو اور خطوط اربعہ کو مصلات اربعہ سمجھ لو تو بھی صاف نمایاں ہو جائے گا گویا یہ پیشگوئی تھی جو حرف بحرف ہو بہو پوری ہوئی۔

علاوہ اس حدیث کے دوسری حدیث میں ہے جس میں زیادہ خطوط کھینچے گئے ہیں۔ اس میں دیگر مذاہب باطلہ کی بابت پیشگوئی ہے۔ ایک حدیث میں چار کی تعیین کر دی اور دوسری میں نہیں کی۔ جس سے ثابت ہو رہا ہے کہ ایک میں چار مذاہب مقلدین کی بابت پیشگوئی ہے اور دوسری میں دوسرے مذاہب کی بابت ورنہ بتلاؤ کہ وہ چار مذہب علاوہ مقلدین کے اور کون سے ہیں اور ایک کون سا ہے؟ اگر خط مستقیم کا مصداق مذاہب اربعہ کو قرار دو تو یہ دو طرح واقعہ کے خلاف ہے۔ ایک تو وہ ایک ہے اور مذاہب چار ہیں۔ دوم آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام جو خط مستقیم پر چلنے والے تھے وہ نہ حنفی تھے' نہ شافعی تھے' نہ مالکی تھے اور نہ حنبلی تھے۔ ان کی ہیئت عملی قرآن و حدیث پر بلا تقیید مذہب عمل کرنا ہے اور ان چار مذاہبوں کی ہیئت عملی ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کے اقوال پر بالتعیین عمل کرنا ہے۔ پس دونوں فریق کے طرز عمل میں بعد المشرقین ہے۔ ہاں اہلحدیث کا طرز عمل عین سنت نبوی اور تعامل صحابہ کے موافق ہے پس یہی خط مستقیم پر قائم ہیں اور مذاہب اربعہ خطوط اربعہ کے مصداق ہیں۔ کیونکہ یہ تقلید کرنے سے خط مستقیم چھوڑ بیٹھے۔ تقلید شخصی کی پابندی سے انسان کبھی خط مستقیم پر قائم نہیں رہ سکتا۔

یہ ہمارے کہنے کی بات نہیں' علماء کی شہادت سنئے۔ تذکرۃ الحفاظ ص-۲۰۳ میں ہے۔ اہل الرائے کا طریقہ عمل ذکر کرتے ہیں: واعرضوا عما علیه السلف من التمسک بالاثار النبویة وظهر فی الفقهاء التقلید وتناقص الاجتهاد۔ یعنی "سلف کا طریقہ اہل الرائی نے چھوڑ دیا جو احادیث سے تمسک کرنے کا تھا اور فقہاء میں تقلید ظاہر ہو گئی اور طریقہ اجتہاد گھٹنے لگا"

تذکرۃ الحفاظ جلد-۲' ص-۱۱ میں ہے: فلقد تفانوا اصحاب الحدیث وتلاشوا او تبذل الناس بطلبه بهزء بهم اعداء الحدیث والسنة ویسخرون منهم وصار علماء العصر فی الغالب عاکفین علی التقلید والفروع من غیر تحریر لها۔ یعنی "اہل حدیث یکے بعد دیگرے مرتے گئے اور جو (بچے) حقیر سمجھے جاتے تھے۔ لوگوں نے علم حدیث کی نگہداشت چھوڑ دی اور حدیث و سنت کے دشمن ہو گئے (تقلید میں آکر ان کو جھٹلانے لگے) اور اہلحدیث کو ٹھٹھے اور تمسخر میں اڑانے لگے اور اس زمانہ کے اکثر علماء عملیات میں بغیر تحقیق کے تقلید پر جم گئے۔"

حجۃ اللہ میں شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں: فبعد هذه القرون کان ناس اٰخرون ذهبوا یمیناً وشمالاً انهم اطمانوا بالتقلید و دب التقلید فی صدورهم دبیب النمل وهم لا یشعرون لا یمیزون الحق من الباطل ظهرت هذه المذاهب ومتعصبوها من المقلدین فان احدهم یتبع امامه مع بعد مذهبه عن الادلة مقلد اله فیما قال کانه نبی ارسل وهذا نای عن الحق وبعد عن الصواب لا یرضی به احد من اولی الباب (جلد-۱ باب حکایة حال الناس قبل المائة الرابعة) یعنی "زمانہ قرون مشہودلها بالخیر کے بعد ایک دوسری قسم کے لوگ پیدا ہو گئے جو (سیدھے راستہ کو چھوڑ کر) دائیں بائیں نکل گئے۔ وہ تقلید پر مطمئن ہو کر بیٹھ گئے۔ تقلید ان کے دلوں میں چیونٹی کی طرح ہلکی چال سے گھس گئی۔ اور وہ بے سمجھ تھے (کہ تقلید کی وجہ سے) حق کو باطل سے تمیز نہیں کر سکتے تھے۔ یہ مذاہب (حنفی شافعی وغیرہ) اور سخت مقلدین پیدا ہوئے جو ہر حالت میں اپنے امام کے مذہب پر تقلیدی رنگ میں چلتے تھے باوجود دور ہونے مذہب امام کے دلائل شرعیہ سے گویا کہ وہ مقلدین اس امام کو نبی جانتے تھے سو یہ دین حق سے دور رہنے کی صریح علامت ہے ایسے رویہ کو کوئی عقلمند قبول نہیں کر سکتا۔"

بس اب مطلع صاف ہو گیا کہ مقلدین نے سلف کا راستہ چھوڑ دیا اور تقلید پر جھک پڑے اور راہ حق چھوڑ کر دائیں بائیں طرف چلے گئے اور اماموں کے پیرو بن گئے اور اماموں کی ایسی پیروی کرنے لگے کہ گویا ان کو نبی بنا لیا۔ سب مقلدین متعصبین کا یہی رویہ ہوا جس کو کوئی عقلمند قبول نہیں کر سکتا۔

اب ناظرین خود انصاف کر لیں کہ حدیث خطوط میں مذاہب اربعہ داخل ہیں یا نہیں؟ جو خط مستقیم کو چھوڑ کر دائیں بائیں چلے گئے' کسی ایک تاریخ دان' محقق' اہل سیر سے اہل بدعت یہ ثابت کر دیں کہ فرقہ اہل حدیث بدعتی ہے اور خط مستقیم سے جدا ہو کر دائیں بائیں طرف چلا گیا ہے۔ ہم نے تو ثابت کر دیا ہے' اب انصاف ناظرین کے ہاتھ میں ہے ؎

مسلمانو! ذرا انصاف سے کہو خدا لگتی

اب اس حدیث پر "فیاض" (نامہ نگار "الفقیہ") کی چیخ و پکار ذرا سن لو:

فیاض: وہابی اس کی تشریح یوں کرتے ہیں کہ وہابی مذہب خط مستقیم ہے اور مذاہب اربعہ ٹیڑھے خط ہیں مگر یہ بتائیں کہ حضور علیہ السلام کے وقت تو ٹیڑھے خطوں سے مراد یہود و نصاریٰ اور دہریہ یا مشرک اور مجوس وغیرہ تھے۔ مذاہب اربعہ اس وقت کہاں تھے؟

عبدالقادر: ؎

نوحہ گر باشد مقلد در حدیث
جز طمع نہ بود مراد آں خبیث

میاں فیاض صاحب خطوط اربعہ خط مستقیم سے نکلے ہیں اور خط مستقیم جس پر آنحضرت ﷺ نے دست مبارک رکھا یہ شاہراہ محمدی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ امت محمدیہ سے یہ راستے ٹیڑھے نکلیں گے۔ محدثین اس سے افتراق امت محمدیہ سمجھتے آئے ہیں۔ یہود و نصاریٰ وغیرہ فرقے اسلام سے خارج تھے۔ وہ آنحضور ﷺ سے پہلے کے موجود تھے۔ نیز وہ بیشمار یا کم از کم چار سے زائد تھے۔ اس حدیث میں چار مراد ہیں۔ المطلق یطلق علی اطلاقہ والمقید یطلق علی تقییدہ اصول کا قاعدہ مسلم ہے۔ آپ ایسے فرقے پیش کریں جو ملتے جلتے چار ہوں اور اسلام ہی کی شاہراہ سے جدا ہو کر چلتے ہوں اور دعویٰ اسلام کا کرتے ہوں۔ آپ کے پیش کردہ فرقے اسلام سے مطلقاً خارج ہیں جن کو سڑک محمدی سے کچھ لگاؤ نہیں ہے۔

باقی رہا آپ کا یہ سوال کہ مذاہب اربعہ اس وقت کہاں موجود تھے؟ تو عرض یہ ہے کہ یہ آئندہ کی پیشگوئی تھی جو پھر پوری ہوئی۔

فیاض: اگر نہیں تھے اور یقیناً نہیں تھے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے خطوط کھینچ کر کیسے تفہیم فرمائی تھی کہ ٹیڑھے خطوط سے مراد مذاہب اربعہ ہیں؟

عبدالقادر: بیشک مذاہب اربعہ آنحضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے وقت نہ تھے۔ اس کا تم کو بھی اقرار ہے' یہ فرقے بعد میں پیدا ہوئے۔ باقی رہا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خط کھینچ کر تفہیم کرانا' سو یہ آئندہ ہونے والے واقعات کی تفہیم تھی۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ موجودہ چیز کو ہی مثال دے کر نقشہ کھینچ کر سمجھایا جاتا ہے' آئندہ چیز کو نہیں بلکہ ہر چیز کو سمجھا سکتے ہیں بلکہ آئندہ آنے والی چیز کی بابت زیادہ سمجھانا پڑتا ہے کیونکہ وہ سامنے موجود نہیں ہوتی۔ اگر یہ فرقے سامنے موجود ہوتے تو پھر نقشہ کھینچ کر بتلانے کی زیادہ ضرورت نہ تھی۔ نقشہ اسی واسطے کھینچا گیا کہ یہ مذاہب اس وقت موجود نہ تھے' آئندہ آنے والے تھے۔ امت کو تفہیم کر دی کہ ان میں حق کو باطل کی تفہیم کر لینا۔ اس لیے محدثین اس حدیث کو فرقوں کی تردید میں نقل کر کے چلے آتے ہیں' فتأمل۔

فیاض: اگر یہ پیشگوئی تھی تو مذاہب اربعہ کی بجائے وہابیوں کے چار فرقے (ثنائیہ' غزنویہ' شریفیہ' محمدیہ) کیوں مراد نہیں لیے جا سکتے؟

عبدالقادر: آپ ایڑی سے چوٹی تک زور لگائیں اور تمام مقلدوں کو ساتھ ملا لیں اور جو مر گئے ہیں یا آئندہ آنے والے ہیں' ان کی روحوں سے بھی مدد لے لیں کبھی آپ اہل حق کا مقابلہ نہیں کر سکتے ؂

چراغے را کہ ایزد بر فروزد
ہر آنکس تف زند ریشش بسوزد

سنو! مقلدین کے تو چار فرقے مشہور ہیں جن کو دنیا کہہ رہی ہے کہ یہ چار ہیں اور تم خود بھی مان چکے ہو کہ مذاہب مقلدین کے چار ہیں۔ لیکن کیا کسی شخص نے اہل حدیث کے چار فرقے مستقل قرار دیئے ہیں؟ اور کیا یہ چار فرقے مستقل ہیں؟ اور کیا یہ اصولاً و فروعاً ثابت ہے کہ اہلحدیث مولوی ثناء اللہ صاحب یا سید محمد شریف صاحب یا مولوی محمد صاحب کی تقلید کرتے ہیں؟ اگر آپ دس بیس اہلحدیثوں سے یہ کہلا دیں کہ ہم فلاں مولانا صاحب

کے مقلد ہیں اور ان کے فتویٰ کو بلا دلیل شرعی حجت جانتے ہیں تو ہم بھی ان کو مقلد قرار دیں گے اور اہل حدیث مذہب سے خارج کر دیں گے ورنہ آپ کا الزام بہتان' جھوٹ' افتراء یقین کرلیں گے۔

بفرض محال اگر مان لیا جائے کہ ایسے لوگ ہیں جو ان علماء کی تقلید کر کے ان فرقوں میں منقسم ہو گئے ہیں اور اس طرح موسوم ہوئے کہ وہ حکم شرعی جانتے ہیں تو وہ بھی اہلحدیث مذہب سے خارج قرار دیئے جائیں گے اور دوسری حدیث کے ماتحت آئیں گے جو سبل متعددہ کے متعلق وارد ہے۔ چار سبیل والی حدیث تو مقلدین مذاہب اربعہ پر ہی چسپاں رہے گی کیونکہ ایک تو وہ اول ظاہر ہوئے' دوم بوجہ تقلید دائیں بائیں جانب ہو گئے' جن کے متعلق علماء نے شہادت دے دی ہے۔ سوم ان کا علم فقہ معین اور مروج ہے اور اہلحدیث کا عمل قرآن و حدیث پر ہے۔

تم نے مذاہب اربعہ کی تقلید کی برائی اب اس طرح کی ہے۔ اہلحدیث لوگوں کو بزعم خود چار فرقوں میں تقسیم کر دیا ہے حلانکہ نفس الامر میں ایسی بات نہیں ہے چونکہ تم لوگ دن رات تقلید کے نشہ میں مدہوش رہتے ہو' اس لیے چاروں طرف تم کو تقلید ہی تقلید نظر آتی ہے۔ موتیا والے شخص کو جو بوجہ مرض کے ایک چراغ کی دو یا تین لوئیں نظر آنے لگتی ہیں۔ حلانکہ حقیقت میں وہ ایک ہی ہوتی ہے۔ اسی طرح اہلحدیث ایک ہیں' ان کے اصول ایک ہیں' ان کی کتابیں ایک ہیں جو صحاح ستہ کے نام سے درس میں پڑھائی جاتی ہیں۔ ان کا طرز عمل ایک ہے پھر چار فرقے کس طرح بن گئے؟ یوں کوئی شخص ایک ایک فرد اور ایک ایک قبیلہ یا ہر جگہ کی ـــ جماعت کو فرقہ قرار دے تو اس کی کوئی زبان بند کر سکتا ہے؟ ایسے تو مقلدین میں ہزاروں' کروڑوں' پدموں' نیلوں فرقے بن جائیں گے۔ چنانچہ امجدیہ' حشمتیہ' نظامیہ' نثاریہ' دیداریہ وغیرہ دس بیس تو بریلوی فرقے ہی ہو جائیں گے حلانکہ سب قائل ہیں کہ ہمارا ایک فرقہ ہے۔ پھر اہلحدیث کے افراد جو جماعت ایک ہیں' کئی فرقوں میں منقسم کیوں کر دیئے؟

دیکھو! اہل حدیث علماء نے مولانا ثناء اللہ صاحب کے اعتقاد میں خرابی پا کر اور ان کی کتابوں میں غلطیاں معلوم کر کے ان پر فتویٰ لگا دیا کہ یہ مذہب اہلحدیث سے خارج ہیں۔ اسی طرح جس عالم کا فتویٰ غلط معلوم ہوا فوراً اس پر تعاقب کر دیا۔ چنانچہ ہمیشہ مسائل پر

تعاقب محمدی' اہل حدیث تنظیم وغیرہ میں درج ہوتے رہتے ہیں۔ پھر اہلحدیث لوگوں کو ان کے مقلد کیسے قرار دیا ہے؟

غرض یہ سب تمہاری خیانت ہے کہ اپنی فرقہ بندی پر اہلحدیث کی جماعت کو بھی قیاس کرتے ہو ورنہ اہلحدیث جماعت کئی فرقوں میں منقسم نہیں ہے کیونکہ باعتبار اصول کے ایک ہے۔ ہاں بعض مسائل فروعی میں اختلاف ہو تو یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی تھا۔ اس سے فرقہ بندی لازم نہیں آتی۔ یا کسی جماعت کا کسی عالم کے مسائل سے ہم خیال ہونا تم نے تقلید بنالیا ہے جو یہ بھی غلط ہے۔

علامہ جلال محلی نے جمع الجوامع کی شرح میں فرمایا ہے: واخذ قول الغیر مع معرفة دلیله فھو اجتھاد وافق اجتھاد القائل۔ یعنی "کسی قول کو دلیل کے ساتھ پہچان کر قبول کرنا یہ اجتہاد ہے جو قائل اول کے اجتہاد کے موافق ہے۔" پس اہلحدیث اپنے علماء سے مسائل بلادلائل لیتے ہیں اور صرف ایک ہی سے نہیں بلکہ جو عالم اہلحدیث مل جاتا ہے' اس سے پوچھ لیتے ہیں۔ سو یہ تقلید مابہ النزاع نہیں ہے۔ نیز یہ کیسا ستم ہے کہ آپ مردوں کی تقلید شخصی کرنے والے علماء زندہ کی اتباع کرنے والوں کو وہی الزام دیتے ہیں۔ بھلا زندے اور مردے اور زندوں سے مسئلہ پوچھنے والے اور مردوں کی لکیر کے فقیر رہنے والے برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ جو علماء زندہ ہیں ان سے تو تبادلہ خیالات بھی ہو سکتا ہے اور ہر قسم کا سوال بھی ہو سکتا ہے' برخلاف اس کے مردوں سے کچھ بات چیت نہیں ہو سکتی' فتدبر۔

فیاض: اور نہ علماء امت محمدیہ کا کوئی فیصلہ اس بدعت کی تائید کرتا ہے۔

عبدالقادر: علماء نے بالخصوص آپ کے مصنوعی معبود حضرت پیر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ حنفیہ فرقہ ہائے ضالہ میں داخل ہیں' سو یہ کافی ہے۔ علاوہ اس کے مقلدین کی کتابوں میں قدرت نے ایسا فیصلہ لکھوا دیا ہے جس سے اس امر کی تائید ہو گئی کہ مذاہب اربعہ بدعت ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے امام طحطاوی نے کہ سیدھا رستہ وہی ہے جو محدثین نے اپنی کتابوں میں جمع کر دیا ہے۔ پھر لکھا ہے: ھذا ھو الفارق بین الحق والباطل والممیز بین من ھو علی الصراط المستقیم وبین من ھو علی السبیل الذی علیه یمینه وشماله۔ یعنی "یہی وہ چیز ہے جو حق اور باطل کے درمیان فارق ہے اور تمیز کرتی ہے کہ کون سیدھے

راستہ پر ہے اور کون دائیں بائیں جانب چلنے والا ہے۔" سو اس امر میں کوئی شک نہیں ہے کہ صحاح ستہ پر اہلحدیث ہی کا عمل ہے اور وہی اس کو دن رات پڑھتے پڑھاتے ہیں اور یہی ان کی درسی کتابیں اور تعلیمی نصاب ہے۔ برخلاف ان کے مقلدین اپنے اماموں کی فقہ زیادہ پڑھتے ہیں خاص کر حنفیہ تو کتب فقہ ہدایہ' وقایہ وغیرہ زیادہ رٹتے ہیں۔ اور کتب صحاح محض تبرکاً یا اہلحدیث کو جواب دینے کے لیے پڑھتے ہیں۔ اصل ان کا عمل نہیں ہے۔ چنانچہ سابقاً ہم اس کے متعلق کچھ تفصیل کر چکے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ حنفیہ کے سرکردہ ہیں۔ انہوں نے اس اصول کو تسلیم کیا ہے اور بتا دیا ہے کہ محدثین کا طرز عمل عین صراط مستقیم پر مبنی ہے اور ان کے علاوہ جو طرز عمل ہے وہ دائیں بائیں ہے۔ پس اس سے فیصلہ ہو گیا کہ اہلحدیث صراط مستقیم پر ہیں اور مقلدین ان کے دائیں بائیں ہیں' فتذکر۔

ازالہ خرافات لہابیہ

بحث فرقہ ناجیہ

قول اہل بدعت: امت محمدیہ کا یہ فیصلہ معتبر کتابوں میں موجود ہے کہ فرقہ ناجیہ صرف اہل سنت والجماعت ہے۔ جو عہد رسالت سے چلا آرہا ہے اور جن کی تعلیم اور نشرواشاعت چار طریق پر ہوئی۔ باقی مذاہب باطل ہیں اور حقانیت صرف ان چار مذاہب میں ہی موجود ہے۔

اہل حدیث: دیکھو! تمہاری کلام کا پہلا حصہ بالکل درست ہے کہ علماء محققین کا یہی فیصلہ ہے کہ فرقہ ناجیہ اہل سنت والجماعت ہیں۔ لیکن ان کا دوسرا نام اہلحدیث ہے، جیسے کہ ہم پہلے غنیہ وغیرہ سے ثابت کر چکے ہیں اور انہی کا طرز عمل درست ہے کیونکہ عہد رسالت سے چلا آرہا ہے۔ باقی تمہاری کلام کا آخری حصہ بالکل باطل ہے کہ "حقانیت ان چار مذاہب میں ہے۔" کیونکہ چار مذاہب کا وجود عہد رسالت سے نہیں چلا بلکہ بعد میں پیدا ہوا ہے۔

تمہاری کلام میں تناقض ہے' تم نے نمبر۱۴ میں اول یوں لکھا ہے: "مذاہب اربعہ اس

وقت کہاں تھے؟" یہ استفہام انکاری ہے یعنی عہد رسالت میں مذاہب اربعہ موجود نہ تھے۔ پھر تم نے لکھا ہے۔ "فرقہ ناجیہ اہل سنت ہیں جو عہد رسالت سے چلا آرہا ہے۔" آگے لکھتے ہیں۔ "حقانیت چار مذاہب میں موجود ہے۔" یہ جملے باہم متناقض و متعارض ہیں جس کی تفصیل یہ ہے کہ فرقہ ناجیہ کی تعریف حدیث میں ما انا علیہ واصحابی وارد ہے۔ یہی تعریف اہل سنت والجماعت کی ہے۔

ملل و نحل مصری ص۵ میں ہے: قیل ومن اھل السنۃ والجماعۃ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما انا علیہ الیوم واصحابی۔ یعنی "صحابہ کرام نے دریافت کیا کہ اہل سنت والجماعت کون لوگ ہیں؟ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ لوگ ہیں جو آج کے دن میرا اور صحابہ کا طریقہ ہے' اس پر چلنے والے ہیں۔" یہی تعریف اہل بدعت کے معنوی معبود شاہ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے غنیہ میں کی ہے۔ اس تعریف کا مطلب صاف ہے کہ جس فرقہ کے عقائد و اعمال رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے مسلک کے موافق ہوئے وہ اہل سنت والجماعت ہیں۔ اب اس سے مقلدین ائمہ اربعہ فرقہ ناجیہ سے خارج ہو گئے کیونکہ مقلدین کے نزدیک تقلید ائمہ اربعہ کی اہل سنت کی ماہیئت میں داخل ہے۔ یعنی وہ یہ کہتے ہیں کہ اہل سنت وہ ہے جو مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب میں داخل ہو۔ یا یوں کہو کہ اہل سنت وہ ہے جو ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کا مقلد ہو۔ حلانکہ تعریف نبوی اور تعریف سلف صالحین میں تقلید ائمہ اربعہ کا ذکر تک نہیں ہے۔ بلکہ دو ہی جزء ہیں' رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم۔ اب اور چیز کی گنجائش نہیں ہے کہ تعریف کی ماہیئت میں داخل ہو جائے۔ اگر کوئی داخل کرے گا تو وہ اہل سنت نوع دیگر بن جائے گا۔ کیونکہ ماہیئت کے بدلنے سے نوعیت بدل جاتی ہے۔

پس جو شخص تعریف نبوی میں کسی اور چیز کو داخل کرتا ہے وہ تحریف کرتا ہے جو ناقابل اعتبار ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ مقلدین کے مذاہب میں حقانیت نہیں ہے کیونکہ ان کے مذہبوں کی نوعیت بدل گئی ہے۔ اسی واسطے تم نے اہل سنت کی بابت تو یہ کہا ہے کہ "یہ فرقہ عہد رسالت سے چلا آرہا ہے" اور مذاہب اربعہ کی بابت یہ کہا ہے کہ "یہ اس وقت کہاں تھے؟" سو اس سے ہماری تائید ہو گئی کہ مذاہب اربعہ اس لائن پر نہیں ہیں جس پر آنحضرت ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم تھے۔ ان کا وجود بعد میں قائم ہوا۔ لیکن تمہارا یہ کہنا کہ

حقانیت چار مذاہب میں ہے' یہ باطل ہوا۔ کیونکہ حقانیت سنت اور جماعت میں ہے جو عہد رسالت میں موجود تھیں۔ مذاہب اربعہ کی ہیئت سنت اور جماعت سے الگ ہے۔ اسی واسطے اہل سنت کی یہ تعریف کسی جگہ لکھی ہوئی نہیں کہ اہل سنت وہ ہے جو مذاہب اربعہ میں داخل ہو۔ اگر اس طرح تعریف کی جائے تو تابعین' تبع تابعین' ائمہ مجتہدین اور ائمہ محدثین سب اہل سنت والجماعت سے خارج ہو جائیں گے۔ حلانکہ وہ بلااتفاق اہل سنت فرقہ ناجیہ میں داخل ہیں۔ گو وہ حنفی' شافعی' مالکی' حنبلی نہ تھے کیونکہ ان مذاہب کا وجود ان بزرگوں کے بعد قائم ہوا ہے۔ جبکہ تقلید شخصی پھیل گئی تھی۔ چنانچہ اس کی ہم پہلے تفصیل بیان کر چکے ہیں۔

اگر کوئی یہ کہے کہ اہل سنت وہ ہے جو چاروں اماموں کے مذاہب میں داخل ہے کیونکہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ فرقہ ناجیہ آج مذاہب اربعہ میں مجتمع ہو گیا ہے جو حنفی' شافعی' مالکی' حنبلی کے نام سے مشہور ہیں جو ان سے خارج ہے وہ بدعتی جہنمی ہے! تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ازخود ایسا نہیں کہا بلکہ علامہ ممدوح نے کتاب تبیین المحارم سے کسی نامعلوم شخص کا قول نقل کیا ہے۔ (دیکھو جلد رابع ص-۱۵۳ کتاب الذبائح) پھر اس کی تردید بایں طور کر دی ہے کہ فرقہ اہل حق وہ ہے جو طریق محدثین پر ہے۔ جیسے کہ صحاح ستہ میں درج ہے۔

مطلب علامہ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ہے کہ چاروں مذاہب میں سے ہر ایک فرقہ ناجیہ نہیں ہے کیونکہ اس طرح سے فرقہ ناجیہ کی نوع بدلتی ہے جس سے سلف صالحین فرقہ ناجیہ سے خارج ہوتے ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مفہوم اہل سنت ہے جو چاروں میں دائر سائر ہے اور اس میں ایک کا التزام نہیں' سو یہ بعینہ مذہب اہل حدیث کا ہے۔ پس حقانیت مذاہب اربعہ میں علی سبیل الدوران موجود ہے۔ ہر ایک مذہب میں پوری حقانیت کا وجود نہیں ہے ورنہ مذاہب اربعہ کا باہم اختلاف و نزاع نہ ہوتا اور مصلات اربعہ تجویز نہ کیے جاتے۔ نیز ایک مذہب کی تعیین و تقیید سے روش نبوی و طریقہ صحابہ میں غیریت پیدا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ان کے طریقہ میں تقیید و تعیین مذہب نہ تھی کما ذکرناہ سابقاً۔ لہذا پوری حقانیت مذاہب اربعہ میں علی سبیل الافراد نہیں ہے۔

اب فیصلہ علماء امت کا ہم سے سنیں کہ انہوں نے فرقہ ناجیہ کی تعریف کیا کی ہے؟ اور

اس کا مصداق کس کو قرار دیا ہے۔ کچھ تفصیل ہم پہلے کر چکے ہیں' مزید مناسب موقعہ کے یہ ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں: الفرقۃ الناجیۃ ھم الاخذون فی العقیدۃ والعمل جمیعا بما ظھر من الکتاب والسنۃ وجریٰ علیہ جمھور الصحابۃ والتابعین الخ۔ یعنی "فرقہ ناجیہ وہ لوگ ہیں جو عقیدہ اور عمل سب کو قرآن و حدیث کے ظاہر دلائل سے لیتے ہیں۔ جن پر جمہور صحابہ و تابعین کا تعامل تھا۔" اور غیرناجیہ کی تعریف یہ کی ہے کہ جو سلف صالحین کے خلاف عقیدہ اور عمل رکھتے ہیں اور نیا عقیدہ و عمل اختراع کرتے ہیں۔

امام ابو محمد ابن حزم جلد ثانی الفصل فی الملل والنحل میں فرماتے ہیں: اھل السنۃ الذین نذکرھم اھل الحق ومن خالفھم فاھل البدعۃ فانھم الصحابۃ رضی اللہ عنھم وکل من سلک نھجھم من خیار التابعین رحمۃ اللہ علیھم ثم اصحاب الحدیث ومن اتبعھم من الفقھاء جیلا فجیلا الی یومنا ومن اقتدیٰ بھم من العوام فی شرق الارض فی عزبھا۔ یعنی "اہل سنت جن کو ہم اہل حق کہتے ہیں اور ان کے خلاف چلنے والوں کو اہل بدعت کہتے ہیں' وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں پھر تابعین ہیں جو ان کی روش پر چلے' پھر اہل حدیث ہیں اور وہ فقہاء جو ان کے تابعدار ہوئے ہمارے زمانہ تک اور وہ عوام الناس جو مشرق و مغرب میں ان کے راستہ پر چلنے والے ہیں۔"

ایک جگہ حجتہ اللہ میں شاہ ولی اللہ صاحب نے فرمایا ہے: اختار قوم ظاھر الکتاب والسنۃ وعضوا بنو اجذھم علی عقائد السلف ولم یبالوا بموافقھا للاصول العقلیہ ومخالفتھا ــ وھم اھل السنۃ۔ یعنی "ایک قوم نے ظاہر قرآن و حدیث کو مضبوط کر کے پکڑ لیا ہے اور وہ اصول عقلیہ کی موافقت و مخالفت کی پرواہ نہیں کرتی وہ اہل سنت ہیں۔"

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ منہاج السنۃ جلد اول میں فرماتے ہیں: ھو السنۃ المحضۃ لانہ ھو الاعتقاد الثابت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ یعنی "اہل حدیث کا اعتقاد محض حدیث نبوی ہے کیونکہ وہ اعتقاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو چکا ہے۔"

محمد بن سلیمان رحمہ اللہ اپنے رسالہ سفینہ میں فرماتے ہیں: فالفرقۃ الواحدۃ ھی المتبعۃ للسنۃ وآثار الصحابۃ کما یشھد بہ لفظ الحدیث وان ادعی کل فرقۃ انھا الناجیۃ۔ یعنی "فرقہ ناجیہ ایک ہے اور وہ وہی ہے جو حدیث نبوی اور آثار صحابہ کی پیروی کرنے والا ہے۔ لفظ حدیث اسی تعریف کے شاہد ہیں۔ اگرچہ ہر فرقہ مدعی ہے کہ میں ناجیہ ہوں۔" (لیکن

الفاظ حدیث اس کے شاہد نہیں ہیں)

ان تعریفوں سے روز روشن کی طرح ثابت ہوا کہ اہل حدیث فرقہ ناجیہ ہے اور اس کے سوا سب اہل بدعت ہیں- خاص کر بریلوی فرقہ تو خود حنفیہ کے نزدیک بھی فرقہ ناجیہ میں داخل نہیں ہے بلکہ کافر ہے کیونکہ ان کے عقائد باطلہ مذاہب اربعہ کے بھی خلاف ہیں- مثلاً ان کا عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو زندگی اور موت کے بعد ہر حالت میں کلی علم غیب حاصل تھا حنفیہ کہتے ہیں کہ ایسا شخص کافر ہے- چنانچہ فتاویٰ قاضی خاں جلد-۴ میں ہے: فقال الرجل والمراة خدا ورسول را گواہ کردیم قالوا یکون کفرا لانہ اعتقد ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یعلم الغیب وھو ماکان یعلم الغیب حین کان فی الاحیاء فکیف بعد الموت- یعنی "جو شخص مرد عورت یہ کہے کہ ہم نے اپنے نکاح میں اللہ اور رسول کو گواہ کیا تو علماء حنفیہ نے کہا ہے کہ وہ کافر ہوا- کیونکہ اس نے اعتقاد کیا کہ آنحضرت ﷺ غیب جانتے تھے حالانکہ جب حضور ﷺ زندگی میں غیب نہ جانتے تھے تو موت کے بعد کیونکر جانتے ہوں گے-"

ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں: وذکر الحنفیۃ تصریحًا بالتکفیر باعتقاد ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یعلم الغیب- یعنی "علماء حنفیہ نے صاف کہا ہے کہ جو کوئی نبی ﷺ کی نسبت علم غیب کا اعتقاد کرے وہ کافر ہے-"

اہل سنت والجماعت اور مذاہب اربعہ کا حسب نصوص قطعیہ متفقہ فیصلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا علم غیب بھی کسی کو نہیں ہے- جو شخص غیر کے لیے اعتقاد کرے وہ کافر ہے- پس تمام اہل اسلام کے نزدیک فرقہ بریلویہ کافر خارج از اسلام ہے- نہ ان کا کچھ دخل مذاہب اربعہ میں ہے اور نہ اہل حدیث میں ہے- ہاں ہم مقلدین مذاہب اربعہ کے مقابلہ میں بھی یہی کہتے ہیں کہ وہ بوجہ تقلید شخصی کے اور مذہب معین کی مجموعی ہیئت کے اہل سنت فرقہ ناجیہ سے خارج ہیں- اہل سنت فرقہ ناجیہ کے مصداق الحدیث ہی ہیں جو ٹھیٹھ اسلام پر قائم ہیں اور بغیر کسی تقیید کے کھلے قرآن و حدیث پر چلتے ہیں-

توالی التاسیس میں ہے: قال الشافعی کل متکلم بالکتاب والسنۃ فھو الحق وما سواہ ھذیان وقال المویطی سمعت الشافعی یقول علیکم باصحاب الحدیث فانھم اکثر صوابا من غیرھم- یعنی "امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو کوئی قرآن و حدیث کے ساتھ کلام کرنے والا ہے وہی حق پر ہے اور سوا اس کے بیہودہ ہے-

سواد اعظم کون سی جماعت ہے؟

کثرت افراد کا شریعت میں اعتبار نہیں

گزشتہ اقساط سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ مقلدین مذاہب اربعہ فرقہ ناجیہ نہیں ہیں بلکہ اہل بدعت ہیں، جنہوں نے قرآن و حدیث و طریقہ سلف و ائمہ اہل سنت کی طرف سے آنکھیں بند کر کے چار مذہب بنا لیے ہیں۔ نہ اس پر کوئی دلیل شرعی ہے نہ اماموں کا حکم ہے۔ اگرچہ تمام ممالک میں مقلدین کی کثرت ہے لیکن تاہم یہ بوجہ تقلید شخصی کے اہل باطل ہیں۔ باطل مذہب کی بہت جلد ترقی ہوتی ہے کیونکہ القلب العلیل یمیل الی الا باطیل یعنی ۔

ہرچہ گیرد ملے علت شود
کفر گیرد کاملے ملت شود

حق کو دلائل شرعیہ سے جانچنا چاہیے، کثرت سے نہیں جانچنا چاہیے۔ فتاویٰ عالمگیری باب ادب القاضی میں ہے۔ لا تعتبر کثرۃ العدد فالواحد قد یوفق لصواب مالا یوفق الجماعۃ۔ یعنی "کثرت عدد کا شرع میں اعتبار نہیں ہے کیونکہ ایک کو کبھی حق کی وہ توفیق ملتی ہے جو جماعت کو نہیں ملتی۔" یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔

شیخ محب اللہ مسلم الثبوت میں فرماتے ہیں وربما کان الحق مع الاقل یعنی "بہت دفعہ حق اقل کی جانب ہوتا ہے۔" اس کی شرح مولانا بحر العلوم فرماتے ہیں۔ الحاصل ان الحق ربما کان مع الاقل وکثرۃ الاشخاص لا یستلزم کثرۃ العدول والمجتھدین۔ یعنی "حاصل کلام یہ ہے کہ حق بہت دفعہ اقل کے ساتھ ہوتا ہے، کثرت اشخاص کی عادلوں اور مجتہدوں کی کثرت کو مستلزم نہیں ہے۔" جیسے حنفی مذہب

کی کثرت ہے لیکن علم حدیث سے ان کا شغل کم رہا اور اجتہاد ان میں صدیوں سے ختم ہو چکا ہے۔ (ملاحظہ ہو رسالہ انصاف)

منتخب کنزالعمال جلد-۲' ص-۳۱۵ میں ہے۔ قیل لعلی من اهل السنة قال المتمسکون بما سنة الله لهم ورسوله وان قلوا - یعنی "حضرت علی ﷜ سے دریافت کیا گیا کہ اہل سنت کون ہیں؟ فرمایا جو اللہ اور اس کے رسول کی سنت کو مضبوط پکڑنے والے ہیں اگرچہ وہ تھوڑے ہوں۔"

قرآن میں وقلیل من عبادی الشکور وارد ہے یعنی "میرے شکر گذار بندے تھوڑے ہیں۔" آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ولا تطع اکثر من فی الارض یعنی "اکثر لوگوں کی پیروی نہ کرو۔" ایک جگہ فرمایا قل لا یستوی الخبیث والطیب ولو اعجبک کثرة الخبیث یعنی "خبیث اور طیب برابر نہیں ہوتے۔ اگرچہ تجھ کو خبیثوں کی کثرت تعجب میں ڈال دے۔" اس سے ثابت ہوا کہ ممالک مختلفہ میں جو مقلد ہی مقلد نظر آتے ہیں ان کی کثرت سے تعجب نہیں کرنا چاہیے۔ یہ اہلحدیث کے مقابلہ میں کچھ وقعت نہیں رکھتے۔

بعض الناس جو یہ کہا کرتے ہیں کہ مقلدین کی جماعت "سواد اعظم" ہے اور حدیث میں سواد اعظم کی پیروی کرنے کا حکم ہے۔ سو یہ بھی ان کا فریب ہے۔ سواد اعظم سے مراد عدد اشخاص کی کثرت نہیں ہے بلکہ عظمت حق کی مراد ہے اور عظمت مرتبہ کی ہے۔ چنانچہ حدیث میں یوں ہے۔ کلهم علی الضلالة الا السواد الاعظم قالوا یارسول الله من السواد الاعظم قال کان ما انا علیه واصحابی (معجم کبیر للطبرانی) یعنی "آنحضرت ﷺ نے فرمایا سب فرقے گمراہی پر ہوں گے مگر سواد اعظم ہدایت پر ہوں گے۔ صحابہ نے پوچھا کہ سواد اعظم کون ہیں؟ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ اعظم بوجہ حق کے ہیں ورنہ ایک فرقہ ناجیہ بہتر فرقہ ضالہ کے مقابلہ میں لامحالہ کم ہے۔ باعتبار وحدت فرقہ کے بھی تو تعداد اشخاص کے بھی تو ضرور یہ عظمت بوجہ حق ہے۔ پس ثابت ہوا کہ سواد اعظم اہلحدیث ہے جو ما انا علیه واصحابی کا مصداق ہے۔

قول اہل بدعت "اور الزام دیتا ہے کہ ائمہ اربعہ نے معاذ اللہ حضور ﷺ کے مقابلہ میں اپنی اپنی چار شریعتیں جاری کی ہیں۔" (الفقیہ)

اہل حدیث یہ تمہارا سراسر جھوٹ ہے کہ اہل حدیث ائمہ اربعہ پر چار شریعتیں جاری کرنے کا الزام لگاتے ہیں۔ اگر سچے ہو تو ثبوت دو۔ صرف زبانی باتوں کا اعتبار نہیں۔ آپ کی تمام تحریر بے تاثیر اسی وجہ سے پر تقتیر ہے کہ اس میں نہ ثبوت ہے نہ صداقت۔ ہاں اہل حدیث یہ لکھتے ہیں کہ مقلدین نے چار اماموں کے نام کی شریعتیں مقرر کر دی ہیں۔ حالانکہ ائمہ روک گئے تھے۔

دین حق را چار مذہب ساختند
رخنہ در دین نبی انداختند!

دیکھو! تم نے لکھا ہے کہ تقلید ضروری ہے اور حقانیت مذاہب اربعہ میں ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ چار مذہبوں میں سے ایک مذہب معین کرنا واجب ہے۔ سو یہ نئی شرع نکالنی ہے' ہم تو کجا خود آپ کے علماء ہی کہتے ہیں۔ مسلم الثبوت مع شرح بحر العلوم میں ہے۔ اذ لا واجب الا ما اوجبه الله تعالٰی والحكم له ولم يوجب على احد ان يتمذهب بمذهب رجل من الائمة فايجا به تشريع شرع جديد۔ (ص-۳۲۸) یعنی "کوئی چیز واجب نہیں ہوتی مگر وہ چیز جس کو اللہ نے واجب کیا ہے کیونکہ حکم اسی کا چلتا ہے۔ اللہ تعالٰی نے کسی پر یہ واجب نہیں کیا کہ وہ اماموں میں سے کسی امام کا مذہب پکڑے' پس اس کو واجب ٹھہرانا نئی شرع نکالنا ہے۔"

دین کا مدار وحی الٰہی پر ہے۔ اس لیے وہ تو آنحضرت ﷺ پر بذریعہ وحی پورا ہو چکا تھا۔ ارشاد ہے الیوم اکملت لکم دینکم پھر بدعت کے معلم شیطان نے اپنے اولیاء کی طرف وحی کر کے تقلید جاری کر دی اور ان سے چار مذہب پورے کرا دیئے۔ شرعوالهم من الدين مالم ياذن به الله۔ ان کے لیے ایسی شریعت بنا دی جس کا اللہ تعالٰی نے حکم نہیں دیا۔ پس ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ قصور ائمہ اربعہ کا نہیں ہے' تیسری اور چوتھی صدی کے مقلدین کا ہے جو اب تک چلا آتا ہے۔

مسئلہ تلفیق

قول اہل بدعت: اپنے گھر کی خبر نہیں کہ اجاڑے خور بکری کی طرح کبھی شافعی مذہب کے مسائل پر عمل کرتے ہیں، کبھی حنفی مذہب کا فتویٰ جاری کر لیتے ہیں اور موقعہ پا کر حنبلی یا مالکی اصول پر بھی عمل پیرا ہونے سے دریغ نہیں کرتے۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں منافقین کا یہی طریقہ تھا۔ انتہی (الفقیہ ۱۴/ اپریل سنہ ۱۹۳۸ء)

اہل سنت: اہل بدعت ایسی مرض میں مبتلا ہیں جس کی نسبت کسی نے کہا ہے کہ ؎

فلاطوں کیا اگر عیسیٰ بھی اتریں چرخ چارم سے
مریض غم کسی صورت سے اچھا ہو نہیں سکتا!

فیاض صاحب ابھی تو چاروں مذاہب سے اہلحدیث کو خارج کر رہے تھے اور اب یہ الزام دے رہے ہیں کہ یہ کبھی شافعی مذہب پر عمل کرتے ہیں اور کبھی حنفی مذہب پر، کبھی مالکی پر اور کبھی حنبلی پر۔ میاں صاحب! ہوش میں آکر بات کرو! کیا اہلحدیث شافعی مذہب کا مسئلہ امام شافعی کی وجہ سے لیتے ہیں یا قرآن و حدیث کے موافق ہونے کی وجہ سے؟ اگر شق اول ہے تو پھر تمام مسائل بھی شافعی کو پسند کریں۔ اذ لیس فلیس۔ اگر شق دوم کا خیال ہے، اگر شق دوم ہے تو یہ بالکل درست ہے اور خود ائمہ کی وصیت کے مطابق ہے۔ پس ہر مذہب کا جو مسئلہ قرآن و حدیث کے موافق ہو گا وہی درست ہے۔

چنانچہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ حق چاروں مذاہب میں علیٰ سبیل الدوران ہے۔ ہر مذہب مجموعی ہیئت میں حق پر نہیں ہے بلکہ گمراہی پر ہے۔ ہم نے جب حق کی اتباع کرنی ہے تو وہی مسئلہ لیں گے جو حق پر ہو گا۔ کسی مسئلہ پر کسی خاص مذہب کا قبضہ نہیں ہے کہ وہ اسی کا ہو اور غیر کو اس کی پیروی حرام ہو۔ کیونکہ مسائل تو دین الٰہی کے ہیں، جن پر عمل کرنے کا سب کو حق ہے۔ اگر مسائل اور احادیث مذاہب اربعہ میں تقسیم ہو کر ہر ایک کے نام عدالت الٰہی سے رجسٹری ہو چکی ہیں تو اس کی سند یا کوئی دستاویز عدالت الٰہی کی منظور شدہ پیش کریں ودونہ خرط القتاد۔

نیز یہ بتاؤ کہ اہلحدیث اگر ایک مسئلہ ایک مذہب کا لے لیں اور دوسرا مسئلہ دوسرے مذہب کا لے لیں تو اجاڑے خور بکری کی طرح ہو جائیں۔ اگر مقلدین لے لیں تو وہ کیا ہو

جائیں گے؟ غور کر کے جواب دیں۔

سن لیجئے! شامی میں ہے: المقلد اذا قضی بمذھب غیرہ او بروایۃ ضعیفۃ او بقول ضعیف نفذ۔ یعنی "مقلد غیر کے مذہب پر یا روایت ضعیفہ یا قول ضعیف سے فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ نافذ ہو گا۔"

اب بتائیں کہ اس ـــ کا فیصلہ کیوں نافذ ہوا؟ دیگر سنئے! شاہ ولی اللہ صاحب نے انفاس العارفین میں اپنے والد کا حال لکھا ہے کہ وہ اکثر مسائل فروعیہ میں حنفی مذہب کے موافق تھے لیکن جب کسی مسئلہ میں حدیث سے یا وجدان سے حنفی مذہب کے خلاف کسی اور مذہب کو ترجیح اور قوت ہوتی تو اس صورت میں حنفی مذہب کو چھوڑ دیتے۔ ازاں جملہ ایک یہ ہے کہ آپ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتے تھے اور نماز جنازہ میں بھی سورہ فاتحہ پڑھتے تھے۔ (غیث الغمام)

نیز سنئے! شامی میں ہے: فی البزازیۃ انہ روی عن ابی یوسف انہ صلی الجمعۃ مغتسلا من الحمام' اخبر بفارۃ میتۃ فی بئر الحمام فقال ناخذ بقول اخواننا من اھل المدینۃ اذا بلغ الماء قلتین لم یحمل خبثا انتھی۔ یعنی "صاحب بزازیہ نے ابویوسف' امام ابوحنیفہ کے شاگرد سے نقل کیا ہے کہ امام ابویوسف نے جمعہ کی نماز حمام سے غسل کر کے پڑھی بعدہ ان کو معلوم ہوا کہ حمام کے کنوئیں میں چوہا مرا ہوا تھا۔ امام ابویوسف نے اس وقت فرمایا اب ہم اپنے بھائیوں مدینہ والوں کے قول پر عمل کرتے ہیں۔ وہ قول یہ ہے کہ جب پانی دو قلے ہو تو پلید نہیں ہوتا۔"

ظہیریہ میں ہے کہ ولم یکن ذلک مذھبہ۔ یعنی "یہ امام ابویوسف کا مذہب نہیں تھا۔"

قول سدید حنفیہ میں ہے: قد قلد عند الضرورۃ ولم یکن ذلک مذھبا لہ بل مذھبہ تنجس الماء القلیل فقد حصل التلفیق منہ وھو اولی حجۃ۔ یعنی "ابویوسف نے ضرورت کی وجہ سے اوروں کی تقلید کی ورنہ ان کا اپنا مذہب یہ نہ تھا بلکہ اس کا مذہب یہ تھا کہ پانی قلیل پلید ہو جاتا ہے۔ ابویوسف سے تلفیق ثابت ہوئی اور یہ تلفیق کے جواز کی پوری دلیل ہے۔"

اب بریلوی فرقہ بتلا دے کہ اماموں کے حق میں بے ادبی اور دریدہ دہنی کون کرتا ہے۔ اہلحدیث کرتے ہیں یا مقلدین؟ نیز یہ بھی بتلاؤ کہ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ اجاڑے خور بکری

ہوئے یا منافق یا نفس پرست؟ (نعوذ باللہ) جو کچھ چاہو کہو' ہم تو کچھ کہہ نہیں سکتے۔ ہاں یہ ہم کہنے کا حق رکھتے ہیں کہ اگر (نعوذ باللہ) امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ اجاڑے خور بکری یا منافق ہیں تو حنفی مذہب کا دارومدار نفاق اور اجاڑے خور بکری پر ہو گیا۔ اللہ ایسے مذہب اور ان کی کتابوں سے بچائے' آمین۔

اگر ابھی ہمارے ثبوت میں کچھ خامی ہے تو اور سنو! شامی میں ہے لو صلی یوما علی مذھب واراد ان یصلی یوما اخر علی غیرہ فلا یمنع منه۔ یعنی "اگر ایک شخص نے ایک دن ایک مذہب پر نماز پڑھی اور ارادہ کیا کہ دوسرے دن دوسرے مذہب پر نماز پڑھے تو اس سے منع نہیں کیا جائے گا۔"

کیوں بریلویو! اگر یہ کام اجاڑے خور بکری اور منافق کا ہے تو اس سے منع کیوں نہ کیا گیا؟ کیا تمہارے حنفی علماء مداہنت فی الدین کر رہے ہیں یا واقعی حق مسئلہ بتلا رہے ہیں؟ اگر شق اول ہے تو کتب حنفیہ کا اعتبار نہ رہا۔ جن کے مسائل مداہنت پر مبنی ہیں۔ اگر شق دوم ہے تو بریلوی کافر ہوئے جنہوں نے حق کو باطل قرار دیا' فتدبر۔

اور سنو! شامی ص-۷۷ میں ہے: العالم الذی یعرف معنی النصوص والاخبار وھو من اھل الدرایة یجوز له ان یعمل علیھا وان کان مخالفا لمذھبه۔ یعنی "جو عالم کہ آیات اور احادیث کے معنی کو معلوم کر لیتا ہو اور وہ اہل درایت سے ہو اس کو ان آیات اور احادیث پر عمل کرنا جائز ہے۔ اگرچہ وہ اس کے مذہب کے خلاف ہوں۔"

اے بدعتیو! بتلاؤ یہ عالم جو آیت و حدیث پر مذہب کے مخالف ہو کر عمل کرے گا' یہ چاروں مذہب کے مخالف کوئی راہ اختیار کرے گا یا چاروں میں سے ایک کسی کا؟ اگر شق اول ہے تو تم یہ کہہ چکے ہو کہ مذاہب اربعہ سے باہر حقانیت نہیں ہے۔ پھر تمہارا یہ قول باطل ہو جائے گا اور تم اپنی زبان سے کذاب قرار پاؤ گے۔ اگر شق دوم ہے تو یہ اجاڑے خور بکری کا حال ہے یا تم نفاق کہو۔

اور سنو! مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے: الامام محمد من ائمتنا یوافق الشافعی فی القراۃ خلف الامام فی السریة۔ یعنی "امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ہمارے اماموں میں سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اس مسئلہ میں موافق ہو گیا کہ سورۃ فاتحہ سری نمازوں میں امام کے پیچھے پڑھنی چاہیے۔ پہلے امام ابویوسف کو اجاڑے خور بکری بنایا۔ اب امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو بنا دیا۔

ابجد العلوم میں شیخ شمس الدین علوی مرزا مظہر جان جاناں عالم کی بہت تعریف کی ہے پھر لکھا ہے کان یری الاشارۃ بالمسبحۃ ویضع یمینه علی شماله تحت صلوۃ ویقولی قراۃ الفاتحۃ خلف الامام۔ یعنی "وہ شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنے کے قائل تھے اور دائیں ہاتھ کو بائیں پر سینے کے نیچے رکھتے تھے اور امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کو قوی فرماتے تھے۔" کیا یہ بھی اجاڑے خور بکری بن گئے تھے؟ افسوس! ان بریلویوں نے نہ کوئی عالم چھوڑا نہ غیر عالم' نہ صوفی چھوڑا نہ غیر صوفی' نہ مقلد چھوڑا نہ غیر مقلد' سب کو اجاڑے خور بکری بنا دیا۔

طبقات قاری میں عصام بن یوسف کی بابت لکھا ہے کان حنفیا یعنی "وہ حنفی تھے۔" پھر لکھا ہے کان صاحب حدیث یرفع یدیه عند الرکوع وبعد رفع الراس منه۔ یعنی "وہ محدث تھے' رفع الیدین رکوع کے وقت اور رکوع سے سر اٹھانے کے وقت کیا کرتے تھے۔" رفع الیدین کو بریلوی لوگ ایسا برا جانتے ہیں جیسے برہمن لوگ گائے کے گوشت کو۔ لیکن عصام بن یوسف رحمۃ اللہ علیہ باوجود حنفی ہونے کے کیا کرتے تھے؟ اس سے بھی بریلویوں کا یہ قول باطل ہو گیا' جو کہتے ہیں کہ کبھی کسی مذہب کا مسئلہ لینا کبھی کسی کا یہ اجاڑے خور بکری کا کام ہے۔

اب ہم شیخ ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ فتوحات مکیہ سے لکھ کر بریلویوں کو دندان شکن جواب دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: ان العبد اذا سلک مقامات القوم متقیدا بمذهب واحد لا یری غیرہ فلا بُد ان ینتهی به ذلک المذهب الی العین التی اخذ امامه منها اقواله وهناک یری ان جمیع القوال الائمة تعترف من بحر واحد فینفک عنه التقیید بمذهبه ضرورۃ ویحکم بتساوی المذاهب کلها خلاف ما کان یعتقده قبل ذلک انتهی۔ یعنی "جب بندہ ایک مذہب کے تابع ہو کر چلتا ہے تو اس وقت دوسرے مذہب کی بات پر خیال نہیں کرتا۔ اس کو ضرور ہے کہ اس سے باز رہے اور اصل ماخذ کو دیکھے جس سے امام نے اپنا قول اخذ کیا ہے اور اس کو معلوم ہو جائے گا کہ سب اقوال اماموں نے ایک ہی دریا سے لئے ہیں۔ اس سے گردن کا پٹہ دور ہو جائے گا اور وہ قید مذہب سے رہائی پائے گا اور سب مذاہب کو مساوی سمجھے گا برخلاف پہلے کے جو اعتقاد ایک مذہب کا رکھتا تھا۔"

خلاصہ تمام بحث کا یہ ہے کہ ہر مذہب سے مسئلہ اس طور پر لینا کہ جو دلیل شرعی کے

موافق ہو اس کو قبول کیا' دوسرے کو ترک کیا یہ محققانہ طریق ہے۔

امام ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ فتح القدیر میں عورتوں کی جماعت کو جائز تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں: فان المقصود اتباع الحق حیث کان۔ یعنی "اصلی مقصد حق کی پیروی کرنا ہے جہاں سے مل جائے۔" قرآن میں ہے: فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولئک الذین ھداھم اللہ واولئک ھم اولوا الالباب۔ یعنی "اے نبی! میرے ان بندوں کو خوشخبری دو جو باتیں سنتے ہیں پھر احسن کی پیروی کرتے ہیں' وہی ہدایت یاب اور عقلمند ہیں۔"

قول اہل بدعت: قرآن مجید میں بھی یوں مذکور ہے کہ جو کسی خاص مذہب کے پابند نہیں ہیں' وہ اسلام میں ایک نیا طریق پیدا کرنا چاہتے ہیں۔"

اہل سنت: جب عہد رسالت میں مذاہب اربعہ کا وجود ہی نہ تھا تو قرآن میں اس خاص مذہب کا ذکر کیسے آگیا؟ ہاں عہد رسالت میں فرقہائے ضالہ یہود' نصاریٰ' مجوس وغیرہ موجود تھے اور مشرکین بت پرست تھے۔ آنحضرت ﷺ نے دین حنیف کو اختیار کیا جو اس وقت کے تمام فرقوں سے الگ تھا۔ اس وقت کے فرقے یہ چاہتے تھے کہ یہ نبی ہمارے مذہب کو اختیار کرے لیکن جناب نبی ﷺ نے ان کے کسی فرقہ کو قبول نہ کیا اور اتباع وحی کرتے رہے۔ اس پر گمراہ فرقے آپ کو صابی کہتے تھے' جیسے آپ لوگ اہلحدیث کو "وہابی" کہتے ہو۔ اور صابی کا یہی مطلب تھا کہ کسی خاص مذہب میں نہ ہو اور سب سے جدا ہو کر اپنا مذہب جاری کرے۔ اسی لیے وہ آنحضرت ﷺ کو کہتے تھے کہ یہ نیا دین لے کر آیا ہے حالانکہ آپ کا دین منزل من السماء تھا جو شرک و بدعت سے پاک تھا۔

اہل بدعت: اس رائے عامہ کے خلاف اپنی اڑھائی اینٹ کی الگ مسجد بنانا کون سا اسلام ہے؟

اہل سنت: میاں فیاض صاحب نامہ نگار "الفقیہ" بعینہٖ اس شعر کا نمونہ ہے ؂

فسونہائے کج در دلہائے کج
میرود چوں کفش کج در پائے کج

جب علماء محققین صاف یہ کہہ رہے ہیں کہ تقلید حرام ہے اور مذہب معین کرنا قرون ثلاثہ کے بعد جاری ہوا ہے تو پھر رائے عام کی کیا وقعت رکھتی ہے۔ عوام تو کالانعام ہوتے ہیں اور یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ کافر اور مقلد کا اجماع میں اعتبار نہیں۔ سنو! تمہارے حنفی

علماء کہتے ہیں کہ ایک مجتہد معین کی تقلید پر کوئی عقلی و نقلی دلیل قائم نہیں ہے۔ چنانچہ طوالع الانوار حاشیہ درمختار میں ملا عابد سندھی لکھتے ہیں: ووجوب تقلید مجتهد معین لا حجة علیه لا من جهة الشریعة ولا من جهة العقل۔ اب یہ عام کی رائے خام قابل اعتبار نہیں ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ میں سواد اعظم کی بابت لکھا ہے: ان اعاظم الناس العلماء وان قل عددهم ولم یقل الاکثر لان العوام والجهال اکثرهم عدداً۔ (جلد۱' ص۔۲۰۶) یعنی "بڑے لوگ علماء ہیں اگرچہ ان کی تعداد کم ہو۔ حدیث میں اکثر کا لفظ نہیں آیا کیونکہ جہل اور عوام اکثر ہوتے ہیں' جن کا شرع میں اعتبار نہیں ہے۔"

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں۔ سواد اعظم وہ لوگ ہیں جو تبع کتاب و سنت ہیں: وان ما سواها لا یلتفت الیهم وان امتلا العالم منهم۔ یعنی "ان کے ماسوا پر التفات نہ کیا جائے خواہ تمام جہان ان سے بھر جائے۔"

بس یہی اہل بدعت کی رائے عامہ کی حقیقت ہے کہ وہ ناقابل التفات ہیں۔ نیز ایک یہ بات قابل غور ہے کہ تمام ممالک میں خواہ اہل حدیث ہوں یا مقلدین مذاہب اربعہ ہوں ان سب خاص و عام کی رائے یہ ہے کہ فرقہ بریلوی اپنے عقائد و اعمال کے لحاظ سے کافر و مشرک ہے۔ اب یہ فرقہ حنفی مذہب کا رہبر بن کر کھڑا ہوا ہے ؎

اذا کان الغراب دلیل قوم
سیهدیهم طریق الها لکینا

اہل بدعت : حضور علیہ السلام تو یوں فرمائیں کہ میری امت گمراہی پر کبھی متفق الرائے نہ ہو گی۔

اہل حدیث : حضور علیہ السلام کا فرمانا ہمارے سر آنکھوں پر ہے۔ فی الواقع آنحضرت ﷺ کی تمام امت نہ گمراہی پر متفق ہوئی' نہ اب ہے اور نہ آئندہ ہو گی۔ ان میں صرف ایک فرقہ ہمیشہ حق پر رہے گا۔ جس کا نام اہل حدیث ہے' اس کو اہل سنت بھی کہتے ہیں۔ باقی مقلدین اہل سنت نہیں ہیں' کیونکہ ان کے مذہب میں پوری سنت نہیں پائی جاتی۔ اس لیے یہ بہتر (۷۲) فرقوں میں شمار ہیں۔

اہل بدعت : مگر وہابی کہیں کہ مذاہب اربعہ کی حقانیت پر امت محمدیہ کا اجماع اور

اتفاق گمراہی ہے۔
اہل حدیث ؎

دل نے جس راہ لگایا تو اسی راہ چلا
وادی عشق میں گمراہ کو رہبر سمجھا

پہلے ثابت کیجئے کہ تمام اسلامی دنیا کا اجماع کس سنہ اور کس جگہ اور کن لوگوں کا اور کس دلیل کی بناء پر ہوا؟ جب تک تم یہ امور ثابت نہ کرو تمہارا دعویٰ اجماع ہی سرے سے باطل ہے۔ جب اللہ ایک' رسول ایک' دین اسلام ایک' قرآن ایک تو پھر شریعت کو چار مستقل حصے ٹھہرا کر آپس میں بانٹ لینے اور ہر مسلمان کے ذمہ ایک حصہ لازم ٹھہرا دینے پر محمدی امت کے مجتہدین کا کیسے اجماع ہو سکتا ہے؟ کیونکہ اجماع کے لیے سند کا ہونا ضروری ہے۔ تقریر شرح میں تحریر ہے: لا اجماع الا عن مستند ای دلیل قطعی او ظنی اذ مرا تبة الاستقلال باثبات الاحکام لیست للبشر۔ یعنی "اجماع بغیر دلیل کے نہیں ہو سکتا۔ دلیل خواہ قطعی ہو یا ظنی کیونکہ کسی آدمی غیر نبی کو مستقل طور پر یہ مرتبہ حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی حکم شرعی کو اپنی طرف سے جاری کر دے۔"

پھر تو اس اجماع کے داعی ثابت کریں پھر اجماع کا ہونا ثابت کریں۔ مقلدین کی یہ قدیمی عادت چلی آئی ہے کہ جب ان کو کسی زمانہ میں کسی مسئلہ کی بابت خلاف معلوم نہ ہو اجماع کا دعویٰ کر دیتے ہیں۔ یا اکثریت کو دیکھ کر دعویٰ کر دیتے ہیں۔ حلانکہ اجماع حقیقت میں وہاں نہیں پایا جاتا۔ علامہ مقری نے اپنے قواعد میں تحریر فرمایا ہے: حذر الناصحون من احادیث الفقہا واجماعات المقلدین۔ یعنی "نصیحت کرنے والوں نے منع کیا ہے کہ فقہاء کی احادیث کا جو وہ کتب فقہ میں درج ہے اور مقلدین کے اجماع کا کوئی اعتبار نہ کیا جائے۔"

کتب اصول میں صاف لکھا ہے کہ اگر ایک بھی اجماع کا مخالف ہوا تو اجماع منعقد نہ ہو گا۔ جبکہ امت محمدیہ اقطار و جوانب ہفت اقلیم میں منتشر ہے۔ تو پھر اس کے مجتہدوں کا اور ان کے کسی بات پر متفق ہونے کا علم کیسے ہو گیا؟ یہ تو محال عادی تھا اس لیے امام احمد نے ایسے لوگوں کے جواب میں فرمایا ہے کہ من ادعی الاجماع فھو کاذب۔ یعنی "جو اجماع کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے۔" دیکھو قرات خلف الامام میں صحابہ اور تابعین سے لے کر آج تک اختلاف چلا آتا ہے۔ جو سب علماء کو معلوم ہے لیکن ہدایہ والا کہتا ہے: وعلیہ اجماع

الصحابة۔ یعنی "قرات خلف الامام کے ترک پر صحابہ کا اجماع ہے۔"

اللہ داد جونپوری نے ھدایہ والے کی تردید کرتے ہوئے کہہ دیا کہ لو کان فیہ اجماع لکان شافعی اعرف بہ۔ یعنی "اگر قرات خلف الامام کے ترک پر اجماع ہوتا تو امام شافعی کو سب سے زیادہ علم ہوتا۔" چونکہ حنفی مذہب مختلف فرقہ ہائے ضالہ کی رائے اور قیاسی اقوال کا مجموعہ ہے' اس لیے کسی نے یہ ذاتی رائے دے دی کہ چار مذہبوں پر امت کا اجماع ہے۔ اجماع کے لیے ناقل کی ضرورت ہے۔

توضیح میں ہے: اما الناقل فکما ذکرنا فی السنۃ۔ یعنی "ناقل ہو' جیسے ہم نے حدیث کی بحث میں ذکر کیا ہے۔" اگر علی سبیل التنزیل تسلیم بھی کیا جائے کہ کسی زمانہ میں مقلدین کا اجماع ہو گیا تو یہ قرون ثلاثہ کے تین اجماعوں کا ناسخ ہو گا اور یہ کتب اصول میں مصرح ہے کہ اجماع نہ ناسخ ہو سکتا ہے اور نہ منسوخ ہو سکتا ہے۔ نیز یہ اجماع ہی باطل ہے جس سے قرون ثلاثہ کے اجماع کا رفع لازم آگیا۔ افسوس ہے کہ آج مقلدین کا یہ زعم باطل ہے کہ قرون ثلاثہ کی امت محمدیہ گمراہی میں جمع رہی' جنہوں نے کوئی مذہب معین نہ کیا حالانکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ وہ امن کے ساتھ رہے گی۔ ثم یفشو الکذب۔ "پھر جھوٹ پھیل جائے گا۔"

کیا یہ اللہ اور اس کے رسول اور سلف صالحین کا مقابلہ نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ کیا یہ حدیث نبوی ہر دو (حدیث عدم اجتماع امت برضلالت و حدیث شہادت بالخیر متعلقہ قرون ثلاثہ) کی تکذیب نہیں ہے؟ ہے اور ضرور ہے۔ جیسے کہ ہم اثبات کر چکے ہیں اور آئندہ انشاء اللہ واقعات سے ثابت کریں گے۔

اہل بدعت: کیا یہ صریح قرآن مجید کے خلاف نہیں ہے کہ تیرہ سو سال سے جو مسلمان مذاہب اربعہ کے پابند چلے آئے ہیں' ان کو ایک جاہل فرقہ اسلام سے خارج کر رہا ہے۔

اہل حدیث: تم زیور علم و عقل سے تو بے بہرہ ہو اور بد تہذیبی اور بد زبانی میں فاضل ہو

بے بصیرت نہ شناسد سخن کامل را
تلخ و شیریں بمذاق دل رنجور یکیست

نامہ نگار بڑا بے لگام ہو کر کس قدر سفید جھوٹ بولتا ہے کہ تیرہ سو سال سے مسلمان مذاہب اربعہ کے پابند چلے آئے ہیں۔ لعنة اللّٰہ علی الکاذبین۔ جو کچھ دل میں آیا اناپ شناپ گا دیا۔ اس بے علم نے تحقیق سے کام نہیں لیا۔ قرآن و حدیث کا علم تو ان میں پہلے ہی نہ تھا۔ تاریخ کا علم بوجہ تعصب اور ضد کے ضائع کر دیا۔ ان نادانوں کو یہ معلوم نہیں کہ واقعات کو کوئی شخص بدل نہیں سکتا۔

سنئے ہم حدیث سے ثابت کر چکے ہیں کہ تقلید شخصی چوتھی صدی میں ظاہر ہوئی۔ چہارم صدی سے پہلے کوئی شخص تقلید شخصی اور معین مذہب کا پابند نہ تھا۔ جب امام احمد جن کی طرف حنبلی فرقہ منسوب ہے۔ سنہ ۲۴۱ھ میں فوت ہوئے ہیں اور دوسرے تین امام ان سے پہلے۔ چنانچہ امام نعمان سنہ ۱۵۰ھ میں اور امام مالک سنہ ۱۷۹ھ میں اور امام شافعی سنہ ۲۰۴ھ میں تو پھر مذاہب اربعہ ائمہ اربعہ سے پہلے کیسے جاری ہو گئے؟ کیا بیٹا ماں سے پہلے پیدا ہو جایا کرتا ہے؟ شاید مقلدوں کے گھر خلاف دستور ماں سے پہلے پیدا ہوئے ہوں گے۔ کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ ہم مقلدوں میں اولیاء بہت ہوئے ہیں۔ شاید وہ اولیاء ماں سے اور باپ سے پہلے ہی بچے پیدا کر دیتے ہوں گے۔ ناظرین انصاف کریں ؎

پایاں نہیں جدال کا انصاف شرط ہے
ہے اصل بات اشتر گربگیں کا ضرط ہے

اب سنہ ۱۳۵۷ھ ہے۔ جب تیرہ سو سال سے مذاہب اربعہ کے مسلمان پابند ہوئے تو مذاہب اربعہ عہد صحابہ میں پائے گئے ــ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زمانہ سنہ ۱۱۰ھ تک ہے۔ آخری صحابی ابو طفیل رضی اللہ عنہ سنہ ۱۱۰ھ میں فوت ہوا ہے۔ حالانکہ خود حنفی علماء اپنی کتب میں لکھ چکے ہیں کہ چہارم صدی میں مذہب کی تعیین ہوئی ہے۔ اب بریلویوں نے ان کے خلاف یہ دعویٰ کیا ہے کہ تیرہ سو سال سے مذاہب اربعہ کے لوگ پابند چلے آئے ہیں۔

نہ پیروی قیس نہ فرہاد کریں گے
ہم طرز جنوں اور ہی ایجاد کریں گے

کیا مقلدین اسلام سے خارج ہیں؟

چونکہ نامہ نگار "الفقیہ" نے یہ جھوٹ بولا ہے کہ مذاہب اربعہ تیرہ سو سال سے جاری

ہیں' اس لیے اب ہم ان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ان کا تیرہ سو سال سے ہونا کسی دلیل سے ثابت کریں۔ ہم ان کو اسلام میں داخل کر لیں گے ورنہ ہمارے ساتھ مل کر سو دفعہ یہ کہیں لعنۃ اللّٰہ علی الکاذبین۔

سنئے! قرآن میں ہے: ان الذین فرقوا دینهم وکانوا شیعا لست منهم فی شئی انما امرهم الی اللّٰہ ثم ینبئهم بما کانوا یفعلون۔ یعنی "جنہوں نے راہیں نکالیں اپنے دین میں اور ہو گئے کئی فرقے۔ تجھ کو اے محمد! ان سے کچھ کام نہیں۔ ان کا کام اللہ کے حوالہ ہے' وہی ان کو جتا دے گا جو کچھ کارستانیاں وہ کرتے رہے۔"

اس آیت کی تفسیر خود رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمائی ہے: عن عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنه ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال لعائشة یاعائشة ان الذین فرقوا دینهم وکانوا شیعا هم اصحاب البدع واصحاب الاهواء لیس لهم توبة انا منهم بریء وهم منی براء۔ (رواہ الطبرانی مجمع الزوائد جلد۱' ص۱۷۵) یعنی "عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تحقیق رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اے عائشہ! بیشک جن لوگوں نے پھوٹ ڈالی دین میں اور وہ گروہ گروہ ہو گئے' وہ اہل بدعت ہیں جو خواہش کی تابعداری کرنے والے ہیں۔ ان کی توبہ منظور نہیں ہے۔ میں ان سے بیزار ہوں اور وہ مجھ سے بیزار ہیں۔"

اس آیت اور حدیث سے معلوم ہوا کہ مقلدین جو تقلید شخصی اور تعیین مذہب کو واجب جاننے والے ہیں' اسلام سے خارج ہیں اور اہل بدعت ہیں۔ کیونکہ انہوں نے دین میں پھوٹ ڈال دی ہے۔ شریعت میں چار مذہب بنا دیئے اور طریقت میں تو حساب ہی نہیں ہے۔ قادری' نقشبندی' مجددی' چشتی' نوشاہی وغیرہ مذہب مشہور ہیں۔ جن کے مختلف عقائد اور مختلف مسائل ہیں اور طرح طرح کی بدعات ان میں جاری ہیں۔ قرآن میں تو یہ حکم تھا کہ واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعا ولا تفرقوا۔ یعنی "سب اکٹھے ہو کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور فرقہ فرقہ نہ ہو۔" لیکن مقلدین نے اول تو تقلید فرض بنائی اور پھر مذاہب کی تعیین کر کے فرقہ فرقہ ہو گئے اور ہزاروں بدعتیں جاری کر دیں۔ سو یہ سب بدعتی ہیں جن کی بدعت حد کفر تک پہنچ چکی ہے اور وہ شرع محمدی کو چار حصوں میں تقسیم کرنا امر شرعی جانتے ہیں' اسلام سے خارج ہیں۔

نامہ نگار "الفقیہ" نے یہ مغالطہ دیا ہے کہ تیرہ سو سال کے مسلمانوں کو اسلام سے خارج کہتے ہیں۔ ہرگز نہیں، ہم مقلدین اہل بدعت کو خارج کہتے ہیں۔ چنانچہ مذہب معین کرنے والوں کی بابت خود قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے عمل بالحدیث میں لکھا ہے: فھذه طريق اهل البدع والاهواء الذين ثبت بالكتاب والسنة والاجماع انهم منمومون خارجون عن الشريعة۔ یعنی "ایک امام کا مذہب معین کرنا طریقہ اہل بدعت اور نفسانیت کا ہے۔ جن کے حق میں قرآن و حدیث و اجماع سے ثابت ہو چکا ہے کہ وہ ملامتی ہیں اور شریعت سے خارج ہیں۔"

نیز حدیث میں ہے: ليس من امتى الا عالم او متعلم۔ یعنی "میری امت میں عالم اور متعلم کے سوا اور کوئی داخل نہیں ہے۔" (طبرانی) اس امر پر اجماع ہو چکا ہے کہ مقلد عالم نہیں۔

قول اہل بدعت: جن کا نہ لب و لہجہ درست ہے نہ نشر و اشاعت کا سلسلہ صحیح ہے۔ انتہی

اہل سنت: یہ مقلدین عجب ڈھنگ کے ہیں۔ نہ ان کا لب و لہجہ ہے نہ ان کی نشرواشاعت صحیح ہے۔ دعویٰ تقلید محضی کا کرتے ہیں اور کتب فقہ میں لاکھوں کروڑوں کے اقوال جمع شدہ لے کر جس پر مرضی ہوتی ہے فتویٰ دے دیتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں کہ کتب فقہ کو چھوڑ کر اور انبیاء اولیاء کے پوجاری ہو کر سینکڑوں شرک و بدعت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ کوئی زندہ کے قدموں میں سجدہ میں پڑا ہوا ہے اور کوئی مردہ کی چوکھٹ پر پیشانی رگڑ رہا ہے اور کتب فقہ کے اس مسئلہ کو رد کر رہا ہے کہ اموات نہیں سنتے۔

پہلے تو نشہ تقلید سے سرشار اور اس مرض مہلک میں گرفتار ہو کر طہارت [illegible] سے محروم ہوئے پھر شرک و بدعت میں پڑ کر چکنا چور ہوئے۔ شیخ عبدالقادر فرماتے ہیں: التقليد يفسد الذوق والفهم۔ (دلائل الاعجاز) یعنی "تقلید ذوق اور فہم کو خراب کر دیتی ہے۔"

اہل بدعت: قرآن مجید کی آیات میں کس قدر کمی بیشی کی ہوئی ہے اور کس قدر احادیث کے لفظ بدل دیئے ہیں۔ بایں ہمہ عامل بالحدیث بنتے ہیں۔

اہل سنت ؎

جھوٹی باتوں سے تم باز آؤ خدا کے واسطے
چپ رہو بس منہ نہ کھلواؤ خدا کے واسطے

یہ بھی جھوٹ ہے' افتراء ہے' بہتان ہے۔ اگر سچے ہو تو ثبوت دو۔ ورنہ پھر کہو لعنة اللہ علی الکاذبین (سو بار)

ہاں ہدایہ والے کی غلطیاں ہم ظاہر کر چکے ہیں جو کہ حنفیہ کی مایہ ناز کتاب ہے اور بخاری کی جگہ اس کا درجہ مانتے ہیں۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ مثل قرآن جانتے ہیں۔ اس نے حدیث میں بہت غلطیاں کی ہیں بلکہ اکثر مقلدین کی کتابیں غلط روایتوں اور موضوع احادیث سے بھری پڑی ہیں۔ اور کئی جگہ احادیث کے باب بھی بدل دیئے ہیں۔

آج کل کے مقلدین تو نہ تین میں ہیں نہ تیرہ میں۔ ذرا پہلے مقلدین پر نظر ڈالو تاکہ اس نازک زمانہ کے مقلدین کی حالت خود نمایاں ہو جائے۔

عمدۃ الرعایہ میں ہے: فکم من احادیث ذکرت فی الکتب المعتبرة وھی موضوعة۔ یعنی "بہت احادیث فقہ کی معتبر کتابوں میں مذکور ہیں جو پیغمبر ﷺ پر جھوٹ جوڑ دی گئی ہیں۔"

تنبیہہ الوسنان میں علامہ اشرف بن طیب فرماتے ہیں: فان موضوعات الزنادقة واھل البدع قد جاوزت مائة الف من الاحادیث کما صرح به النقاد ولو وجده واجد فی بعض کتب الحنفیة فلیس به اعتداد کیف واکثر متاخری فقھاء الحنفیة من علماء ما وراء النھر والعراق والخراسان لم یسندوا الخ۔ یعنی "بدعتیوں اور زندیقوں کی جھوٹی گھڑی ہوئی احادیث ایک لاکھ سے زیادہ ہیں جیسے حدیث کے صرافوں نے بیان کیا ہے۔ اب اگر کوئی شخص کوئی حدیث بعض کتب حنفیہ میں پالے تو اس کا اعتبار نہ کرے اور اعتبار کس طرح کیا جائے' ہمارے بہت فقیہ حنفی ماوراء النہر اور عراق اور خراسان کے رہنے والے سند بیان نہیں کرتے۔"

میں کہتا ہوں کہ اگر حنفیہ کی غلطیاں اور علم حدیث میں تحریف کا مفصل حال بیان کیا جائے تو ایک ڈبل کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ کتب فقہ اور ان کی احادیث کا خود علماء حنفیہ کو اعتبار نہیں ہے۔ لیکن وہ حنفیہ جو اہلحدیث سے فیض یافتہ ہیں باقی اہل بدعت اور زندیق مقلدین تو ان کو دوڑ کر لیتے ہیں کیونکہ ان کے بزرگوں کی گھڑی ہوئی ہیں جن کو وہ بدعات میں پیش کرتے ہیں۔

بریلوی فرقہ جن جرائم کا خود مرتکب ہے ان کی تہمتیں مذہب اہل حدیث پر لگانی شروع کر دیتا ہے تاکہ ان پر کوئی طعن نہ دے۔ کہتے ہیں کہ ایک ناک کٹی تھی وہ اپنے عیب پر پردہ ڈالنے کے لیے یا طعن کے ڈر سے پہلے ہی ناک والیوں کو "ناکو ناکو" کہنا شروع کر دیتی تھی۔ یہی دستور بریلویوں کا ہے ؂

شہرت کے ہم حریص ہیں عزت سے نہیں کام
بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہو گا

علوم اسلامی کا ذکر

اہل حدیث اور مقلدین کی تعلیم کا مقابلہ

ہونے لگا ہے عشق و ہوس میں بھی امتیاز
آیا ہے اب مزاج ترا امتحان پر

فیاض امرتسری نے اخبار "الفقیہ" جلد ۲۱ نمبر ۱۵ میں یہ کہا ہے کہ "یہ وہابی لوگ ایسے ہیں کہ ان کو قرآن مجید کا ترجمہ سکھلایا جاتا ہے اور بلوغ المرام' مشکوٰۃ' بخاری پڑھا کر محدث بنا لیا جاتا ہے اور منطق' فلسفہ' فقہ' علم کلام ان کے نزدیک گناہ کبیرہ ہیں۔" (بدعتیوں کے نزدیک علوم اسلامیہ منطق وغیرہ ہیں' قرآن و حدیث نہیں)

سو اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ اصل علم دین قرآن و حدیث ہیں' جنہوں نے اس علم کے سوا دوسرے علوم کو حاصل کر کے ان پر اعتماد کیا اور انہی کے مطابق قرآن و حدیث علم شرعی کو سمجھا وہ خراب ہو گئے۔ چنانچہ حنفیہ کے امام صاحب خود فرما گئے ہیں: لم تزل الناس فی صلاح مادام فیھم من یطلب الحدیث فاذا طلبوا العلم بلا حدیث فسدوا۔ یعنی "لوگ ہمیشہ صلاحیت پر رہے جب تک علم حدیث کے طلبگار رہے۔ جس وقت علم حدیث کے بغیر دوسرے علوم (منطق' فلسفہ' رائے وغیرہ) کے طالب ہوئے' سب بگڑ گئے۔" (میزان ص ۴۹)

یہ علم وہ علم ہے جو آنحضرت ﷺ کے دھن مبارک سے نکلا ہے۔ علامہ سید امیر یمنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علم الحدیث علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذی خرج

من بين شفتيه- یعنی "علم حدیث رسول اللہ ﷺ کا علم ہے- جو آپ کی زبان مبارک سے نکلا ہے-

نیز میزان میں ہے کہ ایک آدمی کوفہ میں دانیال نبی کی کتاب لے کر آیا تو ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر لوگ اس کے قتل پر آمادہ ہو گئے اور کہنے لگے اكتاب سوى القرآن والحديث یعنی "کیا قرآن و حدیث کے سوا اسلام میں کوئی کتاب ہے؟"

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حكمي في اهل الكلام ان يضربوا بالجريد والنعال ويطاف بهم في العشائر والقبائل ويقال هذا جزاء من ترک الكتاب والسنة واقبل على كلام اهل البدعة- (شرح فقہ اکبر ص-۳) یعنی "میرا فتویٰ یہ ہے کہ اہل کلام کو بیدوں اور جوتیوں سے پیٹا جائے اور ان کو (منہ سیاہ کر کے) تمام قوم قبیلوں میں پھرایا جائے اور یہ کہا جائے کہ قرآن و حدیث کو چھوڑ کر اہل بدعت کے علم پڑھنے والے کی یہ سزا ہے-"

نیز اسی کتاب میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے: كل العلوم سوى القرآن مشغلة الا الحديث والا الفقه في الدين- یعنی "تمام علوم (منطق، فلسفہ، رائے، علم کلام) ایک مشغلہ ہیں، سوائے قرآن و حدیث اور ان کی دین میں سمجھ حاصل کرنے کے-"

بشر مریسی جو جہمیہ کا امام تھا وہ علوم کلام کا بڑا ماہر تھا- اس کو حنفیہ کے امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا العلم بالكلام هو الجهل والجهل بالكلام هو العلم- یعنی "علم کلام پڑھنا جہالت ہے اور علم کلام سے جاہل رہنا علم ہے-" (شرح فقہ اکبر ص-۳) بلکہ قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا من طلب العلم بالكلام تزندق- یعنی "جس نے علم کلام حاصل کیا وہ زندیق ہوا-"

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا الاصل في العلم ما كان فيه قال حدثنا وما سوى ذاک وسواس الشياطين- یعنی "اصل علم دین میں وہ ہے جس میں قال حدثنا ہے (ہم کو فلاں نے حدیث بیان کی) اور سوائے اس کے سب شیطانی وسواس ہیں-" (علم رائے ہو یا علم کلام، منطق ہو یا فلسفہ)

نیز امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا کہ "شرک کے سوا ہر گناہ لے کر بندہ اللہ کے پاس جائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ علم کلام پڑھ کر جائے-"

پھر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: وقد قال شيخ مشائخنا الجلال السيوطي انه

يحرم علوم الفلسفة كالمنطق بالاجماع السلف واكثر المفسرين المعتبرين من الخلف وممن صرح بذلك ابن الصلاح والنووی وخلق لا يحصون۔ یعنی "ہمارے مشائخ کے سردار علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ علم فلسفہ' منطق حرام ہیں۔ تمام سلف اور اکثر مفسرین معتبرین خلف کا اس پر اجماع ہے جس کی امام ابن الصلاح اور امام نووی اور بیشمار علماء نے تصریح کی ہے۔"

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے: قال علماء الکلام زنادقة۔ یعنی "علم کلام کے عالم زندیق ہیں۔"

امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: لا یجوز الصلوٰۃ خلف المتکلم وان تکلم بحق لانه تبدع ولا يجوز خلف المتبدع۔ یعنی "علم کلام پڑھ کر جو کلام کرے اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔ اگر وہ حق کے ساتھ کلام کرے کیونکہ وہ بدعتی ہے اور بدعتی کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔"

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: لا یفلح صاحب الکلام ابدا۔ یعنی "علم کلام والا کبھی نجات نہیں پائے گا" کیونکہ علم کلام اور فلسفہ وغیرہ پڑھنے والوں کا ایمان شیطان سلب کر لیتا ہے اور عقائد باطلہ ان کے دلوں میں ڈال دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ قرآن و حدیث کی تاویل کرنے لگ جاتے ہیں۔ آیات صفات کی تاویل کرنے لگ جاتے ہیں۔ سو یہ سب کفر ہے۔ اس لیے وہ نجات نہ پائیں گے۔

پھر علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بعض لوگ تیس سال تک علم کلام پڑھ کر درس تدریس کرتے رہتے ہیں۔ اگر ان سے آیت اور حدیث کا ترجمہ پوچھا جائے یا کوئی مسئلہ طہارت' نماز' روزہ کا دریافت کیا جائے تو اس سے وہ جاہل ثابت ہوتے ہیں اور بغلیں جھانکنے لگتے ہیں۔ اسی لیے امام غزالی نے فلسفہ پڑھ کر آخر اس سے اعراض کیا اور تحریم کا فتوٰی دیا۔

قول بالرائے کے متعلق شرح فقہ اکبر میں ہے: ان القول بالرای والعقل المجرد فی الفقه والشريعة بدعة وضلالة۔ یعنی "شریعت میں رائے سے بات کہنی اور عقل سے گفتگو کرنی بدعت اور ضلالت ہے۔"

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جب تو کسی کو سنے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ اسم وہ مسمی ہے یا

غیر مسمی' تو گواہ رہو کہ وہ اہل کلام سے ہے جس کا کوئی دین نہیں ہے۔
امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اہل کلام بدعتیوں کی گواہی جائز نہیں ہے۔
شرح فقہ اکبر ص ۱۷۵ میں ہے: وفی التاتار خانیة کره جماعة الاشتغال بعلم الکلام۔ یعنی "علم کلام میں مشغول ہونا ایک جماعت (اہل حق) نے مکروہ جانا ہے۔"
خلاصہ سب عبارات کا یہ ہے کہ علم کلام پڑھنا متقدمین کے نزدیک حرام تھا۔ ان کے پڑھنے پڑھانے والے گمراہ تھے۔ ان کی سزا جوتیاں مار کر لوگوں میں ذلیل کرنا ہے۔ ان کے عقائد خراب ہوتے ہیں۔ وہ بدعتی اور گمراہ ہو جاتے ہیں۔ ان کے پیچھے نماز جائز نہیں کیونکہ ان کا کوئی دین نہیں ہے۔ وہ قیامت کو نجات نہیں پائیں گے۔ ان علوم کو حاصل کرنے والے جاہل ہوتے ہیں جن کو آیت و حدیث کے معنی نہیں آتے خواہ تمام عمر علم عربی کا درس دیتے رہیں۔
یہ تمام عبارات شرح فقہ اکبر سے (جو حنفیوں کی نہایت معتبر کتاب ہے) نقل کر کے حنفیوں کا آئینہ اہل بدعت حنفیوں کو دکھا دیا گیا ہے۔ اور یہ کہہ دیا ہے ؎

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

اے بریلویو! یہی وجہ ہے کہ اہل حدیث ان علوم کی طرف توجہ نہیں دیتے کیونکہ یہ وسواس شیطانی ہیں جو اہل بدعت حنفیوں کو نصیب ہیں۔ جس کے سبب سے وہ گمراہ ہو گئے۔ باقی اہل حدیث کے متعلق تو تم نے فیصلہ ہی کر دیا کہ وہ قرآن اور بخاری کا ترجمہ پڑھ لیتے ہیں' سو یہی ہم کو کافی ہے ؎

الفضل ما شهدت به الاعداء

نیز ہماری تصریح سے فقہ مروجہ کا متحدث ہونا بھی ثابت ہو گیا جس میں مقلدین دن رات مشغول رہتے ہیں۔ حلانکہ ماسوائے مسائل قرآن و حدیث کے سب رائے' وسواس شیطانی پر مبنی ہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ بعض کتب فقہ میں نماز احتیاطی کو شیطانی وسواس قرار دیا گیا ہے۔ جس کو بعض حنفی پڑھتے ہیں کیونکہ وہ بعض مقلدین نے رائے سے اختراع کی ہے اور رائے ورثہ شیطان کا ہے۔
ہماری تصریح اور فیاض امرتسری کی تحریر ملا کر اب یہ نتیجہ آسانی سے نکالا جا سکتا ہے کہ حنفی علم کلام' فلسفہ' منطق' فقہ پڑھنے والے گمراہ ہیں کیونکہ یہ علوم گمراہی اور بدعت پر مبنی

ہیں اور آیت و حدیث کا ترجمہ پڑھنے والے ہدایت پر ہیں کیونکہ قرآن و حدیث میں ہدایت ہے ؎

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ حق میں میرے اچھا
زلیخا نے کیا خود چاک دامن ماہ کنعاں کا

ہاں فیاض امرتسری نے یہ غلط کہا ہے کہ مولانا عبدالجبار صاحب غزنوی فوت ہو گئے' ان کے شاگردوں میں کوئی جانشین ثابت نہیں ہوا- لعنۃ اللّٰہ علی الکاذبین- مولانا مرحوم کے ہزاروں شاگرد بلکہ شاگردوں کے شاگرد اس وقت دنیا میں موجود ہیں جو تمام علوم دینی کا درس دے رہے ہیں- آنکھیں کھول کر دیکھو اور بتاؤ کہ کیا امرتسر میں مولانا نیک محمد صاحب محدث موجود نہیں ہیں؟ کیا حافظ عبداللہ صاحب فاضل روپڑی نمونہ سلف موجود نہیں ہیں اور کیا خود مولانا محمد داؤد صاحب غزنوی جو جسمانی اور روحانی طور پر مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین ہیں' موجود نہیں ہیں- اسی طرح ابھی تک ہزاروں ہستیاں قرآن و حدیث کی نشرواشاعت اور توحید و سنت کی تبلیغ میں مصروف ہیں- اگر یہ فیاض صاحب کو نظر نہیں آتیں تو یہ اس کے بس کی بات نہیں کیونکہ ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمہ آفتاب راچہ گناہ

اسی طرح یہ بھی جھوٹ ہے کہ شیر پنجاب (مولوی ثناء اللہ) مرجائے گا تو اس کے شاگرد خالی ڈھول ہی رہ جائیں گے- شیر پنجاب سے بڑھ کر اللہ کے فضل سے اب موجود ہیں اور ہمیشہ رہیں گے جب تک کہ اہل حق کا وجود دنیا پر قائم رہے گا کیونکہ یہ اللہ کا وعدہ کتب شرع میں مرقوم ہے-

باقی شیر "پنجاب" بھی علم کلام کا شکار ہو چکا ہے- ہم کو تو اس پر کچھ ناز نہیں البتہ اللہ تعالیٰ اہل بدعت کے مقابلہ میں اس سے کبھی کبھی کچھ کام لیتا رہتا ہے- سو اسی طرح ہمیشہ ہی لیتا رہے گا- جب شیر پنجاب نہ تھا تو اس وقت بھی کئی اللہ کے بندے ایسے تھے جو مذہب اہل حدیث کی مدد کرتے رہے- کما لا یخفی علی اھل الحدیث-

باقی فیاض امرتسری نے مرزا قادیانی کی طرح ایک پیشگوئی بھی ہانک دی ہے کہ "پورانی تعلیم والوں کے بعد (مولوی ثناء اللہ وغیرہ) ایک وہابی بھی ایسا نہ ہو گا جو زیر زبر کی تمیز رکھتا

ہو۔"

ہم کو کامل و واثق یقین ہے کہ یہ پیشگوئی غلط ہے اور آئندہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ غلط رہے گی۔ ہمیشہ سے ایک طائفہ قرآن و حدیث کا ماہر دنیا میں موجود ہے گا۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کی پیشگوئی ہے جو کسی طرح جھوٹی نہیں ہو سکتی۔ ہاں ہمارا کہنا درست ہے کہ شرح فقہ اکبر ص-۱۷۶ میں ہے: وفی شرح المواقف فائدۃ علم الکلام ھو الترقی من حضیض التقلید الی ذروۃ الایقان۔ یعنی "شرح مواقف میں ہے کہ فائدہ علم کلام کا یہ ہے کہ اس کے ذریعے تقلید کی پستی سے یقین کی چوٹی تک چڑھا جا سکتا ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ اس لیے مقلدین علم کلام حاصل کرتے ہیں کہ یہ تقلید جامد کی پستی میں گرے ہوئے ہیں۔ یقین کی بلندی پر چڑھنا چاہتے ہیں لیکن اس حالت میں نہ کبھی چڑھے اور نہ آئندہ کبھی چڑھیں گے بلکہ پہلے بھی گمراہ رہے اور اب بھی گمراہ رہے اور آئندہ بھی گمراہ رہیں گے' انشاء اللہ فتذکر۔

اول ہی اول اس فرقہ اہل الرائے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے علم کلام حاصل کیا جو اگرچہ کچھ آخر میں سنبھل گئے لیکن علم حدیث میں پوری مہارت حاصل نہ ہو سکی۔ اسی لیے کتب حدیث اصول میں ان کا نام نہیں پایا گیا۔ اور وہ محدثین میں شمار نہیں کیے گئے۔

اسی طرح جس قدر حنفی منطقی' فلسفی ہوئے ہیں' عموماً علم حدیث میں ماہر نہیں ہوتے رہے۔ اب بھی بہتیرے دیوبندی' بریلوی موجود ہیں جو دن رات انہی علوم فاسدہ میں عمریں ضائع کر رہے ہیں لیکن علم قرآن و حدیث میں خام ہیں۔ کیونکہ فقہ اور اصول فقہ والوں کا جب یہ حال ہے کہ ان کو علم حدیث میں مہارت نہیں تو ان کو جو ان کے نمک خوار ہیں کیا ہو گی؟ ناحق قعر مذلت میں پڑ کر تباہ ہو رہے ہیں۔ کتب حدیث درسیہ کو طوطے کی طرح زبان سے نکل لیتے ہیں لیکن حلق سے نیچے نہیں اتارتے تاکہ تقلید اہل رائے کی نہ ٹوٹ جائے۔ بموجب حدیث ہم یہ کہتے ہیں کہ امام مہدی کے ظہور اور عیسیٰ علیہ السلام کے نزول تک یہ فرقہ چلے گا پھر ختم ہو جائے گا' انشاء اللہ۔

فیاض بدعتی نے لکھا ہے کہ "یہود و نصاریٰ کی طرح اپنے ارباب کے اقوال پیش کیا کریں گے۔" ہم کہتے ہیں کہ اہل حدیث ایسا قیامت تک نہیں کریں گے کہ ان کو مستقل شرعی جانیں ہاں تم کو یہ یہود اور نصاریٰ کا طریقہ تقلید مبارک رہے جن کا اصول ہے اتخذوا

المقلد فمستندہ قول مجتہدہ یعنی "مقلد کے لیے مجتہد کا قول ہی سند ہے۔"

عبدالقادر عارف حصاری (از گنگا ضلع حصار)

تنظیم اہلحدیث روپڑ جلد۔۷، شمارہ۔۷۳، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸ جلد۔۸، شمارہ۔۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵ مورخہ ۱۹/ اگست سنہ۔۱۹۳۸ء تا ۳/ مارچ سنہ۔۱۹۳۹ء